جامع

خُلاصۃ القرآن

رُکوع بہ رُکوع

بدرُالاسلام قاسمی
استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

مکتبۃ النُور دیوبند

جامع

خلاصۃ القرآن

رُکوع بہ رُکوع

تالیف

بدرُالاسلام قاسمی
استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

ناشر
مکتبۃ النور دیوبند

تفصیلات

نام کتاب	:	جامع خلاصۃ القرآن رکوع بہ رکوع
تالیف	:	بدرالاسلام قاسمی (استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند)
صفحات	:	۵۸۴
اشاعت	:	جمادی الاخریٰ ۱۴۴۵ھ - جنوری ۲۰۲۴ء
تعداد	:	۱۰۰۰
باہتمام	:	شاہ عالم قاسمی، ندیم اقبال قاسمی

رابطہ نمبر مؤلف: +91 9045909066

درسی وغیر درسی کتابوں کے لیے رابطہ کریں

مکتبۃ النور دیوبند

9456422412, 9045909066
Maktaba Al-Noor Deoband
m.noordbd@gmail.com

انتساب

والد گرامی حضرت مولانا مفتی محمد اسلام قاسمی علیہ الرحمہ
(سابق استاذ حدیث وادب دار العلوم وقف دیوبند)
کے نام
جو ۲۶ / ذی قعدہ ۱۴۴۴ھ مطابق ۱۶ / جون ۲۰۲۳ء بروز جمعہ
دارِ فنا سے دارِ بقا کوچ کر گئے۔
جن کی
شبانہ روز جد و جہد سے لبریز بے لوث و بے غرض
حیاتِ مستعار کا ہر ہر لمحہ یاد کر کے
ہم اہل خانہ کی آنکھیں نم ہو جاتی ہیں،
لیکن وہ لمحات ہمیں عزم و حوصلہ، ثابت قدمی، جہد مسلسل،
تنظیم و ترتیب اور بے غرضی و اخلاص کا درس دیتے ہیں۔

رَبِّ اجْعَلْنِیْ مُقِیْمَ الصَّلٰوةِ وَمِنْ ذُرِّیَّتِیْ ۖ رَبَّنَا وَتَقَبَّلْ دُعَآءِ ﴿۴۰﴾
رَبَّنَا اغْفِرْ لِیْ وَلِوَالِدَیَّ وَلِلْمُؤْمِنِیْنَ یَوْمَ یَقُوْمُ الْحِسَابُ ﴿۴۱﴾

فہرست



دعائیہ کلمات

MUFTI ABUL QASIM NOMANI
MOHTAMIM (VC) DARUL ULOOM DEOBAND
PIN- 247554 (U.P.) INDIA

المفتی ابوالقاسم النعمانی
رئیس الجامعۃ الاسلامیۃ دارالعلوم دیوبند۔الھند

Ref. .... Date:..........................

باسمہٖ سبحانہ وتعالیٰ

جامع خلاصۃ القرآن رکوع بہ رکوع، عزیز گرامی مولانا بدرالاسلام قاسمی استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کی تصنیف ہے۔ کتاب کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے۔ گذشتہ چند دہائیوں سے برصغیر کے علماء کرام اور اکابر کے ذریعہ قرآن پاک کے پیغام کو عامۃ المسلمین تک پہنچانے اور قرآن پاک کو عام مسلمانوں کے فہم سے قریب کرنے کے لیے تسہیل وتوضیح کا ایک سلسلہ جاری ہے اوراس سلسلہ میں بہت ہی مفید اور قابلِ قدر خدمات سامنے آئی ہیں۔

پیش نظر کتاب اسی سلسلہ کی ایک بہترین کاوش ہے۔ جس میں مؤلف نے قرآن پاک کے ایک ایک رکوع کے مضامین کا خلاصہ عام فہم انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ عام مسلمانوں کا رشتہ کتاب ہدایت سے استوار ہو اور وہ ربّ العالمین کے ابدی پیغامِ ہدایت کو سمجھنے کی کوشش کریں۔ بندہ دعا گو ہے کہ اللہ تعالیٰ اس خدمت کو قبول فرمائیں اور ملّت کو زیادہ سے زیادہ استفادہ کی توفیق بخشیں۔

ابوالقاسم نعمانی غفرلہ
مہتمم دارالعلوم دیوبند
۱۴۴۵/۶/۶ھ-۲۰/۱۲/ ۲۰۲۳ء

تقــریظ

نبیرۂ حکیم الاسلام حضرت مولانا محمد سفیان قاسمی مدظلہٗ

مہتمم دارالعلوم وقف دیوبند

قرآن کریم ہمہ جہت علوم و معارف اور خزائن حکمت و آگہی کا ایک ایسا لازوال اور ابدی سرچشمۂ حیات اور رشد و ہدایت کا ایک ایسا بحر ذخار ہے کہ جس میں ساڑھے چودہ سو برس سے ہر ایک گوہر نایاب تلاش کرنے والا غوطہ زن اور متجسس اس بحر ناپیدا کنار سے بایں طور دُر نایاب لیکر برآمد ہوتا ہے جس سے دیکھ کر لگتا ہے کہ جیسے قرآن کریم کے اس اعجازی فکر سے ہمارا ابھی تعارف ہورہا ہے، دراصل یہ بھی کلامِ الٰہی کے منجملہ متعدد اعجازات میں سے ندرتِ علم اور حُسن ابدی کا ایک بے مثل نمونہ ہے، ضیائے شمس و قمر سے منور یہ ایک مسلمہ حقیقت ہے کہ ذات حق جل مجدہ کی جانب سے قرآن کریم خاتم الانبیاء محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت پر مہر صداقت و خاتمیت کے ساتھ نازل شدہ منتہائے کمالات نبوت کا ایسا توثیقی معجزہ ہے جس کے ہمہ جہت معجزاتی اوصاف کا مشاہد جس طرح امت مسلمہ کا اوّلین طبقہ تھا اسی طرح تا روز قیامت آخری فرد امت بھی اسی ابدی حقیقت کا شاہد بنے گا کہ کلام الٰہی دین اسلام کی تمام سابقہ تعلیمات کے جامع ہونے کی حیثیت سے کامل و اکمل اصول و ضوابط کا حامل ایک ایسا جاودانی معجزہ ہے جس کے اعجازات کی ہمہ انواع جہات اپنے وقتِ نزول سے لے کر تا روز محشر حیرت و استعجابی کیفیات کو شامل رہیں گی، اسلوبِ بیان کی ندرت ہو کہ متنوع انداز میں تاثیر مفاہیم کی ہمہ رُخ کیفیات، نزولِ حفاظت کا معاملہ ہو کہ الفاظ کا انتخاب، ہمہ جہت مقصدیت کی بات ہو کہ انجذاب اور

اخبارِ غیبیہ وغیرہ؛ ہر ایک وصف اپنے آپ میں اعجازی ومعجزاتی شان کا حامل ہے، کلام الٰہی کے اوصاف وکمالات کا کسی مختصر سی تحریر میں خلاصہ سمیٹنے کی کوشش خدائے لم یزل کے علم ازلی کے مطابق کائنات میں پائے جانے والے ہمہ انواع سمندروں کو کسی کوزے میں بند کر دینے جیسی ما فوق القوۃ کوشش ''ایں خیال است ومحال است وجنوں'' کے مترادف ہے، کلام الٰہی صحیفۂ ہدایت ورحمت اور ذات حق جل مجدہ کی مرضیات کا ترجمان ہے جو انسان کے لیے راہِ علم وعمل کو مستقیم کرنے اور فلاح ابدی کو نشان زد کرنے والا حق تعالیٰ کی صفتِ یکتائی کی طرح بے مثل وبے نظیر صحیفۂ رحمت ہے، جس کی عظمت کا تقاضہ اس کے مقصدِ نزول کی تعمیل وتکمیل سے بایں طور مربوط ہے کہ امت مرحومہ پر ذات حق جل مجدہٗ کے اس عظیم الشان اور رفیع المرتبت احسان کی سر بہ سجود ادائیگی شکر کے ساتھ زندگی کے ہر ایک گوشۂ حیات میں راہنما بنایا جائے۔

''قرآنیات'' کا عنوان اپنے آپ میں اس قدر ہمہ جہت وہمہ گیر اور علوم ومعارف کی وسعتوں اور گہرائیوں کو جذب کیے ہوئے ہے کہ ہزار ہا ہزار صفحات بھی کلام الٰہی کے عمق وتبحر کو سمیٹنے سے قاصر ہیں، پوری دنیا کے حلقہ ہائے علوم ومعارف کی جانب سے ساڑھے چودہ سو برس سے اس موضوع پر مسلسل کام جاری رہنے کے باوجود اس عنوان کے تحت منصۂ شہود پر آنے والا ہر ایک کام وصف اعجازی کی خوبی سے مزین ہونے کے ساتھ کسی نہ کسی نوعیت سے نیا ہی معلوم ہوتا ہے، اس جہت میں عزیزم مولانا بدر الاسلام صاحب کی کاوش ومساعی لائق قدر افزائی ہے جسکی عنداللہ قبولیت اور عندالناس مقبولیت کے لیے راقم السطور بارگاہ رب ذوالکرم میں دست بہ دعاء ہے۔ وما علینا الا البلاغ المبین

محمد سفیان قاسمی

۲۹ / جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ

۱۴ / دسمبر ۲۰۲۳ء

حوصلہ بخش کلمات

حفید امام العصر حضرت مولانا سیّد احمد خضر شاہ مسعودی مدظلہٗ

شیخ الحدیث وصدر المدرسین دار العلوم وقف ومعتمد جامعہ امام محمد انور شاہ دیو بند

دنیا بھی کتنی عجیب ہے! یہاں سیدھی سادی باتیں اثر انداز نہیں ہوتیں۔ جواہر سے زیادہ گراں قیمت اقوال بھی غفلت اور تغافل کی نذر ہو جاتے ہیں۔ ہاں کوئی محیر العقول واقعہ سنا دیجیے، کوئی سنسنی خیز کہانی پیش کر دیجیے، کوئی خارقِ عادت داستان چھیڑ دیجیے، کوئی اشک آور حکایت گوش گزار کر دیجیے یہ خاکدانِ ارضی اسے سن لے گا، سنے گا ہی نہیں، اسے یاد بھی کرے گا، دوسروں کے سامنے اسے نقل بھی کرے گا، کیوں کہ ان میں دل کشی ہوتی ہے، خاص قسم کا سحر ہوتا ہے، مخصوص طرح دل آویزی ہوتی ہے۔

عجائبات اور نوادرات سے اس کی حیرت ناک دل چسپیوں کا خالقِ کائنات نے بھی خیال رکھا۔ یہ زمین کی وسعتیں، یہ آسمان کی پہنائیاں، یہ سمندر کی گہرائیاں، اڑتے ہوئے بادل، سینۂ گیتی پر دیو قامت پہاڑ، صبح کا طلوع، رات کا سناٹا اور نہ جانے کیا کیا، یہ وہ چیزیں ہیں جنہیں بے ہمہ و باہمہ ذات نے اسلام کی طرف راغب کرنے کا وسیلہ بنایا۔

اَفَلَا یَنۡظُرُوۡنَ اِلَی الۡاِبِلِ کَیۡفَ خُلِقَتۡ ﴿۱۷﴾ وَ اِلَی السَّمَآءِ کَیۡفَ رُفِعَتۡ ﴿۱۸﴾
وَ اِلَی الۡجِبَالِ کَیۡفَ نُصِبَتۡ ﴿۱۹﴾ وَ اِلَی الۡاَرۡضِ کَیۡفَ سُطِحَتۡ ﴿۲۰﴾
فَذَکِّرۡ ۟ؕ اِنَّمَاۤ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ ﴿۲۱﴾

فاطرِ ہستی کے خزانۂ عامرہ میں عقلوں کو حیران کر دینے والے اور آنکھوں کو خیرہ کر دینے والے جواہر و لآلی کی کوئی کمی نہیں، اسی کا ایک عظیم نمونہ خاتم الکتب ''القرآن'' بھی

ہے۔ یہ عالمِ انسانیت کے لیے ایسا نایاب تحفہ ہے، جس کا کوئی جواب نہیں۔ پورا قرآن الحمد تا والناس اعجاز سے بھرپور۔ عجیب دل کشی ہے اس کتاب میں۔ پڑھنے والا پڑھتا ہے اور اس کی فصاحت میں، اس کی بلاغت میں، اس کے معانی میں، اس کی ترکیب میں، اس کے اسلوب میں، اس کی تاثیر میں قاری کھوتا چلا جاتا ہے۔ اس کی خصوصیت یہ بھی ہے کہ اس کا پیرایۂ بیان اور اس کے کے مشمولات آسان بھی ہیں۔

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ فَهَلْ مِنْ مُّدَّكِرٍ ﴿۲۲﴾

قرآن ایک عالمی، آفاقی اور ابدی کتاب ہے، اور کیوں نہ ہو کہ یہ کلام اللہ ہے۔ و کلام اللہ تعالیٰ غیر مخلوق۔ یہ کائناتِ جن و انس کے لیے نسخۂ ہدایت ہے، نسخۂ کیمیا ہے، نسخۂ شفا ہے۔ اس کے اوّلین شارح خود خالقِ کائنات، پھر النبی الہاشمی فداہ ابی و امی، پھر قدسی صفات صحابۂ کرام۔ پھر ایک سلسلہ چلا، چلتا رہا اور برابر چل رہا ہے۔ اس کی تفسیریں لکھی گئیں۔ عربی میں، فارسی میں، اردو میں، دنیا کی دیگر زبانوں میں، کہ کائنات کے تخلیق کار کا پیغام ہر فردِ بشر تک پہنچ جائے۔ اس کی خدمت ہر جہت سے کی گئی۔ اعراب بھی لگایا گیا، رکوعات بھی لکھے گئے، رموزِ اوقاف کا بھی اہتمام کیا گیا۔ مقصود واضح تھا کہ اس کی تلاوت کرنے والے غلطیوں سے اسی طرح پاک رہیں جس طرح یہ المصحف خامیوں سے منزہ ہے۔

قرآن کے خادم ہر زمانے میں رہے اور تا قیامت رہیں گے۔ خاکسار کے سامنے ایک نئے خادم کا کارنامہ ہے۔ یہ مولانا بدرالاسلام قاسمی صاحب ہیں، جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند کے سابق مستفید اور اب اس کے قابلِ قدر مدرّس۔ ان کے والد گرامی حضرت مولانا محمد اسلام قاسمی مرحوم دارالعلوم وقف دیوبند کے دہائیوں کامیاب و مقبول مدرّس رہے اور کس شان کے!! عزیز مؤلف اپنے والد کے نقشِ قدم پر چلتے ہوئے تدریس کے ساتھ تصنیف و تالیف کا میدان بھی گرم کیے ہوئے ہیں۔ اللہ جل مجدہٗ ان سے اسی طرح کام لیتا رہے۔ موصوف کی یہ کتاب احقر نے جستہ جستہ دیکھی۔ بڑی پسند آئی۔ قرآنِ کریم کے ہر رکوع کا خلاصہ آسان اور پرکشش اسلوب میں کیا گیا ہے۔ اس کے اخیر میں رکوع

سے متعلق اہم فقہی مسائل بھی بیان کیے گئے ہیں۔ ہر سورت کا جامع تعارف بھی شریکِ کتاب ہے۔ اس طرح یہ کتاب عوام کے لیے ایک تحفۂ نایاب ہے۔ اس سے بڑی حد تک واضح ہو جائے گا کہ آپ کا رب آپ سے کیا کہہ رہا ہے۔

دعا ہے کہ یہ خوب صورت کاوش صاحبِ کاوش کے لیے دارین میں سعادت کا ذریعہ بنائے۔ اخیر میں پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ پیش گوئی بھی سن لیجیے:

مامن الانبیاء نبي الا أعطي ما مثله آمن علیه البشر، و انما کان الذي أوتیت وحیًا أوحاه الله الي، وأرجو أن أکون أکثرهم تابعًا یوم القیامة [بخاری شریف]

ہر نبی کو ایسا معجزہ دیا گیا جس کا مشاہدہ کر کے انسانیت ایمان لاتی رہی، مجھے اللہ پاک نے ایسا معجزہ وحی کی شکل میں دیا ہے (اس میں غور و فکر کر کے قیامت تک لوگ ایمان لاتے رہیں گے) مجھے امید ہے کہ روزِ قیامت میرے متبعین زیادہ ہوں گے۔

سیّد احمد خضر شاہ مسعودی کشمیری
معتمد جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند
۱۱ر جمادی الاولیٰ ۱۴۴۵ھ-۲۶ر نومبر ۲۰۲۳ء

تقــریـظ

استاذ گرامی حضرت مولانا صغیر احمد پرتاپ گڑھی

استاذ حدیث جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

خلیفہ پیر طریقت حضرت مولانا شاہ قمر الزمان الٰہ آبادی دامت برکاتہم

''القرآن'' کتابِ ہدایت وکتابِ نجات، اس کا پڑھنا عبادت، سننا ذریعۂ قربِ خداوندی اور تعلیمات پر عمل کامیابی کی کلید۔ دارین کی فلاح اسے ہی ملی جس نے اسے تھام لیا، خائب و خاسر ہوا جس نے اپنا رشتہ اس سے توڑ لیا۔ پہلوں نے بھی اسی سے منزل پائی اور موجودہ کی کامیابی بھی اسی میں مضمر۔ اس کے علاوہ نہ کوئی راہ اور نہ کوئی جائے پناہ۔

ربّ دو جہاں کا کلام ہے، جبرئیل ایسے مقرب لے کر آئے، نبی کے سینے پر اتارا، یہ اہتمام وانتظام جزدان میں لپیٹ کر طاق کی زینت کے لیے نہ تھا، بلکہ نسل انسانی کے لیے ایک پیغام تھا، سرخروئی کی راہ بتائی گئی تھی، منزلِ مقصود کا پتہ بتایا گیا تھا کہ دنیا بھی زیر نگریں رہے اور آخرت میں بھی اعلیٰ مقام حاصل ہو۔

ناس ہو حرص و ہوا س کا، امت خواہشاتِ نفس میں ایسی ڈوبی کہ بھٹکے ہوؤں کی راہ پر چل پڑی اور اس پیغامِ ربانی سے اپنا تعلق صرف دعا اور جھاڑ پھونک تک محدود کر لیا۔

اہل علم پر لازم ہے کہ امت کو بھولا ہوا سبق یاد دلائیں، خوابِ غفلت سے بیدار کریں اور رب کے پیغام کو جس طرح بھی ممکن ہو رب کے بندوں تک پہنچائیں۔ ''جامع خلاصۃ القرآن'' اسی کوشش کا نام ہے۔ فاضل مرتب جامعہ امام محمد انور شاہ میں استاذ تفسیر وفقہ ہیں، ذوقِ سلیم بھی رکھتے ہیں اور امت کی زبوں حالی پر دلی مضطرب بھی، معتبر ومستند تفاسیر کے ہزاروں صفحات سے یہ مجموعۂ عطر کشید کیا ہے، لیجیے! مشامِ جاں کو معطر کیجیے اور قلوب کو منور!

مشک آنست کہ خود ببوید نہ کہ عطار بگوید

صغیر احمد پرتاپ گڑھی

جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

۲۱؍ربیع الاوّل ۱۴۴۵ھ-۷؍اکتوبر ۲۰۲۳ء

تصویب

محترم جناب مفتی ڈاکٹر یاسر ندیم الواجدی

استاذ حدیث مدرسہ تعلیم الاسلام، شکاگو، امریکہ

ربّ ذوالجلال کی جانب سے انسانیت کو عطا کردہ عظیم الشان نعمت جو کہ سرورِ کائنات ﷺ کے وسیلے سے ہم تک پہنچی ایک ایسے لازوال صحیفۂ ہدایت کی شکل میں ہمارے پاس موجود ہے، جس پر اُس منزلِ کتاب کا جتنا شکر ادا کیا جائے کم ہے۔ یہ ایک ایسی کتاب ہے جس کو انسانی خدمت کی کوئی حاجت نہیں ہے، البتہ انسان جذبۂ شکر گزاری سے سرشار ہو کر اس کتابِ ہدایت کی خدمت کرتا آرہا ہے۔ یوں تو دین کے کسی بھی گوشے پر قلم اٹھانا بڑی سعادت ہے، لیکن قرآن کریم کی خدمت کے لیے قلم اٹھانا ایک امتی کی معراج ہے۔ اسلامی تاریخ میں کسی مفسر نے قرآن کی بلاغت کو مرکزی موضوع بنایا، تو کسی نے قرآن کے احکام کو، کبھی کسی مفسر نے قرآنی تاریخ پر قلم اٹھا کر اپنی آخرت کے لیے پونجی جمع کی، تو کسی نے نظم قرآنی کے لیے اپنے قلم کو وقف کر دیا۔ غرض رسول اللہ ﷺ کا ارشاد کہ ''قرآن وہ کتاب ہے کہ اس کے عجائب کبھی ختم نہ ہوں گے'' ایک ایسی حقیقت بن گیا کہ غیر مسلم بھی آج اس کے معترف ہیں۔ زیر نظر کتاب بھی قرآن کی خدمت کی ایک اچھوتی کوشش ہے۔

حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمی رحمہ اللہ سابق استاذ حدیث دارالعلوم وقف دیوبند کے لائق و فائق فرزند جناب مولانا بدرالاسلام قاسمی نے اپنے والد کی وفات کے بعد ان کی حسنِ تربیت کو جس شاندار انداز سے پیش کیا ہے وہ ''جامع خلاصۃ القرآن'' کے نام سے آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مولانا بدر الاسلام صاحب نے قرآنی دروس کا آغاز

انٹرنیٹ سے کیا اور اب ان دروس کو کچھ حذف واضافہ کے ساتھ تحریری شکل میں پیش کر رہے ہیں۔

اس کتاب میں سورۂ فاتحہ سے لے کر سورۂ ناس تک رکوع بہ رکوع قرآنی مضمون کو مختصر طور پر بیان کیا گیا ہے، تاکہ عوام کے لیے قرآن فہمی آسان ہو سکے۔ جن آیات میں احکام کا ذکر ہے، وہاں ان مسائل کو بھی نمبروار ذکر کر دیا گیا ہے۔ کتاب کے آغاز میں ''معارف القرآن'' کے مقدمے کی تلخیص نے اس کتاب میں چار چاند لگا دیے ہیں۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کتاب کو قبولیت سے نوازے اور قرآن کی یہ خدمت مؤلف موصوف کے والد مرحوم کے لیے صدقۂ جاریہ ہو اور مؤلف کے لیے ذخیرۂ آخرت۔ آمین

یاسر ندیم الواجدی

۷/جمادی الاخریٰ ۱۴۴۵ھ

۲۱/دسمبر ۲۰۲۳ء

باسمہٖ تعالیٰ

عرضِ مؤلف

اللہ تعالیٰ کے مقدس کلام کی تفسیر وتوضیح یقیناً علمائے ربانیین کا حصہ ہے، یہ مبارک عمل انہیں کو زیب دیتا ہے جن کی زندگی کے لیل ونہار قرآنِ کریم کی تعلیمات کے عکاس ہوں، جن کے کردار و گفتار کلامِ الٰہی کے مقتضا کے مطابق ہوں، جن کا علم ٹھوس ومضبوط، مستند و معتبر اور سنّت نبوی و آثارِ صحابہ وتابعین سے جلا پانے والا ہو، جن کا ہر ہر عمل ربّ العالمین کی ہدایات سے مناسبت رکھے، اُس کے اوامر ونواہی جنہیں ہر لحہ ملحوظ رہیں۔

تاہم اس عظیم کلام کی ادنیٰ سی خدمت بھی اگر کسی گناہ گار کم علم بندے کو حاصل ہو جائے اور وہ خدمت بارگاہِ الٰہی میں شرفِ قبول حاصل کر لے تو بالیقین یہ اُس کے لیے ذریعۂ نجات وسرمایۂ آخرت! اسی آس اور امید پر یہ تالیف قارئین کی خدمت میں پیش کی جارہی ہے۔

کتاب کی تالیف کا پس منظر کچھ یوں ہے کہ احقر نے یوٹیوب چینل ''دینی پیغامات'' پر رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ میں محبین ومخلصین کے تقاضوں اور اُن کے حسنِ ظن کو قائم رکھنے کے لیے ''خلاصۃ القرآن'' کا سلسلہ شروع کیا تھا، جس میں روزانہ ایک پارہ کا خلاصہ اس طور پر پیش کیا جاتا کہ ہر رکوع کی ابتدائی آیت کی تلاوت ہوتی اور اس کے بعد اُس رکوع کا پیغام اور اہم ہدایات عوام کے سامنے رکھ دی جاتیں۔ واضح رہے کہ یہ خلاصہ فی البدیہہ پیش نہیں کیا گیا، بلکہ قرآنیات پر کچھ کتابیں سامنے رکھ کر اس کا مضمون مرتب کیا جاتا، اُس پر نظرِ ثانی ہوتی، پھر ریکارڈنگ کا عمل ہوتا۔

میرے مشفق ومحسن والدِ محترم حضرت مولانا محمد اسلام قاسمی علیہ الرحمہ لمبے زمانے سے

لقوہ کی بیماری میں مبتلا تھے، اور بہ وقت تالیف تقریباً دس ماہ قبل فالج زدہ ہوکر مسلسل صاحبِ فراش تھے، تاہم ذہن ودماغ حاضر بلکہ ہمہ وقت بیدار۔ راقم نے رمضان المبارک میں اپنی اس تالیف کا اُن سے تذکرہ کیا تو وہ تقریباً روزانہ معلوم کرتے ''بیٹا! رکوع بہ رکوع کا سلسلہ کہاں تک پہنچا؟''۔ میں انہیں جواب دیتا اور وہ اپنی مخلصانہ اور بے لوث دعاؤں سے نوازتے۔ بالآخر اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم، والد گرامی کی پُراثر دعاؤں اور مخلصین ومحبین کی حوصلہ افزائی کے نتیجے میں ۲۸ رمضان المبارک ۱۴۴۴ھ مطابق ۲۰/ اپریل ۲۰۲۳ء یہ سلسلہ پایۂ تکمیل کو پہنچا۔ فللّٰہ الحمد

مؤرخہ ۱۶/ جون ۲۰۲۳ء بروز جمعہ والد گرامی جوارِ رحمت میں منتقل ہو گئے اور ہم سب اہلِ خانہ اپنے مخلص ومشفق سرپرست سے محروم ہو گئے۔ تغمدہ اللہ بغفرانہ

اگرچہ ذہن مکمل طور پر والد گرامی کی حیات وخدمات پر مشتمل زیرِ ترتیب سوانح میں مشغول تھا، تاہم اسی مصروفیت میں سے کچھ وقت نکال کر ''خلاصۃ القرآن'' کے مسودے پر نظرِ ثانی کا عمل انجام پایا اور رکوع کے خلاصے کے بعد ضروری احکامات وفوائد کا اضافہ کر دیا گیا۔

کتاب کی تالیف کچھ یوں ہوئی:

● کتاب کے منہج میں ''مستند خلاصۂ مضامین قرآنی'' مؤلفہ: مولانا سلیم الدین شمسی سے استفادہ کیا گیا ہے۔

● احکامات ومسائل فقہ حنفی کے مطابق ذکر کیے گئے ہیں جن کے لیے تفسیر معارف القرآن، توضیح القرآن اور قاموس الفقہ وغیرہ کو معیار بنایا گیا ہے۔

● کتاب کے اوّلین مخاطب چوں کہ مسلمانانِ ہند ہیں، اس لیے انہیں کی مناسبت سے مسائل کے ذکر پر اکتفاء کیا گیا ہے۔

● سورتوں کا تعارف سورۂ فاتحہ سے سورۂ ملک تک شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ کی مقبول ومختصر تفسیر ''توضیح القرآن'' سے بعینہٖ ماخوذ ہے، اُس کے بعد سورۂ ناس تک کا تعارف مختلف تفاسیر بالخصوص ''ہدایت القرآن'' (مفسر: حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ) سے مستفاد ہے۔

● علوم القرآن سے کچھ مناسبت پیدا کرنے کے لیے تفسیر معارف القرآن پر موجود اُن کے مقدّمے کو ترمیم واضافے کے ساتھ کتاب کے آغاز میں شامل کیا گیا ہے۔

کتاب میں کوئی تحقیق یا انفرادیت تلاش نہ کی جائے، کیوں کہ اس کتاب کے اصل مخاطب عوام الناس ہیں، جنہیں قرآن کریم سے مربوط کرنا ہی اس تالیف کا مقصد ہے، ''درسِ قرآن'' کے طور پر اگر وہ رفتہ رفتہ پوری کتاب کا مطالعہ کرلیں، یا انہیں مرحلہ بہ مرحلہ پورے قرآن کریم کا خلاصہ سنا دیا جائے، تو امید ہے کہ انہیں کلام اللہ سے کچھ نہ کچھ مناسبت ہو جائے گی، اور ایک مرتبہ یہ ربط پیدا ہو جائے تو مفصل تفسیر اور متعلقہ احکامات و مسائل کے احاطے کے لیے کسی بھی مستند تفسیر سے رجوع کیا جاسکتا ہے۔

قارئین سے درخواست ہے کہ دورانِ استفادہ اگر کتاب میں کوئی علمی یا طباعتی خامی نظر آئے تو ضرور ناشر کتاب کو اطلاع کریں، تاکہ آئندہ ایڈیشن میں اس کی اصلاح کی کوشش کی جاسکے۔ جزاکم اللہ خیرا

بندۂ عاصی

بدرالاسلام قاسمی

استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

۸ رجمادی الاخریٰ ۱۴۴۵ھ

۲۲ر دسمبر ۲۰۲۳ء

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

مُقدّمہ

علومِ قرآن اور علمِ تفسیر سے متعلق ضروری معلومات

از

حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہ

تلخیص

بدرُالاسلام قاسمی

استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ وَکَفٰی وَسَلَامٌ عَلٰی عِبَادِہِ الَّذِیۡنَ اصۡطَفٰی

وحی اور اُس کی حقیقت

قرآنِ کریم چوں کہ سرورِ کائنات حضرت مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کے ذریعہ نازل کیا گیا ہے اس لیے سب سے پہلے وحی کے بارے میں چند ضروری باتیں سمجھ لینی چاہئیں۔

وحی کی ضرورت

ہر مسلمان جانتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو اس دنیا میں آزمائش کے لیے بھیجا ہے، اور اس کے ذمہ کچھ فرائض عائد کر کے پوری کائنات کو اس کی خدمت میں لگا دیا ہے، لہٰذا دنیا میں آنے کے بعد انسان کے لیے دو کام ناگزیر ہیں، ایک یہ کہ وہ اس کائنات سے اور اس میں پیدا کی ہوئی اشیاء سے ٹھیک ٹھیک کام لے، اور دوسرے یہ کہ اس کائنات کو استعمال کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے احکام کو مدنظر رکھے، اور کوئی ایسی حرکت نہ کرے جو اللہ تبارک وتعالیٰ کی مرضی کے خلاف ہو۔

ان دونوں کاموں کے لیے انسان کو ’’علم‘‘ کی ضرورت ہے، اس لیے کہ جب تک اُسے یہ معلوم نہ ہو کہ اس کائنات کی حقیقت کیا ہے؟ اس کی کون سی چیز کے کیا خواص ہیں؟ ان سے کس طرح فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے؟ اس وقت تک وہ دُنیا کی کوئی بھی چیز اپنے فائدے کے لیے استعمال نہیں کرسکتا، نیز جب تک اسے یہ معلوم نہ ہو کہ اللہ تعالیٰ کی مرضی

کیا ہے؟ وہ کون سے کاموں کو پسند اور کن کو ناپسند فرماتا ہے؟ اس وقت تک اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی مرضی کے مطابق زندگی گزارنا ممکن نہیں۔

چناں چہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو پیدا کرنے کے ساتھ ساتھ تین چیزیں ایسی پیدا کی ہیں جن کے ذریعہ اسے مذکورہ باتوں کا علم حاصل ہوتا ہے، ایک انسان کے حواس، یعنی آنکھ ،کان، مُنہ اور ہاتھ پاؤں، دوسرے عقل، اور تیسرے وحی، چناں چہ انسان کو بہت سی باتیں اپنے حواس کے ذریعہ معلوم ہو جاتی ہیں، بہت سی عقل کے ذریعہ، اور جو باتیں ان دونوں ذرائع سے معلوم نہیں ہو سکتیں اُن کا علم وحی کے ذریعے عطا کیا جاتا ہے۔

علم کے ان تینوں ذرائع میں ترتیب کچھ ایسی ہے کہ ہر ایک کی ایک خاص حد اور مخصوص دائرۂ کار ہے، جس کے آگے وہ کام نہیں دیتا، چناں چہ جو چیزیں انسان کو اپنے حواس سے معلوم ہو جاتی ہیں اُن کا علم نری عقل سے نہیں ہو سکتا، مثلاً ایک دیوار کو آنکھ سے دیکھ کر آپ کو یہ علم ہو جاتا ہے کہ اس کا رنگ سفید ہے، لیکن اگر آپ اپنی آنکھوں کو بند کر کے صرف عقل کی مدد سے اس دیوار کا رنگ معلوم کرنا چاہیں تو یہ ناممکن ہے، اسی طرح جن چیزوں کا علم عقل کے ذریعہ حاصل ہوتا ہے وہ صرف حواس سے معلوم نہیں ہو سکتیں، مثلاً آپ صرف آنکھوں سے دیکھ کر یا ہاتھوں سے چُھو کر یہ پتہ نہیں لگا سکتے کہ اس دیوار کو کسی انسان نے بنایا ہے، بلکہ اس نتیجے تک پہنچنے کے لیے عقل کی ضرورت ہے۔

غرض جہاں تک حواسِ خمسہ کام دیتے ہیں وہاں تک عقل کوئی رہنمائی نہیں کرتی، اور جہاں حواس خمسہ جواب دے دیتے ہیں وہیں سے عقل کا کام شروع ہوتا ہے، لیکن اس عقل کی رہنمائی بھی غیر محدود نہیں ہے، یہ بھی ایک حد پر جا کر رُک جاتی ہے، اور بہت سی باتیں ایسی ہیں جن کا علم نہ حواس کے ذریعہ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عقل کے ذریعہ، مثلاً اسی دیوار کے بارے میں یہ معلوم کرنا کہ اس کو کس طرح استعمال کرنے سے اللہ تعالیٰ راضی اور کس طرح استعمال کرنے سے ناراض ہوگا، یہ نہ حواس کے ذریعہ ممکن ہے نہ عقل کے ذریعہ ،اس قسم کے سوالات کا جواب انسان کو دینے کے لیے جو ذریعہ اللہ تعالیٰ نے مقرر فرمایا ہے اسی کا نام ''وحیؒ'' ہے، اور اس کا طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے کسی کو

منتخب فرما کر اسے اپنا پیغمبر قرار دے دیتا ہے اور اس پر اپنا کلام نازل فرماتا ہے، اسی کلام کو ''وحی'' کہا جاتا ہے۔

اس سے واضح ہو گیا کہ وحی انسان کے لیے وہ اعلیٰ ترین ذریعۂ علم ہے جو اسے اس کی زندگی سے متعلق اُن سوالات کا جواب مہیا کرتا ہے جو عقل اور حواس کے ذریعہ حل نہیں ہو سکتے، لیکن ان کا علم حاصل کرنا اس کے لیے ضروری ہے، اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ صرف عقل اور مشاہدہ انسان کی رہنمائی کے لیے کافی نہیں بلکہ اس کی ہدایت کے لیے وحی الٰہی ایک ناگزیر ضرورت ہے، اور چوں کہ بنیادی طور پر وحی کی ضرورت پیش ہی اُس جگہ آتی ہے جہاں عقل کام نہیں دیتی، اس لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ وحی کی ہر بات کا ادراک عقل سے ہو ہی جائے، بلکہ جس طرح کسی چیز کا رنگ معلوم کرنا عقل کا کام نہیں بلکہ حواس کا کام ہے، اسی طرح بہت سے دینی عقائد کا علم عطا کرنا بھی عقل کے بجائے وحی کا منصب ہے، اور ان کے ادراک کے لیے نِری عقل پر بھروسہ کرنا درست نہیں۔

جو شخص (معاذ اللہ) خدا کے وجود ہی کا قائل نہ ہو اس سے تو وحی کے مسئلہ پر بات کرنا بالکل بے سود ہے، لیکن جو شخص اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرتِ کاملہ پر ایمان رکھتا ہے اس کے لیے وحی کی عقلی ضرورت، اس کے امکان اور حقیقی وجود کو سمجھنا کچھ مشکل نہیں، اگر آپ اس بات پر ایمان رکھتے ہیں کہ یہ کائنات ایک قادرِ مطلق نے پیدا کی ہے، وہی اس کے مربوط اور مستحکم نظام کو اپنی حکمت بالغہ سے چلا رہا ہے، اور اسی نے انسان کو کسی خاص مقصد کے تحت یہاں بھیجا ہے تو پھر یہ کیسے ممکن ہے کہ اس نے انسان کو پیدا کرنے کے بعد اُسے بالکل اندھیرے میں چھوڑ دیا ہو، اور اُسے یہ تک نہ بتایا ہو کہ وہ کیوں اس دنیا میں آیا ہے؟ یہاں اس کے ذمہ کیا فرائض ہیں؟ اس کی منزل مقصود کیا ہے؟ اور وہ کس طرح اپنے مقصدِ زندگی کو حاصل کر سکتا ہے؟ کیا کوئی شخص جس کے ہوش و حواس سلامت ہوں ایسا کر سکتا ہے کہ اپنے کسی نوکر کو ایک خاص مقصد کے تحت کسی سفر پر بھیج دے، اور اُسے نہ چلتے وقت سفر کا مقصد بتائے، اور نہ بعد میں کسی پیغام کے ذریعہ اس پر یہ واضح کرے کہ اسے کس کام کے لیے بھیجا گیا ہے؟ اور سفر کے دوران اس کی ڈیوٹی کیا ہوگی؟ جب ایک معمولی

عقل کا انسان بھی ایسی حرکت نہیں کر سکتا تو آخر اس خداوند قدوس کے بارے میں یہ تصور کیسے کیا جا سکتا ہے جس کی حکمتِ بالغہ سے کائنات کا یہ سارا نظام چل رہا ہے؟ یہ آخر کیسے ممکن ہے کہ جس ذات نے چاند، سورج، آسمان، زمین، ستاروں اور سیاروں کا ایسا محیر العقول نظام پیدا کیا ہو وہ اپنے بندوں تک پیغام رسانی کا کوئی ایسا انتظام بھی نہ کر سکے جس کے ذریعہ انسانوں کو ان کے مقصدِ زندگی سے متعلق ہدایات دی جا سکیں؟ اگر اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ پر ایمان ہے تو پھر یہ بھی ماننا پڑے گا کہ اس نے اپنے بندوں کو اندھیرے میں نہیں چھوڑا، بلکہ ان کی رہنمائی کے لیے کوئی باقاعدہ نظام ضرور بنایا ہے، بس رہنمائی کے اسی باقاعدہ نظام کا نام وحی ورسالت ہے۔

اس سے صاف واضح ہو جاتا ہے کہ ''وحی'' محض ایک دینی اعتقاد ہی نہیں بلکہ ایک عقلی ضرورت ہے، جس کا انکار درحقیقت اللہ تعالیٰ کی حکمت بالغہ کا انکار ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزولِ وحی کے طریقے

وحی ورسالت کا یہ مقدس سلسلہ سرکار دوعالم محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ختم ہو گیا۔ اب کسی انسان پر نہ وحی نازل ہوگی اور نہ اس کی ضرورت ہے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر مختلف طریقوں سے وحی نازل ہوتی تھی، صحیح بخاریؒ کی ایک حدیث میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک مرتبہ حضرت حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے پوچھا کہ آپ پر وحی کس طرح آتی ہے؟ تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ کبھی تو مجھے گھنٹی کی سی آواز سنائی دیتی ہے، اور وحی کی یہ صورت میرے لیے سب سے زیادہ سخت ہوتی ہے، پھر جب یہ سلسلہ ختم ہوتا ہے تو جو کچھ اس آواز نے کہا ہوتا ہے، مجھے یاد ہو چکا ہوتا ہے، اور کبھی فرشتہ میرے سامنے ایک مرد کی صورت میں آجاتا ہے۔

اس حدیث میں آپؐ نے ''وحی'' کی آواز کو گھنٹیوں کی آواز سے جو تشبیہ دی ہے شیخ محی الدین ابن عربیؒ نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے کہ ایک تو وحی کی آواز گھنٹی کی طرح مسلسل ہوتی ہے اور بیچ میں ٹوٹتی نہیں دوسرے گھنٹی جب مسلسل بجتی ہے تو عموماً سننے والے کو اس کی آواز کی سمت متعین کرنا مشکل ہوتا ہے، کیوں کہ اس کی آواز ہر جہت سے آتی ہوئی

محسوس ہوتی ہے، اور کلام الٰہی کی بھی یہ خصوصیت ہے کہ اس کی کوئی ایک سمت نہیں ہوتی، بلکہ ہر جہت سے آواز سنائی دیتی ہے، اس کیفیت کا صحیح ادراک تو بغیر مشاہدہ کے ممکن نہیں، لیکن اس بات کو عام ذہنوں سے قریب کرنے کے لیے آپؐ نے اسے گھنٹیوں کی آواز سے تشبیہ دے دی ہے۔

جب اس طریقے سے آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ پر بہت زیادہ بوجھ پڑتا تھا، حضرت عائشہؓ اسی حدیث کے آخر میں فرماتی ہیں کہ میں نے سخت جاڑوں کے دن میں آپؐ پر وحی نازل ہوتے ہوئے دیکھی ہے، ایسی سردی میں بھی جب وحی کا سلسلہ ختم ہوتا تو آپؐ کی مبارک پیشانی پسینہ سے شرابور ہوچکی ہوتی تھی، ایک اور روایت میں حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں، کہ جب آپؐ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کا سانس رُکنے لگتا چہرۂ انور متغیر ہو کر کھجور کی شاخ کی طرح زرد پڑ جاتا، سامنے کے دانت سردی سے کپکپانے لگتے، اور آپؐ کو اتنا پسینہ آتا کہ اس کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے۔

وحی کی اس کیفیت میں بعض اوقات اتنی شدت پیدا ہوجاتی کہ آپ جس جانور پر اُس وقت سوار ہوتے وہ آپؐ کے بوجھ سے دب کر بیٹھ جاتا، اور ایک مرتبہ آپؐ نے اپنا سرِ اقدس حضرت زیدؓ بن ثابت کے زانو پر رکھا ہوا تھا، کہ اسی حالت میں وحی نازل ہونی شروع ہوگئی، اس سے حضرت زیدؓ کی ران پر اتنا بوجھ پڑا کہ وہ ٹوٹنے لگی۔

بعض اوقات اس وحی کی ہلکی ہلکی آواز دوسروں کو بھی محسوس ہوتی تھی، حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپؐ کے چہرۂ انور کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ جیسی آواز سنائی دیتی تھی۔

وحی کی دوسری صورت یہ تھی کہ فرشتہ کسی انسانی شکل میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آکر اللہ کا پیغام پہنچا دیتا تھا، ایسے مواقع پر عموماً حضرت جبریل علیہ السلام مشہور صحابی حضرت دحیہ کلبی رضی اللہ عنہ کی صورت میں تشریف لایا کرتے تھے، البتہ بعض اوقات کسی دوسری صورت میں بھی تشریف لائے ہیں، بہرکیف؛ جب حضرت جبریل انسانی شکل میں وحی لے کر آتے تو نزولِ وحی کی یہ صورت آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے سب سے آسان ہوتی تھی۔

وحی کی تیسری صورت یہ تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کسی انسان کی شکل اختیار کیے بغیر اپنی اصلی صورت میں دکھائی دیتے تھے، لیکن ایسا آپؐ کی تمام عمر میں صرف تین مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ اس وقت جب آپ نے خود حضرت جبریل علیہ السلام کو ان کی اصل شکل میں دیکھنے کی خواہش ظاہر فرمائی تھی، دوسری مرتبہ معراج میں اور تیسری بار نبوت کے بالکل ابتدائی زمانے میں مکہ مکرمہ کے مقام اجیاد پر، پہلے دو واقعات تو صحیح سند سے ثابت ہیں ، البتہ یہ آخری واقعہ سنداً کمزور ہونے کی وجہ سے مشکوک ہے۔

چوتھی صورت براہِ راست اور بلا واسطہ اللہ تبارک وتعالیٰ سے ہم کلامی کی ہے، یہ شرف آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بیداری کی حالت میں صرف ایک بار، یعنی معراج کے وقت حاصل ہوا ہے، البتہ ایک مرتبہ خواب میں بھی آپؐ اللہ تعالیٰ سے ہم کلام ہوئے ہیں۔

وحی کی پانچویں صورت یہ تھی کہ حضرت جبریل علیہ السلام کسی بھی صورت میں سامنے آئے بغیر آپؐ کے قلبِ مبارک میں کوئی بات اِلقاء فرما دیتے تھے، اسے اصطلاح میں "**نفث فی الرّوع**" کہتے ہیں۔

تاریخ نزولِ قرآن

قرآنِ کریم دراصل کلامِ الٰہی ہے، اس لیے ازل سے لوحِ محفوظ میں موجود ہے، قرآنِ کریم کا ارشاد ہے: بَلْ هُوَ قُرْاٰنٌ مَّجِيْدٌ فِيْ لَوْحٍ مَّحْفُوْظٍ (البروج) (بلکہ یہ قرآن مجید ہے، لوح محفوظ میں)۔ پھر لوحِ محفوظ سے اس کا نزول دو مرتبہ ہوا ہے، ایک مرتبہ یہ پورے کا پورا آسمانِ دنیا کے بیتِ عزّت میں نازل کر دیا گیا تھا، بیت عزّت (جسے البیت المعمور بھی کہتے ہیں) کعبۃ اللہ کے محاذات میں آسمان پر فرشتوں کی عبادت گاہ ہے، یہ نزول لیلۃ القدر میں ہوا تھا، پھر دوسری مرتبہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر تھوڑا تھوڑا کر کے حسبِ ضرورت نازل کیا جاتا رہا، یہاں تک کہ تیئیس سال میں اس کی تکمیل ہوئی، نزول قرآن کی یہ دو صورتیں خود قرآنِ کریم کے انداز بیان سے بھی واضح ہیں، اس کے علاوہ نسائیؒ بیہقیؒ اور حاکمؒ وغیرہ نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے متعدد روایتیں نقل کی ہیں جن کا خلاصہ

یہی ہے کہ قرآنِ کریم کا پہلا نزول یکبارگی آسمان دنیا پر ہوا اور دوسرا نزول بتدریج آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر۔

قرآنِ کریم کو پہلی مرتبہ آسمانِ دنیا پر نازل کرنے کی حکمت امام ابوشامہؒ نے یہ بیان کی ہے کہ اس سے قرآنِ کریم کی رفعتِ شان کو ظاہر کرنا مقصود تھا، اور ملائکہ کو یہ بات بتانی تھی کہ یہ اللہ کی آخری کتاب ہے جو اہل زمین کی ہدایت کے لیے اُتاری جانے والی ہے۔

شیخ زرقانیؒ نے یہ نکتہ بھی بیان کیا ہے کہ اس طرح دو مرتبہ اُتارنے سے یہ بھی جتانا مقصود تھا کہ یہ کتاب ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے، اور آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک کے علاوہ یہ دو جگہ اور بھی محفوظ ہے، ایک لوحِ محفوظ میں اور دوسرے بیت عزّت میں۔

اس پر تقریباً اتفاق ہے کہ قرآنِ کریم کا دوسرا تدریجی نزول جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے قلب مبارک پر ہوا، اس کا آغاز اس وقت ہوا جب آپؐ کی عمر چالیس سال تھی، اس نزول کی ابتداء بھی صحیح قول کے مطابق لیلۃ القدر میں ہوئی ہے، اور یہی وہ تاریخ تھی جس میں چند سال بعد غزوۂ بدر پیش آیا، لیکن یہ رات رمضان کی کون سی تاریخ میں تھی؟ اس بارے میں کوئی یقینی بات نہیں کہی جا سکتی، بعض روایات سے رمضان کی سترھویں، بعض سے انیسویں اور بعض سے ستائیسویں شب معلوم ہوتی ہے۔

سب سے پہلے نازل ہونے والی آیت

صحیح قول یہ ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآنِ کریم کی سب سے پہلی جو آیتیں اُتریں وہ سورۂ عَلَق کی ابتدائی آیات ہیں، صحیح بخاری میں حضرت عائشہؓ اس کا واقعہ یہ بیان فرماتی ہیں کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر نزول وحی کی ابتداء تو سچے خوابوں سے ہوئی تھی، اس کے بعد آپؐ کو خلوت میں عبادت کرنے کا شوق پیدا ہوا، اور اس دوران آپؐ غار حراء میں کئی کئی راتیں گزارتے، اور عبادت میں مشغول رہتے تھے، یہاں تک کہ ایک دن اسی غار میں آپؐ کے پاس اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرشتہ آیا اور اس نے سب سے پہلی بات یہ کہی: اِقْرَأْ (یعنی پڑھو) حضورؐ نے فرمایا کہ ”میں پڑھا ہوا نہیں ہوں“ اس کے بعد خود حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے واقعہ بیان کیا کہ میرے اس جواب پر فرشتے نے مجھے پکڑا اور مجھے اس

زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہوگئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور دوبارہ کہا کہ اِقْرَأْ، میں نے جواب دیا کہ "میں تو پڑھا ہوا نہیں ہوں" فرشتے نے مجھے پھر پکڑا اور دوبارہ اس زور سے بھینچا کہ مجھ پر مشقت کی انتہا ہوگئی، پھر اس نے مجھے چھوڑ کر کہا کہ "اِقْرَأْ" میں نے جواب دیا کہ "میں پڑھا ہوا نہیں ہوں۔" اس پر اُس نے مجھے تیسری مرتبہ پکڑا اور بھینچ کر چھوڑ دیا، پھر کہا:

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِیْ خَلَقَ ۚ﴿۱﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۚ﴿۲﴾ اِقْرَاْ وَ رَبُّكَ الْاَكْرَمُ ۙ﴿۳﴾ الخ (العلق)

"پڑھو اپنے اس پروردگار کے نام سے جس نے پیدا کیا، جس نے انسان کو منجمد خون سے پیدا کیا، پڑھو، اور تمہارا پروردگار سب سے زیادہ کریم ہے۔" الخ

یہ آپ پر نازل ہونے والی پہلی آیات تھیں، اس کے بعد تین سال تک وحی کا سلسلہ بند رہا، اسی زمانہ کو "فترتِ وحی" کا زمانہ کہتے ہیں، پھر تین سال کے بعد وہی فرشتہ جو غار حراء میں آیا تھا، آپ ؐ کو آسمان وزمین کے درمیان دکھائی دیا، اور اس نے سورۂ مدثّر کی آیات آپ ؐ کو سنائیں، اس کے بعد وحی کا سلسلہ جاری ہوگیا۔

مکی اور مدنی آیات

آپ نے قرآنِ کریم کی صورتوں کے عنوان میں دیکھا ہوگا کہ کسی سورۃ کے ساتھ مکّی اور کسی کے ساتھ مدنی لکھا ہوتا ہے، اس کا صحیح مفہوم سمجھ لینا ضروری ہے مفسرین کی اصطلاح میں "مکی آیت" کا مطلب وہ آیت ہے جو آپ ؐ کے بغرضِ ہجرت مدینہ طیبہ پہنچنے سے پہلے پہلے نازل ہوئی، اور "مدنی آیت" کا مفہوم یہ ہے کہ وہ آپ ؐ کے مدینہ پہنچنے کے بعد نازل ہوئی، بعض لوگ "مکی" کا مطلب یہ سمجھتے ہیں کہ یہ شہر مکہ میں نازل ہوئی، اور مدنی کا یہ کہ وہ شہر مدینہ میں اُتری، لیکن یہ مطلب درست نہیں، اس لیے کہ کئی آیتیں ایسی ہیں جو شہر مکہ میں نازل نہیں ہوئیں، لیکن چوں کہ ہجرت سے پہلے نازل ہو چکی تھیں اس لیے انہیں مکی کہا جاتا ہے، چناں چہ جو آیات منیٰ، عرفات یا سفرِ معراج کے دوران نازل ہوئیں وہ بھی "مکّی" کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ جو آیتیں سفرِ ہجرت کے دوران مدینہ کے راستہ میں نازل ہوئیں،

ان کو بھی مکی کہا جاتا ہے، اسی طرح بہت سی آیات ایسی ہیں جو شہر مدینہ میں نازل نہیں ہوئیں، مگر وہ ”مدنی“ ہیں، چناں چہ ہجرت کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت سے سفر پیش آئے جن میں آپ مدینہ طیبہ سے سیکڑوں میل دور بھی تشریف لے گئے، ان تمام مقامات پر نازل ہونے والی آیتیں مدنی ہی کہلاتی ہیں، یہاں تک کہ اُن آیتوں کو بھی مدنی کہا جاتا ہے جو فتح مکہ یا غزوۂ حدیبیہ کے موقع پر خاص شہر مکہ یا اس کے مضافات میں نازل ہوئیں، چناں چہ آیت قرآنی: إِنَّ اللّٰهَ يَأْمُرُكُمْ أَنْ تُؤَدُّوا الْأَمٰنٰتِ إِلٰٓى أَهْلِهَا (النساء:۵۸) مدنی ہے، حالاں کہ وہ مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی۔

پھر بعض سورتیں تو ایسی ہیں کہ وہ پوری کی پوری مکی یا پوری کی پوری مدنی ہیں، مثلاً سورۂ مدثر پوری مکی ہے، اور سورۂ آلِ عمران پوری مدنی، لیکن بعض مرتبہ ایسا بھی ہوا ہے کہ پوری سورت مکی ہے، لیکن اس میں ایک یا چند آیات مدنی بھی آ گئی ہیں، اور بعض مرتبہ اس کے برعکس بھی ہوا ہے، مثلاً سورۂ اعراف مکی ہے، لیکن اس میں: وَسْئَلْهُمْ عَنِ الْقَرْيَةِ الَّتِيْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِ (الاعراف:۱۶۳) سے لے کر وَ إِذْ أَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِيْٓ اٰدَمَ الخ (الاعراف: ۱۷۲) تک کی آیات مدنی ہیں، اسی طرح سورۂ حج مدنی ہے لیکن اس میں چار آیتیں یعنی: وَمَآ أَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِكَ مِنْ رَّسُوْلٍ وَّلَا نَبِيٍّ إِلَّآ إِذَا تَمَنّٰٓى سے لے کر عَذَابُ يَوْمٍ عَقِيْمٍ (الحج:۵۲ تا ۵۵) تک مکی ہیں۔

اس سے یہ بھی واضح ہو جاتا ہے کہ کسی سورت کا مکی یا مدنی ہونا عموماً اس کی اکثر آیتوں کے اعتبار سے ہوتا ہے، اور اکثر ایسا بھی ہوتا تھا کہ جس سورت کی ابتدائی آیات ہجرت سے پہلے نازل ہو گئیں اُسے مکی قرار دے دیا گیا، اگرچہ بعد میں اس کی بعض آیتیں ہجرت کے بعد نازل ہوئی ہوں۔

مکی و مدنی آیتوں کی خصوصیات

علمائے تفسیر نے مکی اور مدنی سورتوں کا استقراء کر کے ان کی بعض ایسی خصوصیات بیان فرمائی ہیں جن سے پہلی نظر میں یہ معلوم ہو جاتا ہے کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی؟ ان میں سے بعض خصوصیات قاعدۂ کلیہ کی حیثیت رکھتی ہیں۔ اور بعض اکثری ہیں، قواعد کلیہ یہ ہیں:

۱- ہر وہ سورت جس میں لفظ ''کَلَّا'' (ہرگز نہیں) آیا ہے، وہ مکی ہے، یہ لفظ پندرہ سورتوں میں ۳۳ رمرتبہ استعمال ہوا ہے، اور یہ ساری آیتیں قرآنِ کریم کے آخری نصف حصہ میں ہیں۔

۲- ہر وہ سورت جس میں (حنفی مسلک کے مطابق) کوئی سجدے کی آیت آئی ہے، مکی ہے۔

۳- سورہ بقرہ کے سوا ہر وہ سورت جس میں آدمؑ و ابلیس کا واقعہ مذکور ہے وہ مکی ہے۔

۴- ہر وہ سورت جس میں جہاد کی اجازت یا اس کے احکام مذکور ہیں، مدنی ہے۔

۵- ہر وہ آیت جس میں منافقوں کا ذکر آیا ہے، مدنی ہے۔

اور مندرجہ ذیل خصوصیات عمومی اور اکثری ہیں، یعنی کبھی کبھی ان کے خلاف بھی ہو جاتا ہے لیکن اکثر و بیشتر ایسا ہی ہوتا ہے۔

۱- مکی سورتوں میں عموماً ''یَاَیُّھَا النَّاسُ'' (اے لوگو) کے الفاظ سے خطاب کیا گیا ہے، اور مدنی سورتوں میں یَاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْآ (اے ایمان والو) کے الفاظ سے۔

۲- مکی آیتیں اور سورتیں عموماً چھوٹی اور مختصر ہیں، اور مدنی آیات و سُوَر طویل اور مفصل ہیں۔

۳- مکی سورتیں زیادہ تر توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات، حشر و نشر کی منظر کشی، آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر و تسلّی کی تلقین اور پچھلی امتوں کے واقعات پر مشتمل ہیں، اور ان میں احکام و قوانین کم بیان ہوئے ہیں، اس کے برعکس مدنی سورتوں میں خاندانی اور تمدنی قوانین، جہاد و قتال کے احکام اور حدود و فرائض بیان کیے گئے ہیں۔

۴- مکی سورتوں میں زیادہ تر مقابلہ بت پرستوں سے ہے، اور مدنی سورتوں میں اہلِ کتاب اور منافقین سے۔

۵- مکی سورتوں کا اُسلوب بیان زیادہ پُرشکوہ ہے، اس میں استعارات و تشبیہات اور تمثیلیں زیادہ ہیں اور ذخیرۂ الفاظ بہت وسیع ہے اور اس کے برخلاف مدنی سورتوں کا انداز نسبتاً سادہ ہے۔

مکی اور مدنی سورتوں کے انداز و اسلوب میں یہ فرق دراصل حالات، ماحول اور مخاطبوں کے اختلاف کی وجہ سے پیدا ہوا ہے، مکی زندگی میں مسلمانوں کا واسطہ چوں کہ زیادہ تر عرب کے بت پرستوں سے تھا، اور کوئی اسلامی ریاست وجود میں نہیں آئی تھی، اس لیے اس دور میں زیادہ زور عقائد کی درستی، اخلاق کی اصلاح، بت پرستوں کی مدلل تردید اور قرآنِ کریم کی شانِ اعجاز کے اظہار پر دیا گیا، اس کے برخلاف مدینہ طیبہ میں ایک اسلامی ریاست وجود میں آ چکی تھی، لوگ جوق در جوق اسلام کے سائے تلے آ رہے تھے، عملی سطح پر بت پرستی کا ابطال ہو چکا تھا اور تمام تر نظریاتی مقابلہ اہل کتاب سے تھا، اس لیے یہاں احکام وقوانین اور حدود و فرائض کی تعلیم اور اہل کتاب کی تردید پر زیادہ توجہ دی گئی، اور اسی کے مناسب اسلوبِ بیان اختیار کیا گیا۔

قرآنِ کریم کا تدریجی نزول

پیچھے آ چکا ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآنِ کریم دفعۃً اور یکبارگی نازل نہیں ہوا، بلکہ تھوڑا تھوڑا کر کے تقریباً تیئس سال میں اُتارا گیا ہے، بعض اوقات جبریل علیہ السلام ایک چھوٹی سی آیت بلکہ آیت کا کوئی ایک جزو لے کر بھی تشریف لے آتے، اور بعض مرتبہ کئی کئی آیتیں بیک وقت نازل ہو جاتیں، قرآنِ کریم کا سب سے چھوٹا حصہ جو مستقلاً نازل ہوا وہ غَيْرُ أُولِي الضَّرَرِ (النساء: ۹۵) ہے جو ایک طویل آیت کا ٹکڑا ہے دوسری طرف پوری سورۂ انعام ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی ہے۔

قرآنِ کریم کو یکبارگی نازل کرنے کے بجائے تھوڑا تھوڑا کر کے کیوں نازل کیا گیا؟ یہ سوال خود مشرکین عرب نے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کیا تھا، باری تعالیٰ نے اس سوال کا جواب خود ان الفاظ میں دیا ہے:

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْ لَا نُزِّلَ عَلَيْهِ الْقُرْاٰنُ جُمْلَةً وَّاحِدَةً ۚ كَذٰلِكَ ۚ لِنُثَبِّتَ بِهٖ فُؤَادَكَ

وَ رَتَّلْنٰهُ تَرْتِيْلًا ﴿۳۲﴾ وَ لَا يَاْتُوْنَكَ بِمَثَلٍ اِلَّا جِئْنٰكَ بِالْحَقِّ وَ اَحْسَنَ

تَفْسِیْرًا ﴿۳۳﴾ (الفرقان)

''اور کافروں نے کہا کہ آپ پر قرآن ایک ہی دفعہ کیوں نہیں نازل کیا گیا؟ اسی طرح (ہم نے قرآن کو تدریجاً اتارا ہے) تا کہ ہم آپؐ کے دل کو مطمئن کر دیں، اور ہم نے اس کو رفتہ رفتہ پڑھا ہے، اور وہ کوئی بات آپ کے پاس نہیں لائیں گے، مگر ہم آپ کے پاس حق لائیں گے، اور (اس کی) عمدہ تفسیر پیش کریں گے''۔

امام رازیؒ نے اس آیت کی تفسیر میں قرآنِ کریم کے تدریجی نزول کی جو حکمتیں بیان فرمائیں ہیں یہاں ان کا خلاصہ سمجھ لینا کافی ہے، وہ فرماتے ہیں کہ:

۱-آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم اُمّی تھے، لکھتے پڑھتے نہیں تھے، اس لیے اگر سارا قرآن ایک مرتبہ نازل ہو گیا ہوتا تو اس کا یاد رکھنا اور ضبط کرنا دشوار ہوتا، اس کے برخلاف حضرت موسیٰ علیہ السلام لکھنا پڑھنا جانتے تھے۔ اس لیے اُن پر تورات ایک ہی مرتبہ نازل کر دی گئی۔

۲-اگر پورا قرآن ایک دفعہ نازل ہو جاتا تو تمام احکام کی پابندی فوراً لازم ہو جاتی، اور یہ اس حکیمانہ تدریج کے خلاف ہوتا جو شریعتِ محمدیؐ میں ملحوظ رہی ہے۔

۳-آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی قوم کی طرف سے ہر روز نئی اذیتیں برداشت کرنی پڑتی تھیں، جبریل علیہ السلام کا بار بار قرآنِ کریم لے کر آنا ان اذیتوں کے مقابلے کو آسان بنا دیتا تھا، اور آپ کی تقویتِ قلب کا سبب بنتا تھا۔

۴-قرآنِ کریم کا ایک بڑا حصہ لوگوں کے سوالات کے جواب اور مختلف واقعات سے متعلق ہے اس لیے ان آیتوں کا نزول اسی وقت مناسب تھا جس وقت وہ سوالات کیے گئے، یا وہ واقعات پیش آئے، اس سے مسلمانوں کی بصیرت بھی بڑھتی تھی، اور قرآنِ کریم کی غیبی خبریں بیان کرنے سے اس کی حقانیت اور زیادہ آشکار ہو جاتی تھی۔

شانِ نزول

قرآنِ کریم کی آیتیں دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ نے از خود نازل فرمائیں، کوئی خاص واقعہ یا کسی کا کوئی سوال وغیرہ اُن کے نزول کا سبب نہیں بنا، دوسری

آیات ایسی ہیں کہ جن کا نزول کسی خاص واقعہ کی وجہ سے یا کسی سوال کے جواب میں ہوا، جسے ان آیتوں کا پس منظر کہنا چاہیے، یہ پس منظر مفسرین کی اصطلاح میں ''سببِ نزول'' یا ''شانِ نزول'' کہلاتا ہے، مثلاً سورۂ بقرہ کی آیت نمبر ۲۲۱ ہے:

وَلَا تَنْكِحُوا الْمُشْرِكٰتِ حَتّٰى يُؤْمِنَّ ؕ وَلَاَمَةٌ مُّؤْمِنَةٌ خَيْرٌ مِّنْ مُّشْرِكَةٍ وَّلَوْ اَعْجَبَتْكُمْ ۚ

''مشرک عورتوں سے نکاح نہ کرو جب تک وہ ایمان نہ لے آئیں، اور بلاشبہ ایک مؤمن کنیز ایک مشرکہ سے بہتر ہے خواہ مشرکہ تمہیں پسند ہو۔''

یہ آیت ایک خاص واقعہ میں نازل ہوئی تھی، زمانۂ جاہلیت میں حضرت مرثد بن ابی مرثد غنوی رضی اللہ عنہ کے عناق نامی ایک عورت سے تعلقات تھے، اسلام لانے کے بعد یہ مدینہ طیبہ چلے آئے، اور وہ عورت مکہ مکرمہ میں رہ گئی، ایک مرتبہ حضرت مرثد رضی اللہ عنہ کسی کام سے مکہ مکرمہ تشریف لے گئے تو عناق نے انہیں گناہ کی دعوت دی، حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے صاف انکار کر کے فرمایا کہ اسلام میرے اور تمہارے درمیان حائل ہو چکا ہے، لیکن اگر تم چاہو تو میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت کے بعد تم سے نکاح کر سکتا ہوں، مدینہ طیبہ تشریف لا کر حضرت مرثد رضی اللہ عنہ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کی اجازت چاہی اور اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا، اس پر یہ آیت نازل ہوئی، اور اس نے مشرک عورتوں سے نکاح کی ممانعت کر دی۔

یہ واقعہ مذکورہ بالا آیت کا ''شانِ نزول'' یا ''سببِ نزول'' ہے، قرآنِ کریم کی تفسیر میں ''شانِ نزول'' نہایت اہمیت کا حامل ہے، بہت سی آیتوں کا مفہوم اس وقت تک صحیح طور سے سمجھ میں نہیں آسکتا جب تک اُن کا شانِ نزول معلوم نہ ہو۔



تاریخ حفاظتِ قرآن

عہدِ رسالت میں حفاظت قرآن

قرآنِ کریم چوں کہ ایک ہی دفعہ پورا کا پورا نازل نہیں ہوا، بلکہ اس کی مختلف آیات ضرورت اور حالات کی مناسبت سے نازل کی جاتی رہی ہیں، اس لیے عہد رسالتؐ میں یہ ممکن نہیں تھا کہ شروع ہی سے اُسے کتابی شکل میں لکھ کر محفوظ کرلیا جائے، چناں چہ ابتدائے اسلام میں قرآنِ کریم کی حفاظت کے لیے سب سے زیادہ زور حافظہ پر دیا گیا، شروع شروع میں جب وحی نازل ہوتی تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُس کے الفاظ کو اُسی وقت دُہرانے لگتے تھے، تاکہ وہ اچھی طرح یاد ہوجائیں، اس پر سورۂ قیامہ کی آیات میں اللہ تعالیٰ نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت فرمائی کہ قرآنِ کریم کو یاد رکھنے کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو عین نزولِ وحی کے وقت جلدی جلدی الفاظ دُہرانے کی ضرورت نہیں، اللہ تعالیٰ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم میں ایسا حافظہ پیدا فرمادے گا کہ ایک مرتبہ نزولِ وحی کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بھول نہیں سکیں گے، چناں چہ یہی ہوا کہ اِدھر آپ پر آیاتِ قرآنی نازل ہوتیں اور اُدھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یاد ہوجاتیں، اس طرح سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم کا سینۂ مبارک قرآنِ کریم کا سب سے زیادہ محفوظ گنجینہ تھا، جس میں کسی ادنیٰ غلطی یا ترمیم وتغیر کا امکان نہیں تھا، پھر آپ مزید احتیاط کے طور پر ہر سال رمضان کے مہینے میں حضرت جبریل علیہ السلام کو قرآن سنایا کرتے تھے اور جس سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی اس سال آپ نے دو مرتبہ حضرت جبریل علیہ السلام کے ساتھ دَور کیا۔

پھر آپ صحابہ کرامؓ کو قرآنِ کریم کے معانی کی تعلیم ہی نہیں دیتے تھے، بلکہ انہیں اس کے الفاظ بھی یاد کراتے تھے، اور خود صحابہ کرامؓ کو قرآنِ کریم سیکھنے اور اسے یاد رکھنے کا

اتنا شوق تھا کہ ہر شخص اس معاملہ میں دوسرے سے آگے بڑھنے کی فکر میں رہتا تھا، بعض عورتوں نے اپنے شوہروں سے سوائے اس کے کوئی مہر طلب نہیں کیا کہ وہ انہیں قرآنِ کریم کی تعلیم دیں گے، سیکڑوں صحابہؓ نے اپنے آپ کو ہر غم ماسوا سے آزاد کر کے اپنی زندگی اسی کام کے لیے وقف کردی تھی، وہ قرآنِ کریم کو نہ صرف یاد کرتے بلکہ راتوں کو نماز میں اسے دُہراتے رہتے تھے، حضرت عُبادہ بن صامتؓ فرماتے ہیں کہ جب کوئی شخص ہجرت کر کے مکہ مکرمہ سے مدینہ طیبہ آتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اُسے ہم انصاریوں میں سے کسی کے حوالے فرمادیتے، تاکہ وہ اسے قرآن سکھائے، اور مسجد نبوی میں قرآن سیکھنے سکھانے والوں کی آوازوں کا اتنا شور ہونے لگا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ تاکید فرمانا پڑی کہ اپنی آوازیں پست کرو، تاکہ کوئی مغالطہ پیش نہ آئے۔

چناں چہ تھوڑی ہی مدت میں صحابہ کرامؓ کی ایک ایسی بڑی جماعت تیار ہوگئی جسے قرآنِ کریم ازبر حفظ تھا، اس جماعت میں خلفائے راشدین کے علاوہ حضرت طلحہؓ، حضرت سعدؓ، حضرت ابن مسعودؓ، حضرت حذیفہ بن یمانؓ، حضرت سالمؓ مولیٰ ابی حذیفہؓ، حضرت ابوہریرہؓ، حضرت عبداللہ بن عمرؓ، حضرت عبداللہ بن عباسؓ، حضرت عمرو بن عاصؓ، حضرت عبداللہ بن عمروؓ، حضرت معاویہؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت عبداللہ بن السائبؓ، حضرت عائشہؓ، حضرت حفصہؓ، حضرت اُم سلمہؓ وغیرہ بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

غرض ابتدائے اسلام میں زیادہ زور حفظِ قرآن پر دیا گیا، اور اس وقت کے حالات میں یہی طریقہ زیادہ محفوظ اور قابلِ اعتماد تھا، اس لیے کہ اس زمانے میں لکھنے پڑھنے والوں کی تعداد بہت کم تھی، کتابوں کو شائع کرنے کے لیے پریس وغیرہ کے ذرائع موجود نہ تھے، اس لیے اگر صرف لکھنے پر اعتماد کیا جاتا تو نہ قرآنِ کریم کی وسیع پیمانے پر اشاعت ہوسکتی، اور نہ اُس کی قابلِ اعتماد حفاظت، اس کے بجائے اللہ تعالیٰ نے اہلِ عرب کو حافظے کی ایسی قوت عطا فرمادی تھی کہ ایک ایک شخص ہزاروں اشعار کا حافظ ہوتا تھا، اور معمولی معمولی دیہاتیوں کو اپنے اور اپنے خاندان ہی کے نہیں اُن کے گھوڑوں تک کے نسب نامے یاد ہوتے تھے، اس لیے قرآنِ کریم کی حفاظت میں اسی قوت حافظہ سے کام لیا گیا، اور اسی

کے ذریعہ قرآنِ کریم کی آیات اور سورتیں عرب کے گوشے گوشے میں پہنچ گئیں۔

کتابتِ وحی

قرآنِ کریم کو حفظ کرانے کے علاوہ آں حضرت ﷺ نے قرآنِ کریم کو لکھوانے کا بھی خاص اہتمام فرمایا، حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں آپ کے لیے وحی کی کتابت کرتا تھا، جب آپ پر وحی نازل ہوتی تو آپ کو سخت گرمی لگتی، اور آپ کے جسم اطہر پر پسینہ کے قطرے موتیوں کی طرح ڈھلکنے لگتے تھے، پھر جب آپ سے یہ کیفیت ختم ہو جاتی تو میں مونڈھے کی کوئی ہڈی یا (کسی اور چیز کا) ٹکڑا لے کر خدمت میں حاضر ہوتا، آپ لکھواتے رہتے، اور میں لکھتا جاتا، یہاں تک کہ جب میں لکھ کر فارغ ہوتا تو قرآن کو نقل کرنے کے بوجھ سے مجھے یوں محسوس ہوتا جیسے میری ٹانگ ٹوٹنے والی ہے، اور میں کبھی چل نہیں سکوں گا، بہر حال؛ جب میں فارغ ہوتا تو آپ فرماتے ''پڑھو'' میں پڑھ کر سناتا، اس میں کوئی فروگذاشت ہوتی تو آپ اس کی اصلاح فرمادیتے اور پھر اسے لوگوں کے سامنے لے آتے۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کے علاوہ اور بھی بہت سے صحابہ رضی اللہ عنہم کتابت وحی کے فرائض انجام دیتے تھے، جن میں خلفائے راشدین رضی اللہ عنہم، حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ، حضرت زبیر بن عوام رضی اللہ عنہ، حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ، حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ، حضرت خالد بن الولید رضی اللہ عنہ، حضرت ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ، حضرت ابان بن سعید رضی اللہ عنہ وغیرہ بطور خاص قابلِ ذکر ہیں۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں آں حضرت ﷺ کا معمول یہ تھا کہ جب قرآنِ کریم کا کوئی حصہ نازل ہوتا تو آپ کاتبِ وحی کو یہ ہدایت بھی فرمادیتے تھے کہ اسے فلاں سورت میں فلاں فلاں آیات کے بعد لکھا جائے۔ اُس زمانے میں چوں کہ عرب میں کاغذ کمیاب تھا، اس لیے یہ قرآنی آیات زیادہ تر پتھر کی سلوں، چمڑے کے پارچوں، کھجور کی شاخوں، بانس کے ٹکڑوں، درخت کے پتوں اور جانوروں کی ہڈیوں پر لکھی جاتی تھیں، البتہ کبھی کبھی کاغذ کے ٹکڑے بھی استعمال کیے گئے۔

اس طرح عہدِ رسالت میں قرآنِ کریم کا ایک نسخہ تو وہ تھا جو آں حضرت ﷺ نے

اپنی نگرانی میں لکھوایا تھا، اگرچہ وہ مرتب کتاب کی شکل میں نہیں تھا، بلکہ متفرق پارچوں کی شکل میں تھا، اس کے ساتھ ہی بعض صحابہ کرام بھی اپنی یادداشت کے لیے آیات قرآنی اپنے پاس لکھ لیتے تھے، اور یہ سلسلہ اسلام کے ابتدائی عہد سے جاری تھا، چناں چہ حضرت عمرؓ کے اسلام لانے سے پہلے ہی اُن کی بہن اور بہنوئی کے ایک صحیفے میں آیاتِ قرآنی لکھی ہوئی تھیں۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے عہد میں جمع قرآن

لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں قرآنِ کریم کے جتنے نسخے لکھے گئے تھے اُن کی کیفیت یہ تھی کہ یا تو وہ متفرق اشیاء پر لکھے ہوئے تھے کوئی آیت چمڑے پر، کوئی درخت کے پتے پر، کوئی ہڈی پر، یا وہ مکمل نسخے نہیں تھے، کسی صحابیؓ کے پاس ایک سورت لکھی ہوئی تھی، کسی کے پاس دس پانچ سورتیں اور کسی کے پاس صرف چند آیات، اور بعض صحابہؓ کے پاس آیات کے ساتھ تفسیری جملے بھی لکھے ہوئے تھے۔

اس بناء پر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہ ضروری سمجھا کہ قرآنِ کریم کے ان منتشر حصوں کو یک جا کر کے محفوظ کر دیا جائے، انہوں نے یہ کارنامہ جن محرکات کے تحت اور جس طرح انجام دیا اس کی تفصیل حضرت زید بن ثابتؓ نے یہ بیان فرمائی ہے کہ جنگ یمامہ کے فوراً بعد حضرت ابوبکرؓ نے ایک روز مجھے پیغام بھیج کر بلوایا، میں ان کے پاس پہنچا تو وہاں حضرت عمرؓ بھی موجود تھے، حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ "عمرؓ نے ابھی آکر مجھ سے یہ بات کہی ہے کہ جنگِ یمامہ میں قرآنِ کریم کے حفاظ کی ایک بڑی جماعت شہید ہوگئی، اور اگر مختلف مقامات پر قرآنِ کریم کے حافظ اسی طرح شہید ہوتے رہے تو مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں قرآنِ کریم کا ایک بڑا حصہ ناپید نہ ہو جائے، لہٰذا میری رائے یہ ہے کہ آپ اپنے حکم سے قرآنِ کریم کو جمع کروانے کا کام شروع کر دیں" میں نے عمرؓ سے کہا کہ جو کام آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں کیا، وہ ہم کیسے کریں؟

عمرؓ نے جواب دیا کہ خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے، اس کے بعد عمرؓ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے یہاں تک کہ مجھے بھی اس پر شرح صدر ہو گیا اور اب میری رائے بھی وہی

ہے جو عمرؓ کی ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکرؓ نے مجھ سے فرمایا کہ "تم نوجوان اور سمجھدار آدمی ہو، ہمیں تمہارے بارے میں کوئی بدگمانی نہیں ہے، تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے سامنے کتابت وحی کا کام بھی کرتے رہے ہو لہٰذا تم قرآنِ کریم کی آیتوں کو تلاش کر کے انھیں جمع کرو"۔

حضرت زید بن ثابتؓ فرماتے ہیں کہ "اللہ کی قسم! اگر یہ حضرات مجھے کوئی پہاڑ ڈھونے کا حکم دیتے تو مجھ پر اس کا اتنا بوجھ نہ ہوتا جتنا جمع قرآن کے کام کا ہوا، میں نے اُن سے کہا کہ آپ وہ کام کیسے کر رہے ہیں جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے نہیں کیا" حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا کہ خدا کی قسم! یہ کام بہتر ہی بہتر ہے، اس کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ مجھ سے بار بار یہی کہتے رہے، یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ نے میرا سینہ اسی رائے کے لیے کھول دیا، جو حضرت ابوبکرؓ وعمرؓ کی رائے تھی، چناں چہ میں نے قرآنی آیات کو تلاش کرنا شروع کیا، اور کھجور کی شاخوں، پتھر کی تختیوں اور لوگوں کے سینوں سے قرآنِ کریم کو جمع کیا۔

جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کا طریقِ کار

اس موقع پر جمع قرآن کے سلسلے میں حضرت زید بن ثابتؓ کے طریق کار کو اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے جیسا کہ پیچھے ذِکر آچکا ہے، وہ خود حافظ قرآن تھے، لہٰذا وہ اپنی یاد داشت سے پورا قرآن لکھ سکتے تھے، اُن کے علاوہ بھی سینکڑوں حفاظ اُس وقت موجود تھے، ان کی ایک جماعت بنا کر بھی قرآنِ کریم لکھا جا سکتا تھا۔

نیز قرآنِ کریم کے جو نسخے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے زمانے میں لکھے گئے تھے حضرت زیدؓ ان سے بھی قرآنِ کریم نقل فرما سکتے تھے، لیکن انھوں نے احتیاط کے پیشِ نظر صرف کسی ایک طریقہ پر بس نہیں کیا، بلکہ ان تمام ذرائع سے بیک وقت کام لے کر اس وقت تک کوئی آیت اپنے صحیفوں میں درج نہیں کی جب تک اس کے متواتر ہونے کی تحریری اور زبانی شہادتیں نہیں مل گئیں، اس کے علاوہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے قرآنِ کریم کی جو آیات اپنی نگرانی میں لکھوائی تھیں وہ مختلف صحابہؓ کے پاس محفوظ تھیں حضرت زیدؓ نے انہیں یکجا فرمایا تاکہ نیا نسخہ ان سے ہی نقل کیا جائے، چناں چہ یہ اعلان عام کر دیا گیا کہ جس شخص کے پاس قرآنِ کریم کی جتنی آیات لکھی ہوئی موجود ہوں وہ حضرت زیدؓ کے پاس لے آئے، اور

جب کوئی شخص اُن کے پاس قرآنِ کریم کی کوئی لکھی ہوئی آیت لے کر آتا تو وہ مندرجہ ذیل چار طریقوں سے اس کی تصدیق کرتے تھے۔

۱- سب سے پہلے اپنی یادداشت سے اس کی توثیق کرتے۔

۲- پھر حضرت عمرؓ بھی حافظِ قرآن تھے، اور روایات سے ثابت ہے کہ حضرت ابو بکرؓ نے اُن کو بھی اس کام میں حضرت زیدؓ کے ساتھ لگا دیا تھا اور جب کوئی شخص کوئی آیت لے کر آتا تھا تو حضرت زیدؓ اور حضرت عمرؓ دونوں مشترک طور پر اسے وصول کرتے تھے۔

۳- کوئی لکھی ہوئی آیت اُس وقت تک قبول نہیں کی جاتی تھی جب تک دو قابلِ اعتماد گواہوں نے اس بات کی گواہی نہ دے دی ہو کہ یہ آیت آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے سامنے لکھی گئی تھی۔

۴- اس کے بعد ان لکھی ہوئی آیتوں کا ان مجموعوں کے ساتھ مقابلہ کیا جاتا تھا جو مختلف صحابہؓ نے تیار کر رکھے تھے۔

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں جمع قرآن کا یہ طریق کار ذہن میں رہے تو حضرت زید بن ثابتؓ کے اس ارشاد کا مطلب اچھی طرح سمجھ میں آسکتا ہے کہ سُورۂ براءۃ کی آخری آیات لَقَدْ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ الخ (التوبہ:۱۲۸) مجھے صرف حضرت ابوخزیمہؓ کے پاس ملیں، ان کے سوا کسی اور کے پاس نہیں ملیں' اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں ہے کہ یہ آیتیں سوائے حضرت ابوخزیمہؓ کے کسی اور کو یاد نہیں تھیں، یا کسی اور کے پاس لکھی ہوئی نہ تھیں، اور اُن کے سوا کسی کو ان کا جزوِ قرآن ہونا معلوم نہ تھا، بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو لوگ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی لکھوائی ہوئی متفرق آیتیں لے لے کر آرہے تھے اُن میں سے یہ آیتیں سوائے حضرت ابوخزیمہؓ کے کسی کے پاس نہیں ملیں، ورنہ جہاں تک ان آیات کے جزوِ قرآن ہونے کا تعلق ہے یہ بات تواتر کے ساتھ سب کو معلوم تھی، کیوں کہ سینکڑوں صحابہؓ کو یاد بھی تھیں، اور جن حضرات کے پاس آیاتِ قرآنی کے مکمل مجموعے تھے اُن کے پاس لکھی ہوئی بھی تھیں، لیکن آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی نگرانی میں الگ لکھی ہوئی صرف حضرت ابوخزیمہؓ کے پاس ملیں، کسی اور کے پاس نہیں۔

''اُمّ'' کی خصوصیات

بہر کیف! حضرت زید بن ثابتؓ نے اس زبردست احتیاط کے ساتھ آیات قرآنی کو جمع کر کے انہیں کاغذ کے صحیفوں پر مرتّب شکل میں تحریر فرمایا لیکن ہر سورت علیٰحدہ صحیفے میں لکھی گئی، اس لیے یہ نسخہ بہت سے صحیفوں پر مشتمل تھا، اصطلاح میں اس نسخہ کو ''اُمّ'' کہا جاتا ہے، اوراس کی خصوصیات یہ تھیں:

۱-اس نسخہ میں آیاتِ قرآنی تو آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی بتائی ہوئی ترتیب کے مطابق مرتّب تھیں، لیکن سورتیں مرتّب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی۔

۲-اس نسخہ میں قرآن کے ساتوں حروف (جن کی تشریح پیچھے آچکی ہے) جمع تھے۔

۳-اس میں وہ تمام آیتیں جمع کی گئی تھیں جن کی تلاوت منسوخ نہیں ہوئی تھی۔

۴-اس نسخہ کو لکھوانے کا مقصد یہ تھا کہ ایک مرتّب نسخہ تمام اُمّت کی اجماعی تصدیق کے ساتھ تیار ہوجائے، تاکہ ضرورت پڑنے پر اس کی طرف رجوع کیا جاسکے۔

حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے لکھوائے ہوئے یہ صحیفے آپ کی حیات میں آپ کے پاس ہے، پھر حضرت عمرؓ کے پاس رہے، حضرت عمرؓ کی شہادت کے بعد انہیں امّ المؤمنین حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کے پاس منتقل کر دیا گیا، پھر حضرت حفصہؓ کی وفات کے بعد مروان بن الحکم نے اسے اس خیال سے نذرِ آتش کر دیا کہ اس وقت حضرت عثمانؓ کے تیار کرائے ہوئے مصاحف تیار ہوچکے تھے، اوراس بات پر امّت کا اجماع منعقد ہو چکا تھا کہ رسم الخط اور سورتوں کی ترتیب کے لحاظ سے ان مصاحف کی پیروی لازم ہے، مروان بن الحکم نے سوچا کہ اب کوئی ایسا نسخہ باقی نہ رہنا چاہیے جو اس رسم الخط اور ترتیب کے خلاف ہو۔

حضرت عثمانؓ کے عہد میں جمع قرآن

جب حضرت عثمان رضی اللہ عنہ خلیفہ بنے تو اسلام عرب سے نکل کر رُوم اور ایران کے دور دراز علاقوں تک پہنچ چکا تھا، ہر نئے علاقے کے لوگ جب مسلمان ہوتے تو وہ ان مجاہدین اسلام یا اُن تاجروں سے قرآنِ کریم سیکھتے جن کی بدولت انہیں اسلام کی نعمت حاصل

ہوئی تھی، اُدھر آپ پیچھے پڑھ چکے ہیں کہ قرآنِ کریم سات حروف پر نازل ہوا تھا، اور مختلف صحابہ کرامؓ نے اُسے آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے مختلف قراءتوں کے مطابق سیکھا تھا، اس لیے ہر صحابی نے اپنے شاگردوں کو اسی قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا، جس کے مطابق خود انہوں نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پڑھا تھا، اس طرح قراءتوں کا یہ اختلاف دور دراز ممالک تک پہنچ گیا، جب تک لوگ اس حقیقت سے واقف تھے کہ قرآنِ کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، اُس وقت تک اس اختلاف سے کوئی خرابی پیدا نہیں ہوئی لیکن جب یہ اختلاف دور دراز ممالک میں پہنچا اور یہ بات اُن میں پوری طرح مشہور نہ ہو سکی کہ قرآنِ کریم سات حروف پر نازل ہوا ہے، تو اس وقت لوگوں میں جھگڑے پیش آنے لگے، بعض لوگ اپنی قراءت کو صحیح اور دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دینے لگے، ان جھگڑوں سے ایک طرف تو یہ خطرہ تھا کہ لوگ قرآنِ کریم کی متواتر قراءتوں کو غلط قرار دینے کی سنگین غلطی میں مبتلا ہوں گے، دوسرے سوائے حضرت زیدؓ کے لکھے ہوئے ایک نسخہ کے جو مدینہ طیبہ میں موجود تھا، پورے عالم اسلام میں کوئی ایسا معیاری نسخہ موجود نہ تھا جو پوری امت کے لیے حجت بن سکے، کیوں کہ دوسرے نسخے انفرادی طور پر لکھے ہوئے تھے، اور ان میں ساتوں حروف کو جمع کرنے کا کوئی اہتمام نہیں تھا، اس لیے ان جھگڑوں کے تصفیہ کی قابل اعتماد صورت یہی تھی کہ ایسے نسخے پورے عالم اسلام میں پھیلا دیے جائیں جن میں ساتوں حروف جمع ہوں اور انہیں دیکھ کر یہ فیصلہ کیا جا سکے کہ کون سی قراءت صحیح اور کون سی غلط ہے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے اپنے عہد خلافت میں یہی عظیم الشان کارنامہ انجام دیا۔

اس کارنامے کی تفصیل روایات حدیث سے یہ معلوم ہوتی ہے کہ حضرت حذیفہ بن یمانؓ آرمینیا اور آذربیجان کے محاذ پر جہاد میں مشغول تھے، وہاں انہوں نے دیکھا کہ لوگوں میں قرآنِ کریم کی قراءتوں کے بارے میں اختلاف ہو رہا ہے، چناں چہ مدینہ طیبہ واپس آتے ہی وہ سیدھے حضرت عثمانؓ کے پاس پہنچے، اور جا کر عرض کیا کہ امیر المؤمنین! قبل اس کے کہ یہ اُمت اللہ کی کتاب کے بارے میں یہود و نصاریٰ کی طرح اختلافات کی شکار ہو، آپ اس کا علاج کیجیے، حضرت عثمانؓ نے پوچھا بات کیا ہے؟ حضرت حذیفہؓ نے

جواب میں کہا کہ میں آرمینیا کے محاذ پر جہاد میں شامل تھا وہاں میں نے دیکھا کہ شام کے لوگ اُبی بن کعبؓ کی قراءت پڑھتے ہیں، جو اہل عراق نے نہیں سنی ہوتی، اور اہل عراق عبداللہ بن مسعودؓ کی قراءت پڑھتے ہیں جو اہل شام نے نہیں سنی ہوتی، اس کے نتیجہ میں ایک دوسرے کو کافر قرار دے رہے ہیں۔

حضرت عثمانؓ خود بھی اس خطرے کا احساس پہلے ہی کر چکے تھے، انہیں یہ اطلاع ملی تھی کہ خود مدینہ طیبہ میں ایسے واقعات پیش آئے ہیں کہ قرآنِ کریم کے ایک معلم نے اپنے شاگردوں کو ایک قراءت کے مطابق قرآن پڑھایا، اور دوسرے معلم نے دوسری قراءت کے مطابق، اس طرح مختلف اساتذہ کے شاگرد جب باہم ملتے تو ان میں اختلاف ہوتا، اور بعض مرتبہ یہ اختلاف اساتذہ تک پہنچ جاتا، اور وہ بھی ایک دوسرے کی قراءت کو غلط قرار دیتے، جب حضرت حذیفہ بن یمانؓ نے بھی اس خطرے کی طرف توجہ دلائی تو حضرت عثمانؓ نے جلیل القدر صحابہ کو جمع کر کے ان سے مشورہ کیا اور فرمایا کہ: "مجھے یہ اطلاع ملی ہے کہ بعض لوگ ایک دوسرے سے اس قسم کی باتیں کہتے ہیں کہ میری قراءت تمہاری قراءت سے بہتر ہے، اور بات کفر کی حد تک پہنچ سکتی ہے، لہٰذا آپ لوگوں کی اس بارے میں کیا رائے ہے"۔ صحابہؓ نے خود حضرت عثمانؓ سے پوچھا کہ "آپ نے کیا سوچا ہے؟" حضرت عثمانؓ نے فرمایا کہ "میری رائے یہ ہے کہ ہم تمام لوگوں کو ایک مصحف پر جمع کر دیں تا کہ کوئی اختلاف اور افتراق پیش نہ آئے" صحابہؓ نے اس رائے کو پسند کر کے حضرت عثمانؓ کی تائید فرمائی۔

چناں چہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے لوگوں کو جمع کر کے ایک خطبہ دیا، اور اس میں فرمایا کہ تم لوگ مدینہ طیبہ میں میرے قریب ہوتے ہوئے، قرآنِ کریم کی قراتوں کے بارے میں ایک دوسرے کی تکذیب اور ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہو، اس سے ظاہر ہے کہ جو لوگ مجھ سے دُور ہیں وہ تو اور بھی زیادہ تکذیب اور اختلاف کرتے ہوں گے، لہٰذا تمام لوگ مل کر قرآن کریم کا ایسا نسخہ تیار کریں جو سب کے لیے واجب الاقتداء ہو۔

اس غرض کے لیے حضرت عثمانؓ نے حضرت حفصہؓ کے پاس پیغام بھیجا کہ آپ کے

پاس (حضرت ابوبکرؓ کے تیار کرائے ہوئے) جو صحیفے موجود ہیں وہ ہمارے پاس بھیج دیجیے، ہم اُن کو مصاحف میں نقل کر کے آپ کو واپس کر دیں گے، حضرت حفصہؓ نے وہ صحیفے حضرت عثمانؓ کے پاس بھیج دیے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے چار صحابہؓ کی ایک جماعت بنائی، جو حضرت زید بن ثابتؓ، حضرت عبداللہ بن زبیرؓ، حضرت سعید بن العاصؓ اور حضرت عبدالرحمٰن بن حارث بن ہشامؓ پر مشتمل تھی، اس جماعت کو اس کام پر مامور کیا گیا کہ وہ حضرت ابوبکرؓ کے صحیفوں سے نقل کر کے کئی ایسے مصاحف تیار کرے جن میں سورتیں بھی مرتب ہوں، ان چار صحابہؓ میں سے حضرت زیدؓ انصاری تھے، اور باقی تینوں حضرات قریشی، اس لیے حضرت عثمانؓ نے ان سے فرمایا کہ ’’جب تمہارا اور زیدؓ کا قرآن کے کسی حصہ میں اختلاف ہو (یعنی اس میں اختلاف ہو کہ کون سا لفظ کس طرح لکھا جائے؟) تو اسے قریش کی زبان کے مطابق لکھنا، اس لیے کہ قرآنِ کریم ان ہی کی زبان میں نازل ہوا ہے۔‘‘

بنیادی طور پر تو یہ کام مذکورہ چار حضرات ہی کے سپرد کیا گیا تھا، لیکن پھر دوسرے صحابہؓ کو بھی ان کی مدد کے لیے ساتھ لگا دیا گیا۔ ان حضرات نے کتابتِ قرآن کے سلسلے میں مندرجہ ذیل کام انجام دیے:

۱- حضرت ابوبکرؓ کے زمانے میں جو نسخہ تیار ہوا تھا اس میں سورتیں مرتب نہیں تھیں، بلکہ ہر سورت الگ الگ لکھی ہوئی تھی، ان حضرات نے تمام سورتوں کو ترتیب کے ساتھ ایک ہی مصحف میں لکھا۔

۲- قرآنِ کریم کی آیات اس طرح لکھیں کہ ان کے رسم الخط میں تمام متواتر قراءتیں سما جائیں، اسی لیے اُن پر نہ نقطے لگائے گئے اور نہ حرکات (زیر زبر پیش) تاکہ اسے تمام متواتر قراءتوں کے مطابق پڑھا جا سکے، مثلاً ںسرها لکھا، تاکہ اسے نَنْشُرُهَا اور نُنْشِزُهَا دونوں طرح پڑھا جا سکے کیوں کہ یہ دونوں قراءتیں درست ہیں۔

۳- اب تک قرآنِ کریم کا مکمل معیاری نسخہ جو پوری امت کی اجتماعی تصدیق سے تیار کیا گیا ہو صرف ایک تھا، ان حضرات نے اس نئے مرتب مصحف کی ایک سے زائد نقلیں

تیار کیں، عام طور سے مشہور یہ ہے کہ حضرت عثمانؓ نے پانچ مصاحف تیار کرائے تھے، لیکن ابو حاتم سجستانیؒ کا ارشاد ہے کہ کُل سات نسخے تیار کیے گئے تھے، جن میں سے ایک مکہ مکرمہ، ایک شام، ایک یمن، ایک بحرین، ایک بصرہ اور ایک کوفہ بھیج دیا گیا، اور ایک مدینہ طیبہ میں محفوظ رکھا گیا۔

۴- مذکورہ بالا کام کرنے کے لیے ان حضرات نے بنیادی طور پر تو ان ہی صحیفوں کو سامنے رکھا جو حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں لکھے گئے تھے، لیکن اس کے ساتھ ہی مزید احتیاط کے لیے وہی طریق کار اختیار کیا جو حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے زمانے میں اختیار کیا گیا تھا، چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ کی جو متفرق تحریریں مختلف صحابہؓ کے پاس محفوظ تھیں انہیں دوبارہ طلب کیا گیا اور ان کے ساتھ ازسرِ نو مقابلہ کر کے یہ نسخے تیار کیے گئے، اس مرتبہ سورۂ احزاب کی ایک آیت نمبر ۲۳: مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ علیحدہ لکھی ہوئی صرف حضرت خزیمہ بن ثابت انصاریؓ کے پاس ملی، پیچھے ہم لکھ چکے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ یہ آیت کسی اور شخص کو یاد نہیں تھی، کیوں کہ حضرت زیدؓ خود فرماتے ہیں کہ: ''مصحف لکھتے وقت سورۂ احزاب کی وہ آیت نہ ملی جو میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھتے ہوئے سنا کرتا تھا''۔ اس سے صاف واضح ہے کہ یہ آیت حضرت زیدؓ اور دوسرے صحابہؓ کو اچھی طرح یاد تھی، اسی طرح اس کا مطلب یہ بھی نہیں ہے کہ یہ آیت کہیں اور لکھی ہوئی نہ تھی، کیوں کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے میں جو صحیفے لکھے گئے ظاہر ہے کہ یہ آیت اُن میں موجود تھی، نیز دوسرے صحابہؓ کے پاس قرآنِ کریم کے جو انفرادی طور پر لکھے ہوئے نسخے موجود تھے ان میں یہ آیت بھی شامل تھی، لیکن چوں کہ حضرت ابو بکرؓ کے زمانے کی طرح اس مرتبہ بھی اُن تمام متفرق تحریروں کو جمع کیا گیا تھا جو صحابہ کرامؓ کے پاس لکھی ہوئی تھیں اس لیے حضرت زیدؓ وغیرہ نے کوئی آیت ان مصاحف میں اُس وقت تک نہیں لکھی جب تک اُن تحریروں میں بھی وہ نہ مل گئی، اس طرح دوسری آیتیں تو متعدد صحابہؓ کے پاس علیحدہ لکھی ہوئی بھی ملیں، لیکن سورۂ احزاب کی یہ آیت سوائے حضرت خزیمہؓ کے کسی اور کے پاس الگ لکھی ہوئی دستیاب نہیں ہوئی۔

۵-قرآنِ کریم کے یہ متعدد معیاری نسخے تیار فرمانے کے بعد حضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے وہ تمام انفرادی نسخے نذرِ آتش فرما دیے جو مختلف صحابہؓ کے پاس موجود تھے تاکہ رسم الخط، مسلمہ قراءتوں کے اجتماع اور سورتوں کی ترتیب کے اعتبار سے تمام مصاحف یکساں ہو جائیں، اور ان میں کوئی اختلاف باقی نہ رہے۔

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے اس کارنامے کو پوری امت نے بہ نظرِ استحسان دیکھا، اور تمام صحابہؓ نے اس کام میں اُن کی تائید اور حمایت فرمائی، صرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کو اس معاملہ میں کچھ رنجش رہی جس کی تفصیل کا یہ موقع نہیں۔ حضرت علیؓ فرماتے ہیں:

> ''عثمانؓ کے بارے میں کوئی بات اُن کی بھلائی کے سوا نہ کہو، کیوں کہ اللہ کی قسم! انہوں نے مصاحف کے معاملہ میں جو کام کیا وہ ہم سب کی موجودگی میں مشورے سے کیا''

تلاوت میں آسانی پیدا کرنے کے اقدامات

حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے مذکورہ بالا کارنامے کے بعد اُمّت کا اس پر اجماع ہو گیا کہ قرآنِ کریم کو رسمِ عثمانی کے خلاف کسی اور طریقے سے لکھنا جائز نہیں، چناں چہ اس کے بعد تمام مصاحف اِسی طریقے کے مطابق لکھے گئے، اور صحابہؓ و تابعینؒ نے مصاحفِ عثمانی کی نقول تیار کر کر کے قرآنِ کریم کی وسیع پیمانے پر اشاعت کی۔

لیکن ابھی تک قرآنِ کریم کے نُسخے چوں کہ نقطوں اور زیر، زبر، پیش سے خالی تھے، اس لیے اہلِ عجم کو ان کی تلاوت میں دشواری ہوتی تھی، چناں چہ جب اِسلام عجمی ممالک میں اور زیادہ پھیلا تو اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ اس میں نقطوں اور حرکات کا اضافہ کیا جائے، تاکہ تمام لوگ آسانی سے اس کی تلاوت کر سکیں، اس مقصد کے لیے مختلف اقدامات کیے گئے، جن کی مختصر تاریخ درج ذیل ہے:

نقطے

اہلِ عرب میں ابتداءً حروف پر نقطے لگانے کا رواج نہیں تھا۔ اور پڑھنے والے اس

طرز کے اتنے عادی تھے کہ انہیں بغیر نقطوں کی تحریر پڑھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی تھی، اور سیاق وسباق کی مدد سے مشتبہ حروف میں امتیاز بھی بہ آسانی ہو جاتا تھا، خاص طور سے قرآنِ کریم کے معاملے میں کسی اشتباہ کا امکان اس لیے نہیں تھا کہ اس کی حفاظت کا مدار کتابت پر نہیں، بلکہ حافظوں پر تھا، اور حضرت عثمانؓ نے جو نسخے عالَمِ اسلام کے مختلف حصوں میں بھیجے تھے ان کے ساتھ قاری بھی بھیجے گئے تھے جو اسے پڑھنا سکھا سکیں۔

اس میں روایات مختلف ہیں کہ قرآنِ کریم کے نسخے پر سب سے پہلے کس نے نقطے ڈالے؟ بعض روایتیں یہ کہتی ہیں کہ یہ کارنامہ سب سے پہلے حضرت ابوالاسود دؤلیؒ نے انجام دیا، بعض کا کہنا ہے کہ انہوں نے یہ کام حضرت علیؓ کی تلقین کے تحت کیا اور بعض نے کہا ہے کہ کوفہ کے گورنر زیاد بن ابی سفیان نے ان سے یہ کام کرایا اور ایک روایت یہ بھی ہے کہ یہ کارنامہ حجاج بن یوسف نے حسن بصریؒ، یحییٰ بن یعمر اور نصر بن عاصم لیثیؒ کے ذریعہ انجام دیا۔

حرکات

نقطوں کی طرح شروع میں قرآنِ کریم پر حرکات (زیر، زَبر، پیش) بھی نہیں تھیں، اور اس میں بھی روایات کا بڑا اختلاف ہے کہ سب سے پہلے کس نے حرکات لگائیں؟ بعض حضرات کا کہنا ہے کہ یہ کام سب سے پہلے ابوالاسود دؤلیؒ نے انجام دیا، بعض کہتے ہیں کہ یہ کام حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمرؒ اور نصر بن عاصم لیثیؒ سے کرایا۔

اس سلسلے میں تمام روایات کو پیش نظر رکھ کر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ حرکات سب سے پہلے ابوالاسود دؤلیؒ نے وضع کیں، لیکن یہ حرکات اُس طرح کی نہ تھیں جیسی آج کل رائج ہیں بلکہ زبر کے لیے حرف کے اوپر ایک نقطہ "ــٔ" زیر کے لیے حرف کے نیچے ایک نقطہ "ــ٠"، اور پیش کے لیے حرف کے سامنے ایک نقطہ "ــ٠" اور تنوین کے لیے دو نقطے "ــٚ" یا "ــٍ" یا "ــ:" مقرر کیے گئے۔ بعد میں خلیل بن احمدؒ نے ہمزہ اور تشدید کی علامتیں وضع کیں اس کے بعد حجاج بن یوسف نے یحییٰ بن یعمر، نصر بن عاصم لیثی اور حسن بصری رحمہم اللہ سے بیک وقت قرآنِ کریم پر نقطے اور حرکات دونوں لگانے کی

فرمائش کی، اس موقع پر حرکات کے اظہار کے لیے نقطوں کے بجائے زیر، زبر، پیش کی موجودہ صورتیں مقرر کی گئیں، تا کہ حروف کے ذاتی نقطوں سے اُن کا التباس پیش نہ آئے۔ واللہ سبحانہٗ اعلم

احزاب یا منزلیں

صحابہؓ اور تابعینؒ کا معمول تھا کہ وہ ہر ہفتے ایک قرآن ختم کر لیتے تھے، اس مقصد کے لیے انہوں نے روزانہ تلاوت کی ایک مقدار مقرّر کی ہوئی تھی جسے ''حزب'' یا ''منزل'' کہا جاتا ہے، اس طرح پورے قرآن کو کل سات اَحزاب پر تقسیم کیا گیا تھا۔

اجزاء یا پارے

آج کل قرآنِ کریم تیس اجزاء پر منقسم ہے، جنہیں تیس پارے کہا جاتا ہے، یہ پاروں کی تقسیم معنی کے اعتبار سے نہیں، بلکہ بچوں کو پڑھانے کے لیے آسانی کے خیال سے تیس مساوی حصّوں پر تقسیم کر دیا گیا ہے، چناں چہ بعض اوقات بالکل ادھوری بات پر پارہ ختم ہو جاتا ہے، یقین کے ساتھ یہ کہنا مشکل ہے کہ یہ تیس پاروں کی تقسیم کس نے کی ہے؟ بعض حضرات کا خیال ہے کہ حضرت عثمانؓ نے مصاحف نقل کراتے وقت انہیں تیس مختلف صحیفوں میں لکھوایا تھا، لہٰذا یہ تقسیم آپ ہی کے زمانہ کی ہے، لیکن متقدمین کی کتابوں میں اس کی کوئی دلیل احقر کو نہیں مل سکی، البتہ علامہ بدرالدین زرکشیؒ نے لکھا ہے کہ قرآن کے تیس پارے مشہور چلے آتے ہیں اور مدارس کے قرآنی نسخوں میں ان کا رواج ہے۔ بظاہر ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ تقسیم عہدِ صحابہؓ کے بعد تعلیم کی سہولت کے لیے کی گئی ہے۔ واللہ اعلم

اَخماس اور اَعشار

قرونِ اُولیٰ کے قرآنی نسخوں میں ایک اور علامت کا رواج تھا، اور وہ یہ کہ ہر پانچ آیتوں کے بعد (حاشیہ پر) لفظ ''خمس'' یا ''خ'' اور ہر دس آیتوں کے بعد لفظ ''عشر'' یا ''ع'' لکھ دیتے تھے، پہلی قسم کی علامتوں کو ''اَخماس'' اور دوسری قسم کی علامتوں کو ''اَعشار'' کہا جاتا تھا، علمائے متقدمین میں یہ اختلاف بھی رہا ہے کہ بعض حضرات ان علامتوں کو جائز اور بعض

مکروہ سمجھتے تھے، یقینی طور سے یہ کہنا بھی مشکل ہے کہ یہ علامتیں سب سے پہلے کس نے لگائیں؟ ایک قول یہ ہے کہ اس کا موجد حجاج بن یوسف تھا، اور دوسرا قول یہ ہے کہ سب سے پہلے عباسی خلیفہ مامون نے اس کا حکم دیا تھا لیکن یہ دونوں اقوال اس لیے درست معلوم نہیں ہوتے کہ خود صحابہؓ کے زمانے میں ''اَعشار'' کا تصوّر ملتا ہے، چناں چہ حضرت مسروقؒ فرماتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعودؓ مصحف میں ''اَعشار'' کا نشان ڈالنے کو مکروہ سمجھتے تھے۔

رکوع

''اَخماس'' اور ''اَعشار'' کی علامتیں تو بعد میں متروک ہوگئیں، لیکن ایک اور علامت جو آج تک رائج چلی آتی ہے، رکوع کی علامت ہے، اور اس کی تعیین قرآنِ کریم کے مضامین کے لحاظ سے کی گئی ہے، یعنی جہاں ایک سلسلہ کلام ختم ہوا وہاں رکوع کی علامت (حاشیہ پر حرف ''ع'') بنادی گئی، احقر کو جستجو کے باوجود مستند طور پر یہ معلوم نہیں ہوسکا کہ رکوع کی ابتداء کس نے اور کس دور میں کی؟ البتہ یہ بات تقریباً یقینی ہے کہ اس علامت کا مقصد آیات کی ایسی متوسط مقدار کی تعیین ہے جو ایک رکعت میں پڑھی جاسکے، اور اس کو ''رکوع'' اسی لیے کہتے ہیں کہ نماز میں اس جگہ پہنچ کر رکوع کیا جائے، پورے قرآن میں ۵۴۰ رکوع ہیں۔ اس طرح اگر تراویح کی ہر رکعت میں ایک رکوع پڑھا جائے، تو ستائیسویں شب میں قرآنِ کریم ختم ہوسکتا ہے۔

رُموزِ اوقاف

تلاوت اور تجوید کی سہولت کے لیے ایک اور مفید کام یہ کیا گیا کہ مختلف قرآنی جملوں پر ایسے اشارے لکھ دیے گئے جن سے یہ معلوم ہوسکے کہ اس جگہ وقف کرنا (سانس لینا) کیسا ہے؟ ان اشارات کو ''رُموزِ اوقاف'' کہتے ہیں، اور ان کا مقصد یہ ہے کہ ایک غیر عربی داں انسان بھی جب تلاوت کرے تو صحیح مقام پر وقف کرسکے، اور غلط جگہ سانس توڑنے سے معنی میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہو، ان میں سے اکثر رموز سب سے پہلے علامہ ابو عبداللہ محمد بن طیفور سجاوندی رحمۃ اللہ علیہ نے وضع فرمائے۔ ان رُموز کی تفصیل یہ ہے:

ط : یہ ''وقفِ مطلق'' کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں بات پوری ہوگئی ہے، اس لیے یہاں وقف کرنا بہتر ہے۔

ج : یہ ''وقفِ جائز'' کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ یہاں وقف کرنا جائز ہے۔

ز : یہ ''وقف مجوّز'' کا مخفف ہے، جس کا مطلب یہ ہے کہ وقف کرنا درست تو ہے، لیکن بہتر یہ ہے کہ وقف نہ کیا جائے۔

ص : یہ ''وقف مرخّص'' کا مخفف ہے، اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اس جگہ بات تو پوری نہیں ہوئی، لیکن جملہ چوں کہ طویل ہوگیا ہے، اس لیے سانس لینے کے لیے دوسرے مقامات کے بجائے یہاں وقف کرنا چاہیے۔ [۴]

م : یہ ''وقفِ لازم'' کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف نہ کیا جائے تو آیت کے معنی میں فحش غلطی کا امکان ہے، لہٰذا یہاں وقف کرنا زیادہ بہتر ہے، بعض حضرات اسے وقفِ واجب بھی کہتے ہیں، لیکن اس سے مراد فقہی واجب نہیں جس کے ترک سے گناہ ہو، بلکہ مقصد صرف یہ ہے کہ تمام اوقاف میں اس جگہ وقف کرنا سب سے زیادہ بہتر ہے۔ [۵]

لا : یہ ''لاتَقِفْ'' کا مخفف ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ ''یہاں نہ ٹھہرو''، لیکن اس کا منشاء یہ نہیں کہ یہاں وقف کرنا ناجائز ہے، بلکہ اس میں بہت سے مقامات ایسے ہیں جہاں وقف کرنے میں کوئی حرج نہیں، اور اس کے بعد والے لفظ سے ابتدا کرنا بھی جائز ہے، لہٰذا اس کا صحیح مطلب یہ ہے کہ اگر یہاں وقف کیا جائے تو بہتر یہ ہے کہ اسے دوبارہ لوٹا کر پڑھا جائے، اگلے لفظ سے ابتداء کرنا مستحسن نہیں [۱] [۲]

ان رموز کے بارے میں تو یقینی طور پر ثابت ہے کہ یہ علامہ سجاوندیؒ کے وضع کیے ہوئے ہیں ان کے علاوہ بھی بعض رُموز قرآنِ کریم کے نسخوں میں موجود ہیں، مثلاً:

مع : یہ "معانقہ" کا مخفف ہے، یہ علامت اس جگہ لکھی جاتی ہے، جہاں ایک ہی آیت کی دو تفسیریں ممکن ہیں، ایک تفسیر کے مطابق وقف ایک جگہ ہوگا، اور دوسری تفسیر کے مطابق دوسری جگہ، لہٰذا ان میں سے کسی ایک جگہ وقف کیا جا سکتا ہے، لیکن ایک جگہ وقف کرنے کے بعد دوسری جگہ وقف کرنا درست نہیں، مثلاً ذٰلِكَ مَثَلُهُمْ فِي التَّوْرٰىةِ ۚۛ وَ مَثَلُهُمْ فِي الْاِنْجِيْلِ ۚۛ كَزَرْعٍ اَخْرَجَ شَطْئَهٗ الخ (الفتح:۲۹) اس میں اگر التَّوْرٰىةِ پر وقف کر لیا تو الْاِنْجِيْلِ پر وقف درست نہیں، اور اگر اَلْاِنْجِيْل پر وقف کرنا ہے تو التَّوْرٰىةِ پر وقف درست نہیں، ہاں دونوں جگہ وقف نہ کریں تو درست ہے، اس کا ایک نام "مقابلہ" بھی ہے، اور اس کی سب سے پہلے نشان دہی امام ابوالفضل رازیؒ نے فرمائی۔ [۳]

سکتہ : یہ "سکتہ" کی علامت ہے، اور اس کا مقصد یہ ہے کہ اس جگہ رُکنا چاہیے، لیکن سانس نہ ٹوٹنے پائے، یہ عموماً اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں ملا کر پڑھنے سے معنی میں غلط فہمی کا اندیشہ ہو۔

وقفہ : اس جگہ "سکتہ" سے قدرے زیادہ دیر تک رُکنا چاہیے، لیکن سانس یہاں بھی نہ ٹوٹے۔

ق : یہ "قِيْلَ عَلَيْهِ الْوَقْفُ" کا مخفف ہے، مطلب یہ ہے کہ بعض حضرات کے نزدیک یہاں وقف ہے اور بعض کے نزدیک نہیں ہے۔

قف : یہ لفظ "قِفْ" ہے جس کے معنی ہیں "ٹھہر جاؤ"۔ اور یہ اس جگہ لایا جاتا ہے جہاں پڑھنے والے کو یہ خیال ہوسکتا ہو کہ یہاں وقف درست نہیں۔

صلے : یہ "اَلْوَصْلُ اَوْلٰى" کا مخفف ہے جس کے معنی ہیں کہ "ملا کر پڑھنا بہتر ہے"۔

صل : یہ "قَدْ يُوْصَلُ" کا مخفف ہے، یعنی یہاں بعض لوگ ٹھہرتے ہیں اور بعض ملا کر پڑھنے کو پسند کرتے ہیں۔

وقف النبی صلی اللہ علیہ وسلم : یہ اُن مقامات پر لکھا جاتا ہے جہاں کسی روایت کی رُو سے یہ ثابت ہے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تلاوت کرتے ہوئے اس جگہ وقف فرمایا تھا۔

قرآنِ کریم کی طباعت

جب تک پریس ایجاد نہیں ہوا تھا قرآنِ کریم کے تمام نسخے قلم سے لکھے جاتے تھے، اور ہر دور میں ایسے کاتبوں کی ایک بڑی جماعت موجود رہی ہے جس کا کتابت قرآن کے سوا کوئی مشغلہ نہیں تھا، قرآنِ کریم کے حروف کو بہتر سے بہتر انداز میں لکھنے کے لیے مسلمانوں نے جو محنتیں کیں اور جس طرح اس عظیم کتاب کے ساتھ اپنے والہانہ شغف کا اظہار کیا، اس کی ایک بڑی مفصّل اور دلچسپ تاریخ ہے جس کے لیے مستقل تصنیف چاہیے، یہاں اس کی تفصیل کا موقع نہیں۔

پھر جب پریس ایجاد ہوا تو سب سے پہلے ہیمبرگ کے مقام پر ۱۱۱۳ھ میں قرآنِ کریم طبع ہوا جس کا ایک نسخہ اب تک دار الکتب المصریہ میں موجود ہے، اس کے بعد متعدّد مستشرقین نے قرآنِ کریم کے نسخے طبع کرائے، لیکن اسلامی دنیا میں ان کو قبولیت حاصل نہ ہو سکی، اس کے بعد مسلمانوں میں سب سے پہلے مولائے عثمان نے روس کے شہر سینٹ پیٹرس برگ میں ۱۷۸۷ء میں قرآنِ کریم کا ایک نسخہ طبع کرایا، اسی طرح قازان میں بھی ایک نسخہ چھاپا گیا، ۱۸۲۸ء میں ایران کے شہر تہران میں قرآنِ کریم کو پتھر پر طبع کیا گیا، پھر اس کے مطبوعہ نسخے دنیا بھر میں عام ہو گئے۔

علم تفسیر

اب کچھ ضروری معلومات علمِ تفسیر کے سلسلے میں پیش خدمت ہیں، عربی زبان میں ''تفسیر'' کے لفظی معنی ہیں ''کھولنا'' اور اصطلاح میں علمِ تفسیر اس علم کو کہتے ہیں، جس میں قرآنِ کریم کے معانی بیان کیے جائیں، اور اس کے احکام اور حکمتوں کو کھول کر واضح کیا جائے قرآنِ کریم میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خطاب کرتے ہوئے ارشاد ہے:

وَ اَنْزَلْنَآ اِلَیْکَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ (النحل: ۴۴)

''اور ہم نے قرآن آپؐ پر اُتارا تاکہ آپؐ لوگوں کے سامنے وہ باتیں وضاحت سے بیان فرمادیں جواُن کی طرف اُتاری گئی ہیں''۔

نیز قرآنِ کریم کا ارشاد ہے:

لَقَدْ مَنَّ اللّٰهُ عَلَى الْمُؤْمِنِيْنَ اِذْ بَعَثَ فِيْهِمْ رَسُوْلًا مِّنْ اَنْفُسِهِمْ يَتْلُوْا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِهٖ وَ يُزَكِّيْهِمْ وَ يُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ وَ الْحِكْمَةَ ۚ (آل عمران: ۱۶۴)

''بلاشبہ اللہ نے مسلمانوں پر بڑا احسان فرمایا جب کہ اُن کے درمیان ان ہی میں سے ایک رسولؐ بھیجا، جو اُن کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کرے، اور انہیں پاک صاف کرے، اور انہیں اللہ کی کتاب اور دانائی کی باتوں کی تعلیم دے''۔

چناں چہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم صحابۂ کرامؓ کو صرف قرآنِ کریم کے الفاظ ہی نہیں سکھاتے تھے، بلکہ اس کی پوری تفسیر بیان فرمایا کرتے تھے، یہی وجہ ہے کہ صحابۂ کرامؓ کو ایک ایک سورت پڑھنے میں بعض اوقات کئی کئی سال لگ جاتے تھے، جس کی تفصیل انشاء اللہ آگے آئے گی۔

جب تک آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم دنیا میں تشریف فرما تھے، اُس وقت تک کسی آیت کی تفسیر معلوم کرنا کچھ مشکل نہیں تھا، صحابۂ کرامؓ کو جہاں کوئی دشواری پیش آتی وہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سے رجوع کرتے اور انہیں تسلی بخش جواب مل جاتا، لیکن آپؐ کے بعد اس بات کی ضرورت تھی کہ تفسیرِ قرآن کو ایک مستقل علم کی صورت میں محفوظ کیا جاتا، تاکہ اُمّت کے لیے قرآنِ کریم کے الفاظ کے ساتھ ساتھ اس کے صحیح معنی بھی محفوظ ہو جائیں، اور ملحد و گمراہ لوگوں کے لیے اس کی معنوی تحریف کی گنجائش باقی نہ رہے، چناں چہ اللہ تعالیٰ کے فضل اور اس کی توفیق سے اس امّت نے یہ کارنامہ اس حُسن وخوبی سے انجام دیا کہ آج ہم یہ بات بلاخوفِ تردید کہہ سکتے ہیں کہ اللہ کی اس آخری کتاب کے صرف الفاظ ہی محفوظ نہیں ہیں بلکہ اس کی وہ صحیح تفسیر وتشریح بھی محفوظ ہے جو آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ کے ذریعہ ہم تک پہنچی ہے۔

تفسیر قرآن کے مآخذ

علمِ تفسیر کو اِس اُمّت نے کس کس طرح محفوظ کیا؟ اس راہ میں انہوں نے کیسی کیسی مشقتیں اُٹھائیں؟ اور یہ جدّ و جہد کتنے مراحل سے گزری؟ اس کی ایک طویل اور دلچسپ تاریخ ہے جس کا یہاں موقع نہیں۔ لیکن یہاں مختصراً یہ بتانا ہے کہ تفسیر قرآن کے مآخذ کیا کیا ہیں؟ اور علمِ تفسیر پر جو بے شمار کتابیں ہر زبان میں ملتی ہیں انہوں نے قرآنِ کریم کی تشریح میں کن سرچشموں سے استفادہ کیا ہے، یہ سرچشمے کل چھ ہیں۔

۱۔ قرآنِ کریم

علم تفسیر کا پہلا ماخذ خود قرآنِ کریم ہے، چناں چہ ایسا بہ کثرت ہوتا ہے کہ کسی آیت میں کوئی بات مجمل اور تشریح طلب ہوتی ہے تو خود قرآنِ کریم ہی کی کوئی دوسری آیت اس کے مفہوم کو واضح کر دیتی ہے، مثلاً سورۂ فاتحہ کی دُعا میں یہ جملہ موجود ہے کہ ''صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ'' یعنی ''ہمیں اُن لوگوں کے راستہ کی ہدایت کیجیے جن پر آپ کا انعام ہوا'' اب یہاں یہ بات واضح نہیں ہے کہ وہ لوگ کون ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا، لیکن ایک دوسری آیت میں ان کو واضح طور سے متعین کر دیا گیا ہے، چناں چہ ارشاد ہے:

فَاُولٰٓئِكَ مَعَ الَّذِيْنَ اَنْعَمَ اللّٰهُ عَلَيْهِمْ مِّنَ النَّبِيّٖنَ وَ الصِّدِّيْقِيْنَ وَ الشُّهَدَآءِ وَ الصّٰلِحِيْنَ (النساء:۶۹)

''یہ وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے انعام فرمایا، یعنی انبیاء، صدّیقین، شہداء اور صالح لوگ''۔

چناں چہ مفسرین کرامؒ جب کسی آیت کی تفسیر کرتے ہیں تو سب سے پہلے یہ دیکھتے ہیں کہ اس آیت کی تفسیر خود قرآنِ کریم ہی میں کسی اور جگہ موجود ہے یا نہیں؟ اگر موجود ہوتی ہے تو سب سے پہلے اسی کو اختیار فرماتے ہیں۔

۲۔ حدیث

''حدیث'' آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اقوال و افعال کو کہتے ہیں، اور جیسا کہ پیچھے بیان

کیا جاچکا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآنِ کریم کے ساتھ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو مبعوث ہی اس لیے فرمایا تھا کہ آپ لوگوں کے سامنے قرآنِ کریم کی صحیح تشریح کھول کھول کر بیان فرمادیں، چناں چہ آپؐ نے اپنے قول اور عمل دونوں سے یہ فریضہ بحسن وخوبی انجام دیا، اور درحقیقت آپؐ کی پوری مبارک زندگی قرآن ہی کی عملی تفسیر ہے۔ اس لیے مفسرین کرامؒ نے قرآنِ کریم کو سمجھنے کے لیے دوسرے نمبر پر سب سے زیادہ زور حدیث پر دیا ہے، اور احادیث کی روشنی میں کتاب اللہ کے معنی متعین کیے ہیں، البتہ چوں کہ حدیث میں صحیح، ضعیف اور موضوع ہر طرح کی روایات موجود ہیں، اس لیے محقق مفسّرین اس وقت تک کسی روایت کو قابلِ اعتماد نہیں سمجھتے جب تک وہ تنقیدِ روایات کے اصولوں پر پوری نہ اُترتی ہو، لہٰذا جو روایت جہاں نظر آجائے اُسے دیکھ کر قرآنِ کریم کی کوئی تفسیر متعین کرلینا درست نہیں، کیوں کہ وہ روایت ضعیف اور دوسری مضبوط روایتوں کے خلاف بھی ہوسکتی ہے، درحقیقت یہ معاملہ بڑا نازک ہے اور اس میں قدم رکھنا ان ہی لوگوں کا کام ہے جنہوں نے اپنی عمریں ان علوم کو حاصل کرنے میں خرچ کی ہیں۔

۳- صحابہؓ کے اقوال

صحابہ کرامؓ نے قرآنِ کریم کی تعلیم براہ راست آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے حاصل کی تھی، اس کے علاوہ نزولِ وحی کے وقت وہ بہ نفس نفیس موجود تھے، اور انہوں نے نزولِ قرآن کے پورے ماحول اور پس منظر کا بذاتِ خود مشاہدہ کیا تھا، اس لیے فطری طور پر قرآنِ کریم کی تفسیر میں ان حضرات کے اقوال جتنے مستند اور قابلِ اعتماد ہوسکتے ہیں، بعد کے لوگوں کو وہ مقام حاصل نہیں ہوسکتا، لہٰذا جن آیتوں کی تفسیر قرآن یا حدیث سے معلوم نہیں ہوتی ان میں سب سے زیادہ اہمیت صحابہ کرامؓ کے اقوال کو حاصل ہے، چناں چہ اگر کسی آیت کی تفسیر پر صحابہؓ کا اتفاق ہو تو مفسرین کرام اسی کو اختیار کرتے ہیں اور اس کے خلاف کوئی اور تفسیر بیان کرنا جائز نہیں، ہاں! اگر کسی آیت کی تفسیر میں صحابہ کرامؓ کے اقوال مختلف ہوں تو بعد کے مفسرین دوسرے دلائل کی روشنی میں یہ دیکھتے ہیں کہ کون سی

تفسیر کو ترجیح دی جائے؟ اس معاملہ میں اہم اصول اور قواعد اصول فقہ، اصولِ حدیث اور اصول تفسیر میں مدوّن ہیں، ان کی تفصیل کا یہاں موقع نہیں۔

۴- تابعین کے اقوال

صحابہؓ کے بعد تابعینؒ کا نمبر آتا ہے، یہ وہ حضرات ہیں جنہوں نے قرآنِ کریم کی تفسیر صحابہ کرامؓ سے سیکھی ہے، اس لیے اُن کے اقوال بھی علم تفسیر میں بڑی اہمیت کے حامل ہیں، اگر چہ اس معاملہ میں علماء کا اختلاف ہے کہ تابعینؒ کے اقوال تفسیر میں حجت ہیں یا نہیں؟ لیکن ان کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جا سکتا ہے۔

۵- لغتِ عرب

قرآنِ کریم چوں کہ عربی زبان میں نازل ہوا ہے، اس لیے تفسیر قرآن کے لیے اس زبان پر مکمل عبور حاصل کرنا ضروری ہے، قرآنِ کریم کی بہت سی آیات ایسی ہیں کہ ان کے پس منظر میں چوں کہ کوئی شانِ نزول یا کوئی اور فقہی یا کلامی مسئلہ نہیں ہوتا، اس لیے اُن کی تفسیر میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم یا صحابہؓ و تابعینؒ کے اقوال منقول نہیں ہوتے، چناں چہ اُن کی تفسیر کا ذریعہ صرف لغت عرب ہوتی ہے اور لغت ہی کی بنیاد پر اس کی تشریح کی جاتی ہے، اس کے علاوہ اگر کسی آیت کی تفسیر میں کوئی اختلاف ہو تو مختلف آراء میں محاکمہ کے لیے بھی علم لغت سے کام لیا جاتا ہے۔

۶- تدبر اور استنباط

تفسیر کا آخری ماخذ "تدبّر اور استنباط" ہے، قرآنِ کریم کے نکات و اسرار ایک ایسا بحرِ ناپیدا کنار ہے، جس کی کوئی حد و نہایت نہیں، چناں چہ جس شخص کو اللہ تعالیٰ نے اسلامی علوم میں بصیرت عطا فرمائی ہو وہ جتنا جتنا اس میں غور و فکر کرتا ہے اُتنے ہی نئے نئے اسرار و نکات سامنے آتے ہیں، چناں چہ مفسرین کرامؒ اپنے اپنے تدبّر کے نتائج بھی اپنی تفسیروں میں بیان فرماتے ہیں، لیکن یہ اسرار و نکات اسی وقت قابل قبول ہوتے ہیں جب کہ وہ مذکورہ بالا پانچ ماخذ سے متصادم نہ ہوں، لہٰذا اگر کوئی شخص قرآن کی تفسیر میں کوئی ایسا نکتہ یا اجتہاد بیان کرے جو قرآن و سنت، اجماع، لغت یا صحابہؓ کے اقوال کے خلاف ہو یا کسی

دوسرے شرعی اصول سے ٹکراتا ہو تو اس کا کوئی اعتبار نہیں بعض صوفیاءؒ نے تفسیر میں اس قسم کے اسرار و نکات بیان کرنے شروع کیے تھے، لیکن اُمّت کے محقق علماء نے انہیں قابل اعتبار نہیں سمجھا، کیوں کہ قرآن وسنت اور شریعت کے بنیادی اصولوں کے خلاف کسی کی شخصی رائے ظاہر ہے کہ کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔

اسرائیلیات کا حکم

''اسرائیلیات'' اُن روایتوں کو کہتے ہیں جو اہل کتاب یعنی یہودیوں اور عیسائیوں سے ہم تک پہنچی ہیں، پہلے زمانے کے مفسرینؒ کی عادت تھی کہ وہ کسی آیت کے ذیل میں ہر قسم کی وہ روایات لکھ دیتے تھے جو انہیں سند کے ساتھ پہنچی تھیں، ان میں بہت سی روایتیں اسرائیلیات بھی ہوتی تھیں، اس لیے اُن کی حقیقت سے واقف ہونا بھی ضروری ہے، ان کی حقیقت یہ ہے کہ بعض صحابہ کرامؓ اور تابعینؒ پہلے اہل کتاب کے مذہب سے تعلق رکھتے تھے، بعد میں جب وہ مشرف بہ اسلام ہوئے اور قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کی تو انہیں قرآنِ کریم میں پچھلی امتوں کے بہت سے وہ واقعات نظر آئے جو انہوں نے اپنے سابقہ مذہب کی کتابوں میں بھی پڑھے تھے، چناں چہ وہ قرآنی واقعات کے سلسلے میں وہ تفصیلات مسلمانوں کے سامنے بیان کرتے تھے جو انہوں نے اپنے پُرانے مذہب کی کتابوں میں دیکھی تھیں، یہی تفصیلات اسرائیلیات کے نام سے تفسیر کی کتابوں میں داخل ہوگئی ہیں، حافظ ابن کثیرؒ نے جو بڑے محقق مفسرین میں سے ہیں، انہوں نے لکھا ہے کہ اسرائیلیات کی تین قسمیں ہیں:

۱- وہ روایات جن کی سچائی قرآن وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے، مثلاً فرعون کا غرق ہونا اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا کوہ طور پر تشریف لے جانا وغیرہ۔

۲- وہ روایات جن کا جھوٹ ہونا قرآن وسنت کے دوسرے دلائل سے ثابت ہے، مثلاً اسرائیلی روایات میں یہ مذکور ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام اپنی آخری عمر میں (معاذ اللہ) مرتد ہوگئے تھے، اس کی تردید قرآن کریم سے ثابت ہے کہ: وَمَا كَفَرَ سُلَيْمٰنُ

وَلٰكِنَّ الشَّيٰطِيْنَ كَفَرُوْا (البقرۃ:۱۰۲)، (اور سلیمانؑ کافر نہیں ہوئے، بلکہ شیاطین نے کفر کیا) اسی طرح مثلاً اسرائیلی روایات میں مذکور ہے کہ (معاذ اللہ) حضرت داؤد علیہ السلام نے اپنے سپہ سالار ''اوریا'' کی بیوی سے زنا کیا، یا اُسے مختلف تدبیروں سے مروا کر اس کی بیوی سے نکاح کر لیا، یہ بھی کھلا جھوٹ ہے اور اس قسم کی روایتوں کو غلط سمجھنا لازم ہے۔

۳- وہ روایات جن کے بارے میں قرآن وسنت اور دوسرے شرعی دلائل خاموش ہیں، جیسے کہ تورات کے احکام وغیرہ، ایسی روایات کے بارے میں آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم یہ ہے کہ ان کے بارے میں سکوت اختیار کیا جائے، نہ اُن کی تصدیق کی جائے اور نہ تکذیب، البتہ اس مسئلے میں علماء کا اختلاف ہے کہ آیا ایسی روایات کو نقل کرنا جائز بھی ہے یا نہیں؟ حافظ ابنِ کثیرؒ نے قول فیصل یہ بیان کیا ہے کہ انہیں نقل کرنا جائز تو ہے لیکن اس سے کوئی فائدہ نہیں، کیوں کہ شرعی اعتبار سے وہ حجت نہیں ہیں۔

تفسیر قرآن کے بارے میں ایک شدید غلط فہمی

مذکورہ بالا تفصیل سے یہ بات واضح ہوگئی ہوگی کہ قرآنِ کریم کی تفسیر ایک انتہائی نازک اور مشکل کام ہے، جس کے لیے صرف عربی زبان جان لینا کافی نہیں، بلکہ تمام متعلقہ علوم میں مہارت ضروری ہے، چناں چہ علماء نے لکھا ہے کہ مفسر قرآن کے لیے ضروری ہے کہ وہ عربی زبان کے نحو وصرف اور بلاغت وادب کے علاوہ علم حدیث، اصول فقہ وتفسیر اور عقائد وکلام کا وسیع وعمیق علم رکھتا ہو، کیوں کہ جب تک ان علوم سے مناسبت نہ ہو، انسان قرآنِ کریم کی تفسیر میں کسی صحیح نتیجے تک نہیں پہنچ سکتا۔

افسوس ہے کہ کچھ عرصہ سے مسلمانوں میں یہ خطرناک وبا چل پڑی ہے کہ بہت سے لوگوں نے صرف عربی پڑھ لینے کو تفسیر قرآن کے لیے کافی سمجھ رکھا ہے، چناں چہ جو شخص بھی معمولی عربی زبان پڑھ لیتا ہے، وہ قرآنِ کریم کی تفسیر میں رائے زنی شروع کر دیتا ہے، بلکہ بعض اوقات ایسا بھی دیکھا گیا ہے کہ عربی زبان کی نہایت معمولی شُدبُد رکھنے والے لوگ جنہیں عربی پر بھی مکمل عبور نہیں ہوتا، نہ صرف من مانے طریقے پر قرآن کی تفسیر شروع

کر دیتے ہیں، بلکہ پرانے مفسرین کی غلطیاں نکالنے کے درپے ہو جاتے ہیں، یہاں تک کہ بعض ستم ظریف تو صرف ترجمے کا مطالعہ کر کے اپنے آپ کو قرآن کا عالم سمجھنے لگتے ہیں اور بڑے بڑے مفسرین پر تنقید کرنے سے نہیں چوکتے۔

خوب اچھی طرح سمجھ لینا چاہیے کہ یہ انتہائی خطرناک طرزِ عمل ہے جو دین کے معاملہ میں نہایت مہلک گمراہی کی طرف لے جاتا ہے، دنیوی علوم وفنون کے بارے میں ہر شخص اس بات کو سمجھ سکتا ہے کہ اگر کوئی شخص محض انگریزی زبان سیکھ کر میڈیکل سائنس کی کتابوں کا مطالعہ کر لے تو دنیا کا کوئی صاحب عقل اُسے ڈاکٹر تسلیم نہیں کر سکتا، اور نہ اپنی جان اس کے حوالے کر سکتا ہے، جب تک کہ اس نے کسی میڈیکل کالج میں باقاعدہ تعلیم وتربیت حاصل نہ کی ہو، اس لیے کہ ڈاکٹر بننے کے لیے صرف انگریزی سیکھ لینا کافی نہیں، بلکہ باقاعدہ ڈاکٹری کی تعلیم وتربیت حاصل کرنا ضروری ہے، اسی طرح کوئی انگریزی داں انجینئرنگ کی کتابوں کا مطالعہ کر کے انجینئر بننا چاہے تو دنیا کا کوئی بھی باخبر انسان اسے انجینئر تسلیم نہیں کر سکتا، اس لیے کہ یہ کام صرف انگریزی زبان سیکھنے سے نہیں آسکتا، بلکہ اس کے لیے ماہر اساتذہ کے زیر تربیت رہ کر ان سے باقاعدہ اس فن کو سیکھنا ضروری ہے، جب ڈاکٹر اور انجینئر بننے کے لیے یہ کڑی شرائط ضروری ہیں تو آخر قرآن وحدیث کے معاملہ میں صرف عربی زبان سیکھ لینا کیسے کافی ہو سکتا ہے؟ زندگی کے ہر شعبہ میں ہر شخص اس اصول کو جانتا اور اس پر عمل کرتا ہے کہ ہر علم وفن کے سیکھنے کا ایک خاص طریقہ اور اس کی مخصوص شرائط ہوتی ہیں، جنہیں پورا کیے بغیر اس علم وفن میں اس کی رائے معتبر نہیں سمجھی جاتی، تو آخر قرآن وسنت اتنے لاوارث کیسے ہو سکتے ہیں کہ ان کی تشریح وتفسیر کے لیے کسی علم وفن کے حاصل کرنے کی ضرورت نہ ہو، اور اس کے معاملہ میں جو شخص چاہے رائے زنی شروع کر دے؟

بعض لوگ کہتے ہیں کہ قرآنِ کریم نے خود ارشاد فرمایا ہے کہ:

وَلَقَدْ يَسَّرْنَا الْقُرْاٰنَ لِلذِّكْرِ (القمر:۱۷)

''اور بلاشبہ ہم نے قرآنِ کریم کو نصیحت حاصل کرنے کے لیے آسان کر دیا ہے''۔

اور جب قرآنِ کریم ایک آسان کتاب ہے تو اس کی تشریح کے لیے کسی لمبے چوڑے علم

دفن کی ضرورت نہیں، لیکن یہ استدلال ایک شدید مغالطہ ہے جو خود کم فہمی اور سطحیت پر مبنی ہے، واقعہ یہ ہے کہ قرآنِ کریم کی آیات دو قسم کی ہیں، ایک تو وہ آیتیں ہیں جن میں عام نصیحت کی باتیں، سبق آموز واقعات اور عبرت و موعظت کے مضامین بیان کیے گئے ہیں، مثلاً دنیا کی ناپائیداری، جنت و دوزخ کے حالات، خوفِ خدا اور فکرِ آخرت پیدا کرنے والی باتیں، اور زندگی کے دوسرے سیدھے سادے حقائق، اس قسم کی آیتیں بلاشبہ آسان ہیں، اور جو شخص بھی عربی زبان سے واقف ہو وہ انہیں سمجھ کر نصیحت حاصل کر سکتا ہے، مذکورہ بالا آیت میں اسی قسم کی تعلیمات کے بارے میں یہ کہا گیا ہے کہ ان کو ہم نے آسان کر دیا ہے، چناں چہ خود اس آیت میں لفظ لِلذِّکْرِ (نصیحت کے واسطے) اس پر دلالت کر رہا ہے۔

اس کے برخلاف دوسری قسم کی آیتیں وہ ہیں جو احکام و قوانین، عقائد اور علمی مضامین پر مشتمل ہیں، اس قسم کی آیتوں کا کما حقہ، سمجھنا اور ان سے احکام و مسائل مستنبط کرنا ہر شخص کا کام نہیں، جب تک اسلامی علوم میں بصیرت اور پختگی حاصل نہ ہو، یہی وجہ ہے کہ صحابہ کرامؓ کی مادری زبان اگر چہ عربی تھی، اور عربی سمجھنے کے لیے انہیں کہیں تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت نہیں تھی، لیکن وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کی تعلیم حاصل کرنے میں طویل مدتیں صرف کرتے تھے، علّامہ سیوطیؒ نے امام ابو عبدالرحمٰن سلمیؒ سے نقل کیا ہے کہ جن حضرات صحابہؓ نے سرکارِ دوعالم صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی ہے، مثلاً حضرت عثمان بن عفّانؓ اور عبداللہ بن مسعودؓ وغیرہ انہوں نے ہمیں بتایا کہ جب وہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے قرآنِ کریم کی دس آیتیں سیکھتے تو اس وقت تک آگے نہیں بڑھتے تھے جب تک ان آیتوں کے متعلق تمام علمی اور عملی باتوں کا احاطہ نہ کرلیں، وہ فرماتے تھے کہ:

فَتَعَلَّمْنَا الْقُرْاٰنَ وَالْعِلْمَ وَالْعَمَلَ جَمِیْعًا۔

"ہم نے قرآن اور علم و عمل ساتھ ساتھ سیکھا ہے۔"

چناں چہ مؤطا امام مالکؒ میں روایت ہے کہ حضرت عبداللہ بن عمرؓ نے صرف سورۂ بقرہ یاد کرنے میں پورے آٹھ سال صرف کیے، مسند احمدؒ میں حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ ہم میں سے جو شخص سورۂ بقرہ اور سورۂ آل عمران پڑھ لیتا ہماری نگاہوں میں اُس کا مرتبہ

بہت بلند ہو جاتا تھا۔

غور کرنے کی بات یہ ہے کہ یہ حضرات صحابہؓ جن کی مادری زبان عربی تھی، جو عربی کے شعر و ادب میں مہارتِ تامہ رکھتے تھے، اور جن کو لمبے لمبے قصیدے معمولی توجہ سے از بر ہو جایا کرتے تھے، انہیں قرآنِ کریم کو یاد کرنے اور اس کے معانی سمجھنے کے لیے اتنی طویل مدّت کی کیا ضرورت تھی کہ آٹھ آٹھ سال صرف ایک سورت پڑھنے میں خرچ ہو جائیں؟ اس کی وجہ صرف یہ تھی کہ قرآنِ کریم اور اس کے علوم کو سیکھنے کے لیے صرف عربی زبان کی مہارت کافی نہیں تھی، بلکہ اس کے لیے آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی صحبت اور تعلیم سے فائدہ اٹھانا ضروری تھا، اب ظاہر ہے کہ جب صحابہ کرامؓ کو عربی زبان کی مہارت اور نزولِ وحی کا براہ راست مشاہدہ کرنے کے باوجود "عالمِ قرآن" بننے کے لیے باقاعدہ حضوؐر سے تعلیم حاصل کرنے کی ضرورت تھی تو نزولِ قرآن کے سینکڑوں سال بعد عربی کی معمولی شُد بُد پیدا کر کے یا صرف ترجمے دیکھ کر مفسرِ قرآن بننے کا دعویٰ کتنی بڑی جسارت اور علم و دین کے ساتھ کیسا افسوسناک مذاق ہے؟ ایسے لوگوں کو جو اس جسارت کا ارتکاب کرتے ہیں سرکارِ دو عالم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا یہ ارشاد اچھی طرح یاد رکھنا چاہئے کہ:

مَنْ قَالَ فِی الْقُرْاٰنِ بِغَیْرِ عِلْمٍ فَلْیَتَبَوَّأْ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ۔

"جو شخص قرآن کے معاملہ میں علم کے بغیر کوئی بات کہے تو وہ اپنا ٹھکانا جہنّم میں بنالے۔"

اور:

مَنْ تَکَلَّمَ فِی الْقُرْاٰنِ بِرَاْیِہٖ فَاَصَابَ فَقَدْ اَخْطَاَ۔

"جو شخص قرآن کے معاملے میں (محض) اپنی رائے سے گفتگو کرے اور اس میں کوئی صحیح بات بھی کہہ دے تب بھی اس نے غلطی کی۔"



علمائے دیوبند کی
دس اردو تفاسیر کا مختصر تعارف

تحریر: بدرالاسلام قاسمی

بیان القرآن (۳؍جلدیں)

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ

علمائے دیوبند میں حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کا نام اس مقام و مرتبے پر ہے کہ جس کے بارے میں کچھ کہنا سورج کو چراغ دکھانے کے مترادف ہوگا۔ ایک جملے میں اگر حضرت کے مقام کو واضح کیا جائے تو دارالعلوم کے ایک سابق استاذ کے بقول "دارالعلوم کے فخر کے لیے اتنا ہی کافی ہے کہ اس نے اشرف علی تھانوی کو پیدا کیا ہے۔"

تفسیر، حدیث، فقہ و فتاویٰ، اصول فقہ، تصوّف و سلوک، وعظ و نصیحت، اصلاحِ عوام و خواص کون سا موضوع ہے جس پر حضرت کی کوئی تحریر موجود نہ ہو، چھوٹے چھوٹے رسالوں، مکتوبات اور بعض مرتبہ ایک مختصر فقرے میں وہ ایسی بات کہہ دیتے ہیں جو سینکڑوں صفحات کا خلاصہ ہوتی ہے۔ بس یہی انداز ان کی اس تفسیر میں بھی دیکھنے کو ملتا ہے، جس میں قرآن کریم کی نہایت مختصر اور جامع تشریح کی گئی ہے، درمیان میں تصوّف و سلوک کے پُر لطف نکات کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ اس کے اختصار اور جامعیت کی وجہ سے بعض علماء نے لکھا ہے کہ اردو تفاسیر میں بیان القرآن کو وہی مقام حاصل ہے جو عربی تفاسیر میں جلالین شریف کو حاصل ہے، کتاب کی زبان چوں کہ خالص علمی ہے اس لیے عوام الناس کا اس سے استفادہ کرنا کافی مشکل معلوم ہوتا ہے۔

تفسیر عثمانی (۲ جلدیں)

شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ

شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن صاحب دیو بندیؒ سے احباب ومتوسلین نے ترجمہ قرآن تحریر کرنے کا اصرار کیا، جس پر انھوں نے الگ سے ترجمہ لکھنے کے بجائے حضرت شاہ عبدالقادر دہلوی علیہ الرحمہ کے مستند اور مقبول اُردو ترجمہ کی تسہیل کو عوام وخواص کی ضرورت کی تکمیل کے لیے کافی سمجھا۔ ترجمہ کے بعد اس پر تفسیری حواشی تحریر کیے، سورۂ نساء تک ہی لکھ پائے تھے کہ شیخ الہند کی وفات ہوگئی۔ اس کے بعد کے حواشی شیخ الاسلام حضرت علامہ شبیر احمد عثمانی علیہ الرحمہ نے تحریر کیے تھے جنہیں بعد میں ''تفسیر عثمانی'' کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔

اس کے کچھ امتیازات جناب مولانا ولی رازی صاحب نے یوں ذکر کیے ہیں:

۱- زبان وبیان کے اعتبار سے یہ تفسیر بہت معیاری ہے، ترجمہ (مترجم: شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیو بندیؒ) میں جس طرح معیاری اسلوب اختیار کیا گیا ہے، اسی طرح تفسیر میں بھی سلیس اسلوب اختیار کیا گیا ہے۔

۲- تفسیر عثمانی اپنے اختصار کے اعتبار سے بھی بے مثال ہے، نہایت قلیل عبارت میں مسائل کو اس طرح حل کیا ہے کہ عام قاری بھی ان کو سمجھ لیتا ہے اور کوئی دشواری محسوس نہیں ہوتی۔

۳- جن مقامات کی تفسیر میں مفسرین کا اختلاف ہے، ان میں بڑی احتیاط کے ساتھ راجح اقوال کو ذکر کیا ہے اور متعدد مقامات پر وجہ ترجیح بھی ذکر کی ہے۔

۴- مولانا نے یہ تفسیر عصری تقاضوں کو سامنے رکھ کر لکھی ہے، اس لیے جدید ذہن کے شبہات اور فلسفہ جدیدہ کے مسائل کا کافی وشافی اور مدلل جواب دیا ہے۔

۵- بعض ایسے امور جن کو تجربات ومشاہدات زدہ جدید ذہن قبول کرنے میں تأمل کرتا ہے، ان مسائل کی عقلی توجیہ کر کے ان کو جدید ذہن کے لیے بھی قابلِ قبول بنایا ہے،

جیسے مسئلہ روح وغیرہ۔

۶- قرآن مجید کی آیات میں کوئی تعارض محسوس ہوتا ہے یا واقعات کے بیان میں دو مختلف مقامات پر مختلف اندازِ بیان ہوتا ہے، ان سب آیات کی تفہیم میں تمام اشکال حل کرنے کی سعی کی ہے۔ (فضلائے دیوبند کی قرآنی خدمات: ۱۷۱-۱۷۲)

زمانہ قدیم میں حکومت سعودی کی جانب سے برصغیر کے اردو داں طبقے کو بڑے سائز میں جو سبز رنگ کا ترجمہ قرآن کریم پیش کیا جاتا تھا اس کے حاشیہ پر یہی تفسیر ہوتی تھی، جس میں ترجمہ قرآن کریم شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی علیہ الرحمہ کا تھا۔ بعد میں کچھ مسلکی متعصبین کی جانب سے پھیلائی گئی غلط فہمیوں کی وجہ سے سعودی حکومت کی جانب سے اس قیمتی ہدیہ کا سلسلہ موقوف ہوگیا۔ تاہم اب یہ تفسیر الگ سے دو جلدوں میں مارکیٹ میں دستیاب ہے۔

معارف القرآن (۸ر جلدیں)

مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی دیوبندیؒ

۸ر جلدوں پر مشتمل یہ تفسیر بلا مبالغہ برصغیر کی سب سے مقبول اردو تفاسیر میں سے ایک ہے۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب علیہ الرحمہ نے قیام پاکستان کے بعد عوام الناس کے لیے ریڈیو پر اردو تفسیر کا ایک سلسلہ شروع کیا تھا، جس کو بعد میں نظر ثانی اور ضروری حذف واضافے کے ساتھ باقاعدہ کتاب کی شکل دے دی گئی۔ حضرت مفتی شفیع صاحب کی شدید علالت کی وجہ سے درمیان کا کچھ حصہ ان کے لائق فرزند حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب نے تحریر کیا تھا جس کی تفصیل کتاب کے مقدمہ میں ملتی ہے۔ اس کتاب میں قرآن کریم کے دو ترجمے شامل کیے گئے ہیں، پہلا ترجمہ متن کے نیچے شیخ الہند حضرت مولانا محمود حسن دیوبندی علیہ الرحمہ کا ہے، جب کہ دوسرا ترجمہ ''خلاصۂ تفسیر'' کے عنوان سے حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی علیہ الرحمہ کا ہے، خلاصۂ تفسیر کے بعد ''معارف ومسائل'' کے عنوان سے حضرت مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی صاحب

مسائل واحکامات اور متعلقہ مباحث پر کلام کرتے ہیں۔ یہ تفسیر اگرچہ عوام الناس کے لیے لکھی گئی تھی، تاہم مرورِ زمانہ کے ساتھ اردو دانی وزبان فہمی میں کافی انحطاط آتا گیا، جس کی وجہ سے شیخ الہند اور حکیم الامت کے ترجمہ سے مکمل استفادہ ذرا مشکل ہوگیا، اسی کے پیش نظر شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم نے آسان ترجمہ قرآن کے عنوان سے ہر متن کے بعد اپنا ترجمہ بھی شامل کتاب کردیا، جو نہایت سلیس اور آسان زبان میں ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ دارالعلوم کراچی کے اساتذہ کی ایک جماعت کے ذریعہ پوری تفسیر کی تحقیق وتخریج بھی کرادی گئی جس کے نتیجے میں حاشیہ کا گراں قدر اضافہ بھی ہوگیا۔ ایک سال قبل دیوبند کے مشہور ناشر کتب ''زکریا بک ڈپو'' کے ذمہ داران نے طلبہ وطالبات کی سہولت کے پیش نظر راقم (بدرالاسلام قاسمی) کے ذریعہ اس میں 'آسان لغات القرآن' کا اضافہ کرادیا جس کی وجہ سے ان کا ایڈیشن 9 جلدوں پر مشتمل ہے۔

الحاصل مارکیٹ میں معارف القرآن مختلف سائز میں تین طرح کا دستیاب ہے (۱) قدیم مع دستی کتابت (۲) معارف القرآن مع آسان ترجمہ قرآن کمپیوٹر کتابت (۳) معارف القرآن مع آسان ترجمہ قرآن وآسان لغات القرآن جدید کمپیوٹر کتابت۔

معارف القرآن (۸ ؍جلدیں)

شیخ الحدیث والتفسیر حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ

تقسیم ہند کے وقت عام مسلمانوں کے ساتھ کئی مستند ومعتبر اور اکابر علماء ومشائخ پاکستان ہجرت کر گئے تھے، انہیں میں ایک جلی نام حضرت مولانا محمد ادریس صاحب کاندھلوی علیہ الرحمہ کا ہے۔

حضرت مولانا کی تفسیر معارف القرآن 1382ء میں پاکستان سے آٹھ جلدوں میں شائع ہوئی ہے، تفسیر لکھنے کے کیا محرکات تھے انھیں مصنف موصوف نے کتاب کے مقدمہ ہی میں واضح فرمادیا ہے؛ چنانچہ لکھتے ہیں:

''میرے دل میں خیال آیا کہ ایک ایسی تفسیر لکھی جائے جو مطالب قرآنیہ کی توضیح و

تشریح اور ربط آیات کے علاوہ قدرے احادیث صحیحہ اور اقوال صحابہ وتابعین پر اور بقدر ضرورت لطائف ومعارف اور نکات اور مسائل مشکلہ کی تحقیقات اور ملاحدہ اور زنادقہ کی تردید اور ان کے شبہات اور اعتراضات کے جوابات پر مشتمل ہو پھر یہ کہ وہ ترجمہ اور تفسیر سلف صالحین کے مسلک سے ذرہ برابر بھی ہٹا ہوا نہ ہو اور کسی جگہ بھی اپنی رائے اور خیال اور نظریہ کو قرآن کے بہانے سے پیش کر کے مسلمانوں کو دھوکا اور فریب نہ دیا جائے، جیسا کے آج کل آزاد منشوں کا طریقہ ہے کہ قرآن کی تفسیریں لکھ کر اس لیے شائع کر رہے ہیں کہ تاویل اور تحریف کے ذریعے قرآنی تعلیمات کو مغربی تہذیب وتمدن کے مطابق کر دیں اور اپنے حسب منشا قرآن کے معنی گھڑ کر خیالات باطلہ کے نام سے مسلمانوں میں پھیلایا جائے۔“

مولانا کاندھلوی کے اس مقدمہ سے اس تفسیر کا امتیازی پہلو اور اس کی خصوصیات بھی واضح ہیں، مولانا نے اس تفسیر میں کلامی اور اعتقادی مسائل پر زیادہ توجہ دی ہے یہ بھی اس کتاب کا امتیازی رنگ ہے زبان عالمانہ ہے۔ معارف القرآن محققانہ انداز کی بہترین تفسیر ہے' متن قرآن کے ساتھ شاہ عبدالقادر محدث دہلوی کا ترجمہ ہے۔ تفسیر میں بیان القرآن کی پیروی کی گئی ہے اور حدیثی' کلامی' فقہی اور تاریخی فوائد کا گراں قدر اضافہ کیا ہے۔

واضح رہے کہ دقیق علمی اصطلاحات اور مشکل جملوں کی وجہ سے یہ تفسیر عوام کے لیے زیادہ سودمند نہیں، البتہ مضبوط استعداد رکھنے والے علماء کے لیے نہایت مفید ہے۔

انوار البیان فی کشف اسرار القرآن (۵ رجلدیں)

حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہریؒ

تاریخ، سیرت، فقہ اور دیگر کئی موضوعات پر درجنوں کتابوں کے مصنف حضرت مولانا عاشق الٰہی بلند شہری کی یہ تفسیر پانچ جلدوں پر مشتمل ہے۔ یہ تفسیر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی پاک سرزمین مدینہ منورہ میں لکھی گئی ہے، چناں چہ تصنیف کی مدت اور مقام وغیرہ کے تعلق سے حضرت مفسر علیہ الرحمہ لکھتے ہیں:

”میں اس جلیل القدر کام میں دس سال اور چند ماہ تک مشغول رہا اور یہ مدت دیارِ

رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم میں گذارنے کی سعادت حاصل ہوئی، اور بالآخر جمادی الاولیٰ ۱۴۱۶ھ کے درمیانی عشرہ میں اس مبارک کام کی تکمیل ہوئی۔"

تفسیر مختصر اور عوام کے لیے مفید ہے، مفتیٰ بہ اقوال اور مسائل کا اندراج متعلقہ آیات کے ذیل میں کیا گیا ہے، زبان بھی زیادہ مشکل نہیں ہے۔

انوار القرآن (۱۲؍جلدیں)

حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندیؒ

اس طویل اور مفصل تفسیر کے مصنف دار العلوم دیوبند کے سابق استاذ حضرت مولانا محمد نعیم صاحب دیوبندی علیہ الرحمہ ہیں، جو دار العلوم دیوبند کے دولخت ہونے کے بعد تاحیات دار العلوم وقف دیوبند سے انتظامی وتدریسی اعتبار سے وابستہ رہے اور دورۂ حدیث میں بخاری شریف کا درس دیتے رہے۔ کتاب کے مقدمے میں حضرت مفسر لکھتے ہیں:

"عمر عزیز کی ۶۶؍منزلیں طے ہو چکی ہیں لیکن اس طویل عرصے میں کیا کھویا کیا پایا؟ نہایت صفائی کے ساتھ اس کا اقرار واعتراف ہے کہ سب کچھ کھویا اور گنوایا ہی، پایا کچھ نہیں ہے۔ اب تو منزل سامنے ہے اور ہاتھ خالی ہے، اس لیے جی چاہتا ہے کہ جو کچھ موہوم ساعتیں رہ گئی ہیں اور سانس باقی ہے وہ کلام اللہ کی خدمت میں صرف ہو جائیں، اگرچہ کتاب اللہ کو اُس کے گراں قدر، بے شمار تراجم اور تفاسیر کی موجودگی میں اس حقیر خدمت کی بالکل حاجت نہیں، مگر خدمت گار تو محتاجِ خدمت ہے۔"

یہ تفسیر غالباً علمائے دیوبند کی جانب سے تحریر کردہ اردو تفسیروں میں سب سے مفصل ہے، انداز بیان علماء اور عوام دونوں کے لیے مفید ہے، تاہم بعض مقامات پر علمی اصطلاحات کا استعمال عوام کے لیے دشواری کا سبب ہوسکتا ہے۔ تفسیر میں آیات کا باہمی ربط، شانِ نزول، روایات، فقہاء کے اقوال ومسالک؛ سب کا بھرپور تذکرہ موجود ہے۔

اس کا تحقیق وتخریج شدہ جدید ایڈیشن منظر عام پر آچکا ہے۔ درسِ قرآن، تفسیر اور قرآنیات سے دلچسپی رکھنے والوں کے لیے نہایت قیمتی کتاب ہے۔

تفسیر ہدایت القرآن (۸ ؍ جلدیں)

حضرت مولانا مفتی سعید احمد صاحب پالن پوریؒ

دار العلوم دیو بند کے سابق شیخ الحدیث، شارحِ بخاری و ترمذی، کئی علمی کتابوں کے مصنّف اور متصلّب و مستند عالم دین حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوری علیہ الرحمہ کی یہ تفسیر ۸ ؍ جلدوں پر مشتمل ہے۔ کتاب کی ابتداء میں مفتی صاحب علیہ الرحمہ نے جو تحریر لکھی ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تفسیر ہدایت القرآن کی شروعات حضرت مولانا محمد عثمان کاشف الہاشمی صاحب نے کی تھی جو عوامی زبان اور قرآنی وعظ و نصیحت کو مدنظر رکھتے ہوئے ایک ایک پارہ کی تفسیر لکھتے اور اسی طرح ترتیب سے شائع کرتے تھے، پارہ عم کے علاوہ وہ ۹ ؍ پارے مزید لکھ چکے تھے، لیکن اس کے بعد ناشر کتاب کی جانب سے حضرت مفتی سعید صاحب کی خدمت میں درخواست کی گئی کہ وہ یہ سلسلہ آگے بڑھائیں، چناں چہ حضرت مفتی صاحب نے بھی اپنی علمی مصروفیات و مشغولیات میں سے تھوڑا تھوڑا وقت نکال کر اس کو تحریر فرمایا۔ ۱۹۷۴ء سے یہ سلسلہ شروع ہوا تھا اور اس کی تکمیل حضرت مفتی صاحب کی وفات سے چند سال قبل ہی ہوئی تھی۔ اس تفسیر کی ایک خصوصیت اس میں پیش کردہ ترجمہ قرآن کریم کا انداز ہے جس میں اوّلاً ہر لفظ کو کاٹ کاٹ کر الگ باکس میں ترجمہ کیا گیا ہے، اس کے بعد اس کو مکمل جملے کی شکل میں لکھا گیا ہے جس سے عوام کے لیے ترجمہ سمجھنا مزید آسان ہو جاتا ہے۔

نور القرآن (۷ ؍ جلدیں)

حضرت مولانا مفتی فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحبؒ

اس کتاب کے مصنّف دار العلوم دیو بند کے سابق استاذ، پنجاب (انڈیا) کے شاہی مفتی اور دار العلوم وقف دیو بند کے سابق صدر مفتی جناب مولانا فضیل الرحمٰن ہلال عثمانی صاحب ہیں۔ مولانا عثمانی تاریخ، سیرت، ایمانیات، عربی نحو و صرف کی چھوٹی بڑی درجنوں کتابوں کے مصنّف و مؤلف ہیں اور بہت عمدہ قلم کار ہیں۔ یہ تفسیر دراصل تفسیر روح القرآن

شرح جلالین شریف (مرتب: مولانا فضیل الرحمٰن صاحب عثمانیؒ) کا خلاصہ ہے۔
چناں چہ مولانا عثمانیؒ کتاب کی ابتدا میں لکھتے ہیں:
''کتاب کے شائع ہونے کے بعد یہ اندازہ ہوا کہ اگر اس (تفسیر روح القرآن شرح جلالین) کو بغیر جلالین کے صرف ترجمہ اور تفسیر کے ساتھ شائع کیا جائے تو عام لوگوں کے لیے زیادہ مفید ثابت ہوسکتی ہے، کیوں کہ تشریحات کا اپنا ایک خاص اسلوب ہے اور اس کا مقصد یہ کہ تفسیری اور فقہی بحثوں میں پڑے بغیر صرف قرآن کے اصل پیغام کو سامنے رکھا جائے، اس کا رنگ دعوتی ہے اور یہ بات بھی پیش نظر ہے کہ ہر طبقے، ہر مکتب فکر، ہر مسلک کے لوگ بلا تکلف اس سے فائدہ اٹھا سکیں۔''

توضیح القرآن (۳؍جلدیں)

شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب دامت برکاتہم

عصر حاضر کے علماء میں حضرت مفتی صاحب کی شخصیت کسی تعارف کی چنداں محتاج نہیں ہے، بلکہ اگر یہ کہا جائے کہ افراط وتفریط اور مبالغہ ومغالطہ کے اس دور میں اسلام کی معتدل اور حقیقی ترجمانی جن حضرات کے حصے میں آئی ہے حضرت مفتی صاحب کا نام ان میں کافی نمایاں ہے۔ عوام الناس کو مطالعہ قرآن سے قریب کرنے اور انہیں مختصر ومستند معلومات فراہم کرنے کی غرض سے لکھی گئی یہ تفسیر نہایت مختصر ہے، لیکن عوام الناس کے لیے کافی حد تک تشفی بخش ہے۔ اس کے دو طرح کے ایڈیشن مارکیٹ میں دستیاب ہیں: (۱) تین جلدوں والا اور (۲) ایک جلد والا۔ مشمولات کے اعتبار سے دونوں میں کوئی فرق نہیں، بس فونٹ سائز اور جلدوں کا فرق ہے۔

آسان تفسیر (۲؍جلدیں)

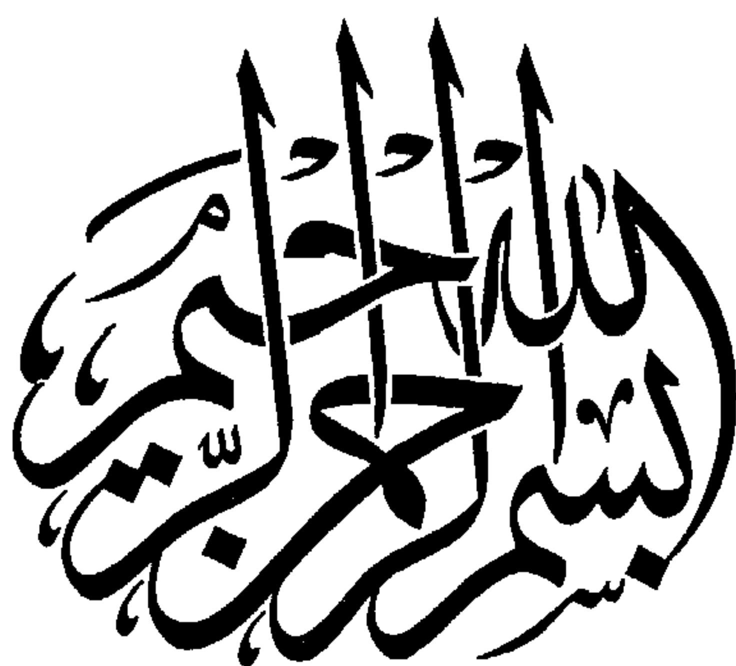
حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی مدظلہ

اس کے مصنف ہندوستان کے مشہور عالم دین اور چھوٹی بڑی درجنوں کتابوں کے مصنف حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی دامت برکاتہم ہیں۔ اس تفسیر میں آسان و

سلیس اردو زبان میں قرآن مجید کا ترجمہ اور مختصر تشریح جس میں مستند احادیث کی روشنی میں قرآنی تعلیمات کو واضح کیا گیا ہے، سابقہ اقوام سے متعلق واقعات کے ذیل میں دعوتی نکات اور سبق آموز پہلوؤں پر روشنی ڈالی گئی ہے۔ قرآن مجید سے مستنبط ہونے والے شرعی احکام اور خاص کر جدید مسائل پر توجّہ دی گئی ہے۔ اہل مغرب کی جانب سے پھیلائی جانے والی غلط فہمیوں کو دور کیا گیا ہے اور عصر حاضر کے غیر اسلامی اور نادرست افکار و نظریات کے بارے میں قرآن مجید کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے۔







بسم الله الرحمن الرحيم



پارہ: (۱)

تعارف سورۂ فاتحہ

سورۂ فاتحہ نہ صرف قرآن مجید کی موجودہ ترتیب میں سب سے پہلی سورت ہے؛ بلکہ یہ پہلی وہ سورت ہے جو مکمل طور پر نازل ہوئی، اس سے پہلے کوئی سورت پوری نہیں نازل ہوئی تھی؛ بلکہ بعض سورتوں کی کچھ آیتیں آئی تھیں، اس سورت کو قرآن کریم کے شروع میں رکھنے کا منشا بظاہر یہ ہے کہ جو شخص قرآن کریم سے ہدایت حاصل کرنا چاہتا ہو، اسے سب سے پہلے اپنے خالق و مالک کی صفات کا اعتراف کرتے ہوئے اس کا شکر ادا کرنا چاہیے اور ایک حق کے طلب گار کی طرح اسی سے ہدایت مانگنی چاہیے؛ چنانچہ اس میں بندوں کو وہ دعا سکھائی گئی ہے جو ایک طالب حق کو اللہ سے مانگنی چاہیے، یعنی سیدھے راستے کی دعا، اس طرح اس سورت میں صراط مستقیم یا سیدھے راستے کی جو دعا مانگی گئی ہے پورا قرآن اس کی تشریح ہے کہ وہ سیدھا راستہ کیا ہے؟

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)

آیاتہا ۷	سُوْرَۃُ الْفَاتِحَۃِ مَکِّیَّۃ	رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱﴾ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿۲﴾ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ﴿۳﴾ اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ ﴿۴﴾ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ ﴿۵﴾ صِرَاطَ الَّذِيْنَ اَنْعَمْتَ عَلَيْهِمْ ۙ غَيْرِ الْمَغْضُوْبِ عَلَيْهِمْ وَ لَا الضَّآلِّيْنَ ﴿۷﴾

اس مکی سورۃ کا نام سورۂ فاتحہ اس لیے رکھا گیا ہے کہ اسی سے قرآن کریم کا افتتاح اور آغاز ہوا ہے۔

یہ سورت تین بنیادی اسلامی تعلیمات پر مشتمل ہے، اس اعتبار سے اسے قرآن کریم کا خلاصہ کہا جا سکتا ہے۔ وہ تین بنیادی تعلیمات یہ ہیں: (۱) توحید (۲) رسالت (۳) قیامت۔ پہلی دو آیات میں توحید کا ذکر ہے، پانچویں اور چھٹی آیت میں نبوت و رسالت کی جانب اشارہ ہے، جب کہ تیسری آیت میں قیامت کا مضمون ہے۔

ابتدائی تین آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ دنیا میں انسان کی بقا، اُس کی زندگی، اُس کے لیے پیدا کردہ اسبابِ راحت و آرام، سب اللہ تعالیٰ کی صفتِ رحمت اور اُس کی عمدہ پرورش کے نتیجے میں ہے، اگر یہ رحمت و ربوبیت نہ ہوتی تو اس کا دنیا میں ایک لمحہ گزارنا بھی ناممکن تھا، لہٰذا اُن انعامات کے نتیجے میں انسان پر لازم ہے کہ وہ ہر طرح کی حمد و تعریف کا مستحق صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کو سمجھے، نیز ظاہری اسباب کے نتیجے میں ہونے والی دنیا کی

کوئی بھی تعریف درحقیقت اللہ ہی کی حمد وثناء ہے جو اُن اسبابِ حمد کو پیدا کرنے والا ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ سے سیدھے راستے کی ہدایت کی درخواست ہے، اور پورا قرآن کریم پھر اسی درخواست کا نتیجہ ہے، گویا اوّلاً دعا ہے، اور آگے آنے والی تعلیمات واحکامات جوابِ دعا ہیں، جن پر چل کر انسان راہِ راست کو پاسکتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے انعام یافتہ بندوں یعنی انبیائے کرام، صحابہ عظام اور اولیاء اللہ کی صف میں شامل ہوسکتا ہے۔

اہم مسائل

مسئلہ: قرآن کی تلاوت شروع کرنے کے وقت اوّل اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ اور پھر بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ پڑھنا سنت ہے، اور درمیانِ تلاوت بھی سورۂ برأت کے علاوہ ہر سورت کے شروع میں بسم اللہ پڑھنا سنت ہے۔

مسئلہ: پہلی رکعت کے شروع میں اَعُوْذُ بِاللّٰہِ کے بعد بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا باتفاق ائمہ مسنون ہے، البتہ اس میں اختلاف ہے کہ آواز سے پڑھا جائے یا آہستہ، امام اعظم ابوحنیفہؒ اور بہت سے دوسرے ائمہ آہستہ پڑھنے کو ترجیح دیتے ہیں۔

پہلی رکعت کے بعد دوسری رکعتوں کے شروع میں بھی بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنا چاہیے، اس کے مسنون ہونے پر سب کا اتفاق ہے، اور بعض روایات میں ہر رکعت کے شروع میں بِسْمِ اللّٰہِ پڑھنے کو واجب کہا گیا ہے۔ (معارف بحوالہ شرح منیہ)

مسئلہ: نماز میں سورۂ فاتحہ کے بعد سورت شروع کرنے سے پہلے امام اور منفرد کے لیے بسم اللہ پڑھنا مستحب ہے۔



تعارف سورۂ بقرہ

یہ قرآن کریم کی سب سے لمبی سورت ہے، اس کی آیات ۶۷ تا ۷۳ میں اس گائے کا واقعہ مذکور ہے جسے ذبح کرنے کا حکم بنی اسرائیل کو دیا گیا تھا، اس لیے اس سورت کا نام سورۃ البقرۃ ہے، کیونکہ بقرہ عربی میں گائے کو کہتے ہیں، سورت کا آغاز اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے بیان سے ہوا ہے، اسی ضمن میں انسانوں کی تین قسمیں یعنی، مومن، کافر اور منافق بیان کی گئی ہیں، پھر حضرت آدم (علیہ السلام) کی تخلیق کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے، تاکہ انسان کو اپنی پیدائش کا مقصد معلوم ہو، اس کے بعد آیات کے ایک طویل سلسلے میں بنیادی طور پر خطاب یہودیوں سے ہے جو بڑی تعداد میں مدینہ منورہ کے آس پاس آباد تھے ان پر اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں نازل فرمائیں اور جس طرح انھوں نے ناشکری اور نافرمانی سے کام لیا اس کا مفصل بیان ہے، پہلے پارہ کے تقریباً آخر میں حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا تذکرہ ہے، اس لیے کہ انھیں نہ صرف یہودی اور عیسائی بلکہ عرب کے بت پرست بھی اپنا پیشوا مانتے تھے، ان سب کو یاد دلایا گیا کہ وہ خالص توحید کے قائل تھے اور انھوں نے کبھی کسی قسم کے شرک کو گوارہ نہیں کیا، اسی ضمن میں بیت اللہ کی تعمیر اور اسے قبلہ بنانے کا موضوع زیر بحث آیا ہے، دوسرے پارے کے شروع میں اس کے مفصل احکام بیان کرنے کے بعد اس سورت میں مسلمانوں کی انفرادی اور اجتماعی زندگی سے متعلق بہت سے احکام بیان فرمائے گئے ہیں جن میں عبادت سے لے کر معاشرت، خاندانی امور اور حکمرانی سے متعلق بہت سے مسائل داخل ہیں۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتھا ۲۸۶ | سُوْرَۃُ الْبَقَرَۃِ مَدَنِیَّۃ | رکوعھا ۴۰

الٓمّٓ ﴿۱﴾ ذٰلِكَ الْكِتٰبُ لَا رَيْبَ فِيْهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ ﴿۲﴾

سب سے پہلے قرآن کریم کے نزول کا مقصد واضح فرمایا کہ قرآن کریم ہر طرح کے شک وشبہ سے پاک اور بالاتر ہے، اور متقی و پرہیزگار لوگوں کے لیے ہدایت کا ذریعہ ہے۔ پھر متقین کی کچھ صفات کا ذکر ہے کہ یہ لوگ غیب پر ایمان لاتے ہیں، اُس کے مطابق زندگی گزارتے ہیں، جسمانی و مالی عبادت کرتے ہیں، یعنی نماز اور زکوٰۃ وصدقات کا اہتمام کرتے ہیں، نیز قرآن کریم کے ساتھ ساتھ گزشتہ زمانے میں اللہ کی نازل کردہ تمام کتابوں پر ایمان لاتے ہیں، اور یہ ساری جدوجہد اور محنتیں آخرت کی کامیابی کے لیے کرتے ہیں۔

اس کے بعد دو جماعتوں کا ذکر ہے، ایک تو کھلے کافر ہیں جو محض ضد اور تعصب کی وجہ سے اپنے کفر پر جمے ہوئے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے احکامات کو تسلیم نہیں کرتے، ان کی ضد کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں پر مہر لگادی ہے۔ دوسری جماعت ''منافقین'' کی ہے جن کا ذکر اگلے رکوع میں ہے۔

رکوع (۲)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَبِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَمَا هُمْ بِمُؤْمِنِيْنَ ﴿۸﴾

منافقین وہ لوگ تھے جو بظاہر اپنے تحفظ اور دنیوی منفعت کی خاطر مسلمانوں سے تعلق رکھتے تھے، زبان سے ایمان کا اظہار بھی کرتے، مگر ان کے دلوں میں کفر بھرا ہوا تھا، جس کا تذکرہ کفار سے خلوت میں کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ نے اس رکوع میں ان کے لیے سخت عذاب کا وعدہ کیا ہے۔ ایمان کے نور کے بدلے کفر کی دائمی ظلمت اختیار کرنے کے اس سودے کو گھاٹے اور ابدی نقصان کا باعث بتایا ہے اور اس بات کو مختلف مثالوں سے

واضح کیا ہے۔

رکوع (۳)

يَا أَيُّهَا النَّاسُ اعْبُدُوا رَبَّكُمُ الَّذِي خَلَقَكُمْ وَالَّذِينَ مِن قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُونَ ﴿٢١﴾

اس رکوع میں تمام انسانوں کو توحید کی دعوت دی گئی ہے اور اُن پر اللہ تعالیٰ کے انعامات مثلاً زمین، آسمان، بارش، پھل وغیرہ کا تذکرہ کیا گیا ہے، حقیقی توحید کو سمجھنے اور اس پر ایمان لانے کے لیے قرآن کریم کو بطور معجزہ پیش کیا گیا ہے اور اس میں شبہ کرنے والوں کو چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر تم قرآن کریم کو اللہ کا کلام نہیں سمجھتے تو تم بھی اس کی سورتوں جیسی کوئی ایک سورۃ پیش کردو، اس کے لیے اللہ کے سوا تمام لوگوں کی مدد لے لو، لیکن تم اس جیسا کلام ہرگز پیش نہیں کرسکو گے۔ ایسے لوگوں کے لیے جہنم کی وعید ذکر کی گئی ہے اور اس کے بعد اہل ایمان کے لیے جنّت کی بشارت اور اس کی نعمتوں کا تذکرہ ہے۔ قطع رحمی اور فساد فی الارض کو کفار کی خاص صفات کے طور پر ذکر کیا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کی مختلف صفات بیان کر کے ان کے کفر پر حیرت و افسوس کا اظہار کیا گیا ہے۔

رکوع (۴)

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ خَلِيفَةً

اس رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق کا واقعہ مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُنہیں زمین پر اپنا خلیفہ اور نائب بنایا اور فرشتوں کو اُن کے سامنے سجدہ ریز ہونے کا حکم دیا، ابلیس کے علاوہ تمام حاضرین نے اس حکم کو تسلیم کیا، ابلیس نے کبر کا مظاہرہ کیا اور قیامت تک انسانوں کا دشمن بن بیٹھا۔ سب سے پہلے اُس نے حضرت آدم اور حوا علیہما السلام کو بہکایا، اُن سے چوک ہوئی کہ جس درخت کا پھل کھانے سے انہیں اللہ تعالیٰ نے منع کیا تھا وہ شیطان کے بہکاوے میں آکر اُسے کھا بیٹھے، اللہ تعالیٰ ناراض ہوئے تو دونوں نے توبہ و استغفار کی جسے اللہ نے قبول فرمالیا۔ جس میں انسانوں کے لیے یہ تعلیم ہے کہ وہ احکامِ الٰہی پر پورا پورا

عمل کریں، شیطان کے بہکاوے میں نہ آئیں اور اگر کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو اُس پر اصرار نہ کریں، بلکہ اپنے جد امجد حضرت آدم علیہ السلام کی طرح توبہ کرلیں۔ جو لوگ اس طریقے پر زندگی گزاریں گے وہ کامیاب رہیں گے اور جو سرکشی کریں گے وہ نامراد ہوں گے۔

اہم مسائل

● ابلیس کا کفر محض عملی نافرمانی کا نتیجہ نہیں، کیوں کہ کسی فرض کو عملاً ترک کر دینا اصول شریعت میں فسق و گناہ ہے، کفر نہیں۔ ابلیس کے کفر کا اصل سبب حکم ربانی سے معارضہ اور مقابلہ کرنا ہے کہ آپ نے جس کو سجدہ کرنے کا مجھے حکم دیا ہے وہ اس قابل نہیں کہ میں اس کو سجدہ کروں، یہ معارضہ بلا شبہ کفر ہے۔

● بیوی کے لیے رہائش کا انتظام شوہر کے ذمہ ہے۔

● سکونت میں بیوی شوہر کے تابع ہے، جس مکان میں شوہر رہے، اسی میں اس کو رہنا چاہیئے۔ (معارف)

رکوع (۵)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِيْٓ اُوْفِ بِعَهْدِكُمْ ۚ وَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ۝

اس رکوع میں بنی اسرائیل یعنی یہودیوں سے خطاب کیا گیا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام ان کی جانب مبعوث کیے گئے تھے جنہیں توریت نامی کتاب دی گئی تھی، لیکن یہودیوں نے اس میں اپنی خواہشات کے مطابق تحریف کر ڈالی، بہت سے احکامات پس پشت ڈال دیے، اس رکوع میں اُن کے اصلی دین یعنی دین اسلام کی تعلیمات پر اُنہیں واپس آنے کی دعوت ہے، نیز نماز، زکوٰۃ، صبر وغیرہ جیسی عبادتوں کا بھی حکم ہے۔

رکوع (٦)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَاۗءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ وَاَنِّىْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَي الْعٰلَمِيْنَ ۝

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو جن نعمتوں سے نوازا تھا مثلاً توریت، فرعون کے مظالم سے نجات، سینا کی بنجر اور بے آب و گیاہ زمین پر بادلوں کے سائے، اور آسمانی رزق من و سلویٰ وغیرہ۔ ان سب کا اس رکوع میں تذکرہ ہے اور اُن سے متعلق واقعات و مواعظ کا یہ سلسلہ رکوع نمبر ۱۵ تک چلا گیا ہے۔ ہر ہر موقع پر یہود کی جانب سے ہونے والی سرکشی، نافرمانی اور غضبِ الٰہی کو دعوت دینے والی ان کی حماقتوں کا بھی ذکر ہے، اس سے مسلمانوں کو سبق لینا چاہیے کہ وہ ہرگز ایسا عمل نہ کریں جو ماضی میں بنی اسرائیل نے کیا تھا اور انبیاء کرام کو آزمائش میں مبتلا کر کے اللہ کے غضب اور لعنت کے مستحق بن بیٹھے تھے۔

رکوع (۷)

وَاِذِ اسْتَسْقٰى مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ فَقُلْنَا اضْرِبْ بِّعَصَاكَ الْحَجَرَ ۭ فَانْفَجَرَتْ مِنْهُ اثْنَتَا عَشْرَةَ عَيْنًا ۭ

اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے لیے پانی کا انتظام اس طرح فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ایک چٹان پر اپنا عصا مارنے کا حکم دیا، جس کے نتیجے میں چٹان سے بارہ چشمے جاری ہو گئے، آسمان سے نازل ہونے والا رزق من و سلویٰ، نہایت شیریں اور صاف ستھرا پانی؛ زندگی گزارنے کے لیے مزید کس چیز کی درکار تھی، لیکن بنی اسرائیل نے یہاں بھی ناشکری کا مظاہرہ کیا اور اس اعلیٰ اور جنتی رزق کے مقابلے میں دنیوی ابتر چیزوں کا مطالبہ کیا۔ اس رکوع میں یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ بنی اسرائیل نے اپنے سابقہ انبیاء کو قتل تک کر دیا تھا جس وجہ سے ان پر ذلت طاری ہو گئی۔

رکوع (۸)

اِنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَالَّذِيْنَ هَادُوْا وَالنَّصٰرٰى وَالصّٰبِـِٕيْنَ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَعَمِلَ صَالِحًا فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ

اس رکوع میں بتایا گیا ہے کہ آخرت کی کامیابی و کامرانی ایمان اور عمل صالح کے نتیجے میں ہی مل سکتی ہے۔ اس کے بعد یہودیوں کے عہد کا ذکر ہے کہ انہوں نے تورات کی

تعلیمات پر قائم رہنے کا وعدہ کیا تھا، لیکن وہ اس وعدہ کو پورا نہ کر سکے، حتیٰ کہ ایک ناحق قتل کر بیٹھے، قاتل کی شناخت کے لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کی جانب سے جو بھی تدبیر پیش کرتے اُس میں بے فائدہ سوالات کرتے اور ٹال مٹول سے کام لیتے، بالآخری کافی سوال وجواب کے بعد وہ اس پر تیار ہوئے۔

رکوع (۹)

وَ اِذْ قَتَلْتُمْ نَفْسًا فَادّٰرَءْتُمْ فِیْهَا ؕ وَ اللّٰهُ مُخْرِجٌ مَّا كُنْتُمْ تَكْتُمُوْنَ ﴿۷۲﴾

اس رکوع میں یہودیوں کے مزید کچھ جرائم کا تذکرہ ہے، مثلاً یہ کتاب اللہ یعنی توریت میں تحریف کرتے ہیں، ان کے دینی پیشوا اپنی باتوں کو اللہ کی جانب منسوب کر دیتے ہیں، اور یہ گمان رکھتے ہیں کہ ہم خواہ کچھ بھی کرلیں، چوں کہ ہم یہودی ہیں اس لیے ہم پر دوزخ کی آگ حرام ہے، اور اگر سزا ہوئی بھی تو چند دن کی ہوگی۔ حالاں کہ انہیں غور کرنا چاہیے کہ جنت وجہنم کی تقسیم یہودیت یا نصرانیت پر نہیں، بلکہ ایمان وکفر اور نیک وبد اعمال پر ہے۔ اس لیے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا کہ تم اس خوش فہمی میں مبتلا مت ہوجانا کہ بس ایمان لے آئے تو نجات اور جہنم سے چھٹکارے کے لیے کافی ہے، بلکہ مسلسل عمل صالح کرتے رہیں۔

رکوع (۱۰)

وَ اِذْ اَخَذْنَا مِیْثَاقَ بَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ لَا تَعْبُدُوْنَ اِلَّا اللّٰهَ ۫

آٹھویں رکوع میں جس عہد کا ذکر کیا گیا تھا اُس کی یہاں کچھ تفصیل ہے، وہ عہد اللہ کی عبادت واطاعت، والدین، اہل قرابت، یتیموں اور مسکینوں سے حسنِ سلوک، نرم لہجہ، سچائی، نماز وزکوٰۃ کی پابندی، قتل جیسے گناہ سے اجتناب اور ایک دوسرے کو گھر سے بے گھر نہ کرنے کا تھا۔ لیکن بنی اسرائیل نے ہر ہر شق کی خلاف ورزی کی اور اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دوری اور غضب کے مستحق ہوئے۔

اہم مسئلہ

- یہ احکام اسلام اور سابقہ شریعتوں میں مشترک ہیں، جن میں توحید، والدین اور

رشتہ داروں اور یتیموں اور مسکینوں کی خدمت، اور تمام انسانوں کے ساتھ گفتگو میں نرمی وخوش خلقی کرنا اور نماز اور زکوٰۃ سب داخل ہیں۔

رکوع (۱۱)

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَی الْكِتٰبَ وَ قَفَّیْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ٘
وَ اٰتَیْنَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ الْبَیِّنٰتِ وَ اَیَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِؕ

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد کئی انبیاء کرام تشریف لائے، پھر حضرت عیسیٰ علیہ السلام مبعوث ہوئے، سارے انبیاء کی تعلیمات کا محور توریت ہی تھی، اس کے باوجود بنی اسرائیل سرکشی پر آمادہ ہو گئے، رسولوں کی تکذیب سے لے کر قتل تک کے مرتکب ہوئے، اب یہ قرآن نازل ہوا ہے جو اُسی دین کی دعوت دے رہا ہے جو حضرت آدم وحضرت ابراہیم سے لے کر حضرت موسیٰ وحضرت عیسیٰ علیہم السلام تک کا رہا ہے، سابقہ کتب کی تصدیق بھی کرتا ہے۔ نزولِ قرآن سے قبل توریت کی پیشین گوئی کی وجہ سے بنی اسرائیل خاتم النبیین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے منتظر تھے، لیکن اب ضد اور عناد کے سبب اُن پر ایمان لانے سے انکار کر رہے ہیں۔

رکوع (۱۲)

قُلْ مَنْ كَانَ عَدُوًّا لِّجِبْرِیْلَ فَاِنَّهٗ نَزَّلَهٗ عَلٰى قَلْبِكَ بِاِذْنِ اللّٰهِ مُصَدِّقًا
لِّمَا بَیْنَ یَدَیْهِ وَ هُدًى وَّ بُشْرٰى لِلْمُؤْمِنِیْنَ۝۹۷

یہودی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عداوت پر تو آمادہ تھے ہی، ساتھ ہی حضرت جبرئیل علیہ السلام کے بارے میں بھی زبان درازی کرتے، اسی وجہ سے اس رکوع میں کہا گیا کہ جو جبریل کا دشمن ہے وہ دراصل اللہ کا دشمن ہے۔ پھر بتایا گیا کہ قرآن کا انکار صرف اور صرف سرکش اور باغی لوگ کر سکتے ہیں۔ اس کے بعد بنی سرائیل کی ایک اور بری عادت کا ذکر ہے اس طور پر کہ یہ انبیاء کرام کی تعلیمات کو فراموش کر کے شیطان کی ایک بڑی گمراہی ''سحر اور جادو'' سیکھنے سکھانے میں پڑ گئے، جسے قرآن نے کفر سے تعبیر کیا ہے، اس کے ذریعہ میاں

بیوی کے درمیان لڑائی کراتے، اُن میں جدائی کراتے تھے، اوران سب کو نعوذ باللہ حضرت سلیمان علیہ السلام کی جانب منسوب کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتے ہاروت و ماروت کو نازل فرمایا تاکہ وہ لوگوں کو بتا سکیں کہ سحر کوئی معجزہ یا خدائی عمل نہیں ہے، بلکہ اسباب اختیار کر کے اسے سیکھا جاتا ہے اور اس کی اکثر صورتیں انسان کو کفر تک پہنچا دیتی ہیں۔

اہم مسائل

● جو سحر کفرِ اعتقادی یا عملی سے خالی نہیں تو اس کا سیکھنا اور سکھانا بھی حرام ہوا، اس پر عمل کرنا بھی حرام ہوا، البتہ اگر مسلمانوں سے دفع ضرر کے لیے بقدر ضرورت سیکھا جائے تو بعض فقہاء نے اجازت دی ہے۔

● تعویذ گنڈے وغیرہ جو عامل کرتے ہیں ان میں بھی اگر جنات وشیاطین سے استمداد (مدد حاصل کرنا) ہو تو بحکم سحر ہیں، اور حرام ہیں۔ اور اگر الفاظ مشتبہ ہوں معنی معلوم نہ ہوں، اور شیاطین اور بتوں سے استمداد کا احتمال ہو تو بھی حرام ہے۔

● قرآن وسنت کے اصطلاحی سحر بابل کے علاوہ باقی قسمیں سحر کی ان میں بھی اگر کفر وشرک کا ارتکاب کیا جائے تو وہ بھی حرام ہے۔

● اور خالی مباح اور جائز امور سے کام لیا جاتا ہو تو اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ اس کو کسی ناجائز مقصد کے لیے استعمال نہ کیا جائے۔

●: اگر قرآن وحدیث کے کلمات ہی سے کام لیا جائے مگر ناجائز مقصد کے لیے استعمال کریں تو وہ بھی جائز نہیں۔ مثلاً کسی کو ناحق ضرر پہنچانے کے لیے کوئی تعویذ کیا جائے یا وظیفہ پڑھا جائے۔ اگرچہ وظیفہ اسماء الٰہیہ یا آیات قرآنیہ ہی کا ہو، وہ بھی حرام ہے۔
(معارف)

رکوع (۱۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَقُوْلُوْا رَاعِنَا
وَقُوْلُوا انْظُرْنَا وَاسْمَعُوْا ۭ وَلِلْكٰفِرِيْنَ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۱۰۴﴾

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی مجلس میں جب یہودی آتے تو اپنی فطری شرارت کی بنا پر ایسے الفاظ کا استعمال کرتے جس کے دو مطلب ہوتے، ایک اچھا اور دوسرا برا، مثلاً ”رَاعِنَا“ کہتے، جس کا اچھا مطلب یہ تھا کہ ہم پر توجہ دیں، ہمارا خیال کریں، جب کہ اسی کو تھوڑا کھینچ کر بولتے یعنی ”رَاعِیْنَا“ تو اس کا مطلب ہوتا کہ نعوذ باللہ رسول اکرم ہمارے چرواہے ہیں۔ کچھ مسلمان بھی نادانی میں اس طرح کے جملے استعمال کرنے لگے تو انہیں سختی سے اس پر متنبہ کیا گیا کہ قطعی طور پر اس طرح کے جملے استعمال نہ کریں جس سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کی اہانت کا ہلکا سا بھی شائبہ ہو، نیز یہودیوں کی ادنیٰ مشابہت کو بھی گوارا نہ کیا گیا۔ اس کے بعد بنی اسرائیل کے ایک خیال کی تردید ہے جس کی بنا پر وہ کہتے تھے کہ جنّت میں صرف یہودی یا عیسائی ہی داخل ہو سکتے ہیں، قرآن کریم نے بتایا کہ یہ صرف ان کی تمنائیں، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں۔

اہم مسئلہ

● اگر اپنے کسی جائز فعل سے دوسروں کو ناجائز کاموں کی گنجائش ملتی معلوم ہو تو یہ جائز فعل بھی اس کے لیے جائز نہیں رہتا، جیسے اگر کسی عالم کے جائز فعل سے جاہلوں کو مغالطہ میں پڑنے اور ناجائز کاموں میں مبتلا ہونے کا خطرہ ہو تو اس عالم کا جائز فعل بھی ممنوع ہو جائے گا۔ بشرطیکہ یہ فعل شرعاً ضروری اور مقاصد شرعیہ میں سے نہ ہو، اس کی مثالیں قرآن وسنت میں بہت ہیں، اسی کی ایک دلیل وہ حدیث ہے جس میں ارشاد ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کہ ”بیت اللہ کی تعمیر جو قریش نے زمانۂ جاہلیت میں کی تھی، اس میں کئی چیزیں بناء ابراہیمی کے خلاف کر دی ہیں، میرا دل چاہتا ہے کہ اس کو منہدم کر کے از سرِ نو بناء ابراہیمی کے مطابق بنا دوں، لیکن اس سے ناواقف عوام کے فتنہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہے اس لیے بالفعل ایسا نہیں کرتا۔“ (معارف)

رکوع (۱۴)

وَقَالَتِ الْیَهُوْدُ لَیْسَتِ النَّصٰرٰی عَلٰی شَیْءٍ ۪ وَّقَالَتِ النَّصٰرٰی

لَيْسَتِ الْيَهُوْدُ عَلٰى شَيْءٍ ۖ وَّهُمْ يَتْلُوْنَ الْكِتٰبَ

اس رکوع میں یہود ونصاریٰ کے باہمی اختلافات کی جانب اشارہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کی تردید کرتے ہیں اور اپنے کو حق پر سمجھتے ہیں جب کہ دونوں کے پاس آسمانی کتاب موجود ہے، حالاں کہ نجات اور حق کا معیار یہودیت یا نصرانیت نہیں ہے، بلکہ وہ دین ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تک رہا ہے جس کا اصل مرکز قرآن کریم ہے۔ اسی رکوع میں یہود ونصاریٰ کے ایک اور باطل نظریے کو رد کیا گیا ہے کہ یہ لوگ اللہ کو ماڈی انسان جیسا سمجھتے ہیں، چناں چہ یہود میں سے بعض لوگوں نے حضرت عزیر کو خدا بنا رکھا تھا جب کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ کی الوہیت کے قائل تھے، حالاں کہ اللہ ان تمام حادث صفات سے پاک اور منزہ ہے۔

اخیر رکوع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب کیا گیا ہے کہ اے رسول! جب تک آپ ان یہود ونصاریٰ کی مکمل اتباع نہ کر لیں یہ آپ سے راضی اور خوش نہیں ہو سکتے، حالاں کہ اتباع اور پیروی تو فقط اللہ تعالیٰ کی کرنی چاہیے جس کے قبضہ قدرت میں ہدایت ہے، اب چاہے کوئی خوش ہو یا ناراض؛ فانی دنیا کے چندروزہ فائدے کی خاطر اُس کی کوئی فکر نہ کرنی چاہیے۔

رکوع (۱۵)

يٰبَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اذْكُرُوْا نِعْمَتِيَ الَّتِيْٓ اَنْعَمْتُ عَلَيْكُمْ
وَاَنِّيْ فَضَّلْتُكُمْ عَلَى الْعٰلَمِيْنَ ﴿۱۲۲﴾

اس رکوع میں بنی اسرائیل کو اللہ کی نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں، انہیں قیامت کا خوف دلایا گیا ہے کہ دین حنیف کا اصل معیار حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی شریعت ہے، اُن کی اطاعت وفرماں داری کی بنیاد پر ہی انہیں دین کی امامت کا درجہ دیا گیا تھا، اب تک یہ سلسلہ حضرت یعقوب اور حضرت اسحاق کی نسل میں تھا، جس کی وجہ سے ان کا نام بنی اسرائیل پڑا۔ اسی رکوع میں تعمیر کعبہ کا بھی ذکر ہے جس میں حضرت ابراہیم کے ساتھ ان

کے فرزند حضرت اسماعیل بھی شریک تھے، اور اُن کی وہ دعا بھی مذکور ہے جس میں رسول کی بعثت، کتاب اللہ کی تعلیم اور تزکیۂ نفس کا ذکر کیا گیا ہے۔

رکوع (۱۶)

وَمَنْ يَّرْغَبُ عَنْ مِّلَّةِ اِبْرٰهٖمَ اِلَّا مَنْ سَفِهَ نَفْسَهٗ ؕ وَلَقَدِ اصْطَفَيْنٰهُ فِى الدُّنْيَا ۚ وَاِنَّهٗ فِى الْاٰخِرَةِ لَمِنَ الصّٰلِحِيْنَ ﴿۱۳۰﴾

پہلے پارے کے آخری رکوع میں بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا دین بھی یہی اسلام تھا اور انہوں نے اپنی اولاد و احفاد کو اسی کی وصیت کی تھی، اس لیے یہود و نصاریٰ اگر یہ کہتے ہیں کہ ''تم یہودی یا نصرانی بن جاؤ، تبھی ہدایت پاؤ گے'' تو یہ بے اصل بات ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نہ تو شرک کے قائل تھے اور نہ ہی یہودیت و نصرانیت کی گروہ بندیوں کا حصہ تھے، یہ سب تو بعد کی پیداوار ہیں۔ لہٰذا یکسو ہو کر دینِ حنیف کی اتباع کرنا ہی اصل ہدایت ہے، اور یہ اتباع رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم اور ان پر ایمان لانے والے افراد ہی کر رہے ہیں، چناں چہ اگر اہل کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم پر ایمان لے آئیں تو وہ بھی ہدایت پر سمجھے جائیں گے، ورنہ اُن کا ہدایت سے کوئی واسطہ نہیں۔



پارہ: (۲)

رکوع (۱۷)

سَيَقُولُ السُّفَهَاءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلَّاهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِي كَانُوا عَلَيْهَا ۚ قُلْ لِلَّهِ الْمَشْرِقُ وَالْمَغْرِبُ ۚ يَهْدِي مَنْ يَشَاءُ إِلَىٰ صِرَاطٍ مُسْتَقِيمٍ ﴿١٤٢﴾

''بیت المقدس'' ہجرت کے سولہ یا سترہ مہینے بعد تک مسلمانوں کا قبلہ تھا، اسی جانب رخ کر کے سب نماز پڑھتے، سن ۲ ہجری میں تحویل قبلہ کا حکم نازل ہوا، یعنی اب قبلہ بیت المقدس سے تبدیل کر کے بیت اللہ یعنی خانۂ کعبہ کو قرار دیا گیا، اہل کتاب نے اس پر غیر معقول اعتراضات کیے، اس کا جواب اس رکوع میں دیا گیا کہ مشرق ہو یا مغرب، ہر سمت اللہ تعالیٰ کی ہے، اللہ کسی بھی جانب رخ کرنے کا حکم دے سکتا ہے، مسلمان کسی مخصوص سمت کے نہیں، بلکہ اللہ کے حکم کے تابع ہیں۔ اسی رکوع میں رسول اکرم ﷺ کی امت کو ''امت وسط'' قرار دیا گیا یعنی ایک ایسی امت جس کا ہر عمل اعتدال پر ہے، اس اعتبار سے وہ سابقہ تمام امتوں پر فوقیت رکھتی ہے۔

رکوع (۱۸)

وَلِكُلٍّ وِجْهَةٌ هُوَ مُوَلِّيهَا ۖ فَاسْتَبِقُوا الْخَيْرَاتِ ۚ أَيْنَ مَا تَكُونُوا يَأْتِ بِكُمُ اللَّهُ جَمِيعًا ۚ إِنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ ﴿١٤٨﴾

تحویل قبلہ کی تفصیلات گزشتہ رکوع سے ہوتے ہوئے اس رکوع میں بھی درج ہیں، نیز رسول اکرم ﷺ کے مقاصدِ بعثت کو بیان کیا گیا ہے جس میں تلاوتِ قرآن، تزکیۂ امت اور قرآن و حدیث کی تعلیم شامل ہے، اس کے ساتھ امت کو ذکر خداوندی اور شکر الٰہی کی تلقین بھی کی گئی ہے۔

ذکر الٰہی کا مطلب

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس نے اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی، یعنی اس کے احکام حلال وحرام کا اتباع کیا اس نے اللہ کو یاد کیا، اگر چہ اس کی (نفل) نماز روزہ وغیرہ کم ہوں، اور جس نے احکام خداوندی کی خلاف ورزی کی اس نے اللہ کو بھلا دیا، اگر چہ (بظاہر) اس کی نماز روزہ تسبیحات وغیرہ زیادہ ہوں۔ (معارف بحوالہ قرطبی)

رکوع (۱۹)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اسْتَعِينُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ ۚ إِنَّ اللَّهَ مَعَ الصَّابِرِينَ ﴿١٥٣﴾

اس رکوع میں مسلمانوں کو دو بنیادی چیزوں کی تعلیم دی گئی ہے، ایک ہے صبر اور دوسری ہے نماز، ان دونوں کو اللہ کی مدد کا اہم ذریعہ قرار دیا گیا ہے، آگے راہِ خدا میں اپنی جان پیش کرنے والوں یعنی "شہداء" کو زندہ کہا گیا ہے اور انہیں مردہ کہنے کی ممانعت ہے۔ ابتلاء وآزمائش کے وقت بندوں کو اللہ کے فیصلے پر راضی رہنے کی تلقین ہے اور اسے باعث رحمت قرار دیا گیا ہے۔ زمانہ جاہلیت میں چوں کہ صفا مروہ پہاڑیوں پر دو بت رکھے ہوئے تھے، اس لیے بعض صحابہ کرام اس کے طواف سے بچتے تھے، ان کو تسلی دی گئی ہے کہ اب صفا مروہ کے طواف میں کوئی حرج نہیں ہے۔ حق کو چھپانے اور تعلیماتِ قرآن کو پس پشت ڈالنے والوں پر لعنت کی گئی ہے، البتہ اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ نے توبہ واستغفار کا دروازہ کھلا رکھا ہے۔ حالتِ کفر پر مرنے والوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت اور جہنم کے دائمی عذاب کا بھی ذکر ہے۔

فوائد

● صبر کے تین شعبے ہیں، ایک اپنے نفس کو حرام وناجائز چیزوں سے روکنا۔ دوسرے طاعات وعبادات کی پابندی پر مجبور کرنا۔ تیسرے مصائب وآفات پر صبر کرنا۔ یعنی جو مصیبت آ گئی اس کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سمجھنا اور اس کے ثواب کا امیدوار ہونا، اس کے ساتھ اگر تکلیف وپریشانی کے اظہار کا کوئی کلمہ بھی منہ سے نکل جائے تو وہ صبر کے منافی نہیں۔

● حج اور عمرہ میں صفا مروہ کے درمیان سعی کرنا واجب ہے، اگر یہ چھوٹ جائے تو ایک بکری ذبح کرنا لازم ہے۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۲۰)

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ الآیۃ

اس رکوع میں دنیا میں پھیلی ہوئی اللہ کی چند قدرتوں اور نشانیوں مثلاً آسمان وزمین کی تخلیق، رات دن کی تبدیلی، آسمان سے پانی کا برسنا، ہواؤں کا چلنا وغیرہ مذکور ہے، اس کا مقصد مخاطب کو دعوتِ غور وفکر دینا ہے کہ اس پر توجّہ کریں اور غور وفکر کر کے ایک اللہ پر ایمان لائیں اور شرک سے توبہ کریں، حقیقی محبت فقط اللہ تعالیٰ سے کریں، جیسا کہ مومنین کرتے ہیں۔ قیامت کی ہولناکی، عذاب کی شدت، کفار کی بے بسی و پشیمانی اور دنیوی تعلقات کی بے ثباتی کا تذکرہ بھی اس میں موجود ہے۔

رکوع نمبر (۲۱)

یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ كُلُوۡا مِمَّا فِی الۡاَرۡضِ حَلٰلًا طَیِّبًا ۖ
وَّ لَا تَتَّبِعُوۡا خُطُوٰتِ الشَّیۡطٰنِ ؕ اِنَّهٗ لَكُمۡ عَدُوٌّ مُّبِیۡنٌ ﴿۱۶۸﴾

اس رکوع میں لوگوں کو رزقِ حلال کی جانب متوجہ کیا گیا ہے، حلال چیزیں کھائیں اور درست طریقے سے کما کر کھائیں۔ اس کے خلاف عمل کرنے کو شیطان کے نقش قدم پر چلنا قرار دیا گیا ہے، دین کی دعوت کے مقابلے میں کفار اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید کو بطور دلیل جواز پیش کرتے تھے، اُس کا بھی ذکر اس رکوع میں موجود ہے، چند حرام چیزوں مثلاً مردار، خون، خنزیر کے گوشت وغیرہ کا بھی ذکر ہے، رشوت خوروں کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ لوگ آخرت کی ابدی زندگی کے لیے اپنے پیٹ میں آگ بھر رہے ہیں، جس کا نتیجہ جہنم کے دردناک عذاب کے سوا کچھ نہیں۔

اہم مسائل

● سانڈ وغیرہ جو بتوں کے نام پر چھوڑ دیے جاتے ہیں، یا اور کوئی جانور مرغا، بکرا

وغیرہ کسی بزرگ یا اور کسی غیر اللہ کے نامزد کر دیا جاتا ہے، انہیں کھانا حرام ہے۔

● اگر کسی شخص نے جہالت یا غفلت سے کسی جانور کو کسی غیر اللہ کے ساتھ نامزد کر کے چھوڑ دیا تو اس کی توبہ یہی ہے کہ اپنے اس خیالِ حرمت سے رجوع کرے اور اس فعل سے توبہ کرے، تو پھر اس کا گوشت حلال ہو جائے گا۔

● جس کو اردو میں مردار کہتے ہیں، اس سے مراد وہ جانور ہے جس کے حلال ہونے کے لیے ازروئے شرع ذبح کرنا ضروری ہے، مگر وہ بغیر ذبح کے خود بخود مر جائے یا گلا گھونٹ کر یا کسی دوسری طرح چوٹ مار کر مار دیا جائے تو وہ مردار اور حرام ہے، سوائے ٹڈی اور مچھلی کے۔ البتہ جو مچھلی سڑ جانے کی وجہ سے خود پانی کے اوپر آجائے وہ حرام ہے۔

● بندوق کی گولی سے کوئی جانور زخمی ہو کر قبل ذبح مر جائے تو وہ ایسا ہے جیسے پتھر یا لاٹھی مارنے سے مر جائے جس کو قرآنِ کریم کی دوسری آیت میں ''موقوذۃ'' کہا گیا ہے، اور حرام قرار دیا ہے، ہاں مرنے سے پہلے اس کو ذبح کر لیا جائے تو حلال ہو جائے گا۔

● آج کل بندوق کی ایک گولی نوکدار بنائی گئی ہے، اس کے متعلق بعض علماء کا خیال ہے کہ تیر کے حکم میں ہے، مگر جمہور علماء کے نزدیک یہ بھی تیر کی طرح آلۂ جارحہ نہیں، بلکہ خارقہ ہے، جس سے بارود کی طاقت کے ذریعہ گوشت پھٹ جاتا ہے، ورنہ خود اس میں کوئی دھار نہیں جس سے جانور زخمی ہو جائے، اس لیے ایسی گولی کا شکار بھی بغیر ذبح کے جائز نہیں۔

● یہاں مطلقاً میتہ کو حرام قرار دیا ہے، اس لیے جس طرح اس کا گوشت کھانا حرام ہے اس کی خرید و فروخت بھی حرام ہے، یہی حکم تمام نجاسات کا ہے کہ جیسے ان کا استعمال حرام ہے ان کی خرید و فروخت اور ان سے نفع اٹھانا بھی حرام ہے، یہاں تک کہ مردار جانور یا ناپاک کوئی چیز باختیار خود جانور کو کھلانا بھی جائز نہیں، ہاں ایسی جگہ رکھ دے کہ جہاں سے کوئی کتا بلی خود کھالے یہ جائز ہے، مگر خود اٹھا کر ان کو کھلانا جائز نہیں۔

● یہاں میتہ کے حرام ہونے کا حکم عام معلوم ہوتا ہے جس میں میتہ کے تمام اجزاء شامل ہیں، لیکن دوسری آیت میں اس کی تشریح عَلٰی طَاعِمٍ یَّطْعَمُهٗ کے الفاظ سے کر دی گئی ہے، جس سے معلوم ہوا کہ مردار جانور کے وہ اجزاء حرام ہیں، جو کھانے کے قابل ہیں، اس لیے

مردار جانور کی ہڈی، بال جو کھانے کی چیز نہیں، وہ پاک ہیں، اور ان کا استعمال جائز ہے۔

● مردار جانور کی چربی اور اس سے بنائی ہوئی چیزیں بھی حرام ہیں، ان کا استعمال کسی طرح سے جائز نہیں اور خرید وفروخت بھی حرام ہے۔

● یورپ وغیرہ سے آئی ہوئی چیزیں صابون وغیرہ جن میں چربی استعمال ہوتی ہے، ان سے پرہیز کرنا احتیاط ہے، مگر مردار کی چربی ہونے کا علم یقینی نہ ہونے کی وجہ سے گنجائش ہے، نیز اس وجہ سے بھی کہ بعض صحابہ کرام ابن عمرؓ، ابوسعید خدریؓ، ابوموسیٰ اشعریؓ نے مردار کی چربی کا صرف کھانے میں استعمال حرام قرار دیا ہے، خارجی استعمال کی اجازت دی ہے، اس لیے اس کی خرید وفروخت کو بھی جائز رکھا ہے۔ (ملخص از معارف)

● حرام صرف بہنے والا خون ہے تو جو خون ذبح کے بعد گوشت میں لگا رہ جاتا ہے، وہ پاک ہے۔ اسی طرح مچھر، مکھی، کھٹمل وغیرہ کا خون بھی ناپاک نہیں، لیکن زیادہ ہو جائے تو اس کو بھی دھونا چاہیے۔

● جس طرح خون کا کھانا پینا حرام ہے اسی طرح اس کا خارجی استعمال بھی حرام ہے، اور جس طرح تمام نجاسات کی خرید وفروخت بھی اور اس سے نفع اٹھانا حرام ہے، اسی طرح خون کی خرید وفروخت بھی حرام ہے، اس سے حاصل کی ہوئی آمدنی بھی حرام ہے، کیوں کہ الفاظ قرآنی میں مطلقاً دَم کو حرام فرمایا ہے، جس میں اس کے استعمال کی تمام صورتیں شامل ہیں۔ البتہ اضطراری حالات میں علاج ومعالجہ کے لیے خون کی خرید وفروخت کو علماء نے ضرورتاً جائز قرار دیا ہے۔

● حالتِ اضطرار میں حرام چیز کا استعمال اُس وقت حلال ہے جب درج ذیل پانچ شرائط پائی جائیں:

۱- حالت اضطرار کی ہو یعنی جان کا خطرہ ہو۔
۲- دوسری کوئی حلال دوا کارگر نہ ہو یا موجود نہ ہو۔
۳- اس دوا سے مرض کا ازالہ عادۃً یقینی ہو۔
۴- اس کے استعمال سے لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو۔

۵-قدرِضرورت سے زائداس کواستعمال نہ کیا جائے۔

● جوشخص مال کے لالچ سے حکم شرعی کو بدل دے اور جو یہ مال حرام کھاتا ہے گویا اپنے پیٹ میں جہنم کے انگارے بھر رہا ہے کیوں کہ اس عمل کا انجام یہی ہے، اور بعض محقق علماء نے فرمایا کہ مال حرام درحقیقت جہنم کی آگ ہی ہے، اگرچہ اس کا آگ ہونا دنیا میں محسوس نہیں ہوتا مگر مرنے کے بعد اس کا یہ عمل آگ کی شکل میں سامنے آجائے گا۔

(ملخص از معارف)

رکوع (۲۲)

لَيْسَ الْبِرَّ اَنْ تُوَلُّوْا وُجُوْهَكُمْ قِبَلَ الْمَشْرِقِ وَ الْمَغْرِبِ

وَلٰكِنَّ الْبِرَّ مَنْ اٰمَنَ بِاللّٰهِ وَ الْيَوْمِ الْاٰخِرِ وَ الْمَلٰٓئِكَةِ وَ الْكِتٰبِ وَ النَّبِيّٖنَ ۚ

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے یہ بتایا ہے کہ اصل نیکی وہی ہے جس کا حکم اللہ تعالیٰ دیں، ہر وہ بات جس کو تم نیکی سمجھو اس کا نیکی ہونا ضروری نہیں۔ کافی نیکیوں کا تذکرہ یہاں موجود ہے۔ ان میں سے چند یہ ہیں: اللہ، رسول، ملائکہ، اللہ کی کتابوں اور آخرت کے دن پر ایمان لانا، قرابت داروں، یتیموں اور مسکینوں میں مال خرچ کرنا، نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی، وعدہ پورا کرنا، مصیبت اور آزمائش کے وقت صبر کرنا۔ جس آیت میں ان احکامات کا تذکرہ ہے اس آیت کو ''آیتِ بر'' کہتے ہیں۔ پھر کچھ اسلامی حدود اور سزاؤں کا تذکرہ موجود ہے جن کے نفاذ کے لیے اسلامی حکومت کا ہونا ضروری ہے، نیز موت کے وقت دینی احکامات کو مدنظر رکھتے ہوئے مال میں وصیت کا حکم دیا گیا ہے۔

اہم مسائل

● مالی فرض صرف زکوٰۃ سے پورا نہیں ہوتا ہے، زکوٰۃ کے علاوہ بھی بہت جگہ پر مال خرچ کرنا فرض وواجب ہوتا ہے۔ جیسے رشتہ داروں پر خرچ کرنا کہ جب وہ کمانے سے معذور ہوں تو نفقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے، کوئی مسکین غریب مر رہا ہے اور آپ اپنی زکوٰۃ ادا کر چکے ہیں، مگر اس وقت مال خرچ کر کے اس کی جان بچانا فرض ہے۔

● اسی طرح ضرورت کی جگہ مسجد بنانا، دینی تعلیم کے لیے مدارس ومکاتب بنانا یہ سب فرائض مالیہ میں داخل ہیں، فرق اتنا ہے کہ زکوٰۃ کا ایک خاص قانون ہے اس کے مطابق ہر حال میں زکوٰۃ کا ادا کرنا ضروری ہے اور یہ دوسرے مصارف ضرورت وحاجت پر موقوف ہیں جہاں ضرورت ہو خرچ کرنا فرض ہو جائے گا جہاں نہ ہو فرض نہیں ہوگا۔

● جن رشتہ داروں کے حصے قرآنِ کریم نے خود مقرر کر دیے ہیں ان کے لیے اب وصیت واجب نہیں، بلکہ بدون اجازت دوسرے وارثوں کے جائز بھی نہیں، البتہ جو رشتہ دار شرعی وارث نہیں ان کے لیے وصیت کرنے کی اجازت ایک تہائی مال تک ہے۔

● وارثوں کی اجازت سے ایک تہائی سے زائد کی بلکہ پورے مال کی بھی وصیت جائز اور قابلِ قبول ہے۔

● جس شخص کے ذمے دوسرے لوگوں کے حقوق واجب ہوں یا اس کے پاس کسی کی امانت رکھی ہو اس پر ان تمام چیزوں کی ادائیگی کے لیے وصیت واجب ہے۔

● آدمی کو جو ایک تہائی مال میں وصیت کرنے کا حق دیا گیا ہے اپنی زندگی میں اس کو یہ بھی حق رہتا ہے کہ اس وصیت میں کچھ تبدیلی کر دے یا بالکل ختم کر دے۔

(ملخص از معارف)

رکوع (۲۳)

يَآيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُتِبَ عَلَيْكُمُ الصِّيَامُ كَمَا كُتِبَ عَلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ لَعَلَّكُمْ تَتَّقُوْنَ ﴿۱۸۳﴾

اس رکوع میں رمضان المبارک اور اس سے متعلق احکامات کا تذکرہ ہے، مثلاً روزوں کی فرضیت، روزے کا وقت، روزے کا مقصد، اعتکاف وغیرہ۔ نیز اگر کوئی شخص روزوں پر قادر نہ ہو مثلاً بیماری، سفر یا بڑھاپے کی وجہ سے تو اس کے فدیہ کا حکم بھی اسی رکوع میں ہے۔ رکوع کی آخری آیت ناجائز طریقے سے کسی کے مال کو کھانے اور رشوت کے لین دین کی ممانعت پر مشتمل ہے۔

اہم مسائل

● جس مریض کو روزہ نہ رکھنے کی اجازت ہے اُس سے مراد وہ مریض ہے جس کو روزہ رکھنے سے ناقابل برداشت تکلیف پہنچے یا مرض بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو اور مسافر سے وہ شخص مراد ہے جو ''شرعی مسافت'' طے کرنے والا ہو یعنی تقریباً ۷۸ رکلومیٹر کا سفر کرنے والا ہو اور پندرہ دن سے زیادہ کسی جگہ پر ٹھہرنے کی نیت نہ کرے۔

● کوئی شخص پندرہ دن کے قیام کی نیت ایک جگہ نہیں بلکہ متفرق مقامات شہروں اور بستیوں میں کرے تو وہ بدستور مسافر کے حکم میں رہ کر رخصت سفر کا مستحق رہے گا۔

● مریض و مسافر پر فوت شدہ روزوں کی قضا صرف اس صورت میں واجب ہوگی جب کہ مریض صحت کے بعد اور مسافر مقیم ہونے کے بعد اتنے دنوں کی مہلت پائے جنہیں قضا کر سکے تو اگر کوئی شخص اتنے دن سے پہلے ہی مر گیا تو اس پر قضا یا وصیت فدیہ لازم نہیں ہوگی۔

● روزہ کے فدیہ کا حکم صرف ایسے لوگوں کے حق میں ہے جو بہت بوڑھے ہوں یا ایسے بیمار ہوں کہ اب صحت کی امید ہی نہیں رہی۔

● ایک روزہ کا فدیہ نصف صاع (تقریباً پونے دو کلو) گیہوں یا اس کی قیمت ہے، اس کی بازاری قیمت معلوم کر کے کسی غریب مسکین کو مالکانہ طور پر دیدینا ایک روزہ کا فدیہ ہے بشرطیکہ کسی مسجد مدرسہ کی خدمت کے معاوضہ میں نہ ہو۔

● اگر کسی کو فدیہ ادا کرنے کی بھی وسعت نہ ہو تو وہ فقط استغفار کرے اور دل میں نیت رکھے کہ جب ہو سکے گا ادا کروں گا۔

● رمضان کے روزے فرض ہونے کے لیے ماہ رمضان کا بحالت صلاحیت پالینا شرط ہے، اس لیے جس نے پورا رمضان پالیا اس پر پورے رمضان کے روزے فرض ہو گئے، جس نے کچھ کم پایا اس پر اتنے ہی دن کے روزے فرض ہوئے جتنے دن رمضان کے پائے، اس لیے وسط رمضان میں جو کافر مسلمان ہوا، یا نابالغ بالغ ہوا اس پر صرف آئندہ کے روزے لازم ہوں گے، گذشتہ ایام رمضان کی قضا لازم نہ ہوگی، البتہ مجنون مسلمان اور بالغ ہونے کے اعتبار سے ذاتی صلاحیت رکھتا ہے، وہ رمضان کے کسی حصہ میں

ہوش میں آجائے تو گذشتہ ایام رمضان کی قضا بھی اس پر لازم ہو جائے گی، اسی طرح حیض ونفاس والی عورت، وسط رمضان میں پاک ہو جائے یا مریض تندرست ہو جائے یا مسافر مقیم ہو جائے تو گذشتہ ایام کی قضا لازم ہوگی۔

● ماہ رمضان کا پالینا شرعاً تین طریقوں سے ثابت ہوتا ہے، ایک یہ کہ خود رمضان کا چاند دیکھ لے، دوسرے یہ کہ کسی معتبر شہادت سے چاند دیکھنا ثابت ہو جائے اور جب یہ دونوں صورتیں نہ پائی جائیں تو شعبان کے تیس روز پورے کرنے کے بعد ماہ رمضان شروع ہو جائے گا۔

● شعبان کی انتیسویں تاریخ کی شام کو اگر ابر وغیرہ کے سبب چاند نظر نہ آئے اور کوئی شرعی شہادت بھی چاند دیکھنے کی نہ پہنچے تو اگلا روز ''یوم الشک'' کہلاتا ہے کیوں کہ اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ حقیقۃً چاند ہو گیا ہو، مگر مطلع صاف نہ ہونے کی وجہ سے نظر نہ آیا ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ آج چاند ہی مطلع پر نہ آیا ہو، اس روز میں چوں کہ شہود شہر یعنی رمضان کا پالینا صادق نہیں آتا، اس لیے اس دن کا روزہ رکھنا واجب نہیں بلکہ مکروہ ہے۔

● دعا آہستہ اور خفیہ کرنا چاہیے، دعا میں آواز بلند کرنا پسند نہیں۔

● روزے کی رات میں عام شخص کے لیے کھانا پینا اور بیوی سے صحبت حلال ہے، البتہ حالت اعتکاف میں کھانے پینے کا تو وہی حکم ہے جو سب کے لیے ہے، مگر صحبت رات میں بھی جائز نہیں۔

● اعتکاف کے ساتھ روزہ شرط ہے، اور یہ کہ اعتکاف میں مسجد سے نکلنا بغیر حاجت طبعی یا شرعی کے جائز نہیں۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۲۴)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَهِلَّةِ ؕ قُلْ هِيَ مَوَاقِيْتُ لِلنَّاسِ وَالْحَجِّ ؕ

بعض صحابہ کرام نے ''اَهِلَّة'' یعنی چاند کے گھٹنے بڑھنے کے بارے میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا تھا، جس کا جواب اس انداز میں دیا گیا کہ چاند کے بہت سے فوائد ہیں، مثلاً حج اور رمضان وغیرہ کا وقت اس سے معلوم ہو جاتا ہے۔ یہ جواب دراصل اس

بات پر متنبہ کرنا تھا کہ سوال وہی کیا جائے جس کا کوئی نہ کوئی دنیوی یا اخروی فائدہ ہو، بے فائدہ کثرتِ سوال کو شریعت میں پسند نہیں کیا گیا، جیسا کہ اس کی ممانعت پر با قاعدہ آیت قرآنی موجود ہے۔ اس کے بعد بعض آدابِ معاشرت سکھا کر جہاد اور قتال فی سبیل اللہ پر مہمیز کیا گیا ہے، نیز مسجد حرام کے ارد گرد جنگ سے روکا گیا ہے کہ یہ ''امن'' کی جگہ ہے، حرمت والے مہینوں یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم کا بھی تذکرہ ہے، اس کے بعد حج و عمرہ سے متعلق قضا، فدیہ، بیماری وغیرہ کے احکامات ہیں۔

اہم مسائل

● جس چیز کو شریعت اسلام نے ضروری یا عبادت نہ سمجھا ہو، اس کو اپنی طرف سے ضروری اور عبادت سمجھ لینا جائز نہیں، اسی طرح جو چیز شرعاً جائز ہو اس کو گناہ سمجھنا بھی گناہ ہے، بدعات کے ناجائز ہونے کی بڑی وجہ یہی ہے کہ غیر ضروری چیزوں کو فرض و واجب کی طرح ضروری سمجھ لیا جاتا ہے، یا بعض چیزوں کو حرام و ناجائز قرار دے دیا جاتا ہے۔

● حرمِ مکہ میں انسان تو کیا؛ کسی شکاری جانور کو بھی قتل کرنا جائز نہیں، لیکن اگر حرم محترم میں کوئی آدمی دوسرے کو قتل کرنے لگے تو اس کو بھی مدافعت میں قتال کرنا جائز ہے۔

● حرمت والے مہینے چار ہیں، ذیقعدہ، ذی الحجہ، محرم یہ تین ماہ تو مسلسل ہیں، چوتھا مہینہ رجب کا ہے۔

● جب کوئی شخص حج یا عمرہ کو بذریعہ احرام شروع کر دے تو اس کا پورا کرنا واجب ہو جاتا ہے، جیسا عام نفلی نماز اور روزہ کا بھی حکم یہی ہے کہ شروع کرنے سے واجب ہو جاتے ہیں۔

● اگر کسی بیماری کے سبب سر یا بدن کے کسی دوسرے حصہ کے بال منڈانے کی مجبوری ہو، یا سر میں جوویں پیدا ہو کر تکلیف دے رہی ہوں تو ایسی صورت میں بال منڈانا بقدر ضرورت جائز ہے، مگر اس کا فدیہ اور بدلہ یہ ہے کہ تین روزے رکھے، یا تقریباً پونے دو کلو گیہوں یا اس کی قیمت صدقہ دے یا قربانی کرے، قربانی کے لیے تو حدودِ حرم کی جگہ متعین ہے، روزے اور صدقہ کے لیے کوئی جگہ متعین نہیں، ہر جگہ ادا کر سکتا ہے۔

(ملخص از معارف)

جب کوئی شخص حج یا عمرے کا احرام باندھ لے تو جب تک حج یا عمرے کے اعمال پورے نہ ہو جائیں احرام کھولنا جائز نہیں، البتہ کوئی ایسی مجبوری پیش آسکتی ہے کہ احرام باندھنے کے بعد مکہ مکرمہ تک پہنچنا ممکن نہ رہے ایسی صورت میں قربانی کر کے احرام کھولا جاسکتا ہے، یہ قربانی حدودِ حرم میں ہونی چاہیے۔ (ملخص از توضیح)

رکوع (۲۵)

اَلْحَجُّ اَشْهُرٌ مَّعْلُوْمٰتٌ ۚ فَمَنْ فَرَضَ فِيْهِنَّ الْحَجَّ فَلَا رَفَثَ وَلَا فُسُوْقَ ۙ وَلَا جِدَالَ فِي الْحَجِّ ؕ

اس رکوع میں اوّلاً کچھ آدابِ حج مثلاً صبر وتحمل، جھگڑے سے اجتناب، دورانِ حج تجارت وغیرہ کے احکامات ہیں، پھر حج کے سب سے اہم رکن ''وقوفِ عرفہ'' کا تذکرہ ہے، اس ضمن میں چند دعائیں بھی موجود ہیں۔ اخیر رکوع میں مسلمانوں کو مکمل طور پر اسلام پر عمل پیرا ہونے پر ان الفاظ میں ابھارا گیا ہے کہ اے ایمان والو! اسلام میں پورے پورے داخل ہو جاؤ۔

اہم مسائل

● وہ چیزیں جو اصلاً گناہ نہیں مگر احرام کی وجہ سے ناجائز ہو جاتی ہیں چھ چیزیں ہیں:

(۱) عورت کے ساتھ مباشرت اور اس کے تمام متعلقات یہاں تک کہ کھلی گفتگو بھی، (۲) برّی جانوروں کا شکار، خود کرنا یا شکاری کو بتلانا، (۳) بال یا ناخن کٹوانا، (۴) خوشبو کا استعمال، یہ چار چیزیں تو مرد وعورت دونوں کے لیے حالت احرام میں ناجائز ہیں، باقی دو چیزیں مردوں کے ساتھ خاص ہیں: (۵) سلے ہوئے کپڑے پہننا، اور (۶) سر اور چہرے کو ڈھانپنا، امام اعظم ابوحنیفہؒ و مالکؒ کے نزدیک چہرہ کو ڈھانپنا حالت احرام میں عورت کے لیے بھی ناجائز ہے۔

● اگر کوئی شخص حج کے دوران کوئی بیع وشراء یا مزدوری کرے جس سے کچھ نفع ہو جائے تو اس میں کوئی گناہ نہیں۔ البتہ جو کچھ کمائیں اس کو اللہ تعالیٰ کا فضل اور عطا سمجھ کر

حاصل کریں، شکرگزار ہوں، محض سرمایہ سمیٹنا مقصد نہ ہو۔ تاہم اس سے بھی اجتناب کیا جائے تو بہتر ہے۔

● عرفات: ایک خاص میدان کا نام ہے، یہ میدان حدودِ حرم سے باہر ہے، حجاج کو اس میں پہنچنا اور زوال آفتاب سے مغرب تک یہاں قیام کرنا حج میں حج کا اہم ترین فرض ہے، جس کے فوت ہونے کا کوئی کفارہ اور فدیہ نہیں ہوسکتا۔

● منیٰ میں تین دن گزارنا سنت ہے اور اس دوران جمرات پر کنکریاں مارنا واجب ہے، البتہ ۱۲ ر تاریخ کے بعد منیٰ سے چلا جانا جائز ہے، ۱۳ ر تاریخ تک رکنا ضروری نہیں، اور اگر کوئی رکنا چاہے تو ۱۳ ر تاریخ کو بھی رمی کرکے واپس جاسکتا ہے۔ (ملخص از معارف وتوضیح)

رکوع (۲۶)

سَلْ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ کَمْ اٰتَیْنٰھُمْ مِّنْ اٰیَةٍۢ بَیِّنَةٍ ؕ وَمَنْ یُّبَدِّلْ نِعْمَةَ اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا جَآءَتْهُ فَاِنَّ اللّٰهَ شَدِیْدُ الْعِقَابِ ﴿۲۱۱﴾

اس رکوع میں بنی اسرائیل پر اللہ کی جانب سے ہونے والے انعامات اور ان کی سرکشیوں کا تذکرہ ہے، مسلمانوں کو بھی متنبہ کیا گیا ہے کہ نعمتوں کے بدلے بنی اسرائیل کی طرح ناشکری اور سرکشی مت کرنا، اور نہ ہی کسی قسم کی قتل وغارت گری اور فتنہ وفساد کا حصہ بننا۔ پھر یہ بھی بتایا گیا کہ جنّت جیسی عظیم نعمت حاصل کرنے کے لیے اللہ کی راہ میں قربانیاں دینی ہوتی ہیں، اور وہ قربانی بسا اوقات شدید مصیبت اور آزمائش کی شکل میں ہوتی ہے، وہی وقتِ امتحان ہے کہ اس مشکل وقت میں بھی اللہ کے احکامات پر ثابت قدم رہنا لازم ہے، جس کے نتیجے میں اللہ کی مدد ضرور آئے گی۔ اخیر رکوع میں بتایا گیا ہے کہ ضروری نہیں کہ جس چیز کو ہم بہتر سمجھیں وہ ہمارے لیے بہتر ہی ہو، اور جس چیز کو برا سمجھیں وہ ہمارے لیے بری ہو، بلکہ اس کا برعکس بھی ہوسکتا ہے۔

اہم مسائل

● اللہ تعالیٰ نے جو بہت سے انبیاء علیہم السلام اور کتابیں دنیا میں بھیجیں یہ سب اس

واسطے تھیں کہ یہ لوگ جو دین حق کی ملت واحدہ کو چھوڑ کر مختلف فرقوں میں بٹ گئے ہیں، پھر ان کو اسی ملت واحدہ پر قائم کردیں، انبیاء علیہم السلام کا یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا کہ جب لوگ اس راہ حق سے بچلے تو ان کی ہدایت کے لیے اللہ تعالیٰ نے کوئی نبی بھیجا، اور کتاب اتاری کہ اس کے موافق چلیں، پھر کبھی بھکے تو دوسرا نبی اور کتاب اللہ تعالیٰ نے اسی راہ حق پر قائم کرنے کے لیے بھیج دی، اس کی مثال ایسی ہے جیسے تندرستی ایک ہے اور بیماریاں بے شمار جب ایک مرض پیدا ہوا تو اس کے موافق دوا اور پرہیز مقرر فرمایا، جب دوسرا مرض پیدا ہوا تو دوسری دوا اور پرہیز اس کے موافق بتلایا، اب آخر میں ایسا جامع نسخہ تجویز فرمایا جو ساری بیماریوں سے بچانے میں اس وقت تک کے لیے کامیاب ثابت ہو جب تک اس عالم کو باقی رکھنا منظور ہو، یہ مکمل اور جامع نسخہ، ایک جامع اصول علاج سب پچھلے نسخوں کے قائم مقام اور آئندہ سے بے نیاز کرنے والا ہو، اور وہ نسخۂ جامع اسلام ہے، جس کے لیے خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن بھیجے گئے اور پچھلی کتابوں میں تحریف ہو کر جو پچھلے انبیاء کی تعلیمات ضائع اور گم ہو جانے کا سلسلہ اوپر سے چلا آیا تھا جس کے سبب نئے نبی اور نئی کتاب کی ضرورت پیش آتی تھی، اس کا یہ انتظام فرمادیا گیا کہ قرآنِ کریم کے تحریف سے محفوظ رہنے کا ذمہ خود حق تعالیٰ نے لے لیا اور قرآنِ کریم کی تعلیمات کو قیامت تک ان کی اصلی صورت میں قائم اور باقی رکھنے کے لیے اللہ جل شانہ نے امت محمدیہ علیٰ صاحبہا الصلوٰۃ والسلام میں تا قیامت ایک ایسی جماعت قائم رکھنے کا وعدہ فرمالیا جو ہمیشہ دین حق پر قائم رہ کر کتاب وسنت کی صحیح تعلیم مسلمانوں میں شائع کرتی رہے گی، کسی کی مخالفت وعداوت ان پر اثر انداز نہ ہوگی، اس لیے اس کے بعد دروازۂ نبوت اور وحی کا بند ہو جانا ناگزیر امر تھا آخر ختم نبوت کا اعلان کردیا گیا۔

خلاصہ یہ ہے کہ مختلف زمانوں میں مختلف انبیاء علیہم السلام اور ان کی مختلف کتابیں آنے سے کوئی اس دھوکہ میں نہ پڑ جائے کہ انبیاء علیہم السلام اور کتابیں لوگوں کو مختلف فرقوں میں تقسیم کرنے اور افتراق پیدا کرنے کے لیے نازل کی گئی ہیں، بلکہ منشاء ان سب انبیاء علیہم السلام اور کتابوں کا یہ ہے کہ جس طرح پہلے سارے انسان ایک ہی دین حق کے

پیرو ہو کر ملت واحدہ تھے اسی طرح پھر اسی دین حق پر سب جمع ہو جائیں۔

● مذہب کی بنا پر قومیت کی تقسیم مسلم وغیر مسلم کا دو قومی نظریہ عین منشائے قرآنی کے مطابق ہے۔ آیت فَمِنۡكُمۡ كَافِرٌ وَّمِنۡكُمۡ مُّؤۡمِنٌ (التغابن: ۲) اس پر شاہد ہے، اس کے ساتھ ہی یہ بھی واضح ہو گیا کہ اسلام میں اس دو قومی نظریے کی اصل بنیاد درحقیقت صحیح متحدہ قومیت پیدا کرنے پر رہے جو ابتدائے آفرینش میں قائم تھی جس کی بنیاد وطنیت پر نہ تھی بلکہ عقیدۂ حق اور دین حق کی پیروی پر تھی، ارشاد قرآنی كَانَ النَّاسُ اُمَّةً وَّاحِدَةً نے بتلایا کہ ابتدائے عالم میں اعتقاد صحیح اور دین حق کی پیروی کے اعتبار سے ایک صحیح اور حقیقی وحدت قومی قائم تھی، بعد میں لوگوں نے اختلافات پیدا کیے، انبیاء نے لوگوں کو اسی اصلی وحدت کی طرف بلایا، جنہوں نے ان کی دعوت کو قبول نہ کیا، وہ اس متحدہ قومیت سے کٹ گئے اور جداگانہ قوم قرار دیے گئے۔

● ازل سے سنت اللہ یہی جاری ہے کہ برے لوگ ہر نبی مبعوث کے خلاف اور ہر کتاب الٰہی سے اختلاف کو پسند کرتے رہے اور ان کے مقابلہ ومخالفت میں پورا زور خرچ کرنے کے لیے آمادہ رہے ہیں، تو اب اہل ایمان کو ان کی بدسلوکی اور فساد سے تنگدل نہ ہونا چاہئے، جس طرح کفار نے اپنے بڑوں کا طریقہ کفر وعناد اور انبیاء کی مخالفت کا اختیار کیا، اسی طرح مؤمنین صالحین کو چاہئے کہ وہ اپنے بزرگوں کا یعنی انبیاء علیہم السلام کا وظیفہ اختیار کریں، کہ ان لوگوں کی ایذاؤں اور مخالفتوں پر صبر کریں، اور حکمت وموعظت اور نرمی کے ساتھ ان کو دین حق کی طرف بلاتے رہیں۔

● ماں باپ اور دوسرے اعزاء واقرباء کو جو کچھ بطور ہدیہ دیا یا کھلایا جاتا ہے اگر اس میں بھی اللہ تعالیٰ کا حکم بجالانے کی نیت ہو تو وہ بھی موجب اجر وثواب اور انفاق فی سبیل اللہ میں داخل ہے۔

● نفلی صدقات میں اس کی رعایت ضروری ہے کہ جو مال اپنی ضروریات سے زائد ہو وہی خرچ کیا جائے، اپنے اہل وعیال کو تنگی میں ڈال کر اور ان کے حقوق کو تلف کر کے خرچ کرنا ثواب نہیں، اسی طرح جس کے ذمہ کسی کا قرض ہے، قرض خواہ کو ادا نہ کرے اور نفلی صدقات

وخیرات میں اڑائے، یہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک پسندیدہ نہیں۔(ملخص از معارف)

رکوع(۲۷)

يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الشَّهْرِ الْحَرَامِ قِتَالٍ فِيْهِ ۭ قُلْ قِتَالٌ فِيْهِ كَبِيْرٌ ۭ

اس رکوع میں چند گناہوں سے اجتناب کی جانب توجہ دلائی گئی ہے: حرمت والے مہینوں یعنی رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ اور محرم میں قتل وقتال اور جنگ کرنا، مسجد حرام میں عبادت سے روکنا، سکانِ حرم کو بے گھر کرنا؛ یہ تمام گناہ کفار کی جانب سے انجام دیے گئے تھے۔اس کے بعد ارتداد کی مذمت کی گئی ہے، ارتداد اسلام سے پھر جانے کو کہتے ہیں۔ پھر ہجرت اور جہاد کے فضائل ذکر کیے گئے ہیں، نیز شراب اور جوئے کی برائی کو واضح کیا گیا ہے۔ اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور یتیموں کا خیال رکھنے کی ترغیب ہے۔ پھر ایمان وشرک کا تقابل اس طور پر کیا گیا ہے کہ مومنہ باندی آزاد مشرکہ سے اور مومن غلام آزاد مشرک سے بہتر ہے۔ اسی ضمن میں مومن ومشرکہ اور مشرک ومومنہ کے نکاح کو قطعی طور پر حرام قرار دیا گیا ہے۔

اہم مسائل

● جو شخص مذہب اسلام کو چھوڑ کر دوسرے مذہب کو اختیار کرلے یا توحید ورسالت کا انکار کر بیٹھے یا ضروریات دین سے منکر ہوجائے یا ایسے عقائد وافعال کو اختیار کرے کہ جو انکارِ قرآن اور انکارِ رسالت کے ہم معنی ہوں، ایسا شخص مرتد کہلاتا ہے۔

● مرتد کے دنیا میں اعمال کا ضائع ہونا یہ ہے کہ اس کی بیوی نکاح سے نکل جاتی ہے، اگر اس کا کوئی مورث مسلمان مرے، اس شخص کو میراث کا حصہ نہیں ملتا، حالت اسلام میں نماز، روزہ جو کچھ کیا تھا سب کالعدم ہوجاتا ہے، مرنے کے بعد جنازے کی نماز نہیں پڑھی جاتی، مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہیں ہوتا۔اور آخرت میں ضائع ہونا یہ ہے کہ عبادات میں ثواب نہیں ملتا، ہمیشہ ہمیش کے لئے دوزخ میں داخل ہوتا ہے۔

● اگر یہ شخص پھر مسلمان ہوجاوے تو آخرت میں دوزخ سے بچنے اور دنیا میں آئندہ کے لیے احکام اسلام کا جاری ہونا تو یقینی ہے، لیکن اگر حج کرچکا تو بھی دوبارہ حج کرنا لازم ہوگا۔

● جو قوم اپنی وضع اور طرز سے اہل کتاب سمجھے جاتے ہوں، لیکن عقائد کی تحقیق کرنے سے کتابی ثابت نہ ہوں اس قوم کی عورتوں سے نکاح درست نہیں، جیسے آجکل عموماً انگریزوں کو عام لوگ عیسائی سمجھتے ہیں، حالاں کہ تحقیق سے ان کے بعض عقائد بالکل ملحدانہ ثابت ہوئے کہ نہ خدا کے قائل نہ عیسیٰ (علیہ السلام) کی نبوت کے معتقد، نہ انجیل کی نسبت آسمانی کتاب ہونے کا اعتقاد، سو ایسے لوگ عیسائی نہیں، ایسی جماعت میں کی جو عورت ہو اس سے نکاح درست نہیں، لوگ بڑی غلطی کرتے ہیں کہ بلا تحقیق یورپ کی عورتیں بیاہ لاتے ہیں۔

● اس طرح جو مرد ظاہری حالت سے مسلمان سمجھا جائے لیکن عقائد اس کے کفر تک پہنچے ہوں اس سے مسلمان عورت کا نکاح درست نہیں اور اگر نکاح ہو جانے کے بعد ایسے عقائد خراب ہو جاویں تو نکاح ٹوٹ جاتا ہے جیسے آج کل بہت سے آدمی اپنے مذہب سے ناواقف سائنس کے اثر سے اپنے عقائد تباہ کر لیتے ہیں، لڑکی والوں پر واجب ہے کہ پیام آنے کے وقت اوّل عقائد کی تحقیق کر لیا کریں تب زبان دیں۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۲۸)

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْمَحِيْضِ ؕ قُلْ هُوَ اَذًى ۙ
فَاعْتَزِلُوا النِّسَآءَ فِي الْمَحِيْضِ ۙ وَلَا تَقْرَبُوْهُنَّ حَتّٰى يَطْهُرْنَ ۚ

اس رکوع میں خواتین سے متعلق احکامات ہیں، مثلاً ایام حیض میں ان سے قربت جائز نہیں، عدت کا بھی تذکرہ ہے، درمیان میں قسم اور کفارۂ قسم کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

اہم مسائل

● حیض: بالغ عورت کے رحم سے آنے والا وہ خون ہے جو مخصوص ایام میں آئے اور ولادت اس کا سبب نہ ہو، ولادت کے بعد آنے والا خون ''نفاس'' اور غیر طبعی طور پر خارج ہونے والا خون ''استحاضہ'' کہلاتا ہے ہے۔

● حیض کی کم از کم مدّت تین دن اور زیادہ سے زیادہ مدّت دس دن ہے۔

● حیض کی حالت میں درج ذیل امور منع ہیں:

۱-نماز ۲-روزہ ۳-تلاوت

۴-مسجد میں داخل ہونا ۵-طواف ۶-صحبت

نماز مکمل طور پر معاف ہو جاتی ہے اور روزے مؤخر ہو جاتے ہیں، یعنی ان ایام کی نماز کی قضا بھی لازم نہیں، جب کہ رمضان کے روزوں کی قضا لازم ہو گی۔ (قاموس الفقہ، ملخص)

● قسم کھانا تو جائز ہے لیکن قسم کھانے میں افراط اور بات بات پر قسم کھانا کراہت سے خالی نہیں، البتہ حسب ضرورت قسم کھانے میں کوئی حرج نہیں ہے، اسی لئے اہل علم نے حکم کے اعتبار سے قسم کی پانچ صورتیں کی ہیں :

۱-**واجب:** اگر قسم کا مقصود کسی بے گناہ جان کو ہلاکت سے بچانا ہو تو اس موقع پر قسم کھانا واجب ہے۔

۲-**مستحب:** اگر دو مسلمانوں کے درمیان صلح کرانے کے لئے یا کسی مسلمان سے شر اور مضرت کو دور کرنے کے لئے قسم کھائی جائے تو یہ مستحب ہے۔

۳-**مباح:** کسی مباح چیز کے کرنے یا چھوڑنے کی قسم کھانا یا کسی سچی بات کی خبر دینے کے لئے قسم کھانا یا کسی بات کو مطابق واقعہ سمجھ کر قسم کھانا حالانکہ وہ خلاف واقعہ تھی، یہ سب صورتیں مباح قسم کی ہیں، اسی طرح اپنے جائز حقوق کو حاصل کرنے کے لئے قسم کھانا بھی مباح ہے۔

۴-**مکروہ:** کسی مکروہ کام کے کرنے یا مستحب کام کے نہ کرنے پر قسم کھانا مکروہ ہے۔

۵-**حرام:** جھوٹی بات کی قسم یا معصیت کے ارتکاب یا کسی واجب کے ترک پر قسم کھانا حرام ہے۔

● اللہ تعالیٰ کے نام سے جو قسم کھائی جاتی ہے، اس کی تین قسمیں ہیں: یمین غموس، یمین منعقدہ اور یمین لغو۔

یمین غموس: گذرے ہوئے زمانہ یا موجودہ زمانہ کے بارے میں کسی واقعہ کے ہونے یا نہ ہونے کی بابت قصداً جھوٹی قسم کھانا۔

ایسی قسم سے آدمی گنہ گار ہوجاتا ہے اور اس پر توبہ واستغفار واجب ہے، کفارۂ قسم اس صورت میں واجب نہیں۔

یمین منعقدہ: مستقبل کے بارے میں کسی ایسی بات کی قسم کھانا جو ممکنات میں سے ہو۔ اگر یمین منعقدہ کو پورا نہیں کیا تو کفارہ واجب ہوگا۔

یمین لغو: یہ ہے کہ گذرے ہوئے زمانہ کے بارے میں اپنی دانست میں سچ جانتے ہوئے کسی بات کے ہونے یا نہ ہونے کی قسم کھائی جائے حالانکہ وہ خلافِ واقعہ ہو۔ یمین لغو کی وجہ سے نہ تو کفارہ واجب ہوگا اور نہ وہ گنہ گار ہوگا۔

● قسم کا رُکن: وہ کلام ہے جس کے ذریعے قسم کھائی جائے، اس سے ظاہر ہے کہ یمین زبان کا فعل ہے صرف دل کا فعل نہیں، اگر انسان کسی بات کا ارادہ کرلے، لیکن زبان سے اس کا تکلم نہ کرے تو یمین منعقد نہیں ہوگی۔

● عُرف میں جس تعبیر اور جس صفت سے قسم مراد لی جاتی ہو اس سے قسم ہوجائے گی اور جن کے بارے میں عرف ایسا نہیں ہو اُن سے قسم نہیں ہوگی۔

● رہا مسئلہ قرآن کریم کی قسم کا تو ہمارے زمانہ میں قرآن مجید سے قسم کھانا مروّج و معروف ہے اس لئے قرآن کی قسم معتبر ہوگی۔

● غیر اللہ کی قسم کھانا جائز نہیں۔ کسی پیغمبر، کسی بزرگ، ماں باپ، اولاد، کسی کی زندگی اور موت، یا کسی متبرک چیز جیسے کعبہ، زمزم، قبر وغیرہ کی قسم کھانا جائز نہیں مکروہ ہے، اور ایسی قسمیں غیر معتبر ہیں۔ اس لئے غیر اللہ کی قسم کھانے سے خوب اجتناب چاہئے، یہ کبیرہ گناہوں میں سے ہے۔

● قسم کا کفارہ: اگر کوئی شخص قسم کھائے اور حانث ہوجائے یعنی اس کو پوری نہ کر پائے تو اس پر کفارہ واجب ہوتا ہے۔ اس کی اوّلاً تین صورتیں ہیں: دس مسکینوں کو کھانا کھلانا، انہیں کپڑے پہنانا اور غلام آزاد کرنا۔ ان میں سے کسی بھی صورت کو اختیار کرنے کی گنجائش ہے، لیکن اگر ان میں سے کوئی بھی کفارہ ادا نہ کرسکتا ہو تو اب اسے مسلسل تین روزوں کے ذریعے کفارہ ادا کرنے کی اجازت ہوگی۔

● دس مسکینوں کو کھانا کھلانے کی دو صورتیں ہو سکتی ہیں: ایک یہ کہ ان کو دو وقت دو پہر اور شب میں اتنا کھانا کھلا دیا جائے یا کھانے کا مالک بنا دیا جائے کہ آسودہ ہو جائیں۔

● اگر ایک وقت کا کھانا کھلا دے اور ایک وقت کے کھانے کی قیمت ادا کر دے تو یہ بھی درست ہے، البتہ یہ درست نہیں کہ مثلاً ایک فقیر کو دن کا کھانا کھلائے اور دوسرے فقیر کو رات کا کھانا۔

● اگر بجائے کھانا کھلانے کے غلہ دینا چاہے تو فی کس نصف صاع (۱۵۹۰ء ارکیلو گرام) گیہوں یا اس کی قیمت ادا کرنا کافی ہو۔

● یہ بات بھی درست ہے کہ ایک ساتھ دس مسکینوں کو کھانا کھلا دیا جائے یا کپڑا دے دیا جائے، اور یہ بات بھی درست ہے کہ ایک سے زیادہ دنوں میں دس مسکینوں کو کھانا کھلانے یا کپڑا پہنانے کا کفارہ ادا کیا جائے۔

● ایلاء یہ ہے کہ کوئی شخص اپنی بیوی سے مطلقاً یا ہمیشہ کے لئے یا چار ماہ اور اس سے زیادہ مدت کے لئے مباشرت نہ کرنے کی قسم کھالے۔ قسم کھانے ہی کے حکم میں یہ بات بھی ہے کہ بیوی سے مباشرت کی صورت میں کوئی ایسی چیز اپنے اوپر واجب کرلے جس کی ادائیگی ایک گونہ دشوار اور مشکل ہو، مثلاً یہ کہ اگر میں تم سے مباشرت کروں تو مجھ پر حج واجب ہو جائے وغیرہ۔

● اسلام نے ایلاء کرنے والے مرد کو غور و خوض کے لئے چار ماہ کی مہلت دی ہے، اب اسے دو باتوں میں سے ایک کا اختیار ہے یا تو اس درمیان میں بیوی سے رجعت کرلے، یعنی اگر مباشرت پر قدرت ہو تو عملاً مباشرت کر کے اپنی قسم توڑ لے اور اگر مسافت کی دوری یا مرض کی وجہ سے یا خود عورت کے جنسی عمل کے متحمل نہ ہونے کی وجہ سے مباشرت ممکن نہ ہو تو زبان سے کہہ دے کہ میں نے رجوع کرلیا، اس طرح اس کی قسم ٹوٹ جائے گی، مگر اس کا ازدواجی رشتہ باقی رہ جائے گا۔

● اگر اس نے اس رشتہ سے نجات ہی حاصل کرنے کی ٹھان رکھی ہے اور اس عورت کو لوٹانا نہیں چاہتا تو یہ چار ماہ کی مدت گذرنے دے، جوں ہی یہ مدت گذرے گی، خود بخود

عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی اور یہ طلاق طلاقِ بائن ہوگی، اس طرح اس کی قسم تو پوری ہوگئی مگر وہ عورت اب اس کی بیوی باقی نہیں رہی۔

● عدت اس مدت کو کہتے ہیں جس میں عورت نکاح صحیح کے ختم ہونے، نکاح فاسد کے بعد قاضی کی طرف سے علاحدگی کے فیصلہ یا باہمی فیصلہ کے تحت ایک دوسرے کے ساتھ ترک تعلق (متارکہ) یا شبہ کی بنا پر وطی کے بعد اپنے آپ کو روکے رکھے۔

● عدت دو طرح کی ہے، ایک وہ جو شوہر کے انتقال کے بعد واجب ہوتی ہے اس کو ''عدت وفات'' کہتے ہیں، دوسرے وہ جو شوہر سے طلاق وغیرہ کے ذریعہ علاحدگی کے بعد واجب ہوتی ہے، یہ ''عدت طلاق'' کہلاتی ہے۔

● عدتِ وفات: ایسی عورتوں کے لئے جو حاملہ نہ ہوں چار ماہ دس دنوں کی ہے۔ مہینہ سے چاند کا مہینہ مراد ہے، اگر مہینہ کے آغاز ہی سے عدت گذارے تو چاند کے مہینوں کا اعتبار ہے، خواہ مہینے ۲۹ ردن کے ہوں یا ۳۰ ردن کے، اور اگر مہینہ کے درمیان میں انتقال ہوا تو پھر دنوں کا اعتبار ہے، ایک سوتیس دن عدت کے ہوں گے۔

● حاملہ عورت کی عدت ولادت تک ہے۔

● طلاق کی عدت مختلف حالات میں الگ الگ ہے:

الف) حاملہ عورت کی عدت ولادت ہے۔

ب) جس عورت کو حیض کا سلسلہ جاری ہو، اس کی عدت تین حیض ہے۔

ج) جن عورتوں کو کم سنی یا درازی عمر کی وجہ سے حیض نہ آتا ہو، ان کی عدت قران مجید نے تین ماہ بتائی ہے۔

● عدت کی حالت میں صراحتہً نکاح کا پیغام دینا درست نہیں، ہاں اشارۃً کہا جاسکتا ہے، البتہ اشارہ کی زبان میں بھی پیغام صرف طلاق رجعی کی عدت کے علاوہ میں درست ہے، جب پیام نکاح تک کی ممانعت ہے تو خود نکاح کی ممانعت وحرمت تو ظاہر ہی ہے۔

● عدتِ طلاق کے درمیان شب وروز شوہر کی مہیا کی ہوئی رہائش گاہ میں رہنا ضروری ہے۔

● عدتِ وفات میں یہ رعایت ہے کہ رات میں تو گھر رہنا ضروری ہے، البتہ دن میں اپنی ضروریات کے لئے باہر جاسکتی ہے، کیونکہ اس کے نفقہ کی ذمہ داری خود اسی کے اوپر ہے، بیوہ عورت جان ومال اور عزت وآبرو کے خطرہ کے علاوہ اس وقت بھی گھر چھوڑ سکتی ہے جب متروکہ مکان میں اس کا حصہ اتنا کم ہو کہ اس میں رہائش ممکن نہ ہو، یا مکان کرایہ کا ہو اور کرایہ ادا کرنے کی استطاعت نہ ہو۔ (ملخص از قاموس الفقہ: حیض، یمین، ایلاء، عدت)

رکوع (۲۹)

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ ۪ فَاِمۡسَاكٌۢ بِمَعۡرُوۡفٍ اَوۡ تَسۡرِيۡحٌۢ بِاِحۡسَانٍ ؕ

اس رکوع میں طلاق اور خلع سے متعلق مسائل ہیں، عورتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اور اچھے رویہ کی تاکید ہے، محض انتقام کی غرض سے یا عورتوں کو نقصان پہنچانے کی غرض سے انہیں روکے رکھنا، ان کے حقوق ادا نہ کرنا نہایت مذموم ہے۔ حلالہ کا تذکرہ بھی اسی رکوع میں ہے۔

اہم مسائل

● **طلاق:** فوراً یا تاخیری اثر کے ساتھ مخصوص لفظ کے ذریعہ قیدِ نکاح کو ختم کرنے کا نام ہے۔

● طلاق اسلام میں ایک نہایت ناپسندیدہ عمل ہے، رسول اللہ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے جن چیزوں کی اجازت دی ہے ان میں کوئی شئی طلاق سے زیادہ ناپسندیدہ نہیں۔ البتہ ضرورت کے مواقع پر اس کی اجازت ہے۔

● حالات اور مواقع کے لحاظ سے اس کا حکم بھی الگ الگ ہے، اس اعتبار سے فقہاء نے پانچ قسمیں کی ہیں: مکروہ، مباح، مستحب واجب اور حرام (محظور)، اگر اس کو معلوم ہو کہ نکاح کو باقی رکھ کر وہ عورت کے ساتھ ظلم کا مرتکب ہوگا جیسے: نفقہ کا نہ دینا، تکلیف دہ حد تک مار پیٹ کرنا، تو طلاق دینا واجب ہے، شدید ضرورت ومجبوری کے بغیر طلاق دینا مکروہ ہے، عورت کی بدمزاجی اور نافرمانی کی صورت میں مباح ہے، عورت عفیف وپاکدامن نہ ہو

تو مستحب ہے، اگر اندیشہ ہو کہ طلاق دینے کے نتیجہ میں عورت زنا اور معصیت میں مبتلا ہو سکتی ہے تو حرام ہے، اسی طرح حیض کی حالت میں طلاق دینا بھی جائز نہیں۔

● طلاق کے لئے استعمال کی جانے والی تعبیرات دو طرح کی ہو سکتی ہیں، صریح، کنایہ۔ صریح سے مراد وہ الفاظ ہیں جو طلاق ہی کے معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ اور عُرف و معاشرے میں ان کا استعمال طلاق ہی کے لئے ہوتا ہے۔ طلاق اور طلاق سے مشتق الفاظ صریح سمجھے جاتے ہیں، جیسے تو مطلقہ ہے یا تجھ کو طلاق دی وغیرہ

● صریح الفاظ کے ذریعہ بلا نیت طلاق واقع ہو جاتی ہے، اگر شوہر نیتِ طلاق کا انکار کرے تب بھی قاضی اس کی نیت کا اعتبار نہیں کرے گا۔

● کنایہ سے ایسے الفاظ مراد ہیں جو طلاق کے لئے بھی استعمال کئے جاتے ہوں اور دوسرے معنی میں بھی، ان کے ذریعہ اسی وقت طلاق واقع ہو گی جب شوہر نیتِ طلاق کا اظہار کرے یا موقعہ و حال سے معلوم ہو کہ شوہر نے طلاق ہی کی نیت سے یہ لفظ کہا ہے۔

● الفاظ کنایہ کے ذریعہ اصلاً طلاق بائن واقع ہوتی ہے، جب کہ صریح الفاظ سے طلاقِ رجعی۔

● حکم اور اثر و نتیجہ کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں ہیں: رجعی، بائن، مغلظہ۔

طلاق رجعی: لفظِ صریح یعنی طلاق یا ایسے الفاظِ کنایہ جو کثرتِ استعمال کی وجہ سے صریح کے درجہ میں آ گئے ہوں، ایک یا دو بار کہے جائیں تو طلاقِ رجعی واقع ہوتی ہے بہ شرطیکہ منکوحہ سے شوہر صحبت کر چکا ہو، اس طلاق کا حکم یہ ہے کہ عدت کے درمیان شوہر اپنی بیوی کو نئے نکاح کے بغیر لوٹا سکتا ہے، جسے رجعت کہتے ہیں۔ عدت گذرنے کے بعد بھی اس کی گنجائش ہے کہ مرد و عورت باہمی رضامندی سے نکاح کر لیں، یہ ضروری نہیں کہ وہ عورت کسی اور مرد کے نکاح میں جا کر پھر واپس آئے۔ اب اگر ایک طلاق رجعی دی ہے تو شوہر کو آئندہ دو طلاق کا حق باقی رہے گا اور دو طلاق دی ہے تو صرف ایک طلاق کا حق باقی رہے گا۔

طلاق بائن: طلاقِ بائن کا اثر فوراً ظاہر ہوتا ہے، یعنی عورت فوراً ہی شوہر کے نکاح سے نکل جاتی ہے، عدت کے درمیان بھی اس کو لوٹانے کی گنجائش نہیں، ہاں، اگر مرد و عورت

دوبارہ نکاح کرنا چاہیں تو مہر کے ساتھ نیا نکاح کر سکتے ہیں، البتہ طلاق بائن میں بھی یہ ضروری نہیں کہ عورت کا کسی اور مرد سے نکاح ہو اور پھر پہلے شوہر کے پاس واپس آئے، گویا طلاقِ رجعی میں عدت گذرنے کے بعد جو اثر ہوتا ہے، طلاق بائن میں طلاق کے فوراً بعد ہی وہ اثر مرتب ہوتا ہے۔

● ان صورتوں میں طلاق بائن واقع ہوتی ہے :

۱-منکوحہ سے صحبت بھی نہ ہوئی ہو، کہ طلاق دیدے، خواہ لفظ صریح کے ذریعہ ایک ہی طلاق دے۔

۲-صراحت کردے کہ وہ طلاق بائن دے رہا ہے۔

۳-عورت سے کچھ معاوضہ لے کر یا اس کے واجب الاداء حقوق معاف کرا کر طلاق دے۔

۴-کنایہ الفاظ طلاق کی نیت سے کہے، جیسے: میرا تیرا کوئی رشتہ نہیں، اور نیت طلاق کی ہو۔

۵-ایلاء کے ذریعہ واقع ہونے والی طلاق بھی بائن ہوتی ہے۔

۶-قاضی کے ذریعہ تفریق کی اکثر صورتیں بھی طلاق بائن کے حکم میں ہیں۔

طلاق مغلظہ : تین طلاق دینے کو "طلاق مغلظہ" کہتے ہیں، ایک ساتھ تین طلاق دے دینا سخت گناہ ہے، لیکن طلاق واقع ہوجاتی ہے، خواہ ایک ساتھ دے یا الگ الگ۔

● طریقۂ طلاق کے اعتبار سے طلاق کی تین قسمیں کی گئی ہیں: طلاق احسن، طلاق حسن، طلاق بدعی۔

طلاق احسن : یہ ہے کہ ایک ساتھ تین طلاق نہ دی جائے بلکہ صریح لفظوں میں صرف ایک طلاق دی جائے، یہ طلاق حیض کی حالت میں نہ ہو بلکہ ایسی پاکی (طہر) میں ہو جس میں ایک دفعہ بھی بیوی سے صحبت نہ کی ہو، اب ایک طلاق دینے کے بعد اگر وہ بیوی کو چھوڑنا ہی چاہتا ہے تو اپنے حال پر چھوڑ دے یہاں تک کہ عدت گذر جائے۔

طلاق حسن : یہ ہے کہ ایسی عورت جس سے صحبت ہو چکی ہو کو، اگر حائضہ ہو تو تین طہر میں، اور حائضہ نہ ہوئی ہو، یا اب حیض آنا بند ہو گیا ہو تو تین ماہ میں ایک ایک حیض اور ایک ایک طہر کے وقفہ سے طلاق دی جائے، اس میں بھی طہر کا صحبت سے خالی ہونا ضروری

ہے، ہاں نابالغہ، عمر رسیدہ، (آئسہ) اور حاملہ کو صحبت کے بعد بھی طلاق دے سکتے ہیں۔

طلاق بدعی: طلاق بدعی یہ ہے کہ ایک ہی دفعہ یا ایک ہی پاکی میں دو یا تین طلاقیں دی جائیں، یا حالتِ حیض میں یا ایسی پاکی میں طلاق دے جس میں صحبت کر چکا ہے، طلاق کی یہ تینوں ہی صورتیں سخت گناہ ہیں، ان کا ارتکاب جائز نہیں اور ان سے بچنا واجب ہے، لیکن اس طرح اگر طلاق دے ہی دی جائے تو طلاق واقع ہو جاتی ہے۔

● **خلع:** عورت سے کچھ لے کر اس کو نکاح سے آزاد کر دینا۔

● اگر زیادتی خود مرد کی طرف سے ہو اور عورت تنگ آ کر خلع کی طالب ہوئی ہو تب تو عورت سے طلاق کا معاوضہ لینا حرام ہے، اور اگر عورت کی طرف سے زیادتی ہوئی تو معاوضہ لیا جا سکتا ہے۔

● خلع سے طلاقِ بائن واقع ہوتی ہے۔

● خلع کے لئے قاضی سے رجوع کرنا اور قاضی کا فیصلہ کرنا ضروری نہیں۔

● خلع کے بعد بلا نکاح رجعت کا حق باقی نہیں رہتا۔

● خلع میں وقت کی کوئی قید نہیں، حالت حیض یا ایسے طہر۔جس میں بیوی سے صحبت کر چکا ہو۔میں بھی بلا کراہت خلع کیا جا سکتا ہے۔(ملخص از قاموس الفقہ: طلاق، خلع)

رکوع (۳۰)

وَاِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَبَلَغْنَ اَجَلَهُنَّ فَلَا تَعْضُلُوْهُنَّ
اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْا بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ

ازدواجی زندگی سے متعلق مسائل کا سلسلہ اس رکوع میں بھی جاری ہے، یہاں ابتداء میں رضاعت یعنی بچے کے دودھ پینے کے مسائل ذکر کیے گئے ہیں جس کی مدت دو سال ہے۔نیز اگر شوہر کا انتقال ہو جائے یا وہ طلاق دے دے اور اس کی بیوہ یا مطلقہ نکاحِ ثانی کرنا چاہے تو اسے روکنے یا معیوب سمجھنے سے منع کیا گیا ہے۔البتہ عدت کے دوران پیغامِ نکاح بھیجنے کو منع کیا گیا ہے۔عدتِ وفات کا بھی ذکر ہے جو چار مہینے دس دن ہے، اس کی تفصیل دو رکوع قبل ملاحظہ فرمائیں۔

اہم مسائل

● دودھ پلانا دیانۃً ماں کے ذمہ واجب ہے، بلاعذر کسی ضد یا ناراضگی کے سبب دودھ نہ پلائے تو گنہگار ہوگی، اور دودھ پلانے پر وہ شوہر سے کوئی اجرت ومعاوضہ نہیں لے سکتی، جب تک وہ اس کے اپنے نکاح میں ہے، کیوں کہ وہ اس کا اپنا فرض ہے۔

● اگر چہ دودھ پلانا ماں کے ذمہ ہے، لیکن ماں کا نان ونفقہ اور ضروریاتِ زندگی باپ کے ذمہ ہیں، اور یہ ذمہ داری جس وقت تک بچے کی ماں اس کے نکاح میں یا عدت میں ہے اس وقت تک ہے، اور طلاق اور عدت پوری ہونے کے بعد نفقۂ زوجیت تو ختم ہو جائے گا، مگر بچے کو دودھ پلانے کا معاوضہ دینا باپ کے ذمہ پھر بھی لازم رہے گا۔

● میاں بیوی دونوں امیر مالدار ہوں تو نفقہ امیرانہ واجب ہوگا، اور دونوں غریب ہوں تو نفقہ غریبانہ واجب ہوگا، البتہ جب دونوں کے حالات مالی مختلف ہوں تو شوہر کی حالت کا اعتبار کیا جائے گا۔

● ماں اگر بچہ کو دودھ پلانے سے کسی ضرورت کے سبب انکار کرے تو باپ کو اسے مجبور کرنا جائز نہیں، اور اگر بچہ کسی دوسری عورت یا جانور کا دودھ نہیں لیتا تو ماں کو مجبور کیا جائے گا۔

● جس کا خاوند مر جائے اس کو عدت کے اندر خوشبو لگانا، سنگھار کرنا، سرمہ اور تیل بلاضرورت دوا لگانا، مہندی لگانا، رنگین کپڑے پہننا درست نہیں۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۳۱)

لَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ إِنْ طَلَّقْتُمُ النِّسَاءَ مَا لَمْ تَمَسُّوهُنَّ أَوْ تَفْرِضُوا لَهُنَّ فَرِيضَةً ۚ وَمَتِّعُوهُنَّ ۚ عَلَى الْمُوسِعِ قَدَرُهُ وَعَلَى الْمُقْتِرِ قَدَرُهُ ۚ

اس رکوع میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو رخصتی اور صحبت سے قبل ہی طلاق دے دے تو اس پر مہر کا نصف حصہ ادا کرنا لازم ہے، نیز نفقہ یعنی بیوی کے بنیادی خرچ کو مرد کی حیثیت کے مطابق لازم کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نمازوں کی ادائیگی کا تاکید کے ساتھ حکم ہے، اس میں بھی خاص طور پر "صلوٰۃِ وسطیٰ" کو ذکر کیا گیا ہے، حدیث کے مطابق یہ عصر کی

نماز ہے، چوں کہ عموماً یہ مصروفیت کا وقت ہوتا ہے اس لیے اس کو تاکیداً ذکر کیا گیا ہے۔

اہم مسائل

● مہر وہ مال ہے، جو عقد نکاح یا جنسی ارتباط کی وجہ سے کسی عورت کا مرد پر واجب ہوتا ہے۔ اگر نکاح صحیح ہو تو محض عقد ہی مہر واجب کے واجب ہونے کے لئے کافی ہے، اور اگر نکاح فاسد ہو، تو عورت سے جنسی ارتباط کے بعد ہی مہر واجب ہوتا ہے۔

● اگر کوئی شخص اسی شرط پر نکاح کرے کہ اس کا کچھ مہر نہ ہوگا، جب بھی نکاح درست ہو جائے گا، اور مہر مثل واجب ہوگا، لیکن نکاح کے وقت اگر مہر متعین نہ کیا جائے تو اس سے نکاح کے انعقاد پر کوئی اثر نہ پڑے گا، نکاح بہر حال منعقد ہو جائے گا، اگر مہر فوراً ادا نہ کیا گیا ہو جب بھی مرد کے ذمہ وہ ایک دین ہے، جس کی جلد از جلد ادائیگی کی سعی کرنی چاہئے، ہر اس چیز کو مہر بنایا جا سکتا ہے، جو مال ہو، شریعت کی نگاہ میں قابل قیمت ہو، یعنی ایسی چیز ہو، جس کا شرعی عوض لیا جا سکتا ہو، معلوم و متعین ہو، خواہ گفتگو کے ذریعے مقدار مہر کی صراحت کر دی جائے، یا اشارہ کے ذریعے مہر کی تعیین ہو جائے، موجود ہو اور وہ اس کے حوالہ کرنے پر قادر ہو۔

● مہر کی کم سے کم مقدار دس درہم چاندی (۳۳۔ ۹۲) ہے۔ مہر کی زیادہ سے زیادہ مقدار کی کوئی حد متعین نہیں۔

● مہر واجب کی مقدار کے اعتبار سے چار حالتیں ہوتی ہیں :

۱- نکاح کے وقت یا نکاح کے بعد باہمی رضامندی سے مہر متعین ہو گیا، شوہر نے بیوی کے ساتھ خلوت بھی کرلی، اس کے بعد طلاق یا علیحدگی کی نوبت آئی، یا خلوت تو نہیں ہوئی لیکن شوہر کا انتقال ہو گیا۔ ایسی صورت میں پورا مہر متعین (بشرطیکہ اس کی مقدار دس درہم سے زیادہ ہو) واجب ہوگا۔

۲- نکاح کے وقت مہر متعین ہو گیا، اور پھر خلوت (دخول) سے پہلے ہی طلاق یا علیحدگی ہو گئی ہو، اس صورت میں مہر متعین کا آدھا ملے گا۔

۳- نکاح کے وقت مہر متعین ہی نہ کیا، یا ایسی چیز کو مہر بنایا، جس میں مہر بننے کی

صلاحیت نہیں، یا اس شرط پر نکاح کیا کہ اس کا کوئی مہر ہی نہ ہوگا، اور خلوت کے بعد علیحدگی ہوئی، یا خلوت تو نہیں ہوئی لیکن شوہر کا انتقال ہوگیا، ان صورتوں میں عورت کا مہر مثل واجب ہوگا۔

۴-- نکاح کے وقت مہر متعین نہیں ہوا، یا ایسی چیز کو مہر بنایا گیا، جس میں مہر بننے کی صلاحیت نہیں، اور خلوت سے پہلے ہی زوجین میں علیحدگی ہوگئی، تو اب ایسی عورت کے لئے متعہ واجب ہوگا، یہ بات پیش نظر رہے کہ جس عورت کا مہر عقد کے وقت متعین نہ ہوا ہو، بعد میں باہمی رضامندی سے طے ہوا تو، اگر خلوت سے پہلے ہی علیحدگی ہوجائے تو اس کا مہر غیر متعین ہی مقصود ہوگا، اور وہ متعہ کی مستحق ہوگی، نہ کہ مہر مثل کی۔ متعہ سے مراد ایک متوسط جوڑا ہے۔

● یوں تو متعہ واجب صرف اس عورت کے لئے ہے، جس کا مہر متعین نہیں ہوا تھا، اور خلوت سے پہلے ہی طلاق کی نوبت آگئی تھی، لیکن ان خواتین کے لئے بھی متعہ مستحب ہے، جن کو خلوت کے بعد طلاق واقع ہوئی ہے، خواہ نکاح کے وقت ان کا مہر متعین ہوا ہو یا نہیں۔

مہر مثل: اس سے مراد وہ مقدار ہے جو عورت کے دادھیالی خاندان کی عورتوں کا مہر رہا ہو، اور عقد نکاح کے وقت، سن وسال، جمال وخوبصورتی، دولت مندی، اسی شہر میں سکونت جس میں عورت کا میکہ ہو، کنوار پن، اور شوہر دیدہ ہونا، عفت و پاکیزگی، علم وادب، اور کمال اخلاق کے اعتبار سے دونوں ایک درجہ کی ہوں، ان شرطوں کا یہ مقصد نہیں، کہ دونوں خواتین بالکل یکساں ہوں، مثلاً دونوں کی عمر عقد کے وقت بالکل ایک ہی ہو، بلکہ فی الجملہ ان اُمور کے اعتبار سے دونوں کا قریب ہونا اور زیادہ تفاوت کا نہ پایا جانا کافی ہے، دادھیالی رشتہ دار سے پھوپھی، بہن، چچازاد بہن، وغیرہ مراد ہیں۔

مہر معجل: جو مہر فی الفور دینا قرار پائے۔

مہر مؤجل: جس مہر کو ادا کرنے کے لیے کچھ مدت مقرر کی گئی ہو یا کوئی مدت متعین کیے بغیر چھوڑ دیا گیا ہو۔

مہر فاطمی: تولہ کے حساب سے ۱۳۱ر تولہ ۳ر ماشہ چاندی موجودہ گراموں

کے اعتبار سے ۱۵۳۰ر گرام، ۹۰۰ رملی گرام چاندی۔ (ملخص از قاموس الفقہ: مہر)

رکوع (۳۲)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ خَرَجُوْا مِنْ دِيَارِهِمْ وَهُمْ اُلُوْفٌ حَذَرَ الْمَوْتِ ۠ فَقَالَ لَهُمُ اللّٰهُ مُوْتُوْا ۣ

اس رکوع میں اوّلاً جہاد کا حکم دیا گیا، پھر اس کی سختیوں پر صبر اور بلا چوں چرا ہر حکم کو تسلیم کرنے کی تعلیم دی گئی، اسی مناسبت سے بنی اسرائیل کا ایک واقعہ بھی ذکر کیا گیا کہ انھوں نے اپنے نبی (حضرت شمویل علیہ السلام) سے درخواست کی تھی کہ کسی طاقتور شخص کو جالوت سے جہاد کا سرپرست اور لیڈر بنا دیں، حضرت طالوت کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے منتخب کیا گیا، بنی اسرائیل نے اس انتخاب پر اعتراض کیا، ان کی نظر میں کسی دنیوی شان و شوکت والے شخص کو جہاد کا لیڈر بننا چاہیے تھا۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس اعتراض کو رد کر دیا گیا اور کہا گیا کہ حضرت طالوت علم اور بہادری ہر اعتبار سے اس منصب کے اہل ہیں، چناں چہ اس کی ایک نشانی بھی اس وقت ظاہر کر دی گئی۔

اہم مسائل

● جس شہر میں کوئی وبائی مرض طاعون پھیل جائے وہاں سے بھاگ کر دوسری جگہ جانا جائز نہیں، رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد میں اس پر اتنا اضافہ ہے کہ دوسرے لوگوں کو وہاں جانا بھی درست نہیں۔

● موت کے خوف سے جہاد سے بھاگنا حرام ہے۔ (ملخص از معارف)

● **طالوت:** ان کے معاصر نبی حضرت شمویل علیہ السلام تھے، اللہ تعالیٰ نے ان کو جہاد و قتال کے لیے امیر منتخب کیا، یہ اس وقت تک نسبتاً گمنام تھے، قرآن مجید میں ان کی صرف اِسی جنگ کا ذکر ہے، جو یہ فلسطینیوں کے سردار اور اس وقت کے نامور پہلوان ''جالوت'' کے مقابلے میں کامیابی سے لڑے۔

● **جالوت:** بڑا زبردست پہلوان تھا، اس کا قد ۱۰ رفٹ کا تھا اور چہرے کے علاوہ

سر سے پیر تک زِرہ میں ملبوس رہتا تھا، حضرت داوٗد علیہ السلام جو آگے چل کر نبوت سے بھی سرفراز ہوئے، طالوت کی فوج میں ایک نوعمر سپاہی کے طور پر شامل تھے۔ آپ ہی نے اس کو ہلاک کیا تھا۔ (ملخص از أعلام القرآن: طالوت، جالوت)

رکوع (۳۴)

فَلَمَّا فَصَلَ طَالُوتُ بِالْجُنُودِ ۙ قَالَ إِنَّ اللَّهَ مُبْتَلِيكُمْ بِنَهَرٍ ۚ فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّي ۚ

گزشتہ واقعے کا سلسلہ اس رکوع میں بھی ہے، کہ جب وہ فوج لے کر بڑھے تو فوجیوں سے کہا کہ ایک نہر پر اللہ کی جانب سے تمہاری آزمائش ہونے والی ہے، کہ نہر کا پانی ایک دو گھونٹ سے زیادہ نہ پینا۔ جو پانی پی لے گا اس کا رشتہ اللہ سے کٹ جائے گا، کچھ لوگوں کے علاوہ سب نے اس حکم کی نافرمانی کی۔ سامنے جالوت کا لشکر تھا، حضرت طالوت اور ان کے منتخب مومنین نے کہا کہ اللہ کی مدد سے چھوٹی جماعت بڑی جماعت پر غالب آئے گی، بس صبر اور ثابت قدمی اوّلین شرط ہیں۔ دونوں فوجیں آمنے سامنے ہوئیں، طالوت اور ان کی فوج نے اللہ سے دعا مانگی، اللہ کی مدد سے یہی چھوٹی سی فوج جالوت کے عظیم لشکر پر غالب آ گئی۔



پارہ: (۳)

تِلْكَ الرُّسُلُ فَضَّلْنَا بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ ۘ مِنْهُمْ مَّنْ كَلَّمَ اللّٰهُ وَ رَفَعَ بَعْضَهُمْ دَرَجٰتٍ ؕ

پارہ کے شروع میں انبیاء ورسل کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بعض انبیاء کو بعض پر فضیلت دی ہے، انہیں میں سے حضرت آدم اور موسیٰ علیہما السلام ہیں کہ اُن کو اللہ تعالیٰ سے گفتگو کا شرف حاصل ہے، حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بھی معجزے دیے گئے، اور اخیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو معجزات سے ثابت کیا۔ اب جو یہودیت اور عیسائیت کا اختلاف اور گروہ بندیاں نظر آرہی ہیں وہ انبیاء کرام کی تعلیمات کا حصہ نہیں تھیں، بلکہ ان کی تعلیمات کو پس پشت ڈالنے والی قوم کی ایجاد کردہ ہے۔

رکوع (۳۴)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَنْفِقُوْا مِمَّا رَزَقْنٰكُمْ مِّنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَ يَوْمٌ لَّا بَيْعٌ فِيْهِ وَلَا خُلَّةٌ وَّلَا شَفَاعَةٌ ؕ وَالْكٰفِرُوْنَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ ۝

اس رکوع میں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کا حکم ہے، تاکہ آخرت میں کامیابی حاصل ہوسکے، پھر ایک نہایت جامع آیت ہے جس کو ہم ''آیۃ الکرسی'' کہتے ہیں، یہ آیت اللہ تعالیٰ کی صفات وکمالات کو بتاتی ہے۔ اگلی آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ دین کی تعلیمات بالکل واضح اور روشن ہیں، اب اسے قبول کرنا یا نہ کرنا انسانوں کا کام ہے، اسے اختیار کرنے میں کوئی زبردستی ہرگز نہیں کی جائے گی، البتہ جو دین اختیار کرے گا آخرت کی کامیابی اُس کا مقدر ہوگی اور وہ کفر کی تاریکیوں سے نکل کر ایمان کے نور میں داخل ہو جائے گا جہاں اللہ تعالیٰ اُس کا حامی اور کارساز ہوگا۔

رکوع (۳۵)

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡ حَآجَّ اِبۡرٰهٖمَ فِیۡ رَبِّهٖۤ اَنۡ اٰتٰىهُ اللّٰهُ الۡمُلۡكَ ۘ

اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور نمرود کا مشہور مناظرہ ہے جس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اُسے لاجواب کردیا تھا۔ پھر دو واقعات کا ذکر ہے۔ روایات کے مطابق حضرت عزیر علیہ السلام کا گزر ایک ویران بستی پر ہوا، انہیں خیال ہوا کہ اللہ اس مردہ اور ویران شہر کو کس طرح زندگی عطا کریں گے تو اللہ تعالیٰ نے اُن پر ۱۰۰ رسال تک موت طاری کردی، پھر زندہ کر کے پوچھا کہ تم کتنے عرصے اس حالت میں رہے؟ انہوں نے کہا ایک دن یا ایک دن کا کچھ حصہ! اللہ نے کہا کہ تمہیں اس حالت میں ۱۰۰ رسال گزر چکے ہیں، اب ذرا اپنے کھانے پینے کا سامان دیکھو، وہ جوں کا توں ہے، ذرا بھی گلا سڑا نہیں، اس کے مقابلے میں تمہارا گدھا مر چکا ہے، اُس کی ہڈیاں بھی بوسیدہ ہو چکی ہیں۔ پھر اللہ نے اُن کے سامنے بکھری ہوئی ہڈیوں کو جوڑ کر اُس پر گوشت چڑھایا اور اُسے زندہ کردیا۔ انہوں نے یہ سب ہوتا دیکھا تو کہا کہ میں اچھی طرح سمجھ گیا کہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے۔

دوسرا واقعہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ہے، جنہوں نے یہ خواہش ظاہر کی کہ انہیں بتایا جائے کہ اللہ مُردوں کو دوبارہ کیسے زندہ کرے گا؟ اللہ نے اُن سے فرمایا کہ چار پرندے لے لو، سب کے ٹکڑے ٹکڑے کر کے الگ الگ پہاڑ پر رکھ دو، پھر انہیں پکارو۔ چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سب کو آواز دی اور اللہ نے تمام ٹکڑے آپس میں ملا دیے اور سب زندہ ہو گئے۔ ان واقعات کا مقصد امت کو یہ بتانا ہے کہ انبیاء و رسل کی تعلیمات محض قیاس اور گمان نہیں ہوتیں، بلکہ وہ حقیقی اور سچی ہوتی ہیں، ان باتوں پر ایمان لا کر آخرت کی تیاری کرنی چاہیے۔

رکوع (۳۶)

مَثَلُ الَّذِیۡنَ یُنۡفِقُوۡنَ اَمۡوَالَهُمۡ فِیۡ سَبِیۡلِ اللّٰهِ كَمَثَلِ حَبَّةٍ اَنۡۢبَتَتۡ سَبۡعَ سَنَابِلَ فِیۡ كُلِّ سُنۡۢبُلَةٍ مِّائَةُ حَبَّةٍ ؕ

اس رکوع میں اللہ کے راستے میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے، جس کا اجر سات سو گنا تک ہے۔ نیز صدقہ وغیرہ کے ذریعہ کسی کی مدد کر کے اُس پر احسان جتلانے کو سختی کے ساتھ منع کیا گیا ہے، اس طرح احسان جتلانے سے صدقے کا ثواب بھی ضائع ہو جاتا ہے۔ نیز یہ بھی بتایا گیا ہے کہ سب اپنی اپنی حیثیت کے مطابق کم یا زیادہ صدقہ کریں، اللہ تعالیٰ دلوں کے احوال سے واقف ہے۔

رکوع (۳۷)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَنْفِقُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا كَسَبْتُمْ وَمِمَّآ اَخْرَجْنَا لَكُمْ مِّنَ الْاَرْضِ ۠

اس رکوع میں بھی صدقات وخیرات کا بیان ہے، خراب اور گھٹیا چیزوں کو صدقہ وخیرات میں دینے سے منع کیا گیا ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ صدقہ دینے سے دولت میں کمی نہیں ہوتی بلکہ اس میں خوب برکت ہوتی، صدقات وخیرات سے کبھی افلاس نہیں آتا، جیسا کہ شیطان دلوں میں وسوسے ڈالتا ہے۔ بہتر تو یہ ہے کہ صدقات وخیرات کا اہتمام چھپ کر اور پوشیدہ طور پر کیا جائے، البتہ اعلانیہ طور پر بھی دینا جائز ہے۔ اخیر رکوع میں صدقات کے مستحقین کا تذکرہ ہے کہ ضرورت مند اور فقراء جو لوگ معاشی اعتبار سے کمزور ہوتے ہیں ان پر یہ رقم خرچ کرنی چاہیے، بالخصوص وہ لوگ جو غیرت وخودداری کی بنا پر اپنے فاقوں اور معاشی پریشانیوں کو ظاہر نہیں کرتے، اُنہیں دینا بڑا ثواب کا کام ہے۔

رکوع (۳۸)

اَلَّذِيْنَ يُنْفِقُوْنَ اَمْوَالَهُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ سِرًّا وَّعَلَانِيَةً فَلَهُمْ اَجْرُهُمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۚ وَلَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُوْنَ ﴿۲۷۴﴾

صدقات وخیرات کی ترغیب کے بعد اس رکوع میں سود کی شدید مذمت کی گئی ہے، کیوں کہ یہ معاشرتی تباہی کا سبب بنتا ہے، غریبوں کی حق تلفی کرتا ہے، باہمی محبت کو ختم کرتا ہے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے سودی لین دین کو اللہ ورسول سے جنگ کے مرادف قرار دیا

ہے اور اس جنگ کے نتیجے میں ہلاکت و بربادی کا ہونا ظاہر ہے، خواہ وہ ذہنی سکون کا فقدان ہو یا معاشی بحران۔ اس کے بعد یہ بیان کیا گیا ہے کہ جن لوگوں کو تم نے قرض دیا ہے اگر وہ کوشش اور محنت کے باوجود وقت پر اُس کی ادائیگی نہ کر سکیں، مالی تنگی اور پریشانیاں اُن کی زندگی کا حصہ ہیں تو اُن کے حالات درست ہونے تک مہلت دے دو، ممکن ہو تو قرض معاف کر کے اُسے صدقے میں تبدیل کر دو، یہ اللہ کی رضا اور خوشنودی کا باعث ہوگا۔

سود سے متعلق اہم مسائل

● لغت میں ''ربا'' کے معنیٰ اضافہ کے ہیں، لیکن شریعت میں ہر اضافہ ربا نہیں بلکہ مالی لین دین کے معاملہ میں ایسا مالی اضافہ، جس کا دوسرے فریق کی طرف سے کوئی عوض نہ ہو ''رِبا'' کہلاتا ہے، اس کو اُردو زبان میں ''سود'' اور انگریزی زبان میں ''Intrest'' کہتے ہیں۔

● سود کی حرمت پر اُمت کا اجماع و اتفاق ہے۔

● دو ایسی چیزیں جو جنس میں بھی متحد ہوں اور قدر (ناپنے یا تولنے) میں بھی، خرید و فروخت میں ان دونوں کا برابر ہونا بھی ضروری ہے اور ہر دو جانب سے نقد ادائیگی بھی ضروری ہے، اگر کسی طرف سے زیادہ ہو اور دوسری طرف سے کم، تو یہ سود ہے اور اس کو ''رِبا تفاضل'' کہا جاتا ہے اور اگر ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے اُدھار ہو تو یہ بھی سود ہے اور اس کو ''رِبا نسیہ'' کہتے ہیں۔ اس کی مثال سونے کی سونے یا گیہوں کی گیہوں سے خرید و فروخت ہے۔

● اگر جنس بھی مختلف ہے اور قدر بھی، تو کمی و بیشی اور نقد و اُدھار دونوں صورتیں جائز ہیں، جیسے سونا، چاندی یا اس کے قائم مقام روپئے پیسے کے عوض تیل خریدنا کہ سونا چاندی ''وزنی'' (وزن کر کے فروخت کی جاتی) ہے اور تیل ''کیلی'' (ناپ کر فروخت کیا جاتا ہے) اس لئے کہ قدر مختلف ہے اور دونوں کی جنس کا مختلف ہونا بھی ظاہر ہے، اس لئے ان دونوں کے باہمی تبادلہ میں کمی بیشی اور نقد و اُدھار دونوں ہی صورتیں جائز ہیں مثلاً ایک سیب کی دو سیب کے بدلہ خرید و فروخت ہو سکتی ہے، اگر گن کر ان کی خرید و فروخت ہوا کرتی ہو۔ اگر

جنس ایک ہو، مگر قدر جداگانہ یا قدر ایک ہو مگر جنس جداگانہ جیسے سونا اور چاندی یا جو اور گیہوں، تو ان کی باہم خرید و فروخت کم و بیش کے ساتھ ہو سکتی ہے یعنی تفاضل جائز ہے۔ مگر ایک طرف سے نقد اور دوسری طرف سے اُدھار کی گنجائش نہیں

● شریعت اسلامی نے سود کی حرمت میں تجارتی اور غیر تجارتی اور ترقیاتی اور حاجاتی قرضوں کے درمیان کوئی فرق نہیں کیا ہے، اس لئے تجارتی مقصد سے دیئے جانے والے قرض، جیسا کہ آج کل بینک اور سرکاری مالیاتی ادارے دیا کرتے ہیں، ان پر لیا جانے والا سود بھی اسی طرح حرام ہے جیسے دوسرے سود۔

● موجودہ زمانہ میں بینک جو سود لیتے ہیں اور جو سود ادا کرتے ہیں۔ وہ سب حرام اور ناجائز ہیں اور ان کے سود ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

● موجودہ زمانہ میں روپئے پیسے درہم و دینار کے درجہ میں ہیں، لہٰذا ان میں کمی بیشی کے ساتھ خرید و فروخت حرام ہے اور سود میں داخل ہے۔

● ایسے تمام معاملات جس میں نفع متعین کر دیا گیا ہو اور نقصان کا خطرہ قبول نہ کیا گیا ہو، سودی معاملہ ہے اور قطعاً جائز نہیں۔ (ملخص از قاموس الفقہ: رِبا)

رکوع (۳۹)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا تَدَايَنتُم بِدَيْنٍ إِلَىٰٓ أَجَلٍ مُّسَمًّى فَاكْتُبُوهُ ۚ

اس رکوع میں مسلمانوں کو لین دین اور معاملات کے چند قوانین بتائے گئے ہیں، مثلاً اگر کسی سے لین دین کرو، اُدھار کا معاملہ کرو تو اُس کو لکھ لینا بہتر ہے، ظاہر ہے کہ نقد میں اس کی کوئی خاص ضرورت نہیں، البتہ اگر حالت سفر وغیرہ میں ہو جہاں کوئی لکھنے والا نہ مل سکے تو بغیر لکھے بھی معاملہ کرنا جائز ہے، نیز اگر کوئی چیز کسی کے پاس امانت رکھوائی گئی ہے تو مطالبے کے وقت اُسے واپس کر دیا جائے، ٹال مٹول سے کام نہ لیا جائے۔ ایک حکم اس رکوع میں یہ بھی ہے کہ کسی بھی قسم کی شہادت اور گواہی کو چھپانا بہت بڑا گناہ ہے۔

اہم مسائل

● ادھار کے معاملات کی دستاویز لکھنی چاہیئے، بلکہ اس پر گواہ بنا لینا زیادہ بہتر

ہے، تاکہ بھول چوک یا انکار کے وقت کام آئے۔

● ادھار کا معاملہ جب کیا جائے تو اس کے لیے وقت ضرور مقرر کی جائے، غیر معین مدت کے لیے ادھار دینا لینا جائز نہیں، کیوں کہ اس سے جھگڑے فساد کا دروازہ کھلتا ہے۔

● ادھار کے معاملہ میں اگر کوئی یہ چاہے کہ اعتماد کے لیے کوئی چیز گروی رکھ لے تو اس کی بھی اجازت ہے۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۴۰)

لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ؕ وَاِنْ تُبْدُوْا مَا فِيْٓ اَنْفُسِكُمْ اَوْ تُخْفُوْهُ يُحَاسِبْكُمْ بِهِ اللّٰهُ ؕ

اس رکوع میں اوّلاً تو یہ بتایا گیا ہے کہ آسمان وزمین سب اللہ کے قبضہ قدرت میں ہے، اس لیے کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اللہ کی گرفت نہ پہنچ سکے، لہٰذا ہر ہر عمل سوچ سمجھ کر کرنا چاہیے، حتیٰ کہ اگر اپنے دل میں کوئی ارادہ اور بری نیت رکھتا ہے تو وہ بھی اللہ سے پوشیدہ نہیں، اُس کا بھی حساب ہوگا۔ اس کے بعد مومنین کی بنیادی ایمانی صفات کا ذکر ہے، خاص طور پر یہ کہ مومنین اللہ کے رسولوں میں تفریق نہیں کرتے یعنی سب کو اللہ کا بھیجا ہوا پیغمبر تسلیم کرتے ہیں، جیسا کہ دیگر اہل کتاب یعنی یہود ونصاریٰ انبیاء کے درمیان تفریق کرتے ہیں کہ بعض کو نبی مانتے ہیں اور دوسروں کا انکار کرتے ہیں۔

اہل ایمان اس عقیدے کے ساتھ اللہ کے ہر حکم کو ماننے کا اقرار کرتے ہیں اور مغفرت کے طلب گار رہتے ہیں۔

اخیر آیت میں بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی کو اُس کی طاقت و برداشت سے زائد کا حکم نہیں دیتا، مومنین کی خاص صفت بھی بیان کی گئی ہے کہ وہ ہر معاملے میں اللہ کی جانب رجوع کرتے ہیں اور اپنی غلطیوں کی معافی مانگتے ہیں۔



تعارف سورہ آل عمران

عمران حضرت مریم (علیہا السلام) کے والد کا نام ہے اور ''آل عمران'' کا مطلب ہے ''عمران کا خاندان'' اس سورت کی آیات ۳۳ تا ۳۷ میں اس خاندان کا ذکر آیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام ''سورۂ آل عمران'' ہے۔

اس سورت کے بیشتر حصے اس دور میں نازل ہوئے ہیں جب مسلمان مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے مدینہ منورہ آ گئے تھے، مگر یہاں بھی کفار کے ہاتھوں انھیں بہت سی مشکلات درپیش تھیں۔ سب سے پہلے غزوۂ بدر پیش آیا جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو غیر معمولی فتح عطا فرمائی، اور کفار قریش کے بڑے بڑے سردار مارے گئے۔ اس شکست کا بدلہ لینے کے لیے اگلے سال انھوں نے مدینہ منورہ پر حملہ کیا، اور غزوۂ احد پیش آیا، جس میں مسلمانوں کو عارضی پسپائی بھی اختیار کرنی پڑی۔ ان دونوں غزوات کا ذکر اس سورت میں آیا ہے، اور ان سے متعلق مسائل پر قیمتی ہدایات عطا فرمائی گئی ہیں۔

مدینہ منورہ اور اس کے اطراف میں یہودی بڑی تعداد میں آباد تھے، سورۂ بقرہ میں ان کے عقائد و اعمال کا بڑی تفصیل کے ساتھ ذکر ہو چکا ہے، اور ضمناً عیسائیوں کا بھی تذکرہ آیا تھا۔ سورۂ آل عمران میں اصل روئے سخن عیسائیوں کی طرف ہے، اور ضمناً یہودیوں کا بھی تذکرہ آیا ہے۔ عرب کے علاقے نجران میں عیسائی بڑی تعداد میں آباد تھے، ان کا ایک وفد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس آیا تھا۔ سورۂ آل عمران کا ابتدائی تقریباً آدھا حصہ انہی کے دلائل کے جواب اور حضرت مسیح (علیہ السلام) کی صحیح حیثیت بتانے میں صرف ہوا ہے۔ نیز اس سورت میں زکوٰۃ، سود اور جہاد سے متعلق احکام بھی عطا فرمائے گئے ہیں، اور سورت کے آخر میں دعوت دی گئی ہے کہ اس کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت خداوندی کی نشانیوں پر انسان کو غور کر کے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت پر ایمان لانا چاہیے، اور ہر حاجت کے لیے اسی کو پکارنا چاہیے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتھا ۲۰۰	سُورَۃُ آلِ عِمْرَان مَدَنِیَّۃ	رکوعھا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ الْحَيُّ الْقَيُّوْمُ ۝

سب سے پہلے قرآن کریم کی صداقت کو بیان کیا گیا ہے، پھر توریت وانجیل کا ذکر ہے کہ اہل کتاب ان کے انکار کی وجہ سے سخت عذاب میں مبتلا ہوئے۔ پھر فرمایا ہے کہ قرآن کریم میں کچھ آیات محکمات ہیں اور کچھ متشابہات، آسان انداز میں یہ سمجھیں کہ ''محکمات'' ان آیات کو کہتے ہیں جن کی مراد ایسے شخص پر بالکل ظاہر اور بیّن ہو جو قواعد عربیہ کو اچھی طرح جاننے والا ہو، اور جن آیات کی تفسیر اور معانی ایسے شخص پر ظاہر نہ ہوں ان کو متشابہات کہتے ہیں۔ محکمات پر عمل کی ہدایت کی گئی ہے، جب کہ متشابہات کے معنی میں غور و فکر کرنے کی ممانعت وارد ہوئی ہے۔ اخیر رکوع میں علماء کی صفت بیان کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ اور قیامت کے دن پر بلاچوں وچرا ایمان رکھتے ہیں اور بارگاہِ الٰہی میں ثابت قدمی، رحمتِ خداوندی اور درست عقیدے کے لیے دعا گو رہتے ہیں۔

رکوع (۲)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ تُغْنِيَ عَنْهُمْ اَمْوَالُهُمْ وَلَآ اَوْلَادُهُمْ مِّنَ اللّٰهِ شَيْـًٔا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ هُمْ وَقُوْدُ النَّارِ ۝

اس رکوع میں مشہور اسلامی جنگ ''غزوۂ بدر'' کا تذکرہ ہے اور کفار کو کہا گیا ہے کہ ان کے مال واولاد ان کے کام نہ آئیں گے اور انجام کار وہ فرعون و دیگر کفار کی طرح جہنم کا ایندھن ہی بنیں گے، پھر غزوۂ بدر میں اللہ کی نصرت کا تذکرہ ہے۔ پھر فرمایا کہ ہم نے

انسانوں کی نظر میں ان کی ازواج، اولاد اور مال و دولت، سامانِ عیش و عشرت وغیرہ کو نہایت پُرکشش اور جاذب نظر بنا دیا ہے، لیکن یہ سب محض دنیا میں کام آنے والی چیزیں ہیں، حقیقی دائمی ٹھکانہ جنت کی شکل میں اللہ ہی کے پاس ہے جس میں مومن ہمیشہ ہمیش رہیں گے اور جنت کی سب سے بڑی نعمت "رضائے خداوندی" سے سرفراز ہوں گے۔ مومنین کی اہم صفات صبر، صداقت، اطاعت، انفاق فی سبیل اللہ اور توبہ و استغفار کو خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے۔ پھر بیان کیا ہے کہ اللہ کے نزدیک پسندیدہ اور معتبر مذہب فقط دین اسلام ہے اور یہی صحیح راستہ دکھاتا ہے۔

رکوع (۳)

اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ ۙ وَّ يَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ ۙ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ ﴿۲۱﴾

اس رکوع میں اوّلاً یہودیوں کی چند نافرمانیوں کا تذکرہ ہے، مثلاً اُن کے سامنے دین حق پیش کرنے والے انبیاء کرام اور علماء عظام کو قتل کرانا، اپنے بارے میں یہ سمجھنا کہ اگر ہمیں جہنم میں جانا ہوا تو محض چند دنوں کے لیے جانا ہوگا۔ قرآن کریم نے بتایا کہ ان کے اعمال دین و دنیا میں ضائع ہو جائیں گے، اور ان کا یہ خیال کہ جہنم میں چند دنوں کے لیے ہی جانا ہوگا محض نفس کا دھوکہ ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کا ذکر ہے کہ جسے چاہتا ہے حکومت اور عزت عطا کرتا ہے جس سے چاہتا ہے چھین لیتا ہے۔ اسی کے قبضہ میں تمام اختیارات ہیں۔ اخیر رکوع میں کفار کے ساتھ مسلمانوں کے قلبی تعلق کو بھی منع کیا گیا ہے۔

رکوع (۴)

قُلْ اِنْ كُنْتُمْ تُحِبُّوْنَ اللّٰهَ فَاتَّبِعُوْنِيْ يُحْبِبْكُمُ اللّٰهُ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ﴿۳۱﴾

اس رکوع میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ حقیقی کامیابی فقط اللہ اور اس کے رسول کی کامل اطاعت میں ہے۔ پھر حضرت آدم، حضرت نوح، حضرت ابراہیم علیہم السلام اور آل

عمران یعنی حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بزرگی کا ذکر ہے۔ پھر حضرت مریم کی والدہ کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ اپنی اولاد کو اللہ کی راہ میں دے دیں گی، چناں چہ حضرت مریم کی ولادت کے بعد ان کو عبادت کے لیے مخصوص کر دیا۔ حضرت زکریا علیہ السلام نے اُن کی کفالت کی، حضرت مریم کی کرامات کا ذکر بھی اس کے ضمن میں کیا گیا ہے۔ حضرت زکریا نے اولاد کے لیے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حضرت یحییٰ علیہ السلام کی بشارت دی۔

رکوع (۵)

وَ اِذْ قَالَتِ الْمَلٰٓئِكَةُ يٰمَرْيَمُ اِنَّ اللّٰهَ اصْطَفٰكِ وَ طَهَّرَكِ وَ اصْطَفٰكِ عَلٰى نِسَآءِ الْعٰلَمِيْنَ ﴿۴۲﴾

اس رکوع سے حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ان کی امت کا تذکرہ شروع ہو رہا ہے، اوّلاً تو ان کے اس عقیدے کی تردید ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نعوذ باللہ خدا کے بیٹے ہیں، حضرت مریم کی فضیلت اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت، نبوت، کتاب اور معجزات کا تذکرہ ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے مٹی کے پرندوں میں پھونک مار کر جان ڈال دیتے تھے، مادرزاد اندھے اور کوڑھی کے مریضوں کو اُن کے ہاتھ سے شفا مل جاتی تھی، حتیٰ کہ مُردوں کو بھی زندہ کر دیتے تھے، اس کے بعد عیسائیوں کی بداعتقادی اور کج روی کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

رکوع (۶)

اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسٰٓى اِنِّىْ مُتَوَفِّيْكَ وَ رَافِعُكَ اِلَىَّ وَ مُطَهِّرُكَ مِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ جَاعِلُ الَّذِيْنَ اتَّبَعُوْكَ فَوْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى يَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۚ

حضرت عیسیٰ کا تذکرہ جاری ہے، اسی رکوع میں ان کے آسمان پر اٹھائے جانے کا ذکر ہے، آپ کے دشمنوں کو عذاب کی وعید ہے، حضرت عیسیٰ کو حضرت آدم سے تشبیہ دی گئی ہے کہ حضرت عیسیٰ کو بغیر باپ کے پیدا کیا گیا اور حضرت آدم کو بغیر والدین کے پیدا کیا گیا تھا۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ اب بھی اگر کوئی حضرت عیسیٰ کے بارے میں

بدعقیدگی کا اظہار کرے تو اس سے ''مباہلہ'' کریں۔ اخیر میں ایسے لوگوں کو سرکش اور فساد مچانے والا قرار دیا گیا ہے۔

مُباهلہ: اگر کسی امر کے حق و باطل میں فریقین میں نزاع اور جھگڑا ہو جائے اور دلائل سے نزاع ختم نہ ہو تو پھر ان کو یہ طریقہ اختیار کرنا چاہئے کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ سے دعا کریں کہ جو اس امر میں باطل پر ہو اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وبال اور ہلاکت پڑے اور جھوٹے پر قہر نازل ہو، سو جو شخص جھوٹا ہوگا وہ اس کا خمیازہ بھگتے گا، اس وقت پوری تعیین صادق و کاذب کی منکرین کے نزدیک بھی واضح ہو جائے گی، اس طور پر دعا کرنے کو ''مباہلہ'' کہتے ہیں۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۷)

قُلْ يَاَهْلَ الْكِتٰبِ تَعَالَوْا اِلٰى كَلِمَةٍ سَوَآءٍۢ بَيْنَنَا وَ بَيْنَكُمْ اَلَّا نَعْبُدَ اِلَّا اللّٰهَ وَ لَا نُشْرِكَ بِهٖ شَيْـًٔا وَّ لَا يَتَّخِذَ بَعْضُنَا بَعْضًا اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

اس رکوع میں یہودیوں کو توحید کی دعوت دی گئی ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اس سلسلے میں اسوہ اور نمونہ بنایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم نہ یہودی تھے اور نہ ہی نصرانی، لہٰذا جب یہودی خود کو حضرت ابراہیم کا پیروکار بتاتے ہیں تو انہیں چاہیے کہ وہ دین ابراہیمی یعنی دین اسلام پر آجائیں۔

دعوت کا اہم اصول

تبلیغ و دعوت کا ایک اہم اصول یہ ہے کہ اگر کوئی شخص کسی ایسی جماعت کو دعوت دینے کا خواہش مند ہو جو عقائد و نظریات میں اس سے مختلف ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ مخالف العقیدہ جماعت کو صرف اسی چیز پر جمع ہونے کی دعوت دی جائے جس پر دونوں کا اتفاق ہو سکتا ہو۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۸)

وَ قَالَتْ طَّآئِفَةٌ مِّنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ اٰمِنُوْا بِالَّذِيْٓ اُنْزِلَ

عَلَى الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَجْهَ النَّهَارِ وَاكْفُرُوْٓا اٰخِرَهٗ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ۝

اس رکوع میں اہل کتاب کی دو جماعتوں کا تذکرہ ہے:

(۱) یہودیوں کی ایک جماعت نے اسلام کے تعلق سے غلط فہمی پھیلانے کے لیے ایک خفیہ گروہ تیار کیا، تاکہ وہ پہلے سب کے سامنے اسلام قبول کریں اور پھر مرتد ہو جائیں، یہ پروپیگنڈہ انہوں نے دین کو بدنام کرنے کے لیے کیا، تاکہ سیدھے سادھے لوگ یہ سمجھیں کہ واقعی دین میں کچھ کمی ہوگی، اسی لیے یہ لوگ ایمان لاکر پھر گئے۔

(۲) یہودیوں کی دوسری جماعت بددیانت تھی، چناں چہ اگر کوئی ان کے پاس اعتماد کر کے اپنا سامان بطور امانت رکھ دیتا تو اُس پر قبضے کی کوشش کرتے اور کہتے کہ ہمارے لیے غیر یہودیوں کا مال حلال ہے، قیامت میں اس پر کوئی گرفت نہ ہوگی۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اس باطل خیال کی تردید کی اور قیامت کے انصاف کا تذکرہ کیا۔ اس کے علاوہ یہودیوں نے توریت میں جو تحریفات کی تھیں اُس کا بھی تذکرہ اس رکوع میں موجود ہے۔

رکوع (۹)

وَاِذْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ النَّبِيّٖنَ لَمَآ اٰتَيْتُكُمْ مِّنْ كِتٰبٍ وَّحِكْمَةٍ ثُمَّ جَآءَكُمْ رَسُوْلٌ مُّصَدِّقٌ لِّمَا مَعَكُمْ لَتُؤْمِنُنَّ بِهٖ وَلَتَنْصُرُنَّهٗ

یہودیوں کی ایک سرکشی یہ تھی کہ وہ توریت میں تحریف کر کے لوگوں کو یہ یقین دلاتے تھے کہ نبی یا فرشتے کی حیثیت معبود جیسی ہے۔ چناں چہ اس رکوع میں یہ اصول بتایا گیا کہ ایسی کوئی بھی تعلیم جو اللہ کے سوا کسی اور کی بندگی سکھاتی ہو، وہ ہرگز کسی رسول کی تعلیم نہیں ہو سکتی، اگر کہیں ایسی کوئی بات نظر آئے تو وہ گمراہ لوگوں کی تحریف ہے۔ پھر مختلف انبیائے کرام کا مختصر تذکرہ ہے۔ اُس کے بعد بتایا گیا ہے کہ اللہ کے نزدیک معتبر دین فقط اسلام ہے، اس کے علاوہ کوئی بھی دین، مذہب یا دھرم کی کوئی حیثیت نہیں ہے، ان ادیان کے ماننے والے لوگ آخرت میں نقصان میں رہیں گے۔



پــارہ: (۴)

رکوع (۱۰)

لَنْ تَنَالُوا الْبِرَّ حَتّٰى تُنْفِقُوْا مِمَّا تُحِبُّوْنَ ۬ؕ
وَمَا تُنْفِقُوْا مِنْ شَیْءٍ فَاِنَّ اللّٰهَ بِهٖ عَلِیْمٌ ﴿۹۲﴾

دین اسلام میں جس طرح جسمانی عبادت یعنی نماز، روزہ وغیرہ کی اہمیت ہے، اسی طرح مالی عبادت کو بھی دین کا ایک اہم رکن قرار دیا گیا ہے، اس رکوع میں سب سے پہلے اسی مالی عبادت یعنی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کی ہدایت ہے، ساتھ میں یہ بھی حکم ہے کہ راہِ خدا میں عمدہ سے عمدہ چیزیں خرچ کرنی چاہیے، ایسا سامان یا مال جو کسی کام کا نہ ہو اُس کو راہِ خدا میں دینے سے وہ فضیلت حاصل نہیں ہو سکتی جو اپنی پسندیدہ اور محبوب چیز کو خرچ کرنے سے حاصل ہو سکتی ہے۔ اس کے بعد ملتِ ابراہیمی کے اتباع کا حکم ہے، ساتھ ہی خانۂ کعبہ کا تذکرہ ہے کہ بیت اللہ امن کی جگہ ہے، یہاں پر جنگ وجدال، قتل وقتال ممنوع ہے، حج کی فرضیت کا ذکر بھی اسی رکوع میں موجود ہے۔ پھر اہل کتاب کی اس نافرمانی کو ذکر کیا گیا ہے کہ یہ حق کو جانتے ہوئے بھی اُسے تسلیم نہیں کرتے، لہٰذا مسلمانوں کو ایسی خصلت سے حد درجہ گریز کرنا چاہیے۔

اہم مسائل

● یہ مقصود نہیں ہے کہ جتنی چیزیں اپنے نزدیک محبوب اور پیاری ہیں ان سب ہی کو اللہ کی راہ میں خرچ کر دیا جائے، بلکہ مقصد یہ ہے کہ جتنا بھی خرچ کرنا ہے اس میں اچھی اور پیاری چیز دیکھ کر خرچ کریں تو مکمل ثواب کے مستحق ہوں گے۔ محبوب ہونے کا مطلب یہ ہے کہ وہ چیز اس کے کام میں آ رہی ہو اور اس کو اس چیز کی حاجت ہو، فالتو اور بیکار نہ ہو۔

● محبوب چیز خرچ کرنا صرف اسی کا نام نہیں کہ کوئی بڑی قیمت کی چیز خرچ کی جائے، بلکہ جو چیز کسی کے نزدیک عزیز اور محبوب ہے، خواہ کتنی ہی قلیل اور قیمت کے اعتبار سے کم

ہو، اس کے خرچ کرنے سے بھی اسےنیکی اور ثواب کا مستحق ہو جائے گا جس کا یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

● یہ مکروہ ہے کہ کوئی آدمی اللہ کی راہ میں خرچ کرنے کے لیے یہی طریقہ اختیار کرلے کہ جب خرچ کرے فالتو اور خراب چیز ہی کا انتخاب کر کے خرچ کیا کرے، لیکن جو شخص صدقہ، خیرات میں اپنی محبوب اور عمدہ چیزیں بھی خرچ کرتا ہے، اور اپنی ضرورت سے زائد چیزیں، بچا ہوا کھانا یا پرانے کپڑے، عیب دار برتن یا استعمالی چیزیں بھی خیرات میں دیدیتا ہے، وہ ان چیزوں کا صدقہ کرنے سے کسی گناہ کا مرتکب نہیں بلکہ اس کو ان پر بھی ضرور ثواب ملے گا، اور محبوب چیزوں کے خرچ کرنے پر اس کو خیر عظیم بھی حاصل ہوگی۔

● حج اُس شخص پر فرض ہے جس کے پاس ضروریات اصلیہ سے فاضل اتنا مال ہو جس سے وہ بیت اللہ تک آنے جانے اور وہاں کے قیام کا خرچ برداشت کرسکے، اور اپنی واپسی تک ان اہل وعیال کا بھی انتظام کرسکے جن کا نفقہ ان کے ذمہ واجب ہے، نیز ہاتھ پاؤں اور آنکھوں سے معذور نہ ہو۔

● عورت کے لیے چوں کہ بغیر محرم کے سفر کرنا شرعاً جائز نہیں، اس لیے وہ حج پر قادر اس وقت سمجھی جائے گی جب کہ اس کے ساتھ کوئی محرم حج کرنے والا ہو، خواہ محرم اپنے خرچ سے حج کر رہا ہو، یا یہ عورت اس کا خرچ بھی برداشت کرے، اسی طرح وہاں تک پہنچنے کے لیے راستہ کا مامون ہونا بھی استطاعت کا ایک جزء ہے، اگر راستہ میں بدامنی ہو، جان و مال کا قوی خطرہ ہو حج کی استطاعت نہیں سمجھی جائے گی۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۱۱)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ ﴿۱۰۲﴾

اس رکوع میں باہمی تفرقہ بازی، اختلافات اور فرقہ بندی کی مذمت کی گئی ہے، مسلمانوں کو اتحاد واتفاق کا حکم دیا گیا ہے، پھر بتایا گیا ہے کہ اسلام نے عرب کے دشمن قبیلوں کی دشمنی ختم کر کے انہیں ایمانی اخوت میں پرو دیا ہے۔ اس کے بعد امت کو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی ترغیب دی گئی ہے۔ قیامت کا ذکر کرتے ہوئے وضاحت ہے

کہ اُس دن کفار کے چہرے سیاہ اور مومنین کے منور اور روشن ہوں گے۔

اہم مسائل

● امر بالمعروف یعنی بھلائی کا حکم کرنا اور نہی عن المنکر یعنی برائی سے روکنا امت کے ہر فرد پر لازم ہے، البتہ تمام احکام شرعیہ کی طرح اس میں بھی ہر شخص کی قدرت واستطاعت پر احکام دائر ہوں گے جس کو جتنی قدرت ہو اتنا ہی امر بالمعروف کا فریضہ اس پر عائد ہوگا۔ امر بالمعروف کی قدرت پہلے تو اس پر موقوف ہے کہ وہ معروف ومنکر اس شخص کو پوری طرح صحیح صحیح معلوم ہو، جس کو خود ہی معروف ومنکر کی تمیز نہ ہو یا اس مسئلہ کا پورا علم نہ ہو، وہ اگر دوسروں کو امر بالمعروف یا نہی عن المنکر کرنے لگے تو ظاہر ہے کہ بجائے اصلاح ہونے کے فساد ہوگا، اور بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی ناواقفیت کی بناء پر کسی معروف کو منع کرنے لگے، یا منکر کا حکم کرنے لگے، اس لیے جو شخص خود معروف ومنکر سے واقف نہیں اس پر یہ فریضہ تو عائد ہے کہ واقفیت پیدا کرے اور احکام شرعیہ کے معروف ومنکر کا علم حاصل کر لے، اور پھر اس کے مطابق امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی خدمت انجام دے۔ لیکن جب تک اس کو واقفیت نہیں اس کا اس خدمت کے لیے کھڑا ہونا جائز نہیں۔

● ہر شخص پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا فریضہ اس وقت عائد ہوگا جب کہ وہ اپنے سامنے کسی منکر کو ہوتے ہوئے دیکھے، مثلاً ایک شخص دیکھ رہا ہے کہ کوئی مسلمان شراب پی رہا ہے وغیرہ، تو اس کے ذمہ واجب ہوگا کہ اپنی استطاعت وقدرت کے مطابق اس کو روکے، اور اگر اس کے سامنے یہ سب کچھ نہیں ہو رہا ہے تو یہ فریضہ اس کے ذمہ نہیں، بلکہ اب یہ فریضہ اسلامی حکومت کا ہے کہ مجرم کے جرم کی تفتیش وتحقیق کر کے اس کو سزا دے۔ (ملخص از معارف)

● بعض حضرات نے تو امر بالمعروف کو فرضِ عین قرار دیا ہے، لیکن جمہور کے نزدیک یہ فرضِ کفایہ ہے، اس کا مطلب یہ ہے کہ اتنے لوگ اس کو انجام دینے والے موجود ہوں جن سے امر بالمعروف کا مقصد حاصل ہو جائے اور یہ ضرورت پوری ہو جائے، اگر امت میں کچھ لوگ امر بالمعروف کے کام میں لگے ہوں، لیکن وہ اتنی تعداد میں نہ ہوں کہ ضرورت کو پورا کر سکیں تو یہ فرضِ

کفایہ کی ادائیگی کے لیے کافی نہیں ہوگا۔ (ملخص از قاموس الفقہ: امر بالمعروف)

● قیامت کے دن مومنین مخلصین کے چہرے سفید ہوں گے، لیکن ان کے علاوہ ان تمام لوگوں کے چہرے سیاہ ہوں گے، جنہوں نے دین میں تغیر وتبدل کیا ہو، خواہ وہ مرتد اور کافر ہوگئے ہوں، خواہ اپنے دلوں میں نفاق کو چھپائے ہوئے ہوں۔ (معارف بحوالہ قرطبی)

رکوع (۱۲)

كُنْتُمْ خَيْرَ اُمَّةٍ اُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَاْمُرُوْنَ بِالْمَعْرُوْفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰهِ ؕ

اس رکوع کی پہلی آیت میں اللہ تعالیٰ نے امت محمدیہ کو پوری دنیا کی سب سے بہترین امت قرار دیا ہے، جس سے بلاشبہ اس کی فضیلت ثابت ہوتی ہے، نیز دعوت وتبلیغ اور امر بالمعروف ونہی عن المنکر کو اس فضیلت کا بنیادی سبب قرار دیا ہے، امر بالمعروف کا مطلب اچھی بات کا حکم کرنا اور نہی عن المنکر کا معنی برائی سے روکنا۔ اس کے بعد یہود کی سرکشی اور نافرمانی کو ذکر کیا گیا ہے، اخیر رکوع میں یہاں تک ذکر کیا گیا ہے کہ اُن کے منہ سے تمہارے لیے بغض و عداوت ظاہر ہوتی ہے۔ نیز مسلمانوں کو حاصل ہونے والی نعمتیں اور خوشیاں کفار کے لیے تنگ دلی اور مایوسی کا سبب بنتی ہیں، اور اگر مسلمان کسی آزمائش کا شکار ہوجائیں تو یہ کفار خوشی سے پھولے نہیں سماتے۔ کفار کے نیک دکھائی دینے والے اعمال مثلاً غرباء کا تعاون اور محتاج افراد کی مدد وغیرہ کی آخرت میں کوئی حیثیت نہیں، آخرت میں مقبولیت کے لیے ایمان سب سے پہلی شرط ہے۔ اس بات کو بھی اس رکوع میں ذکر کیا گیا ہے۔

رکوع (۱۳)

وَاِذْ غَدَوْتَ مِنْ اَهْلِكَ تُبَوِّئُ الْمُؤْمِنِيْنَ مَقَاعِدَ لِلْقِتَالِ ؕ وَاللّٰهُ سَمِيْعٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۲۱﴾

ایک رکوع کے بعد غزوۂ اُحد کی تفصیلات آرہی ہیں، اُس کی تمہید کے طور پر غزوۂ بدر کا ذکر ہے کہ کفار کے ایک ہزار کے لشکر جرار کے مقابلے میں مسلمانوں کی تعداد بہت کم

فقط ۳۱۳ تھی، اُن کی ثابت قدمی، بے پناہ شجاعت و بہادری اور جذبہ جہاد کے نتیجے میں اللہ کی مدد پانچ ہزار فرشتوں کی شکل میں آئی، مسلمانوں کو قلبی سکون ملا۔ اس واقعہ میں اللہ پر توکل ثابت قدمی اور حوصلے کا سبق ملتا ہے۔

رکوع (۱۴)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوٓا اَضْعَافًا مُّضٰعَفَةً ۪ وَّاتَّقُوا اللّٰهَ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اس رکوع میں سب سے پہلے تو سودی لین دین سے منع کیا گیا ہے اور فلاح و کامیابی کے لیے تقویٰ اختیار کرنے کی ہدایت کی گئی ہے، اس کے بعد اللہ و رسول کی اطاعت اور اللہ تعالیٰ سے توبہ و استغفار کا حکم ہے۔ خفیہ اور اعلانیہ طور پر راہِ خدا میں خرچ کرنے، غصہ برداشت کرنے اور لوگوں سے عفو و درگزر کی تعریف کی گئی ہے۔ اگر کبھی کوئی گناہ ہو جائے تو فوراً توبہ کا حکم اور اس پر جنّت کی بشارت ہے۔ گزشتہ اقوام کی تباہی و بربادی کا اہم ترین سبب مال و جاہ کی محبت کو قرار دیا گیا ہے، جب کہ مسلمانوں کی سربلندی ایمانِ کامل کے ساتھ مشروط ہے، اخیر رکوع میں جہاد میں نقصان پہنچنے پر مسلمانوں کو قلبی تسلی دی گئی ہے۔

رکوع (۱۵)

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ ۚ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ ؕ

اس رکوع میں غزوۂ اُحد کا ذکر ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک فوجی دستہ پہاڑ پر مقرر کیا تھا اور اس پر جمے رہنے کی ہدایت کی تھی، مسلمانوں کو غالب آتے ہوئے دیکھ کر وہ وہاں سے ہٹ گیا، اور حضرت خالد بن ولید رضی اللہ عنہ نے جو اس وقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے، اس سمت سے حملہ کر دیا، اس طرح مسلمانوں کی فوج دونوں طرف سے گھر گئی، ۷۰ صحابہ رضی اللہ عنہم شہید ہوئے، اسی دوران رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ اڑی، جس سے مسلمانوں کے حوصلے پست ہونے لگے، تو اس رکوع میں اسی پر تنبیہ ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم بہر حال انسان ہیں، ایک نا ایک دن انہیں دنیا سے رخصت ہونا ہے تو کیا مسلمان اُس وقت کفر کی

حالت میں دوبارہ لوٹ جائیں گے، ہرگز نہیں! بلکہ جہاد کا مقصد فقط اللہ تعالیٰ کے کلمہ کی سربلندی ہے وہی مقصودِ نظر ہونی چاہیے۔ اخیر میں اللہ تعالیٰ سے استغفار، ثابت قدمی اور کفار کے مقابلے میں نصرت کی دعا مذکور ہے جو حضرات صحابہ کرامؓ نے کی تھی جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے انہیں دنیا و آخرت میں بہترین بدلے کی بشارت بھی دی۔

رکوع (۱۶)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوٓا۟ إِن تُطِيعُوا۟ ٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ يَرُدُّوكُمْ عَلَىٰٓ أَعْقَٰبِكُمْ فَتَنقَلِبُوا۟ خَٰسِرِينَ ﴿۱۴۹﴾

اس رکوع میں بھی غزوۂ احد کے حالات کا ذکر ہے، مسلمانوں کو اللہ کی نگہبانی اور نصرت کی جانب متوجہ کیا گیا ہے، جو نصرت کفار کے دلوں پر رعب کی شکل میں ظاہر ہوگی۔ چناں چہ اللہ نے اپنا وعدہ پورا کیا، لیکن مجاہدین کی چوک کی وجہ سے میدانِ جنگ کی کیفیت تبدیل ہوگئی، جس کا تذکرہ گزشتہ رکوع کے ذیل میں کیا گیا ہے۔ مسلمانوں پر یہ وقت بڑا سخت تھا، پیہم غم اور حزن کی کیفیت طاری تھی، پھر اللہ کی مدد اس طور پر ظاہر ہوئی کہ مجاہدین پر ہلکی سی غنودگی طاری ہوئی، جس کے بعد اُن کے دل سے دشمنوں کا خوف مکمل طور پر نکل گیا۔ منافقین کا خیال تھا کہ اگر ہم مدینے میں رہ کر جنگ کرتے تو یہ شکست نہ ہوتی، اس باطل خیال کو اللہ تعالیٰ نے یہ کہہ کر رد فرمایا کہ جس زمین پر تمہاری تقدیر میں موت ہوگی وہ بہر حال آ کر رہے گی۔ ان جملوں کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے منافقین کے نفاق کو ظاہر فرما دیا۔

رکوع (۱۷)

يَٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَكُونُوا۟ كَٱلَّذِينَ كَفَرُوا۟ وَقَالُوا۟ لِإِخْوَٰنِهِمْ إِذَا ضَرَبُوا۟ فِى ٱلْأَرْضِ أَوْ كَانُوا۟ غُزًّى لَّوْ كَانُوا۟ عِندَنَا مَا مَاتُوا۟ وَمَا قُتِلُوا۟

اس رکوع میں منافقین کی سازشوں سے بچنے کی ہدایت ہے، ساتھ ہی نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رحم دلی کو بیان کیا گیا ہے، غزوۂ احد میں جو رائے کا اختلاف سامنے آیا اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے مشورے کے خلاف مدینہ سے باہر جا کر جنگ کی، اس پر آپ کو تسلی دی گئی

ہے کہ طریقہ یہی بہتر ہے کہ آپ مشورہ تو سب سے کریں، لیکن آخری اور حتمی فیصلہ آپ ہی کا ہونا چاہیے، بس اللہ پر توکل اور بھروسہ کریں اور آگے بڑھیں۔ منافقین کے کچھ بیہودہ الزامات کی تردید ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات اقدس کو مومنین کے لیے احسان قرار دیا گیا ہے کہ پہلے سب ضلالت و گمراہی میں مبتلا تھے، نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ہی ان کے لیے ہدایت، تزکیہ اور تعلیم کا ذریعہ بنے۔ اخیر رکوع میں مجاہدین کو غزوۂ احد میں جو جانی اور مالی نقصان کا سامنا کرنا پڑا اس پر تسلی ہے کہ موت تو بہر حال ہر شخص کو آنی ہے، لہٰذا آخرت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس دنیوی نقصان کی کوئی حیثیت نہیں، شہداء کے مقام و مرتبہ کو اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ ان کو مردہ نہ کہا جائے بلکہ وہ زندہ ہیں اور ان کو رزق ملتا ہے۔

اہم مسائل

● **شہید**: وہ مسلمان ہے جو مکلف ہو، پاک ہو، اس کا مظلومانہ قتل ہونا معلوم ہو اور اس قتل کی وجہ سے کوئی مال واجب نہیں ہوا ہو، اور زخمی ہونے اور مرنے کے درمیان اس نے خورد و نوش، خواب و علاج وغیرہ کا فائدہ نہ اُٹھایا ہو۔

● رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض دوسرے لوگوں کو بھی شہداء کے حکم میں رکھا ہے، چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ جو اللہ کے راستہ میں طبعی موت مر جائے وہ بھی شہید ہے، ظاہر ہے کہ یہ ہر طرح کے دینی اسفار میں ہونے والی اموات کو شامل ہے، نیز فرمایا کہ جس کی موت طاعون یا پیٹ کی بیماری میں ہو، وہ بھی شہید ہے، اسی طرح جس کی موت ڈوب کر واقع ہوئی ہو یا سمندری سفر میں بیمار پڑ کر ہوئی ہو ان کو بھی آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے شہید کے حکم میں رکھا ہے۔ موت کی بعض اور صورتوں کی بابت بھی اس طرح کی بشارتیں منقول ہیں۔

اس کی تفصیل یوں ہے کہ اگر مقتول بچہ یا پاگل ہو یا مرتے وقت جنابت یا حیض کی حالت میں ہو، یا اس قتل کی وجہ سے دیت واجب قرار دی گئی ہو، یا قتل کے بعد ایک نماز کا وقت گذر گیا ہو اور وہ عقل و ہوش کی حالت میں رہا ہو یا قاتلانہ حملہ کے بعد اسے کھانے، پینے، سونے یا علاج کا موقع ملا ہو اور حالت جنگ کی نہ ہو تو ان تمام صورتوں میں شہید کا حکم جاری نہ ہوگا، یعنی اسے غسل دیا جائے گا، بخلاف اس شہید کے جس کا اوپر ذکر آیا کہ اس کو

غسل نہیں دیا جائے گا اور کپڑے اور خون سمیت اس کو دفن کر دیا جائے گا، البتہ ایسے کپڑے جو کفن کے لائق نہ ہوں وہ نکال دیئے جائیں گے۔

● اگر کسی کو باغی، کافر، ڈاکو قتل کر دے، چاہے کسی بھی آلہ سے اس کو قتل کرے یا جلا دے، روند دے یا میدان جنگ میں زخمی حالت میں وہ مردہ پایا جائے، ان تمام صورتوں میں وہ شہید ہی کے حکم میں ہوگا۔

● شہید کی نماز جنازہ پڑھی جائے گی۔

رکوع (۱۸)

اَلَّذِیۡنَ اسۡتَجَابُوۡا لِلّٰهِ وَالرَّسُوۡلِ مِنۡۢ بَعۡدِ مَاۤ اَصَابَهُمُ الۡقَرۡحُ ۛؕ لِلَّذِیۡنَ اَحۡسَنُوۡا مِنۡهُمۡ وَاتَّقَوۡا اَجۡرٌ عَظِیۡمٌ ۚ﴿۱۷۲﴾

اس رکوع میں غزوۂ احد کے بارے میں منافقین کی شرارتوں اور نافرمانیوں کا تذکرہ ہے اور مجاہدین کے حوصلے اور ہمت کی تعریف کی گئی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ ان سے بے خوف رہیں، یہ آپ کا کچھ نہیں بگاڑ سکتے۔ کفار کو دی جانے والی مہلت کو ان کے لیے آزمائش قرار دے کر ان کے لیے توہین آمیز سزا کا تذکرہ ہے۔ پھر بخل اور کنجوسی کی مذمت کی گئی ہے کہ جو مال و دولت شریعت کے حکم کے مطابق اللہ کی راہ میں خرچ نہ کیا جائے وہ آخرت میں آگ کا طوق ہوگا۔

● بخل کے معنی شرعی یہ ہیں کہ جو چیز اللہ کی راہ میں خرچ کرنا کسی پر واجب ہو، اس کو خرچ نہ کرے۔

رکوع (۱۹)

لَقَدۡ سَمِعَ اللّٰهُ قَوۡلَ الَّذِیۡنَ قَالُوۡۤا اِنَّ اللّٰهَ فَقِیۡرٌ وَّنَحۡنُ اَغۡنِیَآءُ ۘ سَنَكۡتُبُ مَا قَالُوۡا وَقَتۡلَهُمُ الۡاَنۡۢبِیَآءَ بِغَیۡرِ حَقٍّ ۙ وَّنَقُوۡلُ ذُوۡقُوۡا عَذَابَ الۡحَرِیۡقِ ﴿۱۸۱﴾

اس رکوع میں یہودیوں کی شرارتوں کا تذکرہ ہے، مثلاً حکم خداوندی کا مذاق اڑانا، انبیاء کو قتل کرنا، توریت کے اصل حکم کو چھپانا اور اس میں تحریف کر کے خواہشاتِ نفس کے

مطابق شرعی حکم قرار دینا وغیرہ۔اس پر انہیں جہنم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔پھر دنیوی زندگی کو دھوکے کا سامان قرار دے کر کہا گیا ہے کہ ہر نفس کو موت کا مزہ چکھنا ہے، لہٰذا ہمیشہ کی زندگی یعنی آخرت کے لیے تیاری لازمی ہے، دنیا دار الامتحان اور دار العمل ہے اور اصل مقصود آخرت ہے۔

رکوع (۲۰)

اِنَّ فِیۡ خَلۡقِ السَّمٰوٰتِ وَ الۡاَرۡضِ وَ اخۡتِلَافِ الَّیۡلِ وَ النَّهَارِ لَاٰیٰتٍ لِّاُولِی الۡاَلۡبَابِ ﴿۱۹۰﴾

اس رکوع میں اوّلاً دنیا میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں مثلاً آسمان وزمین کی تخلیق اور رات دن کی تبدیلی پر غور وفکر کی تلقین ہے، مومنین کی تعریف کی گئی ہے اور دنیا و آخرت کی بھلائی کے لیے کچھ اہم دعائیں سکھائی گئیں ہیں۔نیز بتایا گیا ہے کہ مرد ہو یا عورت، کسی کا بھی نیک عمل ضائع نہ ہوگا، ساتھ ہی مہاجرین اور راہِ خدا میں تکلیف اٹھانے والوں کے لیے جنت کی بشارت دی گئی ہے۔کفار کے پاس دنیوی نعمتوں سے مرعوب نہ ہونے کا حکم دیا ہے کہ یہ کچھ دن کا سامانِ زندگی ہے، آخرت میں ان کے پاس کچھ بھی نہ ہوگا۔اُن اہل کتاب کی تعریف کی گئی ہے جو پہلے یہودیت یا نصرانیت پر تھے اور بعد میں اسلام میں داخل ہو گئے، مثلاً حضرت عبداللہ بن سلامؓ، حضرت سلمان فارسیؓ وغیرہ۔ایسے لوگوں کو دُہرا اجر دیا جائے گا۔سورہ آل عمران کی آخری آیت میں مومنین کو صبر کرنے، ایک دوسرے کو صبر کی تلقین دینے اور دشمنوں کے مقابلے میں ثابت قدمی کا حکم ہے۔

● ''صبر'' کے لفظی معنی روکنے اور باندھنے کے ہیں اور اس کی تین قسمیں ہیں:

۱۔صبر علی الطاعات، یعنی جن کاموں کا اللہ تعالیٰ نے اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حکم دیا ہے، ان کی پابندی طبیعت پر کتنی بھی شاق ہو اس پر نفس کو جمائے رکھنا۔

۲۔صبر عن المعاصی، یعنی جن چیزوں سے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے منع فرمایا ہے وہ نفس کے لیے کتنی ہی مرغوب ولذیذ ہوں نفس کو اس سے روکنا۔

۳۔صبر علی المصائب، یعنی مصیبت وتکلیف پر صبر کرنا حد سے زائد پریشان نہ ہونا اور سب تکلیف وراحت کو حق تعالیٰ کی طرف سے سمجھ کر نفس کو بے قابو نہ ہونے دینا۔
(ملخص از معارف)



تعارف سورۂ نساء

یہ سورت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد ابتدائی سالوں میں نازل ہوئی، اور اس کا اکثر حصہ جنگ بدر کے بعد نازل ہوا تھا۔ یہ وہ وقت تھا جب مدینہ منورہ کی نوزائیدہ مسلمان ریاست مختلف مسائل سے دو چار تھی۔ زندگی کا ایک نیا ڈھانچہ ابھر رہا تھا جس کے لیے مسلمانوں کو اپنی عبادت کے طریقوں اور اخلاق و معاشرت سے متعلق تفصیلی ہدایات کی ضرورت تھی، دشمن طاقتیں اسلام کی پیش قدمی کا راستہ روکنے کے لیے سر توڑ کوششیں کر رہی تھیں، اور مسلمانوں کو اپنی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کی حفاظت کے لیے نت نئے مسائل کا سامنا تھا۔ سورۂ نساء نے ان تمام معاملات میں تفصیلی ہدایات فراہم کی ہیں۔ چونکہ ایک مستحکم خاندانی ڈھانچہ کسی بھی معاشرے کی بنیاد ہوتا ہے، اس لیے یہ سورت خاندانی معاملات کے بارے میں مفصل احکام سے شروع ہوئی ہے۔ چونکہ خاندانی نظام میں عورتوں کا بڑا اہم کردار ہوتا ہے، اس لیے عورتوں کے بارے میں اس سورت نے تفصیلی احکام عطا فرمائے ہیں، اور اسی لیے اس کا نام سورۂ نساء ہے۔ جنگ احد کے بعد بہت سی خواتین بیوہ اور بہت سے بچے یتیم ہو گئے تھے، اس لیے سورت نے شروع ہی میں یتیموں کے حقوق کے تحفظ کا انتظام فرمایا ہے، اور آیت نمبر ۱۴ تک میراث کے احکام تفصیل سے بیان فرمائے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں عورتوں کے ساتھ طرح طرح کے ظلم ہوتے تھے، ان مظالم کی ایک ایک کر کے نشاندہی کی گئی ہے، اور معاشرے سے ان کا خاتمہ کرنے کی ہدایات دی گئی ہیں۔ نکاح و طلاق کے مفصل احکام بیان کیے گئے ہیں، اور میاں بیوی کے حقوق متعین فرمائے گئے ہیں۔ یہ مضمون آیت نمبر ۳۵ تک چلا ہے جس کے بعد انسان کی باطنی اور معاشرتی اصلاح کی طرف توجہ دلائی گئی ہے۔

مسلمانوں کو عرب کے صحراؤں میں سفر کے دوران پانی کی قلت پیش آتی تھی، للہذا آیت ۴۳ میں تیمم کا طریقہ اور آیت ۱۰۱ میں سفر میں نماز قصر کرنے کی سہولت عطا فرمائی گئی ہے۔ نیز جہاد کے دوران نماز خوف کا طریقہ آیت ۱۰۲ اور ۱۰۳ میں بتایا گیا ہے۔ مدینہ منورہ میں بسنے والے یہودیوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے معاہدہ کرنے کے باوجود مسلمانوں کے خلاف سازشوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع کر رکھا تھا، آیات ۴۴ تا ۵۷ اور ۱۵۳ تا ۱۷۵ میں ان کے ساتھ عیسائیوں کو بھی خطاب میں شامل کرلیا گیا ہے، اور انھیں تثلیث کے عقیدے کے بجائے خالص توحید اختیار کرنے کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے علاوہ آیات ۵۸، ۵۹ میں سیاست اور حکمرانی سے متعلق ہدایات آئی ہیں۔ منافقین کی بداعمالیاں آیات ۶۰ تا ۷۰ اور پھر آیات ۱۳۷ تا ۱۵۲ میں واضح کی گئی ہیں۔ آیات ۷۱ تا ۹۲ نے جہاد کے احکام بیان کرکے منافقین کی ریشہ دوانیوں کا پردہ چاک کیا ہے۔ اسی سیاق میں آیات ۹۲، ۹۳ میں قتل کی سزائیں مقرر فرمائی گئی ہیں۔ جو مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے اور کفار کے ہاتھوں مظالم جھیل رہے تھے، ان کی ہجرت کے مسائل آیات ۹۷ تا ۱۰۰ میں زیر بحث آئے ہیں، اسی دوران بہت سے تنازعات آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے فیصلے کے لیے لائے گئے۔ آیات ۱۰۵ تا ۱۱۵ میں ان کے فیصلے کا طریقہ آپ کو بتایا گیا ہے، اور مسلمانوں کو آپ کا فیصلہ دل وجان سے قبول کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ آیات ۱۱۶ تا ۱۲۶ میں توحید کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ خاندانی نظام اور میراث کے بارے میں صحابہ کرام نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے متعدد سوالات پوچھے تھے، آیات ۱۲۷ تا ۱۲۹ اور پھر ۱۷۶ میں ان سوالات کا جواب دیا گیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ پوری سورت احکام اور تعلیمات سے بھری ہوئی ہے، اور شروع میں تقویٰ کا جو حکم دیا گیا تھا، کہا جا سکتا ہے کہ پوری سورت اس کی تفصیلات بیان کرتی ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتھا ۱۷۶ | سُوْرَۃُ النِّسَآءِ مَدَنِيَّة | رکوعاتھا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ

سورت کے آغاز میں تمام انسانوں کو تقویٰ اختیار کرنے کی تعلیم ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ تمام انسانوں کی اصل ایک ہی ہے، لہٰذا آپسی رشتے داری اور حقوق کی ادائیگی میں اللہ سے ڈرتے رہو، بالخصوص یتیموں کے حقوق کا خیال رکھو، ان کے مال کی حفاظت کرو۔ اس کے بعد چار شادیوں کی اجازت دی گئی ہے کہ اگر تم بیویوں کے درمیان عدل وانصاف قائم کر سکتے ہو، ان سب کے حقوق ادا کر سکتے ہو تو دو، تین، چار شادیاں کرو، لیکن اگر حقوق کے ادا نہ کرنے کا اندیشہ ہو تو بس ایک ہی شادی کرو، ساتھ ہی مہر کا تاکیدی حکم ہے، پھر میراث کے بارے میں حکم ہے کہ یہ صرف مردوں کا حصہ نہیں، عورتیں بھی اس کی حقدار ہیں، اسی موقع کے لیے ہدایت ہے کہ تقسیم میراث کے وقت اگر دور کے رشتے دار اور یتیم و مستحق لوگ آجائیں تو اگرچہ ان کا میراث میں حصہ نہ ہو تو بھی ان کی دل جوئی کے لیے کچھ نہ کچھ دے دینا چاہیے۔

اہم مسائل

● یتیم بچوں کی ملکیت میں اگر کچھ مال ہے جو ان کو کسی نے ہبہ کیا ہو، یا کسی کی میراث میں ان کو پہنچ گیا ہو تو یتیم کے ساتھ اس کے مال کی حفاظت بھی اس شخص کے ذمہ ہے جو یتیم کا ولی ہے۔

● ایک سے زیادہ نکاح کرنا اسی صورت میں جائز اور مناسب ہے جب کہ شریعت کے مطابق سب بیویوں میں برابری کر سکے اور سب کے حقوق کا لحاظ رکھ سکے، اگر اس پر

قدرت نہ ہو تو ایک ہی بیوی رکھی جائے، بیویوں کے درمیان عدل نہ کرنا سخت گناہ ہے۔

● بیویوں کے درمیان عدل و مساوات اُن امور میں ضروری ہے جو انسان کے اختیار میں ہیں، مثلاً نفقہ میں برابری، شب باشی میں برابری، رہا وہ معاملہ جو انسان کے اختیار میں نہیں، مثلاً قلب کا میلان کسی کی طرف زیادہ ہو جائے تو اس غیر اختیاری معاملہ میں اس پر کوئی مواخذہ نہیں۔

● مہر سے متعلق مختصر احکامات صفحہ ۱۱۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۲)

يُوصِيكُمُ اللَّهُ فِيٓ أَوْلَادِكُمْ ۖ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْأُنثَيَيْنِ ۚ
فَإِن كُنَّ نِسَآءً فَوْقَ اثْنَتَيْنِ فَلَهُنَّ ثُلُثَا مَا تَرَكَ ۖ

اس رکوع میں وراثت کے اصول بیان کیے گئے ہیں کہ مرنے والے شخص کا کون سا رشتہ دار کتنے مال کا مستحق ہوتا ہے، اگر مرنے والے نے کچھ وصیت کی ہے اور اس پر قرض بھی ہے تو پہلے قرض ادا ہوگا، پھر تہائی مال میں وصیت پر عمل ہوگا، اس کے بعد بقیہ مال وارثین کے درمیان تقسیم ہوگا۔ نیز ایسی وصیت یا قرض کے ایسے اقرار سے بھی روکا گیا ہے جن کا اقرار محض مستحقین کی حق تلفی کے لیے کیا گیا ہو۔

اہم مسائل

● وفات پانے والا جو مال واسباب چھوڑ کر جائے، اس سے بنیادی طور پر چار حقوق متعلق ہیں:

۱- سب سے پہلے ترکہ سے واجب اخراجات میں کمی، اور زیادتی کے بغیر تجہیز و تکفین اور دفن کا انتظام کرنا، اگر تمام ورثہ یا ان میں بعض اپنے ذاتی اخراجات سے تجہیز و تکفین کا انتظام کرلیں، تو یہ بھی درست ہے، متروکہ ہی سے تجہیز و تکفین ضروری نہیں۔

۲- اس کے بعد جو مال بچ جائے، اس سے سب سے پہلے وہ قرض ادا کئے جائیں، جو متوفی کے ذمہ تھے، اس میں بیوی کا مہر بھی داخل ہے اگر زندگی میں ادا نہ کیا ہو۔

۳-اگر متوفی نے کوئی وصیت کی ہو، تو دین کی ادائیگی کے بعد بقیہ مال کے ایک تہائی حصے میں وصیت پوری کی جائے، اگر وارث کے لئے وصیت نہ کی ہو۔ یہ تو وصیت کے عام اُصول کے تحت ہے، اور ایک تہائی مال میں تو وصیت نافذ ہوگی ہی، اگر وصیت ایک تہائی مال سے زیادہ کی ہو، اور تمام ورثاء اس کے نافذ کرنے پر متفق ہوں تو پھر ایک تہائی سے زیادہ میں بھی وصیت کا جاری کرنا درست ہے۔

۴-اب اس کے بعد جو مال بچ جائے وہ ورثاء کے درمیان تقسیم ہوگا۔

(ملخص از قاموس الفقہ: میراث)

● وارث کے حق میں وصیت کرنا باطل ہے، اگر کسی نے اپنے لڑکے، لڑکی، شوہر یا بیوی کے لیے یا کسی ایسے شخص کے لیے وصیت کی جس کو میراث میں حصہ ملنے والا ہے تو اس وصیت کا کچھ اعتبار نہیں، وارثوں کو صرف میراث کا حصہ ملے گا، اس سے زیادہ کے وہ مستحق نہیں۔ (معارف)

● وراثت کی تقسیم کی اعزہ واقارب اور رشتے داروں کی تعداد کے اعتبار سے بے شمار شکلیں ہوسکتی ہیں، اس لیے مناسب یہی ہے کہ جب بھی اس فریضے پر عمل کرنا چاہیں تو افرادِ خانہ کی تعداد بتا کر مسئلہ معتبر مفتیانِ کرام یا کسی مستند دارالافتاء سے معلوم کرلیا جائے۔

رکوع (۳)

وَالّٰتِیۡ یَاۡتِیۡنَ الۡفَاحِشَۃَ مِنۡ نِّسَآئِکُمۡ فَاسۡتَشۡہِدُوۡا عَلَیۡہِنَّ اَرۡبَعَۃً مِّنۡکُمۡ ۚ

سورت کے پہلے رکوع میں مرد وعورت کے واحد جائز جنسی تعلق ''نکاح'' کا تذکرہ ہے، اس کے علاوہ کسی بھی طریقے سے شہوت کی تکمیل درست نہیں، یہاں ایسے ہی گناہ کا تذکرہ ہے کہ اگر عورت کسی عورت کے ساتھ یا مرد کسی مرد کے ساتھ جنسی خواہش کی تکمیل کرے، جسے ہم جنس پرستی (Homosexuality) کہا جاتا ہے، شریعت میں یہ عمل بہت بڑا گناہ ہے اور اس پر اسلامی حکومت سزائیں جاری کرے گی۔ البتہ اگر کوئی اپنی بدعملی سے توبہ کرنا چاہے تو اللہ تعالیٰ توبہ قبول فرمانے والا ہے، لیکن بالکل حالت نزع میں توبہ کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس کے بعد حکم ہے کہ بیوہ عورت عدت گزارنے کے بعد جہاں چاہے نکاح

کرسکتی ہے، اس پر کسی قسم کی کوئی پابندی نہیں ہے۔ خوشگوار ازدواجی زندگی کا ایک بہترین اصول یہاں پر بتایا گیا ہے کہ اگر بیوی کی کوئی بات ناپسند ہوتو فوراً اس سے بددل نہ ہو، بلکہ اُس کی دوسری خوبیوں پر توجہ کرے، یقیناً اس میں کچھ خوبیاں بھی ہوں گی۔ اخیر آیت میں یہ حکم ہے کہ اگر تم دوسرا نکاح کرنا چاہو تو پہلی بیوی کو دیا ہوا مہر واپس نہیں لے سکتے۔

اہم مسائل

● سچی توبہ کے تین رکن ہیں:

اول اپنے کیے پر ندامت اور شرمساری۔

دوسرا رکن توبہ کا یہ ہے کہ جس گناہ کا ارتکاب کیا ہے اس کو فوراً چھوڑ دے اور آئندہ کو بھی اس سے باز رہنے کا پختہ عزم وارادہ کرے۔

تیسرا رکن یہ ہے کہ جو گناہ ہو چکا ہے اس کی جتنی تلافی اس کے قبضہ میں ہے اس کو پورا کرے، مثلاً نماز، روزہ فوت ہوا ہے تو اس کو قضا کرے۔ فوت شدہ نمازوں اور روزوں کی صحیح تعداد یاد نہ ہو تو غور وفکر سے کام لے کر اندازہ کرے پھر ان کی قضاء کرنے کا پورا اہتمام کرے، بیک وقت نہیں کرسکتا تو ہر نماز کے ساتھ ایک ایک نماز قضائے عمری کی پڑھ لیا کرے، ایسے ہی متفرق اوقات میں روزوں کی قضاء کا اہتمام کرے، فرض زکوٰۃ ادا نہیں کی تو گزشتہ زمانہ کی زکوٰۃ بھی یک مشت یا تدریجاً ادا کرے، کسی انسان کا حق لے لیا ہے تو اس کو واپس کرے، کسی کو تکلیف پہنچائی ہے تو اس سے معافی طلب کرے۔

رکوع (۴)

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ الآیۃ

اس رکوع میں محرّماتِ ابدیہ کا ذکر ہے، یعنی وہ خواتین جن سے نکاح کرنا ہمیشہ کے لیے حرام ہے۔ مثلاً ماں، بیٹی، سگی بہن، پھوپھی، خالہ، بھتیجی، بھانجی، رضاعی ماں، رضاعی بہن، ساس وغیرہ۔ کچھ ایسی بھی محرّمات کا تذکرہ ہے جن سے وقتی طور پر نکاح جائز نہیں، لیکن اگر وجہِ ممانعت ختم ہو جائے تو نکاح جائز ہو جاتا ہے، مثلاً دو سگی بہنوں کو بیک وقت نکاح میں

جمع کرنا جائز نہیں، لیکن اگر ایک سے علاحدگی ہو جائے تو دوسری سے نکاح درست ہے۔

● محرّمات: یعنی وہ عورتیں جن سے نکاح درست نہیں ان کی دو قسمیں ہیں:

۱-محرّماتِ ابدیہ ۲-محرّماتِ وقتیہ

● نسبی یعنی خونی رشتے، رضاعی یعنی دودھ پلانے کی وجہ سے قائم ہونے والے رشتے اور مصاہرتی یعنی دامادی رشتے کی وجہ سے حرام ہونے والی خواتین ہمیشہ ہمیش کے لیے حرام ہیں، مثلاً حقیقی ماں، رضاعی ماں اور ساس وغیرہ

● محرّمات وقتیہ جیسے منکوحہ عورتیں اس وقت تک کے لیے حرام ہیں جب تک وہ غیر کے نکاح میں ہیں، یا ایک بہن کے نکاح میں ہوتے ہوئے دوسری بہن۔

● باپ کی منکوحہ سے نکاح کرنا حرام ہے، اس میں اس بات کی قید نہیں لگائی ہے کہ باپ نے اس سے صحبت بھی کی ہو، لہٰذا کسی بھی عورت سے اگر باپ کا عقد بھی ہو جائے تو اس عورت سے بیٹے کے لیے نکاح کبھی بھی حلال نہیں۔

● اسی طرح سے بیٹے کی بیوی سے باپ کو نکاح کرنا درست نہیں، اگرچہ بیٹے کا صرف نکاح ہی ہوا ہو۔

● اگر باپ نے کسی عورت سے زنا کر لیا تو بھی بیٹے کو اس عورت سے نکاح کرنا حلال نہیں ہے۔

● اگر ایک لڑکے اور ایک لڑکی نے کسی عورت کا دودھ پیا تو ان دونوں کا آپس میں نکاح نہیں ہو سکتا، اسی طرح رضاعی بھائی اور رضاعی بہن کی لڑکی سے بھی نکاح نہیں ہو سکتا۔

جس طرح ایک ساتھ دو بہنوں کو ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔ اسی طرح پھوپھی، بھتیجی اور خالہ بھانجی کو بھی کسی ایک شخص کے نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

(ملخص از معارف)



پارہ: (۵)

وَالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ ۚ كِتٰبَ اللّٰهِ عَلَیْكُمْ ۚ

پارہ کی ابتدا میں مہر کا یہ حکم بیان کیا گیا ہے کہ نکاح کے بعد اگر میاں بیوی آپسی رضامندی سے مہر کی رقم میں کچھ کمی یا زیادتی کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ غلاموں اور باندیوں کے ساتھ نرم رویہ اور حسنِ سلوک وغیرہ کی تعلیم ہے۔

● مہر سے متعلق احکامات ص ۱۱۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۵)

یُرِیْدُ اللّٰهُ لِیُبَیِّنَ لَكُمْ وَ یَهْدِیَكُمْ سُنَنَ الَّذِیْنَ مِنْ قَبْلِكُمْ وَ یَتُوْبَ عَلَیْكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِیْمٌ حَكِیْمٌ ﴿۲۶﴾

اس رکوع میں غلط طریقے سے مال کھانے سے روکا گیا ہے، ساتھ ہی مالِ حلال کے لیے تجارت کا حکم ہے، ساتھ ہی بڑے گناہوں سے بچنے کی صورت میں جنّت کی بشارت کا بھی تذکرہ ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دنیا کے نظام کو قائم رکھنے کے لیے بعض کو بعض پر جو مال، علم، منصب وغیرہ کے اعتبار سے فضیلت دی ہے اس کا ذکر ہے، اس فضیلت میں ہر ایک کے لیے آزمائش ہے، مالدار کی اس لحاظ سے کہ وہ شکر ادا کرے اور راہِ خدا میں شرعی ہدایات کے مطابق خرچ کرے اور غریب کے لیے یہ آزمائش ہے کہ وہ قناعت اور صبر کرے۔ اسی فضل و کرم کو اللہ تعالیٰ سے مانگنے کا حکم بھی ہے۔ اخیر رکوع میں والدین، اقرباء وغیرہ کے درمیان دیانت و امانت کے ساتھ ترکہ کی تقسیم کا حکم ہے۔

اہم مسائل

● گناہ نام ہے ہر ایسے کام کا جو اللہ تعالیٰ کے حکم اور مرضی کے خلاف ہو، اسی سے آپ کو یہ اندازہ بھی ہو جائے گا کہ اصطلاح میں جس گناہ کو صغیرہ یعنی چھوٹا کہا جاتا ہے،

درحقیقت وہ بھی چھوٹا نہیں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی اور اس کی مرضی کی مخالفت ہر حالت میں نہایت سخت وشدید جرم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ہر نافرمانی اور اس کی مرضی کی مخالفت کبیرہ ہی ہے۔ کبیرہ اور صغیرہ کا فرق صرف گناہوں کے باہمی مقابلہ اور موازنہ کی وجہ سے کیا جاتا ہے، اسی معنی میں حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے منقول ہے کہ جس کام سے شریعت اسلام میں منع کیا گیا ہے وہ سب کبیرہ گناہ ہیں۔ گویا جس گناہ کو اصطلاح میں صغیرہ یا چھوٹا کہا جاتا ہے اس کے یہ معنی کسی کے نزدیک نہیں ہیں کہ ایسے گناہوں کے ارتکاب میں غفلت یا سستی برتی جائے اور ان کو معمولی سمجھ کر نظر انداز کیا جائے بلکہ صغیرہ گناہ کو بیباکی اور بے پرواہی کے ساتھ کیا جائے، تو وہ صغیرہ بھی کبیرہ ہو جاتا ہے۔

● گناہ کبیرہ وہ ہے کہ جس گناہ پر قرآن میں کوئی شرعی حد یعنی سزا دنیا میں مقرر کی گئی ہے یا جس پر لعنت کے الفاظ وارد ہوئے ہیں یا جس پر جہنم وغیرہ کی وعید آئی ہے وہ سب گناہ کبیرہ ہیں، اور جن پر اس طرح کے احکامات نہ ہوں وہ گناہ صغیرہ ہیں۔ واضح رہے کہ اسی طرح ہر وہ گناہ بھی کبیرہ میں داخل ہوگا جس کے مفاسد اور نتائج بد کسی کبیرہ گناہ کے برابر یا اس سے زائد ہوں، اسی طرح جو گناہ صغیرہ جرأت و بے باکی کے ساتھ کیا جائے یا جس پر مداومت کی جائے تو وہ بھی کبیرہ میں داخل ہو جاتا ہے۔

● ایک بہت جامع تعریف یوں کی گئی ہے کہ جو اُمور بذات خود منع ہوں وہ کبیرہ ہیں (جیسے شراب نوشی، چوری، والدین کی نافرمانی وغیرہ) اور جن سے اس لیے منع کیا گیا ہے کہ وہ کسی برائی کا ذریعہ بنتے ہوں وہ صغیرہ ہیں (جیسے گناہ گار کی صحبت)

● گناہِ کبیرہ بغیر توبہ کے معاف نہیں ہوتے، اور گناہِ صغیرہ نیکیوں سے معاف ہو جاتے ہیں۔ (ملخص از معارف وقاموس الفقہ: کبیرہ)

رکوع (۶)

اَلرِّجَالُ قَوّٰمُوْنَ عَلَى النِّسَآءِ بِمَا فَضَّلَ اللّٰهُ بَعْضَهُمْ عَلٰى بَعْضٍ وَّبِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ فَالصّٰلِحٰتُ قٰنِتٰتٌ حٰفِظٰتٌ لِّلْغَيْبِ بِمَا حَفِظَ اللّٰهُ ؕ

یہ رکوع ازدواجی زندگی سے متعلق بہت سی ہدایات پر مشتمل ہے، مثلاً مردوں کو

عورت پر فضیلت حاصل ہے، کیوں کہ عورتوں کی کفالت اور ذمہ داری انہیں پر ہے، عورتوں کو اللہ کے حقوق اور شوہروں کے حقوق؛ دونوں کا پابند ہونا چاہیے، نیز شوہروں کی غیر موجودگی میں ان کے مال اور اپنی حفاظت بھی کرنی چاہیے، اگر خدانخواستہ بیوی سے کسی سرکشی اور غلط کاری کا اندیشہ تو شوہر پہلے اسے سمجھائے، نصیحت کرے، اگر وہ نہ مانے تو اپنا بستر الگ کرلے، اگر ابھی نہ مانے تو اتنی تنبیہ کی گنجائش ہے جو بیوی کے لیے ضرر رساں اور نقصان دہ نہ ہو۔ اگر زوجین کے اختلافات بڑھ جائیں اور آپسی گفتگو مفید نہ ہو تو پنچایت فیصلہ کرے جس میں مرد اور عورت کے رشتے دار شامل ہوں، وہاں جو فیصلہ ہو زوجین اُسے قبول کریں، پنچایت کے پیش نظر بھی فقط اصلاح ہونی چاہیے۔

اس کے بعد توحید کی اہمیت، شرک کی مذمت، والدین، رشتہ دار، یتیم و مسکین کے ساتھ حسن سلوک، پڑوسی، مسافر اور ماتحت سے عمدہ برتاؤ اور سب کے حقوق کی رعایت کا حکم ہے، ساتھ ہی تکبر سے منع کیا گیا ہے۔

بخل اور کنجوسی کی مذمت بیان کی گئی ہے اور راہِ خدا میں خرچ کرتے وقت ریا کاری اور دکھاوے سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اخیر میں روزِ قیامت میں کفار کی بے فائدہ حسرت اور آرزو کا ذکر ہے۔

رکوع (۷)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَقْرَبُوا الصَّلٰوةَ وَأَنْتُمْ سُكٰرٰى حَتّٰى تَعْلَمُوا مَا تَقُولُونَ وَلَا جُنُبًا إِلَّا عَابِرِي سَبِيلٍ حَتّٰى تَغْتَسِلُوا

اس رکوع میں اوّلاً طہارت و پاکیزگی کی اہمیت کو بیان کیا گیا، نیز نماز میں جو کچھ پڑھا جاتا ہے اُس کو سمجھنے کی ترغیب دی گئی ہے، پھر وضو اور تیمم کے کچھ مسائل ذکر کیے گئے ہیں۔ پھر اہل کتاب کی دنیا پرستی کا ذکر ہے کہ انہوں نے محض دنیوی فائدے کے لیے کتاب اللہ یعنی توریت وانجیل میں تحریف کر ڈالی۔ مسلمانوں کو اس سے بچنے اور ان کے ساتھ لفظی مشابہت اختیار کرنے سے بھی گریز کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر اہل کتاب کو

قرآن کریم نے ایمان کی دعوت دی ہے اور ایمان نہ لانے کی صورت میں اس کے خطرناک انجام سے آگاہ کیا ہے، پھر شرک کی مذمت سخت الفاظ میں کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر گناہ کو معاف کردیں گے سوائے شرک کے، شرک کسی حال میں بھی معاف نہیں ہوگا۔

اہم مسائل

● جب نیند کا غلبہ ایسا ہو کہ آدمی اپنی زبان پر قابو نہ رکھے تو اس حالت میں بھی نماز پڑھنا درست نہیں۔

● **تیمُّم** کے معنی ارادہ کرنے کے ہیں، شریعت میں پاکی کے ارادہ سے پاک مٹی سے چہرہ اور ہاتھوں کا مسح کرنے کو کہتے ہیں۔

● تیمم میں تین چیزیں فرض ہیں، سب سے پہلے نیت کرنا پھر دونوں ہاتھ مٹی پر مار کر چہرہ پر اس طرح مَلنا کہ کہیں بال برابر جگہ باقی نہ رہے، تیسرے دوبارہ ہاتھ مار کر دونوں ہاتھوں کو کہنیوں سمیت اسی طرح ملنا۔ ''نیت'' سے مراد یہ ہے کہ کسی ایسی عبادت کے لئے تیمم کی نیت کی جائے، جو بجائے خود مقصود ہے، اور اس کے لئے وضو کرنا بھی ضروری ہے مثلاً نماز، سجدۂ تلاوت، اگر کسی ایسی چیز کے لئے تیمم کیا، جو خود مقصود نہیں، بلکہ محض دوسری عبادتوں کے لئے وسیلہ ہے، مثلاً قرآن کا چھونا، قبروں کی زیارت، مردہ کی تدفین وغیرہ، تو اس سے نماز نہیں پڑھی جاسکتی، اسی طرح ایسی عبادتیں جو ہیں تو مقصود مگر ان کے لئے وضو ضروری نہیں ہوتا، جیسے زبانی قرآن مجید پڑھنا، اس کی نیت سے کیا گیا تیمم بھی نماز کے لئے کافی نہیں ہوگا۔

● تیمم کے مسح میں پلکوں کا اوپری حصہ، بھنویں، داڑھی کے بال اور کان کا درمیانی حصہ، ناک کے دونوں سوراخ کے درمیان کی دیوار کا ظاہری حصہ اور انگلیوں کا خلال بھی داخل ہے، اور انگوٹھی کا نکالنا بھی ضروری ہے، تیمم میں ضروری ہے کہ کم از کم تین انگلیوں سے مسح کیا جائے تین سے کم انگلیوں سے مسح کرنا کافی نہیں۔

● تیمم میں شروع میں ''بسم اللہ'' کرنا، زیادہ مٹی لگ گئی ہو تو اس کو جھاڑ دینا، پہلے دایاں، پھر بایاں ہاتھ مَلنا اور داڑھیوں کا خلال کرنا مسنون ہے۔

● ہر ایسی چیز سے تیمم کیا جاسکتا ہے، جو جلانے کی وجہ سے پگھلے نہیں اور خاکستر نہ بنے۔ مثلاً مٹی، ریت، پتھر، کنکر، مٹی کی خام یا پختہ اینٹ وغیرہ۔

● لکڑی پر اگر غبار پڑا ہو تو اس پر بھی تیمم ہو سکتا ہے، یہاں تک کہ اگر خود اپنے جسم پر ریت پڑ گئی ہو اور ''اعضاءِ تیمم'' چہرہ اور دونوں ہاتھ کو اچھی طرح مَل لیا گیا تو کافی ہے۔

● دو صورتوں میں تیمم کیا جاسکتا ہے، اول اس وقت جب پانی موجود ہی نہ ہو۔ دوسرے پانی موجود تو ہو مگر اس کا استعمال کسی وجہ سے ممکن نہ ہو، مثلاً بیماری بڑھ جانے کا یا بیمار پڑ جانے کا اندیشہ ہو، یا راستہ میں کسی دشمن یا درندہ کا خطرہ ہو، یا یہ خطرہ ہو کہ ٹرین کھل جائے گی، اور وہ پکڑ نہ سکے گا۔

● پانی موجود نہ ہونا اس وقت سمجھا جائے گا جب پانی ایک میل یا اس سے زیادہ دوری پر ہو، یا پانی تو پاس ہی ہو، مگر ڈول وغیرہ نہ ہونے کی وجہ سے نکالنا ممکن نہ ہو، یا تھوڑا سا پانی ہو کہ اگر وضو کرلے تو پینے کا پانی نہ رہے گا، یا ٹرین اور ہوائی جہاز وغیرہ میں ہو اور اندر پانی دستیاب نہ ہو، تو ان تمام صورتوں میں تیمم درست ہوگا۔

● پانی کے استعمال سے مجبور ہونا اس وقت سمجھا جائے گا جب بیمار پڑ جانے، یا بیماری بڑھ جانے کا قوی اندیشہ ہو، محض وہم اور شبہ کی وجہ سے تیمم درست نہ ہوگا، نزلاوی مزاج والوں کو چاہئے کہ سرد پانی موافق نہ آتا ہو تو گرم پانی سے وضو اور غسل کریں۔

● جن چیزوں کی وجہ سے وضو اور غسل ٹوٹ جاتا ہے انہیں سے تیمم بھی ٹوٹ جاتا ہے۔

● اگر پانی نہ ملنے کی وجہ سے تیمم کیا تھا تو پانی ملتے ہی تیمم ٹوٹ جائے گا۔

● اگر کسی اور عذر کی وجہ سے تیمم کیا تھا، تو جونہی وہ عذر ختم ہوگا تیمم بھی جاتا رہے گا۔

● جس طرح وضو کے بجائے تیمم کیا جاسکتا ہے، اسی طرح غسل کی جگہ بھی، اور اس کا تیمم بھی اسی طرح ہوگا۔

● **شرک:** اللہ تعالیٰ کی ذات اور صفات کے بارے میں جو عقائد ہیں اس طرح کا کوئی عقیدہ کسی مخلوق کے لیے رکھنا۔ اس کی کچھ تفصیلات ہیں:

علم میں شریک ٹھہرانا: یعنی کسی بزرگ یا پیر کے ساتھ یہ اعتقاد رکھنا کہ ہمارے سب

حال کی اس کو ہر وقت خبر ہے، نجومی، پنڈت سے غیب کی خبریں دریافت کرنا یا کسی بزرگ کے کلام میں فال دیکھ کر اس کو یقینی سمجھنا یا کسی کو دور سے پکارنا اور یہ سمجھنا کہ اس کو خبر ہوگئی یا کسی کے نام کا روزہ رکھنا۔

اشراک فی التصرف: یعنی کسی کو نفع یا نقصان کا مختار سمجھنا کسی سے مرادیں مانگنا، روزی اور اولاد مانگنا۔

عبادت میں شریک ٹھہرانا: کسی کو سجدہ کرنا، کسی کے نام کا جانور چھوڑنا، چڑھاوا چڑھانا، کسی کے نام کی منت ماننا، کسی کی قبر یا مکان کا طواف کرنا، خدا کے حکم کے مقابلہ میں کسی دوسرے کے قول یا رسم کو ترجیح دینا کسی کے روبرو رکوع کی طرح جھکنا کسی کے نام پر جانور ذبح کرنا، دنیا کے کاروبار کو ستاروں کی تاثیر سے سمجھنا اور کسی مہینے کو منحوس سمجھنا وغیرہ۔

(ملخص از معارف وقاموس الفقہ: تیمم)

رکوع (۸)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ اُوْتُوْا نَصِيْبًا مِّنَ الْكِتٰبِ يُؤْمِنُوْنَ بِالْجِبْتِ وَالطَّاغُوْتِ وَ يَقُوْلُوْنَ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا هٰٓؤُلَاۤءِ اَهْدٰى مِنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا سَبِيْلًا ﴿۵۱﴾

اس رکوع میں بت پرستی اور شیطان کی اطاعت کی مذمت کی گئی ہے، اور ایسے لوگوں پر اللہ نے لعنت بھیجی ہے۔ اس کے بعد بخل اور حسد کی برائی کی گئی ہے، پھر کفار کو عذابِ جہنم کی ہولناکی سے ڈرایا گیا ہے اور مومنین کو جنت اور اس کی دائمی نعمتوں کی خوشخبری دی گئی ہے۔ پھر حکم ہے کہ امانت داری اختیار کی جائے یعنی جو شخص جس کام کا اہل اُسی کو وہ کام اور منصب دیا جائے، جس کا مال وغیرہ ہے اُس تک اُسے پہنچایا جائے۔ پھر حاکموں کو حکم ہے کہ جب تم کوئی فیصلہ کرو تو انصاف سے کام لو۔ اخیر رکوع میں اللہ، رسول اور حکام کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے۔

اہم مسائل

● کسی معین شخص کے بارے میں جب تک یہ معلوم نہ ہو کہ اس کی موت کفر پر ہوئی

ہے اس پر لعنت جائز نہیں اگر چہ وہ فاسق ہی ہو، لیکن معین کافر پر جس کی موت کفر پر ہونے کا یقین ہو، مثلاً ابو جہل، ابولہب پر لعنت جائز ہے۔

● کسی کا نام لیے بغیر اس طرح لعنت کرنا جائز ہے کہ ظالموں پر یا جھوٹوں پر اللہ کی لعنت ہے۔

● **حسد:** دوسرے آدمی کی نعمت کے زوال کی خواہش کرنا۔

● حسد خواہ دنیاوی کمال پر ہو یا دینی کمال پر دونوں حرام ہیں۔

رکوع (۹)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يَزْعُمُوْنَ اَنَّهُمْ اٰمَنُوْا بِمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ وَمَآ اُنْزِلَ مِنْ قَبْلِكَ يُرِيْدُوْنَ اَنْ يَّتَحَاكَمُوْٓا اِلَى الطَّاغُوْتِ وَقَدْ اُمِرُوْٓا اَنْ يَّكْفُرُوْا بِهٖ

اس رکوع میں منافقین کے دوغلے پن کو واضح کیا گیا ہے کہ ایک طرف تو زبان سے ایمان کا اظہار کرتے ہیں، لیکن جب رسول انہیں اللہ کے حکم کی دعوت دیتے ہیں تو کنارہ کشی اختیار کرتے ہیں، اور جب ایسی کرتوت کی وجہ سے کوئی مصیبت اُن کو پہنچتی ہے تو وہ فوراً اللہ کی جھوٹی قسمیں کھاتے ہوئے آتے ہیں، حالاں کہ اللہ تعالیٰ ان کی قلبی حالت سے بخوبی واقف ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم کی بعثت کا مقصد ان کی اطاعت کو قرار دیا ہے۔ اخیر رکوع میں اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرنے والے کا بہترین انجام ذکر کیا گیا ہے کہ ایسا شخص اللہ کے فضل سے انبیاء کرام، صدیقین، شہداء اور نیک لوگوں کے ساتھ ہوگا۔

رکوع (۱۰)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا خُذُوْا حِذْرَكُمْ فَانْفِرُوْا ثُبَاتٍ اَوِ انْفِرُوْا جَمِيْعًا ۞

اس رکوع میں دشمنانِ اسلام سے ہوشیار اور چوکنا رہنے کی تعلیم ہے، منافقین کا حال ذکر کیا گیا ہے وہ جہاد میں فقط مالِ غنیمت حاصل کرنے کے لیے شامل ہوتے ہیں، حالاں کہ اصل جہاد تو وہ ہے جو فقط اللہ کی رضا کے لیے اور مظلوم مسلمانوں کی مدد کے لیے کیا جائے۔ اللہ کی راہ میں شہادت پانے والے شخص کے لیے بڑے اجر کا وعدہ کیا گیا ہے،

مجاہدین اور کفار کے درمیان سب سے بڑا فرق یہ بیان کیا گیا ہے کہ مجاہد اللہ کے رستے میں ہوتا ہے اور کافر شیطان کے راستے میں۔

رکوع (۱۱)

اَلَمۡ تَرَ اِلَی الَّذِیۡنَ قِیۡلَ لَہُمۡ کُفُّوۡۤا اَیۡدِیَکُمۡ وَ اَقِیۡمُوا الصَّلٰوۃَ وَ اٰتُوا الزَّکٰوۃَ ۚ

اس رکوع میں بزدلی کی مذمت کی گئی ہے، جہاد میں جانے سے جو لوگ ڈرتے تھے انہیں سمجھایا گیا ہے کہ موت تو ایک نا ایک دن آنی ہی ہے، خواہ انسان کسی مضبوط سے مضبوط قلعے میں اپنے آپ کو محفوظ کرلے وہ موت سے نہیں بچ سکتا، منافقین کا حال یہ تھا کہ اگر جہاد سے مالِ غنیمت وغیرہ کی شکل میں دنیوی فائدہ حاصل ہوتا تو اسے اللہ کا فضل قرار دیتے اور اگر کہیں اپنی غلطی سے نقصان اٹھانا پڑتا تو اس کا ذمہ دار رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو قرار دیتے، حالاں کہ جیسے رسول کی اطاعت اللہ کی اطاعت ہے، ویسے ہی رسول کی نافرمانی اللہ کی فرمانی ہے، یہ لوگ رسول اکرم کے سامنے تو اطاعت کا اقرار کرتے، لیکن پیٹھ پیچھے سازشوں میں مشغول ہوجاتے، ایسی سازشوں اور پروپیگنڈوں سے مسلمانوں کو بچنے کی تلقین کی گئی ہے۔ اس کے بعد قرآن میں غور اور تدبر کی تلقین ہے، پھر حسنِ معاشرت کا اہم اصول بتایا گیا ہے کہ افواہوں پر دھیان نہ دیا جائے، کوئی خبر ملے تو خوب تحقیق کرلینی چاہیے، اس کے بعد ہی کسی سے بیان کی جائے۔ اخیر رکوع میں سلام کا طریقہ بتایا گیا ہے کہ جب کوئی سلام کرے تو اُس سے بہتر انداز میں جواب دینا چاہیے۔

سلام کے چند آداب

● اسلامی الفاظ سے سلام کرنا۔ ● مکمل سلام کرنا، یعنی السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ ● سلام میں غیر مسلموں کی مشابہت اختیار نہ کرنا۔ ● سلام میں پہل کرنا۔ ● اہلِ کتاب اور مشرکین کو سلام میں پہل نہ کرنا۔ ● غیر مسلموں کے سلام کے جواب میں صرف وَعَلَیۡکُمۡ کہنا۔ ● گفتگو شروع کرنے سے پہلے سلام کرنا۔ ● چھوٹے کا بڑے کو، گزرنے والے کا بیٹھے ہوئے کو اور چھوٹی جماعت کا بڑی جماعت کو سلام میں پہل کرنا۔

● مجلس سے جدائیگی کے وقت سلام کرنا۔● گھر میں داخل ہوتے وقت گھر والوں کو سلام کرنا۔● سلام کرنے والے کو اُس کے الفاظ سے بہتر الفاظ میں یا کم از کم ان ہی الفاظ میں جواب دینا۔● غائبانہ سلام بھیجنا۔● غائبانہ سلام کا جواب عَلَيْكَ وَعَلَيْهِ السَّلَامُ سے دینا۔(ملخص از سنن وآداب)

رکوع (۱۲)

فَمَا لَكُمْ فِي الْمُنٰفِقِيْنَ فِئَتَيْنِ وَاللّٰهُ اَرْكَسَهُمْ بِمَا كَسَبُوْا اَتُرِيْدُوْنَ اَنْ تَهْدُوْا مَنْ اَضَلَّ اللّٰهُ وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَنْ تَجِدَ لَهٗ سَبِيْلًا ﴿۸۸﴾

اس رکوع میں منافقین کی قلبی خواہش کا ذکر ہے، وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان نعوذ باللہ دوبارہ کفر اختیار کرلیں۔ حالاں کہ ایسی جگہ جہاں پر دین کے احکامات پر عمل میں دشواری کا سامنا ہو تو دین کے تحفظ کے لیے ہجرت تک کا حکم ہے۔ اس کے بعد منافقین کی کچھ اور شرارتوں کا ذکر ہے، اخیر میں میدانِ جنگ اور صلح وغیرہ کے کچھ احکامات ذکر کیے گئے ہیں۔

رکوع (۱۳)

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ اَنْ يَّقْتُلَ مُؤْمِنًا اِلَّا خَطَـًٔا

اس رکوع میں انسانی جان کا احترام سکھایا گیا ہے، ناحق قتل کی سزا کو سنگین جرم قرار دے کر قیامت کے سخت عذاب کا تذکرہ کیا گیا ہے، پھر قتل عمد، قتل سہو اور اس کی دیت کے کچھ احکامات ذکر کیے گئے ہیں۔ مومن کو جان بوجھ کر قتل کرنے والے کے لیے جہنم کی سزا اور اللہ کی رحمت سے دوری کی سزا سنائی گئی ہے۔ کسی پر کفر کا حکم لگانے میں بھی احتیاط اور تحقیق کا حکم ہے، اخیر میں مجاہدین کو غیر مجاہدین پر افضل قرار دیا گیا ہے۔

رکوع (۱۴)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَوَفّٰىهُمُ الْمَلٰٓئِكَةُ ظَالِمِيْٓ اَنْفُسِهِمْ قَالُوْا فِيْمَ كُنْتُمْ

اس رکوع میں دین کی حفاظت کی خاطر ہجرت کی ترغیب دی گئی ہے، بلا عذر شدید محض مظلومیت کا سہارا لے کر ایسی جگہ پر جمے رہنا جہاں اسلام پر عمل کرنا دشوار ہو قابل

تعریف نہیں، بلکہ ایسی جگہ سے ہجرت کرنا ضروری ہے۔ اللہ کی زمین وسیع اور کشادہ ہے۔ البتہ اگر کہیں مجبوری یا معذوری ہو، تو ایسے لوگوں کو توکل اور صبر کی تعلیم ہے۔ اخیر رکوع میں بتایا گیا ہے کہ اگر کوئی ہجرت کے لیے نکل پڑے اور درمیان میں اُس کی موت واقع ہو جائے تو اس کا اجر عظیم اللہ کے ذمہ ہے۔

ہجرت کے چند مسائل

● ہجرت ایمان کی حفاظت یا اسلام کی دعوت واشاعت کی غرض سے دار الکفر سے دار الاسلام جانے کا نام ہے۔

● ہجرت کا حکم آج بھی باقی ہے جب تک کہ توبہ کا دروازہ بند نہ ہو ہجرت بند نہ ہوگی، اور توبہ اس وقت منقطع ہوگی جب قیامت کے قریب اس علامت کا ظہور ہو کہ آفتاب بجائے مشرق کے مغرب سے طلوع ہو۔

● ہجرت کے اعتبار سے لوگوں کی تین حالتیں ہیں: ایک وہ ہیں جن پر ہجرت واجب ہے، یہ وہ لوگ ہیں جن کے لئے اپنے موجودہ وطن میں کفار کے غلبہ کی وجہ سے دین کا اظہار اور واجبات دین کی ادائیگی ممکن نہ ہو، اور وہ ہجرت کرنے پر قادر ہوں، ایسے لوگوں پر اس علاقہ سے ہجرت کر جانا واجب ہے۔

دوسرے وہ لوگ ہیں جن پر ہجرت واجب نہیں، یہ وہ لوگ ہیں جو بیماری، دار الکفر میں اقامت پر مجبور کئے جانے یا کسی اور وجہ سے ہجرت کرنے پر قادر نہ ہوں۔ اس رکوع میں ان کو عند اللہ قابل عفو قرار دیا گیا ہے۔

تیسرے وہ لوگ ہیں جن کو ہجرت کرنا مستحب تو ہے لیکن واجب نہیں، یہ حکم ان لوگوں کا ہے جو دار الکفر میں دین کے اظہار اور دین پر عمل کرنے میں آزاد ہوں، نیز ہجرت کرنے پر بھی قادر ہوں، ایسے شخص کے لئے بھی ہجرت کرنا مستحب ہے۔ (ملخص از قاموس الفقہ: ہجرت)

رکوع (۱۵)

وَاِذَا ضَرَبْتُمْ فِی الْاَرْضِ فَلَیْسَ عَلَیْكُمْ جُنَاحٌ اَنْ تَقْصُرُوْا مِنَ الصَّلٰوةِ

اس رکوع میں حالتِ سفر میں قصر نماز سے متعلق احکام ہیں، پھر صلوٰۃ الخوف کا ذکر ہے جو

ایک مخصوص انداز میں حالتِ جنگ میں پڑھی جاتی ہے، اس طرح کہ نماز بھی ہو جائے اور دشمنوں سے مقابلہ بھی جاری رہے۔ اس سے نماز کی اہمیت کا اندازہ ہوتا ہے کہ کسی بھی حالت میں یہ عظیم رکن معاف نہیں ہے۔ دشمنوں سے مقابلے کے لیے ہمت اور حوصلہ بھی دلایا گیا ہے۔

اہم مسائل

● جو سفر تین منزل (تقریباً ساڑھے ستتر کیلومیٹر) سے کم ہو اس سفر میں نماز پوری پڑھی جاتی ہے۔

● جب سفر ختم کر کے منزل پر جا پہنچے تو اگر وہاں پندرہ روز سے کم ٹھہرنے کا ارادہ ہو تب تو وہ حکم سفر میں ہے، چار رکعت والی فرض نماز آدھی پڑھی جائے گی اور اس کو قصر کہتے ہیں اور اگر پندرہ روز یا زیادہ کا رہنے کا ایک ہی بستی میں ارادہ ہو، تو وہاں قصر نہیں ہوگا، بلکہ نماز پوری پڑھی جائے گی۔

● قصر صرف تین وقت کے فرائض میں ہے۔ مغرب اور فجر میں اور سنن و وتر میں نہیں ہے۔

● **صلوٰۃ الخوف:** دشمن وغیرہ کے خوف کے وقت مخصوص ہیئت کے ساتھ ادا کی جانے والی نماز۔

رکوع (۱۶)

إِنَّآ أَنزَلْنَآ إِلَيْكَ ٱلْكِتَٰبَ بِٱلْحَقِّ لِتَحْكُمَ بَيْنَ ٱلنَّاسِ بِمَآ أَرَىٰكَ ٱللَّهُ ۚ وَلَا تَكُن لِّلْخَآئِنِينَ خَصِيمًا ﴿١٠٥﴾

اس رکوع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت دی گئی ہے کہ جس طرح اب تک انہوں نے انصاف سے کام لیا اُسی طرح آئندہ بھی لوگوں کے درمیان فیصلے کے وقت حق کے مطابق فیصلہ کریں، اس سلسلے میں کسی منصب، قبیلے یا رشتہ دار کی رعایت نہ کی جائے، جیسا کہ ماضی میں یہود کی جانب سے ہوتا تھا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ گناہ کے بعد اگر کوئی سچے دل سے توبہ کرے تو اللہ تعالیٰ ضرور معاف فرماتے ہیں۔ اخیر رکوع میں کسی پر بہتان یعنی غلط الزام لگانے کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ہے اور اسے بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

رکوع (۱۷)

وَ لَوۡلَا فَضۡلُ اللّٰهِ عَلَيۡكَ وَ رَحۡمَتُهٗ لَهَمَّتۡ طَّآٮِٕفَةٌ مِّنۡهُمۡ اَنۡ يُّضِلُّوۡكَ ؕ

یہ رکوع عوام کی اصلاح پر مشتمل تعلیمات دیتا ہے، مثلاً بری سرگوشیوں سے روکنا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی اتباع نہ کرنا وغیرہ۔ یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ مومنین کے راستے کے علاوہ ہر راستہ آخرت کی تباہی کا باعث ہے۔

رکوع (۱۸)

اِنَّ اللّٰهَ لَا يَغۡفِرُ اَنۡ يُّشۡرَكَ بِهٖ وَ يَغۡفِرُ مَا دُوۡنَ ذٰلِكَ لِمَنۡ يَّشَآءُ ؕ وَمَنۡ يُّشۡرِكۡ بِاللّٰهِ فَقَدۡ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِيۡدًا ﴿۱۱۶﴾

اس رکوع کا آغاز شرک کی اُسی مذمت سے ہوا ہے جس کا تذکرہ پارہ کے شروع میں ہو چکا ہے کہ سارے گناہ معاف ہو سکتے ہیں لیکن شرک معاف نہیں ہوگا۔ زمانۂ جاہلیت میں کفار کے درمیان جانوروں سے متعلق کچھ رسمیں رائج تھیں، اُن کی تردید کی گئی ہے، تغییر خلق اللہ یعنی اللہ کی بنائی ہوئی مخلوق میں کسی قسم کی تبدیلی کو شیطانی عمل قرار دیا ہے، اخیر میں یہ وضاحت ہے کہ محض جنّت کی آرزو اور تمنا مفید نہیں، بلکہ اس کے مطابق عمل صالح ہو تو اللہ تعالیٰ اپنے فضل سے جنّت عطا فرمائیں گے۔

رکوع (۱۹)

وَ يَسۡتَفۡتُوۡنَكَ فِى النِّسَآءِ ؕ قُلِ اللّٰهُ يُفۡتِيۡكُمۡ فِيۡهِنَّ ۙ

اس رکوع میں خواتین کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرنے کا حکم ہے، نیز یتیموں اور کمزور طبقات کے ساتھ عدل وانصاف کی تاکید ہے۔ پھر ازدواجی زندگی سے متعلق ہدایات ہیں کہ اگر زوجین کے درمیان اختلاف ہو جائے تو صلح کرنا بہتر ہے، اگر صلح ممکن نہ ہو تو مجبوری میں جدائی اختیار کی جا سکتی ہے۔ ایک سے زائد بیوی ہونے کی صورت میں بیویوں کے درمیان عدل وانصاف کا حکم ہے، کسی ایک کی جانب مکمل توجہ اور دوسری سے بے التفاتی سے منع کیا گیا ہے۔ اخیر میں کہا گیا ہے کہ اللہ کے احکام سے روگردانی سے اللہ کو

کوئی فرق نہیں پڑتا، نقصان لوگوں کا ہی ہوگا، اگر لوگ اسلام کا دعویٰ کرنے کے باوجود ایسا کریں گے تو اللہ اس پر بھی قادر ہے کہ ان کے بدلے دوسرے لوگ لے آئے۔

رکوع (۲۰)

يَاۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْا قَوّٰمِيْنَ بِالْقِسْطِ شُهَدَآءَ لِلّٰهِ وَلَوْ عَلٰۤى اَنْفُسِكُمْ اَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْاَقْرَبِيْنَ ۚ

اس رکوع میں تاکید کے ساتھ حق اور انصاف کی تعلیم دی گئی ہے کہ کسی بھی حال میں حق کا ساتھ نہیں چھوڑنا ہے، اگرچہ اس معاملے میں والدین اور رشتے دار وغیرہ کے خلاف جانا پڑے، پھر مومنین کو ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنے اور ان پر ثابت قدم رہنے کی تلقین ہے۔ اگر کوئی شخص ایمان لانے کے بعد کفر اختیار کر لے تو اس کے برے انجام کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ منافقین جو مومنین کے بجائے کفار کو اپنا ہمدرد سمجھتے تھے ان کو بھی دردناک عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اللہ کے احکامات کے استہزاء اور مذاق اڑانے کو کفر قرار دیا گیا ہے، نیز ایسے لوگوں کے ساتھ بیٹھنے کی بھی ممانعت ہے۔

رکوع (۲۱)

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ يُخٰدِعُوْنَ اللّٰهَ وَهُوَ خَادِعُهُمْ ۚ وَاِذَا قَامُوْۤا اِلَى الصَّلٰوةِ قَامُوْا كُسَالٰى ۙ يُرَآءُوْنَ النَّاسَ وَلَا يَذْكُرُوْنَ اللّٰهَ اِلَّا قَلِيْلًا ۝

اس رکوع میں منافقین کی کچھ صفات کا ذکر ہے، مثلاً نماز کے لیے آنا انہیں بڑا گراں گزرتا تھا، اگر آتے بھی تھے تو بڑے سست اور بوجھل انداز میں۔ حقیقت یہ ہے کہ مسلمانوں کے درمیان رہنے کے باوجود حق نہ پانا اس بات کی علامت ہے کہ ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اور جسے وہ گمراہ کردے وہ راہِ ہدایت نہیں پاسکتا۔ مومنین کو حکم دیا گیا ہے کہ وہ کفار کے ساتھ قلبی تعلق قائم نہ کریں، پھر منافقین کا انجام بتایا گیا ہے کہ وہ جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوں گے، البتہ اگر کسی کو توبہ اور عمل صالح کی توفیق ہوجائے تو اس کا شمار بلاشبہ مومنین میں ہی ہوگا۔



پــارہ: (۶)

لَا يُحِبُّ اللّٰهُ الْجَهْرَ بِالسُّوْٓءِ مِنَ الْقَوْلِ اِلَّا مَنْ ظُلِمَ ؕ وَ كَانَ اللّٰهُ سَمِيْعًا عَلِيْمًا ﴿۱۴۸﴾

شروعات اس مضمون سے ہوئی ہے کہ اگر کسی میں کوئی ذاتی عیب ہے تو اسے ظاہر نہ کیا جائے، ایسا کرنا غیبت ہے جو بڑا گناہ ہے، البتہ اگر کوئی مظلوم اپنے ظلم کی داستان سنا رہا ہے تو وہ ممنوع نہیں۔ اگلی آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم کا ذکر ہے کہ اللہ ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز کو جاننے والا ہے۔ اس کے بعد یہ تاکید کی گئی ہے کہ ایمان لانے کا مطلب تمام انبیائے کرام کو برحق جاننا ہے، ان میں یہ تفریق جائز نہیں کہ کسی کی نبوت کا ہی انکار کر دیا جائے، چناں چہ اگر کوئی شخص رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر ایمان لائے اور کسی اور نبی کا انکار کرے تو یہ بھی کفر ہے۔ جیسا کہ اہل کتاب اپنے انبیائے کرام پر ایمان لاتے ہیں اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا انکار کرتے ہیں۔

رکوع (۲۲)

يَسْـَٔلُكَ اَهْلُ الْكِتٰبِ اَنْ تُنَزِّلَ عَلَيْهِمْ كِتٰبًا مِّنَ السَّمَآءِ فَقَدْ سَاَلُوْا مُوْسٰۤى اَكْبَرَ مِنْ ذٰلِكَ فَقَالُوْۤا اَرِنَا اللّٰهَ جَهْرَةً فَاَخَذَتْهُمُ الصّٰعِقَةُ بِظُلْمِهِمْ ۚ

اس رکوع میں اہل کتاب یعنی یہودیوں کے بے جا مطالبہ کا ذکر ہے جیسا کہ انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ ہم خدا کو اپنی آنکھوں سے دیکھنا چاہتے ہیں، تو اللہ کی جانب سے ایک بجلی گری جس میں سب ہلاک ہو گئے تھے، پھر اس واقعہ کا ذکر ہے کہ انہوں نے سامری کے گڑھے ہوئے بچھڑے کو اپنا معبود اور خدا قرار دیا تھا، ایسی ہی بد عہدی، سرکشی اور نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان پر کفر کی مہر لگا دی تھی۔ یہود نے حضرت مریم پر جو الزام لگایا تھا اُس کی بھی اللہ تعالیٰ نے تردید کی ہے اور اُسے بڑا بہتان قرار دیا ہے۔ اسی طرح حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں جو اُن کا خیال تھا کہ انہوں نے حضرت عیسیٰ کو

نعوذ باللہ قتل کر دیا تھا، اُس کی بھی تردید ہے کہ حقیقتاً اللہ تعالیٰ نے انہیں آسمان پر اٹھالیا تھا۔ پھر یہودیوں کی دنیاپرستی کا ذکر ہے کہ انہوں نے سود حرام ہونے کے باوجود اُس کالین دین شروع کردیا، البتہ وہ یہودی جو بعد میں اسلام لے آئے اُن کے لیے اجر عظیم کا وعدہ کیا گیا ہے۔

رکوع (۲۳)

اِنَّآ اَوْحَیْنَآ اِلَیْكَ كَمَآ اَوْحَیْنَآ اِلٰى نُوْحٍ وَّالنَّبِیّٖنَ مِنْۢ بَعْدِهٖ ۚ

اس رکوع میں سابقہ انبیائے کرام حضرت نوح سے لے کر حضرت عیسیٰ وحضرت موسیٰ علیہم السلام وغیرہ کا مختصر ذکر کیا گیا ہے، مقصد یہ بتانا ہے کہ تمام انبیائے کرام کا مشن اور دعوت ایک ہی ہے اور دین اسلام اُسی کی دعوت دیتا ہے۔ اخیر میں اہل کتاب یعنی نصاریٰ کو دعوت دی گئی ہے کہ اپنے دین میں غلو سے کام نہ لو اور حق بات کرو، حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق یہ عقیدہ رکھنا کہ نعوذ باللہ وہ اللہ کے بیٹے ہیں بالکل غلط اور جھوٹ ہے، نہ تو وہ اللہ ہیں اور نہ ہی اللہ تین ہیں، بلکہ اللہ تو ایک ہی ہے۔

اہم مسائل

- غلو فی الدین یہ ہے کہ دین میں جس چیز کی جو حد مقرر کی گئی ہے اس سے آگے نکل جائے۔
- اہل کتاب یعنی یہود و نصاریٰ دونوں کو یہاں مخاطب بنایا گیا کہ دونوں میں غلو پایا جاتا تھا، اس طور پر کہ نصاریٰ نے تو عیسیٰ علیہ السلام کو ماننے اور ان کی تعظیم میں غلو کیا، ان کو خدا یا خدا کا بیٹا یا تیسرا خدا بنا دیا اور یہود نے ان کے نہ ماننے اور رد کرنے میں غلو کیا کہ ان کو رسول بھی نہ مانا۔ چناں چہ دونوں ہی گمراہ ہوئے۔

رکوع (۲۴)

لَنْ یَّسْتَنْكِفَ الْمَسِیْحُ اَنْ یَّكُوْنَ عَبْدًا لِّلّٰهِ وَ لَا الْمَلٰٓئِكَةُ الْمُقَرَّبُوْنَ ؕ وَ مَنْ یَّسْتَنْكِفْ عَنْ عِبَادَتِهٖ وَ یَسْتَكْبِرْ فَسَیَحْشُرُهُمْ اِلَیْهِ جَمِیْعًا ﴿۱۷۲﴾

سورہ نساء کے اس آخری رکوع میں عیسائیوں کے عقیدے کی تردید ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بشریت کو ثابت کیا گیا ہے، نیز کہا گیا ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے

زندگی میں کبھی اپنے بندہ ہونے پر عار محسوس نہیں کی، اور جو بھی اُنہیں بندہ سمجھنے میں عار محسوس کرے گا اُسے کل قیامت میں جواب دینا ہوگا۔ پھر مومنین پر آخرت کے فضل وکرم اور کفار کے لیے دردناک عذاب کا ذکر ہے۔ اخیر آیت میں کلالہ کا تذکرہ ہے، کلالہ اُس شخص کو کہتے ہیں جو اِس حال میں وفات پائے کہ نہ تو اُس کے ماں باپ ہوں اور نہ اولاد، صرف بھائی بہن ہوں، اس کی میراث کو تقسیم کرنے کا ضابطہ اس آیت میں بیان کیا گیا ہے۔



تعارف سورۂ مائدہ

یہ سورت حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیات طیبہ کے بالکل آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔ علامہ ابوحیان فرماتے ہیں کہ اس کے کچھ حصے صلح حدیبیہ، کچھ فتح مکہ اور کچھ حجۃ الوداع کے موقع پر نازل ہوئے تھے۔ اس زمانے میں اسلام کی دعوت جزیرۂ عرب کے طول وعرض میں اچھی طرح پھیل چکی تھی، دشمنان اسلام بڑی حد تک شکست کھاچکے تھے، اور مدینہ منورہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی قائم کی ہوئی اسلامی ریاست مستحکم ہوچکی تھی۔ لہٰذا اس سورت میں مسلمانوں کے سماجی، سیاسی اور معاشی مسائل سے متعلق بہت سی ہدایات دی گئی ہیں۔ سورت کا آغاز اس بنیادی حکم سے ہوا ہے کہ مسلمانوں کو اپنے عہد و پیمان پورے کرنے چاہئیں۔ اس بنیادی حکم میں اجمالی طور پر شریعت کے تمام احکام آگئے ہیں چاہے وہ اللہ تعالیٰ کے حقوق سے متعلق ہوں یا بندوں کے حقوق سے متعلق۔ اس ضمن میں یہ اصول بڑی تاکید کے ساتھ سمجھایا گیا ہے کہ دشمنوں کے ساتھ بھی ہر معاملہ انصاف کے ساتھ ہونا چاہیے۔ یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ دشمنانِ اسلام کو اب اسلام کی پیش قدمی روکنے سے مایوسی ہوچکی ہے اور اللہ نے اپنا دین مکمل فرما دیا ہے۔ اسی سورت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ کس قسم کی غذائیں حلال ہیں اور کس قسم کی حرام؟ اسی سلسلے میں شکار کے احکام بھی وضاحت کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ اہل کتاب کے ذبیحے اور ان کی عورتوں سے نکاح کے احکام کا بیان آیا ہے، چوری اور ڈاکے کی شرعی سزائیں مقرر فرمائی گئی ہیں، کسی انسان کو ناحق قتل کرنا کتنا بڑا گناہ ہے؟ اس کی وضاحت کرتے ہوئے حضرت آدم (علیہ السلام) کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا واقعہ ذکر کیا گیا

ہے، شراب اور جوے کو صریح الفاظ میں حرام قرار دیا گیا ہے، وضو اور تیمم کا طریقہ بتایا گیا ہے۔ یہودیوں اور عیسائیوں نے کس طرح اللہ تعالیٰ سے کیے ہوئے عہد کو توڑا؟ اس کی تفصیل بیان فرمائی گئی ہے۔

مائدہ عربی میں دسترخوان کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۱۱۴ میں یہ واقعہ بیان ہوا ہے کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) سے ان کے متبعین نے یہ دعا کرنے کی فرمائش کی تھی کہ اللہ تعالیٰ ان کے لیے آسمانی غذاؤں کے ساتھ ایک دسترخوان نازل فرمائے۔ اس واقعے کی مناسبت سے اس سورت کا نام ''مائدہ'' یعنی دسترخوان رکھا گیا ہے۔
(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)



آیاتہا ۱۲۰ | سُوْرَۃُ الْمَائِدَۃ مَدَنِیَّۃ | رکوعاتہا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اَوْفُوْا بِالْعُقُوْدِ ؕ اُحِلَّتْ لَكُمْ بَهِيْمَةُ الْاَنْعَامِ اِلَّا مَا يُتْلٰى عَلَيْكُمْ غَيْرَ مُحِلِّى الصَّيْدِ وَاَنْتُمْ حُرُمٌ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَحْكُمُ مَا يُرِيْدُ ①

اس رکوع میں اوّلاً عہد و پیمان کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا ہے، کھانے پینے کی حلال و حرام چیزوں کا ذکر ہے، نیکی کے کاموں پر ابھارا گیا ہے اور اس پر تعاون کی ترغیب دی گئی ہے، اسی طرح برائی سے روکا گیا ہے اور اس میں کسی بھی قسم کی مدد سے منع کیا گیا ہے۔ دین اسلام کے برحق اور مکمل ہونے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اخیر میں بتایا گیا ہے کہ مرد و عورت کا باہمی تعلق فقط نکاح کا ہونا چاہیے، اس کے علاوہ کسی بھی طرح کے خفیہ تعلقات اور پوشیدہ آشنائی وغیرہ سخت گناہ ہیں۔

اہم مسائل

● یہاں نو قسم کی چیزوں کو حرام قرار دیا گیا ہے۔ (۱) مردار جانور جو بغیر ذبح کے کسی بیماری سے یا طبعی موت سے مر جائیں (۲) بہنے والا خون (۳) خنزیر کے جسم کی ہر چیز (۴) وہ جانور جو غیر اللہ کے لیے نامزد کر دیا گیا ہو۔ پھر اگر ذبح کے وقت بھی اس پر غیر اللہ کا نام لیا ہے تو وہ کھلا شرک ہے اور یہ جانور باتفاق مردار کے حکم میں ہے۔ اگر بوقت ذبح نام تو اللہ تعالیٰ کا لیا، مگر جانور کسی غیر اللہ کے نام پر نذر کیا ہوا اور اس کی رضامندی کے لیے قربان کیا ہے تو اسے بھی حرام قرار دیا گیا ہے۔ (۵) وہ جانور حرام جو گلا گھونٹ کر ہلاک کیا گیا ہو یا خود ہی کسی جال وغیرہ میں پھنس کر دم گھٹ گیا ہو۔ (۶) وہ جانور جو ضربِ شدید کے ذریعہ

ہلاک ہوا ہو۔ جیسے لاٹھی یا پتھر وغیرہ سے مارا گیا ہو۔ اور جو تیر کسی شکار کو اس طرح قتل کر دے کہ دھار کی طرف سے نہ لگے ویسے ہی ضرب سے مرجائے وہ بھی اس حکم میں داخل ہے۔ (۷) وہ جانور جو کسی پہاڑ، ٹیلہ یا اونچی عمارت یا کنوئیں وغیرہ میں گر کر مرجائے۔ (۸) وہ جانور جو کسی ٹکراور تصادم سے ہلاک ہو گیا ہو۔ جیسے ریل، موٹر وغیرہ کی زد میں آکر مرجائے یا کسی دوسرے جانور کی ٹکر سے مرجائے۔ (۹) وہ جانور جس کو کسی درندہ جانور نے پھاڑ دیا ہو اس سے مر گیا ہو۔ البتہ اگر اخیر کی پانچ قسم کے جانور کو زندہ پا کر ذبح کر لیا جائے تو وہ حلال ہے۔ (۱۰) وہ جانور جو نصب پر ذبح کیا گیا ہو۔ نصب وہ پتھر ہیں جو کعبہ کے گرد کھڑے کیے ہوئے تھے۔ اور اہل جاہلیت ان کی پرستش کرتے اور ان کے پاس لاکر جانوروں کی قربانی ان کے لیے کرتے تھے۔

● اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کا ذبح کیا ہوا جانور مسلمانوں کے لیے حلال ہے۔

● مسلمان مردوں کا نکاح اہل کتاب عورتوں سے ہو سکتا ہے، لیکن اہل کتاب مردوں کا نکاح مسلمان عورتوں سے نہیں ہو سکتا۔

● اگر کوئی مسلمان معاذ اللہ مرتد ہو کر یہودی یا نصرانی بن جائے تو وہ اہل کتاب میں داخل نہیں، بلکہ وہ مرتد ہے۔ اس کا ذبیحہ باجماع امت حرام ہے۔

● اسی طرح جو مسلمان ضروریات اور قطعیات اسلام میں سے کسی چیز کا انکار کرنے کی وجہ سے مرتد ہو گیا ہے، اگر چہ وہ قرآن اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو ماننے کا دعویٰ بھی کرتا ہو وہ بھی مرتد ہے، اس کا ذبیحہ حلال نہیں۔ محض قرآن پڑھنے یا قرآن پر عمل کرنے کا دعویٰ کرنے سے وہ اہل کتاب میں داخل نہیں ہو سکتا۔

● دوسرے مذہب وملت کا آدمی اگر اپنا مذہب چھوڑ کر یہودی و نصرانی بن جائے تو وہ اہل کتاب میں شمار ہوگا اور اس کا ذبیحہ حلال قرار پائے گا۔

رکوع (۲)

يَآأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوٓا إِذَا قُمْتُمْ إِلَى الصَّلٰوةِ فَاغْسِلُوا وُجُوهَكُمْ وَأَيْدِيَكُمْ إِلَى الْمَرَافِقِ وَامْسَحُوا بِرُءُوسِكُمْ وَأَرْجُلَكُمْ إِلَى الْكَعْبَيْنِ

اس رکوع میں سب سے پہلے وضو کا طریقہ بیان کیا گیا ہے، اور بوقت مجبوری تیمم کی بھی اجازت دی گئی ہے، پھر حق پسندی، عدل وانصاف اور سچی گواہی کا حکم ہے، ساتھ ہی یہ بھی کہا گیا ہے کہ کسی کی دشمنی کی صورت میں بھی حق کا ساتھ نہیں چھوڑنا چاہیے۔ یہی عدل و انصاف تقویٰ اور اللہ سے قرب کا سبب ہے۔

● تیمّم کے مسائل ص ۱۵۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۳)

وَ لَقَدْ اَخَذَ اللّٰهُ مِيْثَاقَ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ ۚ وَ بَعَثْنَا مِنْهُمُ اثْنَيْ عَشَرَ نَقِيْبًا ؕ

اس رکوع میں اوّلاً اُس عہد کا تذکرہ ہے جو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل سے لیا تھا اور کہا تھا کہ اگر تم اس کی پاسداری کرو گے تو تمہارے گناہ بھی معاف ہو جائیں گے اور تمہیں جنّت میں داخلہ نصیب ہوگا۔ اس عہد میں نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، رسولوں پر ایمان اور ان کی مدد وغیرہ کا ذکر ہے۔ بنی اسرائیل نے اس عہد کو توڑ ڈالا اور اللہ کے حکم کی نافرمانی کے مرتکب ہوئے، تقریباً یہی حال عیسائیوں کا بھی بیان کیا گیا ہے، پھر اہل کتاب کو ایمان کی دعوت دی گئی ہے کہ اللہ کے سچے رسول اور اُس کی کتاب تمہارے سامنے ہیں جو سیدھا راستہ دکھانے اور کفر کی ظلمتوں سے نکال کر ایمان کے نور کی جانب لانے کے لیے کافی ہیں، لہٰذا ایمان قبول کرلو۔ پھر ذکر کیا گیا ہے کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو خدا قرار دیتے ہیں وہ بھی کافر ہیں۔ اخیر میں انہیں دوبارہ دعوتِ ایمان دی گئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم مبعوث ہو چکے ہیں، ایسا نہ ہو کہ کل قیامت میں تم یہ کہو کہ ہمارے پاس کوئی خوش خبری دینے والا اور ڈرانے والا نہیں آیا تھا۔

رکوع (۴)

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰى لِقَوْمِهٖ يٰقَوْمِ اذْكُرُوْا نِعْمَةَ اللّٰهِ عَلَيْكُمْ اِذْ جَعَلَ فِيْكُمْ اَنْۢبِيَآءَ وَ جَعَلَكُمْ مُّلُوْكًا ۖ وَّ اٰتٰىكُمْ مَّا لَمْ يُؤْتِ اَحَدًا مِّنَ الْعٰلَمِيْنَ ۝۲۰

اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے بنی

اسرائیل کو ایک قوم کے خلاف جہاد کے لیے ابھارا تو انہوں نے بزدلی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اُس عظیم عبادت سے اعراض کیا، مختلف قسم کے بہانے بناتے رہے، حضرت موسیٰ سے یہاں تک کہہ دیا کہ: ''تم اور تمہارے رب جا کر جہاد کرلو، ہم یہاں بیٹھے ہیں۔'' اس پر عاجز آکر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے براءت کا اظہار کر دیا جس کے نتیجے میں وہ عذابِ خداوندی کے شکار ہوئے۔

رکوع (۵)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَأَ ابْنَيْ آدَمَ بِالْحَقِّ ۘ إِذْ قَرَّبَا قُرْبَانًا فَتُقُبِّلَ مِنْ أَحَدِهِمَا وَلَمْ يُتَقَبَّلْ مِنَ الْآخَرِ قَالَ لَأَقْتُلَنَّكَ ۖ قَالَ إِنَّمَا يَتَقَبَّلُ اللَّهُ مِنَ الْمُتَّقِينَ ﴿٢٧﴾

اس رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹوں ہابیل اور قابیل کا مشہور واقعہ ذکر کیا گیا ہے، جس میں قابیل نے ہابیل کو حسد کی بنیاد پر قتل کر دیا تھا، اسی لیے بنی اسرائیل کو یہ ہدایت بھی دی گئی کہ کسی شخص کا ناحق قتل پوری انسانیت کے قتل کے مترادف ہے، اس کے بعد اللہ اور اس کے رسول کی مخالفت کرنے والے اور زمین میں فساد مچانے والے افراد کی سخت سزا کا ذکر ہے۔

قصہ ہابیل و قابیل

حضرت آدم علیہ السلام کے دو بیٹے تھے جن میں سے ایک کا نام قابیل تھا اور ایک کا ہابیل، اس وقت چونکہ دنیا کی آبادی صرف حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد پر مشتمل تھی اس لیے ان کی اہلیہ کے ہر حمل میں دو جڑواں بچے پیدا ہوتے تھے ایک لڑکا اور ایک لڑکی، ان دونوں کے درمیان تو نکاح حرام تھا؛ لیکن ایک حمل میں پیدا ہونے والے لڑکے کا نکاح دوسرے حمل سے پیدا ہونے والی لڑکی سے ہوسکتا تھا، قابیل کے ساتھ جو لڑکی پیدا ہوئی وہ بڑی خوبصورت تھی؛ لیکن جڑواں بہن ہونے کی وجہ سے اس کے ساتھ قابیل کا نکاح جائز نہ تھا، اس کے باوجود اس کا اصرار تھا کہ اسی سے نکاح کرے، ہابیل کے لیے وہ لڑکی حرام نہ تھی اس لیے وہ اس کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا تھا، جب دونوں کا یہ اختلاف بڑھا تو فیصلہ

اس طرح قرار پایا کہ دونوں کچھ قربانی اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کریں جس کی قربانی اللہ تعالیٰ نے قبول فرمالی اس کا دعویٰ برحق سمجھا جائے گا؛ چنانچہ دونوں نے قربانی پیش کی، ہابیل نے ایک دنبہ قربان کیا اور قابیل نے کچھ زرعی پیداوار پیش کی، اس وقت قربانی کے قبول ہونے کی علامت یہ تھی کہ آسمان سے ایک آگ آکر قربانی کو کھا جاتی تھی، ہابیل کی قربانی کو آگ نے کھالیا اور اس طرح اس کی قربانی واضح طور پر قبول ہوگئی اور قابیل کی قربانی وہیں پڑی رہ گئی، جس کا مطلب یہ تھا کہ وہ قبول نہیں ہوئی، اس پر بجائے اس کے کہ قابیل حق کو قبول کر لیتا حسد میں مبتلا ہو کر اپنے بھائی کو قتل کر دیا۔

یہ چونکہ کسی کے مرنے کا پہلا واقعہ تھا جو قابیل نے دیکھا اس لیے اسے مردوں کو دفن کرنے کا طریقہ معلوم نہیں تھا، اللہ تعالیٰ نے ایک کوا بھیجا جو زمین کھود کر کسی مردہ کو دفن کر رہا تھا، اسے دیکھ کر قابیل کو نہ صرف دفن کرنے کا طریقہ معلوم ہوا؛ بلکہ پشیمانی بھی ہوئی۔
(ملخص از توضیح القرآن)

رکوع (۶)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ ابْتَغُوْۤا اِلَيْهِ الْوَسِيْلَةَ وَ جَاهِدُوْا فِيْ سَبِيْلِهٖ لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ۝۳۵

اس رکوع میں ایمان والوں کو اللہ سے ڈرنے اور تقویٰ کے اسباب اختیار کرنے کا حکم ہے، نیز بتایا گیا ہے کہ قیامت کے دن اگر بالفرض کفار کے پاس پوری دنیا کی دولت ہو اور وہ اُس کے عوض عذاب سے بچنا چاہیں تو یہ ممکن نہ ہوگا۔ پھر چوری کی سزا کا بیان ہے کہ اسلامی حکومت میں جرم ثابت ہونے کی صورت میں چوری کرنے والے مرد اور عورت کے ہاتھ کاٹ دیے جائیں، اس کے بعد یہود کی کچھ شرارتوں اور سرکشیوں کا ذکر ہے، مثلاً ان میں رشوت خوری عام تھی، جس کی وجہ سے وہ غریبوں کے لیے سخت شرعی سزا تجویز کرتے اور مالداروں کو ہلکی پھلکی تنبیہ پر چھوڑ دیتے، نیز یہودی عوام بھی توریت میں تحریف کرنے والے ان پیشواؤں کی اندھی تقلید کرتی، ایسے لوگوں کے لیے دنیا میں رسوائی اور آخرت میں عذاب کی خبر دی گئی ہے۔

رکوع(۷)

اِنَّآ اَنۡزَلۡنَا التَّوۡرٰىةَ فِيۡهَا هُدًى وَّنُوۡرٌ‌ ۚ

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ توریت ہوں یا قرآن کریم، دونوں کی تعلیمات اصولی اعتبار سے یعنی توحید ورسالت، آخرت، بعث بعد الموت وغیرہ میں یکساں ہیں، لیکن یہودیوں نے اُس میں دنیوی فائدے کی خاطر اپنی مرضی کے مطابق تحریف کر ڈالی۔ پھر قصاص کا حکم بیان کیا گیا ہے۔ اس کے بعد عیسائیوں کا ذکر ہے کہ ان کے پاس انجیل کی شکل میں وہ کتابِ الٰہی ہے جو ہدایت اور نصیحت کا باعث تھی، لیکن انہوں نے بھی اس کو اپنی اصل شکل پر باقی نہ رکھا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہے کہ اگر آپ ان اہل کتاب کے درمیان فیصلہ کریں تو اللہ کے نازل کردہ احکامات کے مطابق ہی کریں۔

رکوع(۸)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا لَا تَتَّخِذُوا الۡيَهُوۡدَ وَالنَّصٰرٰۤى اَوۡلِيَآءَ‌ ؕ

اس رکوع کا آغاز اس بات سے ہوا کہ اہل ایمان یہود ونصاریٰ کو اپنا دوست نہ بنائیں، پھر مرتد کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی ہے، اخیر میں بتایا گیا ہے کہ مومنین کے اصل خیر خواہ صرف اللہ تعالیٰ، اس کے رسول اور باعمل اہل ایمان ہو سکتے ہیں۔

اہم مسائل

● ارتداد: اس سے مراد اسلام اور ہدایت کی نعمت خداوندی پانے کے بعد پھر کفر والحاد کی طرف جانا ہے اور جو بدنصیب اس کا مرتکب ہوا سے ''مرتد'' کہتے ہیں۔

● دارالاسلام میں رہتے ہوئے جو لوگ اتداد کے مرتکب ہوں، ان کی سزا قتل ہے۔

● اسلامی حکومت پر مرتد اور زندیق کا قتل واجب ہے، زندیق وہ شخص ہے جو اسلام کا اظہار کرے اور بباطن کافر ہو، نیز ائمہ کا اس پر بھی اتفاق ہے کہ جب پوری آبادی مرتد ہو جائے تو اس سے قتال کیا جائے اور اس کے اموال مالِ غنیمت شمار ہوں گے۔

● حالت ارتداد میں کسی بھی عورت مسلمان، کتابی یا مشرک سے نکاح کرنا درست

نہیں، اور نکاح منعقد نہ ہوگا۔

● مرتد ہونا ان اُمور میں سے ہے جن کی وجہ سے زوجین میں علاحدگی ہوجاتی ہے۔

● دارالکفر میں ''ارتداد'' کی شرعی سزا جاری نہ ہوگی۔

● مسلمان غیر مسلموں سے رواداری، ہمدردی، خیر خواہی، عدل وانصاف اور احسان وسلوک سب کچھ کر سکتے ہیں، اور ایسا کرنا چاہیے کہ ان کو اس کی تعلیم دی گئی ہے۔ لیکن ان سے ایسی گہری دوستی اور خلط ملط جس سے اسلام کے امتیازی نشانات گڈمڈ ہوجائیں اس کی اجازت نہیں۔ (ملخص از قاموس الفقہ: ارتداد، ومعارف)

رکوع (۹)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا الَّذِينَ اتَّخَذُوا دِينَكُمْ هُزُوًا وَلَعِبًا مِّنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِن قَبْلِكُمْ وَالْكُفَّارَ أَوْلِيَاءَ ۚ وَاتَّقُوا اللَّهَ إِن كُنتُم مُّؤْمِنِينَ ﴿٥٧﴾

اس رکوع میں اہل ایمان کو کہا گیا ہے کہ دین کا مذاق اڑانے والوں اور کفار کے ساتھ قلبی تعلق ہرگز نہ رکھیں، پھر اہل کتاب کو دعوتِ غور وفکر دی گئی ہے، ان کی کچھ بری عادتوں مثلاً دنیا پرستی اور حرام خوری کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی مذہبی پیشواؤں کی بھی مذمت ہے کہ وہ نہی عن المنکر کا فریضہ انجام نہیں دیتے یعنی عوام کو برے کاموں سے نہیں روکتے۔ پھر اللہ تعالیٰ کے بارے میں یہودیوں کے کچھ بے ہودہ جملوں کا جواب دیا گیا ہے۔ اخیر میں کہا گیا ہے کہ کاش کہ اہل کتاب حقیقی معنوں میں توریت وانجیل کی ہدایت پر عمل پیرا ہوتے تو اللہ تعالیٰ ضرور ان پر اپنا فضل فرماتا۔

رکوع (۱۰)

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِن رَّبِّكَ ۖ وَإِن لَّمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ ۚ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ ۗ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ ﴿٦٧﴾

اس میں اوّلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دعوت وتبلیغ کا حکم دیا گیا ہے، اس کے بعد اہل کتاب کو مخاطب کیا گیا ہے کہ جب تک تم توریت وانجیل کی حقیقی تعلیمات یعنی دین اسلام

کی پیروی نہیں کرتے تم راہِ راست پر نہیں ہو سکتے۔ اس کے بعد عیسائیوں کے اس عقیدے کی تردید کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ -نعوذ باللہ- تین ہیں، حضرت عیسیٰ، روح القدس اور اللہ تعالیٰ۔ انہیں متنبہ کیا گیا ہے کہ جب تک اس کفریہ عقیدے سے باز نہیں آؤ گے دردناک عذاب سے چھٹکارہ نہیں ہے۔ حضرت عیسیٰ کی حقیقت کو بیان کیا گیا ہے کہ وہ سابقہ رسولوں کی طرح ایک رسول تھے، اخیر رکوع میں اہل کتاب کو غلو سے باز آنے اور حق کا ساتھ دینے کی تاکید ہے۔

رکوع (۱۱)

لُعِنَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْۢ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ عَلٰي لِسَانِ دَاوٗدَ وَعِيْسَى ابْنِ مَرْيَمَ ۭ ذٰلِكَ بِمَا عَصَوْا وَّكَانُوْا يَعْتَدُوْنَ ۝

اس رکوع میں اہل کتاب کی مذمت کی گئی ہے اور ان پر لعنت کی گئی ہے یعنی انہیں رحمتِ الٰہی سے دور کیا گیا ہے، اس کی سب سے بڑی وجہ یہ ذکر کی گئی ہے کہ وہ معاشرہ کے گناہوں کو روکتے نہ تھے، گویا اللہ کی رحمت سے دوری کا سب سے بڑا سبب نہی عن المنکر کے ترک کو قرار دیا گیا ہے۔ پارہ اس بات پر ختم ہے کہ مومنین کی سب سے زیادہ عداوت ودشمنی یہود اور مشرکین کے دلوں میں ہوتی ہے۔

اہم مسائل

- لعنت رحمت خداوندی سے محرومی کا نام ہے۔
- قرآن وحدیث میں جن افعال پر لعنت بھیجی گئی ہے وہ سب گناہ کبیرہ ہیں۔
- کسی مسلمان پر متعین طریقے پر لعنت کرنا جائز نہیں، خواہ وہ کتنا ہی گنہ گار ہو۔
- عمومی مذموم اوصاف کی طرف نسبت کر کے لعنت کرنا جائز ہے، گو مسلمانوں میں بھی ایسے لوگ موجود ہوں جو اس وصف میں مبتلا ہوں، جیسے کہا جائے: جھوٹوں پر اللہ تعالیٰ کی لعنت، سود کھانے والے پر اللہ کی لعنت۔
- کافر پر لعنت کرنے کی تین صورتیں ہیں، ایک تو وہ کفار ہیں، جن کا کفر یقینی ہے،

جیسے ابوجہل، ابولہب، فرعون، وغیرہ، ان پر بالاتفاق لعنت کرنا جائز ہے، دوسرے جو کافر تھا لیکن معلوم نہیں کہ اس کی موت بھی اسی حالت میں ہوئی تھی، اس پر اس قید کے ساتھ لعنت جائز ہے کہ اگر اس کی موت کفر پر ہوئی ہو تو اس پر اللہ کی لعنت ہو، تیسری صورت یہ ہے کہ کسی متعین زندہ کافر شخص پر لعنت کی جائے، یہ بھی درست نہیں، کیونکہ ممکن ہے کہ اللہ تعالیٰ اسے ہدایت سے سرفراز فرمادے۔

● انسان کے علاوہ اللہ کی دوسری مخلوقات کو (جو احکام شرعیہ کی مکلف نہیں ہیں)، لعن طعن کرنا جائز نہیں۔ (ملخص از قاموس الفقہ: لعنت)



پارہ: (۷)

وَ اِذَا سَمِعُوْا مَآ اُنْزِلَ اِلَى الرَّسُوْلِ تَرٰۤى اَعْيُنَهُمْ تَفِيْضُ مِنَ الدَّمْعِ مِمَّا عَرَفُوْا مِنَ الْحَقِّ ۚ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَاۤ اٰمَنَّا فَاكْتُبْنَا مَعَ الشّٰهِدِيْنَ ﴿۸۳﴾

پارہ کے شروع میں بعض عیسائی مذہبی رہنماؤں کا تذکرہ ہے کہ جب وہ قرآن کریم کو سنتے ہیں تو ان کی آنکھیں بھر جاتی ہیں، اور وہ حق کو پہچان کر ایمان قبول کر لیتے ہیں، اس پر انہیں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

رکوع (۱۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبٰتِ مَاۤ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ وَ لَا تَعْتَدُوْا ؕ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْمُعْتَدِيْنَ ﴿۸۷﴾

اس رکوع میں ایمان والوں کو ہدایت ہے کہ وہ اللہ کی قائم کردہ حدود کا خیال رکھیں، جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں انہیں حرام نہ سمجھیں، اور حلال رزق ہی کھائیں، اس کے بعد قسم اور کفارۂ قسم کے احکامات ہیں، پھر شراب، جوا، بت پرستی وغیرہ کو شیطانی عمل قرار دیا گیا ہے اور حقیقی کامیابی کے لیے اس سے بچنے کی تلقین کی گئی ہے، اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، البتہ اگر شراب کی حرمت کا حکم نازل ہونے سے پہلے کسی نے شراب پی تو وہ باعثِ ملامت نہیں ہے۔

● قسم سے متعلق احکامات صفحہ ۱۷۴ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۱۳)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَيَبْلُوَنَّكُمُ اللّٰهُ بِشَيْءٍ مِّنَ الصَّيْدِ تَنَالُهٗۤ اَيْدِيْكُمْ وَ رِمَاحُكُمْ لِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّخَافُهٗ بِالْغَيْبِ ۚ

اس رکوع میں حالتِ احرام میں ممنوع چیزوں کا ذکر ہے، مثلاً شکار کرنا۔ اور اگر کسی نے غلطی سے شکار کرلیا تو اُس کا حکم بھی ذکر کیا گیا ہے، پھر خانۂ کعبہ کی عظمت بیان کی گئی ہے، اخیر رکوع میں بتایا گیا ہے کہ حلال اور حرام کبھی برابر نہیں ہوسکتے، حلال اور پاکیزہ چیز اگرچہ تھوڑی میسر ہو وہ حرام کی کثرت سے کہیں زیادہ بہتر ہے۔

اہم مسائل

● احرام کی حالت میں زیب وزینت کی تمام چیزیں، عطر، خوشبودار تیل وغیرہ حرام ہوجاتی ہیں، اسی طرح سلا ہوا کپڑا، بیوی سے جنسی ربط مباشرت، بوس وکنار، جنسی مذاق، خشکی کی جاندار چیزوں کا شکار اور اس کی طرف اشارہ ورہنمائی وغیرہ سب ممنوع ہے۔

● عورتوں کے لئے سلا ہوا کپڑا پہننا اور سر ڈھانکنا جائز ہے، البتہ چہرہ کھولنا واجب ہے۔

رکوع (۱۴)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَسْأَلُوا عَنْ أَشْيَاءَ إِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ ۚ وَإِنْ تَسْأَلُوا عَنْهَا حِينَ يُنَزَّلُ الْقُرْآنُ تُبْدَ لَكُمْ ۗ عَفَا اللَّهُ عَنْهَا ۗ وَاللَّهُ غَفُورٌ حَلِيمٌ ﴿١٠١﴾

اس رکوع میں اہل ایمان کو غیر ضروری سوالات کرنے سے منع کیا گیا ہے، گزشتہ اقوام کی ہلاکت کا ایک اہم سبب اسی طرح کے غیر ضروری سوالات کو قرار دیا گیا ہے، پھر جانوروں سے متعلق چند مشرکانہ رسوم کا تذکرہ ہے جو زمانۂ جاہلیت میں کفارِ مکہ میں رائج تھیں، مشرکین کو جب دعوتِ حق دی جاتی تو وہ کہتے کہ ہمارے آباؤ اجداد کی روش ہمارے لیے کافی ہے۔ اسی کے جواب میں فرمایا گیا کہ اے ایمان والو! تم اپنی فکر کرو، جو گمراہ ہیں وہ تمہیں نقصان نہیں پہنچاسکتے۔ اخیر میں وصیت سے متعلق احکامات ہیں کہ وصیت کرنے والے کو وصیت پر گواہ ضرور مقرر کرنے چاہئیں اور گواہوں کو ہدایت ہے کہ وہ گواہی نہ چھپائیں۔

اہم مسائل

● **وصیت:** بطور احسان کے کسی سامان یا اس سے نفع اٹھانے کا مالک بنادینے کو ''وصیت'' کہتے ہیں۔

● حکم کے اعتبار سے وصیت کی چار قسمیں ہیں: واجب، مستحب، مباح، مکروہ، اگر متوفی کے پاس کسی کی امانت ہو، کسی کا دَین باقی ہو جو ورثاء کو معلوم نہ ہو، زکوٰۃ و کفارات اور نماز و روزے کا فدیہ باقی ہو، حج باوجود فرض ہونے کے نہ کر پایا ہو، تو ان کی وصیت واجب ہے، ایسے اقرباء کے لئے وصیت کرنا جو محتاج و ضرورت مند نہ ہوں مباح ہے، اور اہل فسق و معصیت کے لئے وصیت کرنا مکروہ ہے۔

● ایسی وصیت جس سے حقیقی ورثاء کو نقصان پہنچ جائے، شریعت میں ناپسندیدہ ہے۔

● معاصی اور گناہ کے کاموں کی وصیت کا کوئی اعتبار نہیں ہے، چنانچہ اگر کوئی شخص صیت کر جائے کہ اس کی قبر پر گنبد تعمیر کر دیا جائے تو اس وصیت کی تعمیل نہ کی جائے گی، اسی ح اگر وصیت کر جائے کہ اس کی موت کے بعد ایک قاری اس کی قبر کے پاس قرآن مجید ھتا رہے تو یہ وصیت بھی غیر معتبر ہے۔

● میت جس شخص کو مال سپرد کر کے اس کے متعلق کسی کو دینے دلانے کے لیے کہہ جاوے وہ وصی ہے، اور وصی ایک شخص بھی ہو سکتا ہے، اور زیادہ بھی۔

● وصی کا مسلمان اور عادل ہونا - خواہ حالت سفر ہو یا حضر - افضل ہے لازم نہیں۔

رکوع (۱۵)

يَوْمَ يَجْمَعُ اللّٰهُ الرُّسُلَ فَيَقُوْلُ مَاذَآ اُجِبْتُمْ ؕ قَالُوْا لَا عِلْمَ لَنَا ؕ اِنَّكَ اَنْتَ عَلَّامُ الْغُيُوْبِ ﴿۱۰۹﴾

اس رکوع میں اوّلاً قیامت کا ذکر ہے، اُس کے بعد حضرت عیسٰی علیہ السلام کے بارے میں درست عقیدہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ حضرت مریم کے بیٹے اور اللہ کے رسول تھے، خدا کی طرف سے ان کے ہاتھوں کئی معجزات ظاہر ہوئے، مثلاً گہوارے میں اُن کا بولنا، اندھوں اور کوڑھیوں کو صحت یاب کر دینا، مردے کو زندہ کر دینا وغیرہ۔ اس کے بعد عیسائیوں کی ایک فرمائش کا ذکر ہے کہ انہوں نے آسمان سے ایک مائدہ یعنی دستر خوان نازل کرنے کی درخواست کی، جس پر حضرت عیسٰی نے انہیں سمجھایا۔ وہ دستر خوان اترا یا نہیں، قرآن کریم اس حوالے سے خاموش ہے۔

رکوع (۱۶)

وَ اِذْ قَالَ اللّٰهُ يٰعِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِيْ وَ اُمِّيَ اِلٰهَيْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ

حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے متعلق مضمون اس رکوع میں بھی جاری ہے جس میں عیسائیوں کے باطل نظریے کی تردید کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ قیامت میں حضرت عیسیٰ سے سوال کریں گے کہ کیا آپ نے انہیں اپنے آپ کو اور اپنی والدہ کو معبود بنانے کا حکم دیا تھا؟ تو حضرت عیسیٰ اس نظریے سے براءت کا اظہار فرمائیں گے اور عرض کریں گے کہ میں نے تو ہمیشہ یہی دعوت دی کہ اللہ کی عبادت کرو جو میرا اور تمہارا رب ہے۔ اخیر سورت میں اللہ تعالیٰ نے سچے لوگوں یعنی اہل ایمان کو جنّت کی بشارت دی ہے۔



تعارف سورۂ اَنعام

یہ سورت چونکہ مکہ مکرمہ کے اس دور میں نازل ہوئی تھی جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی دعوتِ اسلام اپنے ابتدائی دور میں تھی، اس لیے اس میں اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو مختلف دلائل کے ذریعے ثابت کیا گیا ہے اوران عقائد پر جو اعتراضات کفار کی طرف سے اٹھائے جاتے تھے، ان کا جواب دیا گیا ہے۔ اس دور میں مسلمانوں پر کفارِ مکہ کی طرف سے طرح طرح کے ظلم توڑے جارہے تھے، اس لیے ان کو تسلی بھی دی گئی ہے۔ کفارِ مکہ اپنے مشرکانہ عقائد کے نتیجے میں جن بے ہودہ رسموں اور بے بنیاد خیالات میں مبتلا تھے، ان کی تردید فرمائی گئی ہے۔ عربی زبان میں ''اَنعام'' چوپایوں کو کہتے ہیں۔ عرب کے مشرکین مویشیوں کے بارے میں بہت سے غلط عقیدے رکھتے تھے، مثلاً ان کو بتوں کے نام پر وقف کر کے ان کا کھانا حرام سمجھتے تھے۔ چونکہ اس سورت میں ان بے بنیادی عقائد کی تردید کی گئی ہے۔ (دیکھیے آیات ۱۳۶ تا ۱۴۶) اس لیے اس کا نام سورۃ الانعام رکھا گیا ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ چند آیتوں کو چھوڑ کر یہ پوری سورت ایک ہی مرتبہ نازل ہوئی تھی، لیکن علامہ آلوسیؒ نے اپنی تفسیر روح المعانی میں ان روایتوں پر تنقید کی ہے۔ واللہ سبحانہ اعلم

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتھا ۱۶۵	سُوْرَۃُ الْاَنْعَامِ مَکِّیَّۃٌ	رکوعاتھا ۲۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمٰتِ وَالنُّوْرَ ۬ؕ ثُمَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِرَبِّهِمْ يَعْدِلُوْنَ ۝۱

سورت کا آغاز اللہ تعالیٰ کے انعامات مثلاً آسمان وزمین اور انسانوں کی تخلیق وغیرہ سے کیا گیا ہے، اس کے بعد کفار کی سرکشی کا تذکرہ ہے کہ وہ تو ہر معجزہ کا انکار کرتے ہیں اور اس کا مذاق اڑاتے ہیں، حالاں کہ انہیں گزشتہ اقوام کی ہلاکت اور نافرمانی کے برے انجام پر غور وفکر کرنا چاہیے، اخیر میں کفار کی جانب سے ہونے والے کچھ اعتراضات کے جوابات دیے گئے ہیں۔

رکوع (۲)

قُلْ سِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ ثُمَّ انْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُكَذِّبِيْنَ ۝۱۱

رکوع کی ابتدا میں سیر وسفر کی تلقین کی گئی ہے، تاکہ تباہ شدہ لوگوں یعنی قوم عاد، قوم ثمود اور قوم لوط وغیرہ کے کھنڈرات کو دیکھ کر کچھ عبرت حاصل کی جائے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہے کہ اگر اللہ کسی کو نقصان پہنچانا چاہے تو کوئی اُسے بچا نہیں سکتا اور اگر کوئی بھلائی پہنچانا چاہے تو کوئی اُسے روک نہیں سکتا، اسلام کو اختیار کرنے اور شرک سے بچنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اخیر رکوع میں یہودیوں کا ذکر ہے کہ جو اپنی آسمانی کتاب میں ذکر کردہ نشانیوں کی وجہ سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو بخوبی پہچانتے تھے لیکن عناد، ضد اور ہٹ دھرمی کے سبب ایمان نہ لائے اور ناکام ہوئے۔

رکوع (۳)

وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنِ افْتَرٰى عَلَى اللّٰهِ كَذِبًا اَوْ كَذَّبَ بِاٰيٰتِهٖ ؕ اِنَّهٗ لَا يُفْلِحُ الظّٰلِمُوْنَ ﴿۲۱﴾

اس رکوع میں قیامت کا منظر بیان کیا گیا ہے اور مشرکین سے سوال و جواب کی تفصیل کا ذکر ہے کہ قیامت میں جب اُن سے کہا جائے گا کہ تمہارے خودساختہ معبود کہاں ہیں؟ تو ان کے پاس کوئی جواب نہ ہوگا، کفار کی عداوت کا ذکر ہے کہ وہ محض ضد کی بنیاد پر قرآنی آیات کا انکار کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی راہِ حق پر آنے سے روکتے ہیں، حالاں کہ آخرت میں جہنم کو دیکھ کر واپس دنیا میں لوٹنے اور ایمانی زندگی کی تمنا کریں گے جس کا اُس وقت کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

رکوع (۴)

قَدْ خَسِرَ الَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ اللّٰهِ ؕ

اس رکوع میں اوّلاً کفار کے انجام بد اور آخرت میں اُن کی حسرت کا ذکر ہے، دنیا کو بے حیثیت اور آخرت کی زندگی کو بہترین قرار دے کر دعوتِ غور و فکر دی گئی ہے۔ دعوت و تبلیغ کی راہ میں پیش آنے والی آزمائشوں کا ذکر کیا گیا ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔ قرآن کریم کا انکار کرنے والوں کو تاریکیوں میں بھٹکنے والے بہرے اور گونگے افراد سے تشبیہ دی گئی ہے۔

رکوع (۵)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰٓى اُمَمٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَخَذْنٰهُمْ بِالْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ لَعَلَّهُمْ يَتَضَرَّعُوْنَ ﴿۴۲﴾

اس رکوع میں گزشتہ اقوام کی ہلاکت و بربادی کا ذکر کیا گیا ہے کہ وہ شیطانی بہکاوے میں آکر اللہ کی ہدایات کو فراموش کر بیٹھے، جس کے نتیجے میں اچانک ان کو عذابِ خداوندی نے گرفت میں لے لیا۔ اخیر رکوع میں منصبِ رسالت کو بیان کیا گیا ہے کہ رسول کے پاس نہ تو علم غیب ہوتا، نہ ہی وہ فرشتہ ہوتا کہ بشری تقاضوں سے محفوظ ہو، بلکہ وہ تو وحی

کے تابع اللہ کا ایک برگزیدہ بندہ ہوتا ہے۔

رکوع (۶)

وَ اَنْذِرْ بِهِ الَّذِيْنَ يَخَافُوْنَ اَنْ يُّحْشَرُوْٓا اِلٰى رَبِّهِمْ لَيْسَ لَهُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ وَلِيٌّ وَّلَا شَفِيْعٌ لَّعَلَّهُمْ يَتَّقُوْنَ ﴿۵۱﴾

اس رکوع کے آغاز میں قیامت کی ہولنا کیوں کا ذکر ہے کہ وہاں کوئی کسی کے کام نہ آسکے گا، کوئی سفارش بھی نہ چلے گی، اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہے کہ جو صحابہ کرام اللہ کی رضا کی خاطر آپ کے اردگرد رہتے ہیں انہیں آپ اپنے پاس سے نہ ہٹائیں، ان کے ساتھ حسن سلوک کریں، ان کی دل جوئی کریں۔ اگر کسی سے کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اُسے توبہ کی تلقین کی گئی ہے۔

اہم مسائل

● کسی کے پھٹے کپڑے یا ظاہری خستہ حالی دیکھ کر اس کو حقیر و ذلیل سمجھنے کا کسی کو حق نہیں۔ بسا اوقات ایسے لباس میں ایسے لوگ بھی ہوتے ہیں جو اللہ کے نزدیک نہایت معزز و مقبول ہوتے ہیں۔

● شرافت و رذالت کا معیار محض دنیا کی دولت و ثروت کو سمجھنا انسانیت کی توہین ہے، اس کا اصل مدار اخلاق و اعمال صالحہ پر ہے۔

● کسی قوم کے مصلح اور مبلغ کے لئے اگرچہ تبلیغ عام بھی ضروری ہے جس میں موافق مخالف، ماننے والے اور نہ ماننے والے سب مخاطب ہوں۔ لیکن ان لوگوں کا حق مقدم ہے جو اس کی تعلیمات کو اپنا کر اس پر چل رہے ہوں۔ دوسروں کی خاطر ان کو مؤخر کرنا یا نظر انداز کرنا جائز نہیں، مثلاً غیر مسلموں کی تبلیغ کے لئے ناواقف مسلمانوں کی تعلیم و اصلاح کو مؤخر نہیں کرنا چاہیے۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۷)

قُلْ اِنِّيْ نُهِيْتُ اَنْ اَعْبُدَ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ ؕ قُلْ لَّآ اَتَّبِعُ

اَهْوَآءَكُمْ ۙ قَدْ ضَلَلْتُ اِذًا وَّمَآ اَنَا مِنَ الْمُهْتَدِيْنَ ﴿۵۶﴾

اس رکوع میں ہدایت کی گئی ہے کہ عبادت اور اتباع فقط اللہ کی ہوسکتی ہے، خواہشات کی اتباع ہلاکت وگمراہی کا سبب ہے۔ پھر فرمایا ہے کہ غیب کا علم صرف اللہ کو ہے، وہی خشکی اور تری کو جانتا ہے، زمین پر گرنے والے ہر ہر پتے کی اُسے خبر ہے، اُسی کی جانب تم سب کو لوٹ کر جانا ہے اور اعمال کا حساب دینا ہے۔

رکوع (۸)

وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهٖ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً ؕ حَتّٰٓى اِذَا جَآءَ اَحَدَكُمُ الْمَوْتُ تَوَفَّتْهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُوْنَ ﴿۶۱﴾

اس رکوع میں اللہ کی قدرت کا تذکرہ ہے، نگرانی اور موت وغیرہ کے لیے فرشتے بھی اللہ کی جانب سے مقرر ہیں، ہر مصیبت سے نجات دینے والی ذات فقط اللہ کی ہے، اُس کے عذاب سے بھی ڈرایا گیا ہے جس کی ایک شکل باہمی اختلافات اور آپس کی لڑائیاں ہیں۔ یہ سب نشانیاں غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔ اگر کوئی اللہ کی آیات کی عیب جوئی میں مشغول ہے تو ایسے شخص سے اعراض کرنے کی تلقین ہے۔ اخیر میں کفار کے لیے کھولتے ہوئے پانی کے دردناک عذاب کا تذکرہ ہے۔

اہم مسائل

● جس کام کا خود کرنا گناہ ہے اس کے کرنے والوں کی مجلس میں شریک رہنا بھی گناہ ہے، اس سے اجتناب کرنا چاہیے۔

● پھر اہل باطل کی مجلس سے رخ پھیرنے کی مختلف صورتیں ہوسکتی ہیں، سب سے بہتر تو یہ ہے کہ اس مجلس سے اٹھ جائیں، اگر یہ ممکن نہ ہو تو وہاں رہتے ہوئے کسی دوسرے کام میں لگ جائیں، ان کی طرف توجہ نہ کریں۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۹)

قُلْ اَنَدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُنَا وَلَا يَضُرُّنَا وَنُرَدُّ عَلٰٓى اَعْقَابِنَا

بَعۡدَ اِذۡ هَدٰىنَا اللّٰهُ كَالَّذِى اسۡتَهۡوَتۡهُ الشَّيٰطِيۡنُ فِى الۡاَرۡضِ حَيۡرَانَ

اس رکوع میں سب سے پہلے توشرک کی برائی بیان کی گئی ہے کہ جو چیز نفع نقصان پر قادر نہیں اُسے کیسے معبود بنایا جاسکتا ہے، پھر بتایا گیا ہے کہ ہدایت صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس لیے اسی کی اطاعت کرو، نماز قائم کرو اور اُسی سے ڈرو۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ انہوں نے اپنے صنم تراش والد آزر کو توحید کی دعوت دی، حضرت ابراہیم بھی ابتداء میں اپنے رب کی تلاش میں مختلف مخلوقات یعنی ستارے، چانداور سورج وغیرہ میں غور وفکر کرتے رہے۔ لیکن اخیر میں اللہ کی جانب یکسو ہو گئے۔ جس کی بنیاد پر اپنی قوم کی جانب سے بھی مخالفت کا سامنا کرنا پڑا۔ اخیر میں ایمان والوں کو ہی ہدایت یافتہ قرار دیا گیا ہے۔

رکوع (۱۰)

وَتِلۡكَ حُجَّتُنَاۤ اٰتَيۡنٰهَاۤ اِبۡرٰهِيۡمَ عَلٰى قَوۡمِهٖ ؕ نَرۡفَعُ دَرَجٰتٍ مَّنۡ نَّشَآءُ ؕ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيۡمٌ عَلِيۡمٌ ﴿۸۳﴾

اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی رسالت کے بعد ۱۸/ انبیائے کرام کا مختصر ذکر ہے، حضرت داؤد، حضرت سلیمان، حضرت ایوب، حضرت یوسف، حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ علیہم السلام وغیرہ۔ مقصد یہ بتانا ہے کہ تمام انبیائے کرام کی دعوت وہی تھی جو قرآن کریم کا پیغام ہے، تو آخر کس بنیاد پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت کی جاتی ہے۔ ایک بار پھر شرک کی مذمت بھی کی گئی ہے۔ اخیر میں قرآن کریم کو پوری دنیا کے لیے نصیحت کا سامان قرار دیا گیا ہے۔

رکوع (۱۱)

وَمَا قَدَرُوا اللّٰهَ حَقَّ قَدۡرِهٖۤ اِذۡ قَالُوۡا مَاۤ اَنۡزَلَ اللّٰهُ عَلٰى بَشَرٍ مِّنۡ شَىۡءٍ ؕ

اس رکوع میں یہودیوں کے اس معاندانہ اعتراض کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے کبھی کسی انسان پر کوئی کتاب نہیں اتاری، اس کا بہت واضح جواب یہ دیا گیا ہے کہ اگر ایسا ہے تو

حضرت موسیٰ پر کتاب کس نے اتاری تھی؟ حقیقت یہ ہے کہ یہود توریت کی بہت سے احکامات کو چھپایا کرتے تھے، پھر قرآن کریم کو ایک بابرکت کتاب قرار دیا گیا ہے۔ نیز اللہ کے بارے جھوٹ بولنے اور جھوٹی نبوت کا دعویٰ کرنے کو سب سے بڑا ظالم بتایا گیا ہے۔ اخیر میں بیان کیا گیا ہے کہ کل قیامت میں یہ جھوٹے معبود ہرگز کام نہ آئیں گے۔

رکوع (۱۲)

إِنَّ اللَّهَ فَالِقُ الْحَبِّ وَالنَّوَىٰ ۖ يُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَمُخْرِجُ الْمَيِّتِ مِنَ الْحَيِّ ۚ ذَٰلِكُمُ اللَّهُ ۖ فَأَنَّىٰ تُؤْفَكُونَ ﴿٩٥﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور احسانات کا ذکر ہے، مثلاً رات کو ذریعۂ سکون وراحت بنایا، سورج، چاند، ستارے، پانی، غلہ، سبزی، پھل وغیرہ سب انسانوں کے فائدہ کے لیے بنائے۔ ان میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ ان سب کے باوجود کیوں لوگ شرک میں مبتلا ہیں!

رکوع (۱۳)

بَدِيعُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ ۖ أَنَّىٰ يَكُونُ لَهُ وَلَدٌ وَلَمْ تَكُن لَّهُ صَاحِبَةٌ ۖ وَخَلَقَ كُلَّ شَيْءٍ ۖ وَهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ ﴿١٠١﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی خالقیت کا ذکر ہے، اور یہ کہ اس کا کوئی بیٹا وغیرہ نہیں، یہ سب تو اس کی مخلوق ہیں، لہٰذا خالق کی عبادت کرو، مخلوق کی نہیں۔ اس کے بعد وحی الٰہی کی مکمل اتباع کا حکم ہے، اخیر میں یہ ہدایت ہے کہ مشرکین جن جھوٹے خداؤں کی عبادت کرتے ہیں انہیں برا بھلا نہ کہا جائے، کیوں کہ اس کے نتیجے میں وہ نادانی میں حقیقی خدا کو برا بھلا کہنے لگیں گے۔

اہم مسائل

● جو کام اپنی ذات کے اعتبار سے جائز بلکہ کسی درجہ میں محمود بھی ہو مگر اس کے کرنے سے کوئی فساد لازم آتا ہو، یا اس کے نتیجہ میں لوگ مبتلائے معصیت ہوتے ہوں وہ کام بھی

ممنوع ہو جاتا ہے، کیوں کہ معبودات باطلہ یعنی بتوں کو برا کہنا کم از کم جائز تو ضرور ہے، اور ایمانی غیرت کے تقاضہ سے کہا جائے تو شاید اپنی ذات میں ثواب اور محمود بھی ہو، مگر چوں کہ اس کے نتیجہ میں یہ اندیشہ ہو گیا کہ لوگ اللہ جل شانہ کو برا کہیں گے تو بتوں کو برا کہنے والے اس برائی کا سبب بن جائیں گے، اس لیے اس جائز کام کو بھی منع کر دیا گیا۔

● جو کام مقاصد اسلامیہ میں داخل ہیں خواہ فرائض و واجبات ہوں یا سنن مؤکدہ یا دوسری قسم کے شعائر اسلامی، اگر ان کے ادا کرنے سے کچھ کم فہم لوگ غلطی میں مبتلا ہونے لگیں تو ان کاموں کو ہرگز نہ چھوڑا جائے گا، بلکہ دوسرے طریقوں سے لوگوں کی غلط فہمی اور غلط کاری کو دور کرنے کی کوشش کی جائے گی۔ (ملخص از معارف)



پارہ: (۸)

رکوع (۱۴)

وَ لَوْ اَنَّنَا نَزَّلْنَاۤ اِلَیْهِمُ الْمَلٰٓىٕكَةَ وَ كَلَّمَهُمُ الْمَوْتٰى وَ حَشَرْنَا عَلَیْهِمْ كُلَّ شَیْءٍ قُبُلًا مَّا كَانُوْا لِیُؤْمِنُوْۤا اِلَّاۤ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ وَ لٰكِنَّ اَكْثَرَهُمْ یَجْهَلُوْنَ ﴿۱۱۱﴾

اس رکوع میں کفار کی ضد، ہٹ دھرمی اور عناد کو اس طرح بیان کیا گیا ہے کہ اگر ان کی آنکھوں کے سامنے فرشتے بھی آجائیں یا مردے قبر سے زندہ ہو جائیں، گویا غیبی چیزیں مشاہدے میں آجائیں تو بھی یہ ایمان لانے میں حیلے بہانے کریں گے۔ قرآن کریم کی حقانیت کو بتایا گیا ہے کہ اہل کتاب بھی یہ بات سمجھتے ہیں کہ یہ کتاب برحق ہے، لیکن عناد کی وجہ سے تسلیم نہیں کرتے، لہٰذا خواہشات کو چھوڑ کر صرف اور صرف قرآن کریم کی اتباع کرنی چاہیے، اس کے بعد کھانے پینے سے متعلق کچھ مسائل ذکر کیے گئے ہیں کہ جس جانور پر اللہ کا نام لیا گیا ہو اُس کا کھانا درست ہے، ورنہ نہیں۔

اہم مسائل

● ذبح کیے جانے والے جانور پر اللہ کا نام لینے کی مختلف صورتیں ہیں، مثلاً ذبح کرتے وقت بسم اللہ پڑھنا۔ یا تیر اور باز وغیرہ سے شکار کر رہے ہوں تو تیر پھینکتے وقت بسم اللہ پڑھی جائے۔

● اگر ایسے موقع پر بسم اللہ پڑھنا بھول جائے تو بھی اُس جانور کا کھانا جائز ہے۔

● اگر جان بوجھ کر بسم اللہ ترک کردے تو وہ جانور حلال نہ ہوگا۔

● ذبح سے متعلق کچھ مسائل ص ۱۶۵ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۱۵)

اَوَ مَنْ كَانَ مَیْتًا فَاَحْیَیْنٰهُ وَ جَعَلْنَا لَهٗ نُوْرًا یَّمْشِیْ بِهٖ فِی النَّاسِ كَمَنْ مَّثَلُهٗ

فِي الظُّلُمٰتِ لَيْسَ بِخَارِجٍ مِّنْهَا ۭ كَذٰلِكَ زُيِّنَ لِلْكٰفِرِيْنَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۱۲۲﴾

اس رکوع میں بتایا گیا ہے کہ کفار کو اپنے اعمال خوش نما معلوم ہوتے ہیں حالاں کہ وہ آخرت کے اعتبار سے تاریکی ہیں جن کا مومنین کے نور سے کوئی مقابلہ نہیں ہوسکتا، سازش کرنے والے سردارانِ کفار کے لیے سخت عذاب کی وعید بھی وارد ہے۔ پھر بتایا گیا ہے کہ ہدایت فقط اللہ کے ہاتھ میں ہے، اس لیے اللہ جسے ہدایت دینا چاہتا ہے اسے اسلام کی راہ دکھاتا ہے۔ پھر اللہ کے باغیوں کا ٹھکانہ جہنم قرار دیا گیا ہے خواہ وہ انسانوں میں سے ہوں یا جنات میں سے۔

رکوع (۱۶)

يٰمَعْشَرَ الْجِنِّ وَالْاِنْسِ اَلَمْ يَاْتِكُمْ رُسُلٌ مِّنْكُمْ
يَقُصُّوْنَ عَلَيْكُمْ اٰيٰتِيْ وَيُنْذِرُوْنَكُمْ لِقَاۗءَ يَوْمِكُمْ هٰذَا ۭ

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ نے انسانوں اور جنات دونوں کی جانب دینِ حق لے کر اپنے رسولوں کو بھیجا ہے، لیکن کفار دنیوی دھوکے میں مبتلا ہو کر ان کا انکار کر بیٹھے۔ رسولوں کا یہ سلسلہ اس لیے ہے کہ اللہ تعالیٰ بغیر اتمامِ حجت کے کسی کو عذاب میں مبتلا نہیں کرتا۔ اس کے بعد اللہ کے استغنا اور بے نیازی کو ذکر کیا گیا ہے، اور آخرت کی فلاح کے لیے عملِ صالح پر ابھارا گیا ہے۔ پھر جانوروں سے متعلق کفارِ مکہ کی بعض مشرکانہ رسموں کو رد کیا ہے۔

رکوع (۱۷)

وَهُوَ الَّذِيْٓ اَنْشَاَ جَنّٰتٍ مَّعْرُوْشٰتٍ وَّغَيْرَ مَعْرُوْشٰتٍ وَّالنَّخْلَ وَالزَّرْعَ
مُخْتَلِفًا اُكُلُهٗ وَالزَّيْتُوْنَ وَالرُّمَّانَ مُتَشَابِهًا وَّغَيْرَ مُتَشَابِهٍ ۭ

اس رکوع میں اوّلاً باغات اور کھیتیوں کی زکوٰۃ کا حکم ہے، پھر اللہ تعالیٰ کے متعدد انعامات گنوائے گئے ہیں: مثلاً چوپائے، جو سواری اور غذا دونوں کے کام آتے ہیں، پھر حلال جانوروں کا تذکرہ ہے، نیز بتوں کے نام پر چڑھاوے کو حرام قرار دیا ہے، زمانۂ جاہلیت میں یہ رسم رائج تھی اور اسے حکم خداوندی کہا جاتا تھا، اللہ تعالیٰ نے اسے بہتان اور ظلم قرار دیا ہے۔

اہم مسائل

● شریعت نے جن اموال میں زکوٰۃ واجب قرار دی ہے، ان میں ایک زمین کی پیداوار بھی ہے، حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ بارش اور چشمہ کے پانی سے (قدرتی ذرائع سے) سیراب ہونے والی کھیتی میں عشر (پیداوار کا دسواں حصہ) اور سیراب کی جانے والی کھیتی میں یعنی جس زمین کی سینچائی اور آبیاری مالکِ اراضی اپنی محنت سے کرے، بیسواں حصہ واجب ہے۔

● زکوٰۃ وعشر میں بنیادی فرق یہ ہے کہ زکوٰۃ خالص عبادت ہے اور عشر میں ایک پہلو زمینی ٹیکس کا بھی ہے، اس لیے زکوٰۃ ان ہی لوگوں پر واجب ہوتی ہے، جو عاقل و بالغ ہوں، عشر نابالغوں اور فاتر العقل لوگوں کی زمین کی پیداوار میں بھی واجب ہے اور مالک زمین فوت ہو جائے پھر بھی عشر واجب رہتا ہے۔

● امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک عشر کل پیداوار اور ہر طرح کی پیداوار پر واجب ہوتا ہے، خواہ اس کی مقدار کم ہو یا زیادہ، یعنی عشر کے وجوب کے لئے کوئی نصاب مقرر نہیں ہے۔

● اگر کسی زمین میں سال میں کئی فصلیں ہوتی ہوں تو ہر فصل سے عشر لیا جائے گا۔

● ہندوستان میں مسلمانوں کی زمین پر عشر واجب ہے۔

(ملخص از قاموس الفقہ: عشر)

رکوع (۱۸)

قُلْ لَّآ اَجِدُ فِيْ مَآ اُوْحِيَ اِلَيَّ مُحَرَّمًا عَلٰى طَاعِمٍ يَّطْعَمُهٗٓ اِلَّآ اَنْ يَّكُوْنَ مَيْتَةً اَوْ دَمًا مَّسْفُوْحًا اَوْ لَحْمَ خِنْزِيْرٍ فَاِنَّهٗ رِجْسٌ اَوْ فِسْقًا اُهِلَّ لِغَيْرِ اللّٰهِ بِهٖ ۚ

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے کھانے کی کچھ حرام چیزوں کا ذکر کیا ہے، مثلاً مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور وہ جانور جو غیر اللہ کے نام پر ذبح کیا جائے۔ اس کے بعد یہودیوں کی ایک سزا کا ذکر ہے جس کی پاداش میں ان پر کچھ حلال چیزیں حرام کر دی گئی تھیں۔ اخیر میں قرآن کے منکرین اور کفار کی اتباع سے منع کیا گیا ہے۔

رکوع (۱۹)

قُلْ تَعَالَوْا اَتْلُ مَا حَرَّمَ رَبُّكُمْ عَلَيْكُمْ اَلَّا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْـًٔا وَّ بِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ۚ وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ مِّنْ اِمْلَاقٍ

اس رکوع میں دس باتوں کو سخت گناہ قرار دیا گیا ہے: (۱) شرک (۲) والدین کی نافرمانی (۳) افلاس کے خوف سے اولاد کا قتل (۴) زنا (۵) ناحق قتل (۶) یتیم کا مال کھانا (۷) ناپ تول میں کمی بیشی (۸) عدل و انصاف نہ کرنا (۹) عہد شکنی (۱۰) اسلام کے بتائے ہوئے راستے کو چھوڑ کر فرقہ بندی کے راستے پر چلنا، پھر بتایا گیا ہے کہ توریت میں بھی اسی طرح کے احکامات تھے۔

اہم مسائل

شرک کی دو قسمیں ہیں:

شرک جلی: غیر اللہ کو عبادت اور اطاعت میں یا اس کی مخصوص صفات میں اللہ تعالیٰ کے برابر یا اس کا ساجھی قرار دینا۔

شرک خفی: اپنے کاروبار اور دینی دنیوی مقاصد میں اور نفع نقصان میں اگرچہ عقیدہ تو یہی ہو کہ کارساز اللہ تعالیٰ ہے، مگر عملاً دوسروں کو کارساز سمجھے اور ساری کوشش دوسروں ہی سے وابستہ رکھے، یا عبادات میں ریا کاری کرے کہ دوسروں کو دکھانے کے لیے نماز وغیرہ کو درست کر کے پڑھے، یا صدقہ خیرات نام آوری کے خیال سے کرے، یا عملاً نفع نقصان کا مالک کسی غیر اللہ کو قرار دے۔

رکوع (۲۰)

وَ هٰذَا كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ مُبٰرَكٌ فَاتَّبِعُوْهُ وَ اتَّقُوْا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُوْنَ ﴿۱۵۵﴾

اس رکوع میں بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے اب کسی کے پاس غفلت اور کفر و شرک کا کوئی بہانہ باقی نہ رہا، اس کے بعد دین اسلام جو حضرت آدم وابراہیم سے چلا آیا ہے اُس میں تحریف کر کے الگ الگ فرقہ بنانے والے یہود و نصاریٰ کو

تنبیہ کی گئی ہے۔ پھر بیان کیا گیا ہے کہ ایک نیکی کا اجر دس گنا ملتا ہے، اخیر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا وہ جملہ نقل کیا گیا ہے جس میں انہوں نے فرمایا کہ میری نماز، میری قربانی، میرا جینا اور مرنا سب اللہ ربّ العالمین کے لیے ہے۔



تعارف سورۂ اعراف

یہ سورت بھی مکی ہے۔اس کا بنیادی موضوع آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت اور آخرت کو ثابت کرنا ہے۔اس کے ساتھ توحید کے دلائل بھی بیان ہوئے ہیں۔اور متعدد انبیائے کرام (علیہم السلام) کے واقعات بھی تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔خاص طور پر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے کوہِ طور پر تشریف لے جانے کا واقعہ سب سے زیادہ مفصل طریقے پر اسی سورت میں آیا ہے۔اعراف کے لفظی معنی بلندیوں کے ہیں اور اصطلاح میں یہ اس جگہ کا نام ہے جو جنت اور دوزخ کے درمیان واقع ہے،اور جن لوگوں کے اچھے اور برے اعمال برابر ہوں گے ان کو کچھ عرصے کے لیے یہاں رکھا جائے گا، پھر ان کے ایمان کی وجہ سے آخر کار وہ بھی جنت میں داخل ہو جائیں گے۔ چونکہ اسی سورت میں اعراف اور اس میں رکھے جانے والوں کا بیان تفصیل سے آیا ہے،اس لیے اس کا نام سورۂ اعراف رکھا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتھا ۲۰۶ | سُوْرَۃُ الْاَعْرَافِ مَکِّیَّۃٌ | رکوعاتھا ۲۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓصٓ ۚ﴿۱﴾ كِتٰبٌ اُنْزِلَ اِلَيْكَ فَلَا يَكُنْ فِيْ صَدْرِكَ حَرَجٌ مِّنْهُ لِتُنْذِرَ بِهٖ وَذِكْرٰى لِلْمُؤْمِنِيْنَ ﴿۲﴾

سورت کے آغاز میں قرآن کریم کا مقصد ذکر کیا گیا ہے کہ اس کے ذریعہ لوگوں کو عذابِ آخرت سے ڈرایا جائے اور مومنین کو نصیحت کی جائے کہ وہ قرآن کریم ہی کی اتباع کریں۔ پھر گزشتہ اقوام کا ذکر کیا گیا ہے جن کی نافرمانیوں کی وجہ سے انہیں راتوں رات عذاب میں مبتلا کر دیا گیا تھا۔ اخیر میں قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ اُس دن تمام اعمال تولے جائیں گے، جس کی نیکی زائد ہوگی وہی کامیاب ہوگا۔

رکوع (۲)

وَلَقَدْ خَلَقْنٰكُمْ ثُمَّ صَوَّرْنٰكُمْ ثُمَّ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ ۖ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ لَمْ يَكُنْ مِّنَ السّٰجِدِيْنَ ﴿۱۱﴾

اس رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام اور ابلیس کا واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ ابلیس کے فریب میں آ کر حضرت آدم سے چوک ہوئی اور جس درخت کا پھل کھانے سے انہیں روکا گیا تھا وہ انہوں نے کھالیا، نتیجہ کے طور پر انہیں اور ان کی اہلیہ حضرت حوا کو جنت سے زمین پر بھیج دیا گیا۔ ان دونوں کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے اللہ سے توبہ کی جس پر انہیں معافی ملی۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ انسان سے اگر کبھی کوئی غلطی ہو جائے تو اُس پر اصرار کرنا شیطانی عمل ہے، اور اس سے توبہ کرنا حضرت آدم کا سکھایا ہوا نبوی طریقہ ہے۔

رکوع (۳)

يٰبَنِيْٓ اٰدَمَ قَدْ اَنْزَلْنَا عَلَيْكُمْ لِبَاسًا يُّوَارِيْ سَوْاٰتِكُمْ وَرِيْشًا ۭ وَلِبَاسُ التَّقْوٰى ۙ ذٰلِكَ خَيْرٌ ۭ ذٰلِكَ مِنْ اٰيٰتِ اللّٰهِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿٢٦﴾

اس رکوع میں اوّلاً لباس کا مقصد بیان کیا گیا ہے اور وہ ہے ستر پوشی، گویا اگر لباس جسم چھپانے والا نہیں ہے تو اُس کا مقصد ہی حاصل نہیں ہوتا، اس کے بعد باطنی اور اخلاقی لباس یعنی تقویٰ کو ذکر کیا گیا ہے۔ کفار اپنے بعض گناہوں پر آباؤ اجداد کی تقلید اور اللہ کے حکم کا حوالہ دیتے تھے، اللہ تعالیٰ نے اُس کی تردید کی کہ اللہ کبھی بے حیائی کا حکم نہیں دیتا، بلکہ یہ لوگ تو اللہ پر بہتان لگا رہے ہیں۔ اخیر رکوع میں کھانے پینے میں اعتدال برتنے کے لیے کہا گیا ہے۔

اہم مسائل

● لباس پانچ طرح کے ہو سکتے ہیں، فرض، مستحب، مباح، مکروہ، اور حرام۔

فرض: ایسا لباس ہے جس سے مرد وعورت کا حصہ ستر چھپ جائے، کیونکہ بے ستری حرام ہے، انسان کے لئے حسب گنجائش موسم کی رعایت سے کپڑے پہننا بھی واجب ہے۔

مستحب: مستحب لباس یہ ہے کہ آدمی کا لباس رسول اللہﷺ کے لباس کی طرح یا اس سے قریب تر ہو، یا اپنے زمانہ کے صالحین کا سا لباس ہو۔

مباح وجائز: ایسا لباس جس میں جمال وخوب صورتی کا لحاظ ہو اور شریعت کی حدود میں ہو۔

مکروہ: لباس میں کراہت کبھی پہننے والے کی نیت سے پیدا ہوتی ہے اور کبھی کپڑے کی وضع اور بناوٹ کی وجہ سے، ایسا کپڑا جس کا منشا تکبر اور دوسرے کی تحقیر ہو مکروہ ہے۔

● لباسِ شہرت بھی مکروہ ہے، اس سے ایسا کپڑا مراد ہے جس سے لوگوں میں اس کا چرچا ہونے لگے، خواہ اس مقصد کے لئے قیمتی کپڑا پہنا جائے، یا نہایت معمولی۔

● اسی طرح لباس کے لئے کوئی رنگ متعین کر لینا جیسا کہ ہندوستان میں بعض سلاسل تصوف زرد یا سبز کپڑے ہی پہنتے ہیں، یا کپڑے کی کسی خاص وضع کو بھی ضروری سمجھنا جیسے

بعض حلقۂ تصوف میں احرام کے لباس کی طرح تہبند اور چادر کو ضروری سمجھا جاتا ہے، یہ سب لباسِ شہرت میں داخل ہے، آپ ا کے یہاں اس طرح کی کوئی تحدید نہیں تھی۔

تاہم ظاہر ہے کہ اس کا مدار نیتوں پر ہے، اگر معمولی لباس پہنے اور نیت تواضع وانکسار کی ہے، تو یہی باعثِ ثواب ہے، عمدہ لباس پہنے اور تکبر مقصود نہیں، بلکہ نعمتِ خداوندی کا اظہار پیش نظر ہے، تو پھر اس کا شمار لباسِ شہرت میں نہیں ہے۔

● لباس کی کراہت کی دوسری وجہ تشبہ ہے، تشبہ کی دو صورتیں ہیں، مرد عورت یا عورت مرد کا سا لباس پہنے، یا مسلمان غیر مسلموں کا لباس اختیار کریں، اس بارے میں احادیث موجود ہیں۔ جس کی شدتِ وعید کی وجہ سے علماء نے لکھا ہے کہ مردوں کا عورتوں سے اور عورتوں کا مردوں سے مشابہت اختیار کرنا حرام ہے۔

● موجودہ زمانہ میں عورتوں کے لئے پتلون، کوٹ، شرٹ، پینٹ، وغیرہ کا استعمال جائز نہیں، اسی طرح مردوں کا زنانہ لباس استعمال کرنا یا سونے کی زنجیر پہننا، عورتوں کی طرح بال رکھنا، ہونٹوں پر سرخی لگانا وغیرہ، عورتوں سے تشبہ ہے اور ایسا کرنا حرام ہے۔

● مسلمانوں کو ایسا لباس اختیار کرنا کہ غیر مسلموں سے مماثلت پیدا ہو جائے، مکروہ ہے۔

● تشبہ کے مختلف درجات ہیں، غیر مسلموں کے مذہبی شعائر میں تشبہ تو سخت گناہ ہوگا۔

● البتہ جو لباس مذہبی افکار و تصورات سے متعلق نہ ہو، اگر اس لباس کا اتنا عموم ہو جائے کہ کسی شخص کو اس لباس میں دیکھ کر یہ خیال نہ ہوتا ہو کہ یہ شخص فلاں قوم سے تعلق رکھتا ہے، تو پھر اس میں تشبیہ خفیف ہو جاتی ہے، جیسا کہ آج کل پینٹ شرٹ وغیرہ

● کراہت کبھی رنگ کی وجہ سے بھی پیدا ہوتی ہے، زعفرانی رنگ کے کپڑوں کے استعمال سے مردوں کو منع کیا گیا ہے۔

● سفید کپڑوں کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے خاص طور پر پسند فرمایا ہے۔

● کرتا پائجامہ وغیرہ مردوں کا ٹخنے سے نیچے رکھنا جائز نہیں۔

● اگر کسی عذر کی بناء پر پائجامہ نیچے لٹک جائے جیسے پیٹ اتنا نکل جائے کہ پائجامہ اُس پر نہ رُکتا ہو، یا نیچے لٹکایا جائے مثلاً ٹخنوں میں زخم ہو جس پر مکھی لگ رہی ہو، اور اس

سے بچنے کے لئے کپڑا لٹکانا پڑے تو اس میں کوئی حرج نہیں۔

● خواتین کو اپنے کپڑے کا دامن پاؤں سے بھی ایک بالشت اور زیادہ سے زیادہ ایک ہاتھ زیادہ رکھنا چاہیے۔

● کپڑے کا اصل مقصد ستر پوشی ہے اس لئے جو کپڑا اس مقصد کو پورا نہیں کرتا ہو اس کپڑے کا پہننا جائز نہیں ہوگا۔

● ایسا باریک یا چست لباس اختیار کرنا جس سے جسم کی رنگت اور اعضاء کی ساخت نمایاں ہو جائے جائز نہیں۔

● جن کپڑوں کے استعمال کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مردوں کے لئے حرام قرار دیا ہے، ان میں ایک ریشم بھی ہے۔ (ملخص از قاموس الفقہ: لباس)

● نماز میں افضل واولیٰ یہ ہے کہ صرف ستر پوشی پر کفایت نہ کی جائے بلکہ اپنی وسعت کے مطابق لباسِ زینت (عمدہ لباس) اختیار کیا جائے۔

● اس رکوع میں وارد ایک آیت کے (كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا) سے فقہاء نے آٹھ مسائل بیان کیے ہیں:

۱- کھانا پینا بقدر ضرورت فرض ہے۔ ۲- جب تک کسی چیز کی حرمت کسی دلیل شرعی سے ثابت نہ ہو جائے ہر چیز حلال ہے۔ ۳- جن چیزوں کو اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ممنوع کر دیا اس کا استعمال اسراف اور ناجائز ہے۔ ۴- جو چیزیں اللہ نے حلال کی ہیں ان کو حرام سمجھنا بھی اِسراف اور سخت گناہ ہے۔ ۵- پیٹ بھر جانے کے بعد اور کھانا ناجائز ہے (کہ اس سے مختلف بیماریوں کا قوی گمان ہے)۔ ۶- اتنا کم کھانا جس سے کمزور ہو کر ادائے واجبات کی قدرت نہ رہی، درست نہیں ہے۔ ۷- ہر وقت کھانے پینے کی فکر میں رہنا بھی اسراف ہے۔ ۸- یہ بھی اسراف ہے کہ جب کبھی کسی چیز کو جی چاہے تو ضروری ہی اس کو حاصل کرے۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۴)

قُلْ مَنْ حَرَّمَ زِيْنَةَ اللّٰهِ الَّتِيْٓ اَخْرَجَ لِعِبَادِهٖ وَالطَّيِّبٰتِ مِنَ الرِّزْقِ

رکوع کے آغاز میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ لباس اور پاکیزہ رزق اللہ نے بندوں کے استعمال کے لیے ہی بنائے ہیں، البتہ ظاہری اور باطنی گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے اُس نے روکا ہے، اس کے بعد تقویٰ اور عمل صالح کو آخرت کی فلاح کا باعث قرار دیا گیا ہے، جب کہ کتاب اللہ کی تکذیب اور تکبر کو جہنم میں جانے کا سبب بتایا ہے۔ آخرت کی منظر کشی بھی ہے کہ قیامت میں یہ مجرمین ایک دوسرے پر الزام تراشی کریں گے اور کوئی کسی کے کام نہ آئے گا۔

رکوع (۵)

إِنَّ الَّذِينَ كَذَّبُوا بِآيَاتِنَا وَاسْتَكْبَرُوا عَنْهَا لَا تُفَتَّحُ لَهُمْ أَبْوَابُ السَّمَاءِ وَلَا يَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ حَتَّىٰ يَلِجَ الْجَمَلُ فِي سَمِّ الْخِيَاطِ

اس رکوع میں اوّلاً بتایا گیا ہے کہ جس طرح اونٹ کا سوئی کے ناکے میں داخل ہونا ناممکن ہے اسی طرح اللہ کی آیات کو جھٹلا کر جنت میں جانا محال ہے۔ مومنین کا تذکرہ اس طور پر ہے کہ جنت میں داخل ہونے کے بعد سب اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے۔ اس کے بعد جنت اور جہنم کے لوگوں کے درمیان ابتدائی مرحلے کی گفتگو کا ذکر ہے۔ اسی طرح اصحابِ اعراف یعنی جو لوگ جنّت اور جہنم کے درمیان ہوں گے اُن کا بھی کچھ ذکر ہے۔

رکوع (۶)

وَنَادَىٰ أَصْحَابُ الْأَعْرَافِ رِجَالًا يَعْرِفُونَهُمْ بِسِيمَاهُمْ قَالُوا مَا أَغْنَىٰ عَنْكُمْ جَمْعُكُمْ وَمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُونَ ﴿۴۸﴾

جنت، جہنم اور اعراف والوں کی گفتگو کا سلسلہ اس رکوع میں بھی جاری ہے، جنّت کے آرام وسکون اور جہنم کی ہولناکی اور دردناک مناظر بھی بیان کیے گئے ہیں۔ کفار کی گمراہی کا سبب یہ بتایا گیا ہے کہ دنیوی زندگی اور وہاں کی راحت نے ان کو دھوکے میں مبتلا کر دیا تھا۔ چناں چہ وہ آخرت میں پچھتائیں گے، سفارشی تلاش کریں گے، دوبارہ دنیا میں جا کر نیک عمل کرنے کی تمنا کریں گے لیکن یہ ساری چیزیں کچھ کام نہ آئیں گی۔

رکوع(۷)

اِنَّ رَبَّكُمُ اللّٰهُ الَّذِىْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ فِىْ سِتَّةِ اَيَّامٍ ثُمَّ اسْتَوٰى عَلَى الْعَرْشِ

رکوع کے آغاز میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آسمان وزمین اور اُس کے درمیان کی جملہ چیزوں کی تخلیق چھ دنوں میں کی ہے، اُسی کی حقیقی بادشاہت اور حکومت ہے۔لہٰذا انسانوں کو چاہیے کہ وہ اپنے رب کو یاد کرتے رہیں، اُس کے سامنے تضرع اور انکساری کا مظاہرہ کریں۔زمین میں فساد مچانے کی کوشش نہ کریں۔پھر مزید کچھ نعمتوں مثلاً ہوا، بارش، پھل وغیرہ کا ذکر ہے۔

اہم مسائل

● انسان کا اپنے خالق ومالک سے مانگنے کا نام دعا ہے۔

● **دعاء کے آداب:** دعاء کرتے ہوئے خوب رغبت کا اظہار کرنا چاہئے، یوں نہ کہے کہ الٰہی! تو چاہے تو معاف کردے، تو چاہے تو روزی دے دے، یا چاہے تو رحم فرما۔دعاء کے وقت پوری طرح اللہ کی طرف متوجہ رہے، قلب میں غفلت اور بے اعتنائی کی کیفیت نہ ہو۔دعاء کے وقت ہاتھ اُٹھائے جائیں اور ہتھیلیوں کا رُخ چہرہ کی طرف رکھا جائے۔ہاتھ سینہ کے مقابل رکھے جائیں۔دعاء میں عاجزی کی کیفیت ہو اور آواز پست ہو۔جہر کے مقابلہ دعاء میں پست آواز بہتر ہے، تاہم جہر کے ساتھ دعاء کرنے میں بھی قباحت نہیں، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو دعائیں صحابہ نے نقل کی ہیں، ظاہر ہے ان کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے زور ہی سے کہا ہوگا، جب ہی صحابہ نے بھی ان کو سنا ہوگا۔

● دعاء کی یہ ہیئت کہ امام زور زور سے دعائیں پڑھتا جائے اور مقتدی اس پر ’’آمین‘‘ کہتے جائیں، خاص خاص مواقع کے علاوہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت نہیں۔

● موجودہ زمانے میں نمازوں کے بعد دعاؤں کا اہتمام والتزام اس درجہ ہے کہ بجائے خود یہ دعائیں نماز کا جزو بن گئی ہیں اور اگر کوئی امام کبھی دعاء نہ کرے تو اس کی خیر نہیں اور یہ اُصول اہل علم کے نزدیک مسلّمہ ہے کہ جو چیز واجب نہ ہو اس کو واجبات کا درجہ

دے دینا اور اس کا اس درجہ اہتمام کرنا جو ثابت نہ ہو، اس کے بدعت ہونے کے لئے کافی ہے، پس، ضرورت ہے کہ علماء وائمہ مساجد اس پر توجہ دیں اور اس عمل کو اتنی تقویت نہ دیں کہ ان کا یہ فعل ''بدعت'' کے زمرہ میں داخل ہو جائے۔ (ملخص از قاموس الفقہ: دعاء)

رکوع(۸)

لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَقَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنِّيْۤ اَخَافُ عَلَيْكُمْ عَذَابَ يَوْمٍ عَظِيْمٍ ﴿۵۹﴾

یہاں سے مختلف انبیاء کا تذکرہ شروع ہوتا ہے، چناں چہ ابتدا حضرت نوح علیہ السلام سے کی گئی ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی، انہیں عذاب سے ڈرایا، لیکن قوم کی سرکشی بڑھتی گئی اور نوح علیہ السلام کی تکذیب جاری رہی، چناں چہ ایک زبردست طوفان کی شکل میں عذابِ الٰہی نے انہیں آگھیرا اور مومنین کے علاوہ سب نیست و نابود ہو گئے۔

قومِ نوح کا مختصر تعارف

اسرائیلی روایات کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش اور حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے درمیان ایک ہزار سال سے کچھ زیادہ کا فاصلہ ہے لیکن محقق علماء نے ان روایات کو مستند نہیں سمجھا۔ حقیقی فاصلے کا یقینی علم حاصل کرنے کا کوئی راستہ نہیں ہے۔ البتہ اتنی بات قرآن کریم سے واضح ہوتی ہے کہ اس طویل عرصے کے دوران بت پرستی کا رواج بہت بڑھ گیا تھا۔ حضرت نوح علیہ السلام کی قوم نے بھی بہت سے بت بنا رکھے تھے، اہم پانچ بتوں کے نام ''وُدّ، سُواع، یغوث، یعوق اور نسر'' سورۂ نوح میں مذکور ہیں۔ سورۂ عنکبوت (۲۹:۱۴) میں ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے ساڑھے نو سو سال تک اس قوم کو حق کی تبلیغ فرمائی اور سمجھانے کا کوئی طریقہ نہیں چھوڑا۔ کچھ نیک بخت ساتھی جو زیادہ تر غریب طبقے سے تعلق رکھتے تھے، ان پر ایمان لائے، لیکن قوم کی اکثریت نے کفر ہی کا راستہ اختیار کیے رکھا۔ حضرت نوح علیہ السلام ان کو اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈراتے

رہے، لیکن جب وہ نہ مانے، تو انھوں نے بددعا دی۔ اور پھر انھیں ایک شدید طوفان میں غرق کردیا گیا۔ حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے اور ان کی قوم پر آنے والے طوفان کا تفصیلی ذکر سورۂ ہود (۱۱: ۲۵-۴۹) اور سورۂ نوح میں ہے۔ اس کے علاوہ سورۂ مومنون (۲۳: ۲۳) سورۂ شعراء (۲۶: ۱۰۵) اور سورۂ قمر (۵۴: ۹) میں ان کا واقعہ اختصار سے بیان ہوا ہے، دوسرے مقامات پر ان کا صرف حوالہ دیا گیا ہے۔ (ملخص از توضیح القرآن)

رکوع (۹)

وَاِلٰى عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ
مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۶۵﴾

حضرت نوح کے بعد حضرت ہود کا ذکر ہے جنہیں قوم عاد کی طرف بھیجا گیا تھا، ان کا معاملہ بھی حضرت نوح کی طرح ہی رہا کہ دعوتِ توحید کے جواب میں قوم کی جانب سے سرکشی، عدوان اور نافرمانی کے علاوہ کچھ نہ مل سکا۔ چناں چہ یہ بھی عذابِ خداوندی کے شکار ہوئے۔

قومِ عاد کا مختصر تعارف

قوم عاد عربوں کی ابتدائی نسل کی ایک قوم تھی جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے کم از کم دو ہزار سال پہلے یمن کے علاقے ''حضر موت'' کے آس پاس آباد تھی، یہ لوگ اپنی جسمانی طاقت اور پتھروں کو تراشنے کے ہنر میں مشہور تھے، رفتہ رفتہ انھوں نے بت بنا کر ان کی پوجا شروع کردی اور اپنی طاقت کے گھمنڈ میں مبتلا ہوگئے، حضرت ہود علیہ السلام ان کے پاس پیغمبر بنا کر بھیجے گئے اور انھوں نے اپنی قوم کو بڑی دردمندی سے سمجھانے کی کوشش کی اور انھیں توحید کی تعلیم دے کر اللہ تعالیٰ کا شکر گزار بننے کی تعلیم دی مگر کچھ نیک طبع لوگوں کے سوا باقی لوگوں نے ان کا کہنا نہیں مانا، پہلے ان کو قحط میں مبتلا کیا گیا اور حضرت ہود علیہ السلام نے انھیں یاد دلایا کہ یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک تنبیہ ہے، اگر اب بھی تم اپنی بداعمالیوں سے باز آجاؤ تو اللہ تعالیٰ تم پر رحمت کی بارشیں برسا دے گا؛ لیکن اس قوم پر کچھ بھی اثر نہیں ہوا، اور وہ اپنے کفر و شرک میں بڑھتی چلی گئی، آخر کار ان پر ایک تیز و تند آندھی کا عذاب بھیجا

گیا جو آٹھ دن تک مسلسل جاری رہا، یہاں تک کہ یہ ساری قوم ہلاک ہوگئی۔ اس قوم کا واقعہ موجودہ سورت کے علاوہ سورۂ ہود (۱۱: ۵۰-۸۹) سورۂ مومنون (۲۳: ۳۲) سورۂ شعراء (۲۶: ۱۲۴) سورۂ حم السجدہ (۴۱: ۱۵) سورۂ احقاف (۴۶: ۲۱) سورۂ قمر (۵۴: ۱۸) سورۃ الحاقہ (۶۹: ۶) اور سورۂ فجر (۸۹: ۶) میں آیا ہے۔ (ملخص از توضیح القرآن)

رکوع (۱۰)

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ قَدْ جَآءَتْكُمْ بَيِّنَةٌ مِّنْ رَّبِّكُمْ ؕ

حضرت نوح اور حضرت ہود کے بعد حضرت صالح کا ذکر ہے، جنہیں قوم ثمود کی جانب بھیجا گیا تھا، قوم کے مطالبہ کے مطابق پہاڑ سے اونٹنی نکالنے کا معجزہ ظاہر کرنے کے باوجود اُن کی سرکشی جاری رہی۔ جس قوم کو اپنی طاقت، اپنے بلند و بالا مکانات پر ناز تھا بالآخر سخت زلزلے کے عذاب میں ملیا میٹ ہوگئی۔ اسی رکوع میں حضرت لوط علیہ السلام کا بھی ذکر ہے جن کی قوم نہایت بے حیا، بدکار اور ہم جنس پرست (Homosexual) تھی، بارہا سمجھانے کے باوجود اپنے گناہوں سے باز نہ آتی تھی، بالآخر اللہ تعالیٰ نے مومنین کو پہلے بستی سے نکال کر ان پر پتھروں کی بارش کی اور سب کے سب تہہ و بالا ہوگئے۔

قومِ ثمود کا مختصر تعارف

قومِ ثمود بھی قوم عاد ہی کی نسل سے پیدا ہوئی تھی اور ظاہر یہ ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام اور ان کے مومن ساتھی جو عذاب سے بچ گئے تھے یہ ان کی اولاد تھی اور ثمود ان کے دادا کا نام تھا، اسی لیے ان کو عادِ ثانیہ بھی کہا جاتا ہے، یہ قوم عرب اور شام کے درمیان اس علاقے میں آباد تھی جس کو اس وقت حجر کہا جاتا تھا اور آج کل اسے مدائن صالح کہتے ہیں، اور آج بھی ان کے گھروں اور محلات کے کھنڈر موجود ہیں اور پہاڑوں سے تراشی ہوئی عمارتوں کے آثار-جن کا ذکر آیت ۷۴ میں ہے- آج بھی وہاں دیکھے جاسکتے ہیں، عرب مشرکین جب تجارتی سفر پر شام جاتے تو یہ کھنڈر ایک نشانِ عبرت کے طور پر ان کے راستے

میں پڑتے تھے اور قرآن کریم نے کئی مقامات پر انھیں اس کی طرف توجہ دلائی ہے، اس قوم میں بھی رفتہ رفتہ بت پرستی کی بیماری پیدا ہوگئی تھی، اور اس کے نتیجے میں بہت سی عملی خرابیاں پھیل گئی تھیں، حضرت صالح علیہ السلام اسی قوم کے ایک فرد تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے ان کو راہ راست دکھانے کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا، لیکن یہاں بھی وہی صورت پیش آئی کہ قوم کی اکثریت نے ان کی بات نہیں مانی، حضرت صالح علیہ السلام نے جوانی سے بڑھاپے تک مسلسل ان کو تبلیغ جاری رکھی، آخر کار ان لوگوں نے یہ مطالبہ کیا کہ اگر آپ ہمارے سامنے کے پہاڑ سے کوئی اونٹنی نکال کر دکھادیں گے تو ہم ایمان لے آئیں گے، حضرت صالح علیہ السلام نے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے پہاڑ سے اونٹنی بھی نکال کر دکھادی، اس پر کچھ لوگ تو ایمان لے آئے، مگر بڑے بڑے سردار اپنے عہد سے پھر گئے اور نہ صرف یہ کہ اپنی ضد پر اڑے رہے؛ بلکہ جو دوسرے لوگ ایمان لانے کا ارادہ کر رہے تھے انھیں بھی روک دیا، حضرت صالح علیہ السلام کو اندیشہ ہوا کہ ان کی عہد شکنی کی وجہ سے ان پر اللہ کا عذاب آجائے گا، اس لیے انھوں نے فرمایا کہ کم از کم اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی اس اونٹنی کو تم آزاد چھوڑے رکھو اور اسے کوئی تکلیف نہ پہنچاؤ۔ اونٹنی کو چوں کہ پورے کنویں کا پانی درکار ہوتا تھا، اس لیے اس کی باری مقرر کردی کہ ایک دن اونٹنی کنویں کا پانی پیئے گی اور دوسرے دن آبادی کے لوگ پانی لیں گے، لیکن ہوا یہ کہ قوم کے کچھ لوگوں نے اونٹنی کو مار ڈالنے کا ارادہ کیا اور آخر کار ایک شخص نے جس کا نام قدار تھا اس کو قتل کر ڈالا، اس موقع پر حضرت صالح علیہ السلام نے انھیں متنبہ کیا کہ اب ان کی زندگی کے صرف تین دن باقی رہ گئے ہیں، جس کے بعد وہ عذاب سے ہلاک کر دیئے جائیں گے، اس کے باوجود اس ضدی قوم نے توبہ اور استغفار کرنے کے بجائے خود حضرت صالح علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، جس کا ذکر قرآن کریم نے سورۂ نمل میں فرمایا ہے؛ لیکن اللہ تعالیٰ نے انھیں راستے ہی میں ہلاک کر دیا اور ان کا منصوبہ ناکام ہوگیا، آخر کار تین دن بعد شدید زلزلہ آیا اور آسمان سے ایک ہیبت ناک چیخ کی آواز نے ان سب کو ہلاک کر ڈالا۔ حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کا تفصیلی ذکر سورۂ ہود (۱۱:۶۱) سورۂ شعراء (۲۶:۱۴۱) سورۂ نمل (۲۷:۴۵)

اور سورۂ قمر (۵۴: ۲۳) میں آیا ہے۔ نیز سورۂ حجر، سورۂ ذاریات، سورۂ نجم، سورۃ الحاقہ اور سورۂ شمس میں بھی ان کے مختصر حوالے آئے ہیں۔ (ملخص از توضیح)

قومِ لوط کا مختصر تعارف

حضرت لوط علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بھتیجے تھے، جو اپنے مقدس چچا کی طرح عراق میں پیدا ہوئے تھے، اور جب انھوں نے وہاں سے ہجرت کی تو حضرت لوط علیہ السلام بھی ان کے ساتھ وطن سے نکل آئے، بعد میں حضرت ابراہیم علیہ السلام فلسطین کے علاقے میں آباد ہوئے، اور حضرت لوط علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اُردُن کے شہر سدوم (sodom) میں پیغمبر بنا کر بھیجا، سدوم ایک مرکزی شہر تھا اور اس کے مضافات میں کئی بستیاں آباد تھیں، کفر وشرک کے علاوہ ان بستیوں کی شرمناک بدعملی یہ تھی کہ وہ ہم جنسی (homosexuality) کی لعنت میں گرفتار تھے جس کا ارتکاب قرآن کریم کی تصریح کے مطابق ان سے پہلے دنیا کے کسی فرد نے نہیں کیا تھا، حضرت لوط علیہ السلام نے انھیں اللہ تعالیٰ کے احکام پہنچائے اور عذاب سے بھی ڈرایا، لیکن جب یہ لوگ اپنی خباثت سے باز نہ آئے تو ان پر پتھروں کی بارش برسائی گئی اور ان تمام بستیوں کو الٹ دیا گیا، آج بحر میت (dead sea) کے نام سے جو سمندر ہے، کہتے ہیں کہ یہ بستیاں یا تو اسی میں ڈوب گئی ہیں یا اس کے آس پاس تھیں جن کا نشان واضح نہیں رہا۔ ان کے واقعے سب سے زیادہ تفصیل سورۂ ہود (۱۱: ۶۹-۸۳) میں آئے گی۔ اس کے علاوہ سورۂ حجر (۱۵: ۵۲-۸۴)، سورۂ شعراء (۲۶: ۱۶۰-۱۷۴) اور سورۂ عنکبوت (۲۹: ۲۶-۳۵) میں بھی ان کے واقعے کی کچھ تفصیلات بیان ہوئی ہیں۔ نیز سورۂ ذاریات (۵۱: ۲۴-۳۷) اور سورۂ تحریم (۶۶-۱۰) میں بھی ان کے مختصر حوالے آئے ہیں۔ (ملخص از توضیح القرآن)

رکوع (۱۱)

وَاِلٰی مَدْیَنَ اَخَاهُمْ شُعَیْبًا ؕ

قَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ

انبیائے کرام کا ذکر پارے کے آخری رکوع میں بھی ہے، یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہے جو مدین کی جانب بھیجے گئے تھے، ان کی قوم دیگر گناہوں کے ساتھ ساتھ ناپ تول میں کمی کے گناہ میں مبتلا تھی۔ نبی کے بار بار سمجھانے کے باوجود اپنی عادتوں سے باز نہ آئے، بالآخر صبح کے وقت ایک تہلکہ خیز زلزلے نے سب کو ہلاک کر دیا۔

قومِ شعیب (اصحابِ مدین) کا مختصر تعارف

مدین ایک قبیلے کا نام ہے اور اسی کے نام پر ایک بستی بھی ہے جس میں حضرت شعیب علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا تھا، ان کا زمانہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کچھ پہلے کا ہے اور بعض روایات میں ہے کہ وہی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے خسر تھے، یہ ایک سرسبز شاداب علاقہ تھا اور یہاں کے لوگ خاصے خوش حال تھے، رفتہ رفتہ ان میں کفر وشرک کے علاوہ بہت سی بدعنوانیاں رواج پا گئیں، ان کے بہت سے لوگ ناپ تول میں دھوکا دیتے تھے، بہت سے زور آور لوگوں نے راستوں پر چوکیاں بنا رکھی تھیں جو گزرنے والوں سے زبردستی کا ٹیکس وصول کرتے تھے، کچھ لوگ ڈاکے بھی ڈالتے تھے، نیز جو لوگ حضرت شعیب علیہ السلام کے پاس جاتے نظر آتے انھیں روکتے اور تنگ کرتے تھے، حضرت شعیب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قوم کے لیے پیغمبر بنا کر بھیجا، انھوں نے مختلف طریقوں سے اپنی قوم کو راہ راست پر لانے کی کوشش کی، اللہ تعالیٰ نے تقریر اور خطابت کا خاص ملکہ عطا فرمایا تھا اسی لیے وہ خطیب الانبیاء کے لقب سے مشہور ہیں؛ لیکن ان کی مؤثر تقریروں کا قوم نے کچھ اثر نہ لیا اور آخر کار وہ اللہ تعالیٰ کے عذاب کا نشانہ بنی، حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کے واقعات سب سے زیادہ تفصیل سے سورۂ ہود (۱۱:۸۴-۹۵) میں آئے ہیں اور سورۂ حجر (۱۵-۷۸) میں مختصر حوالہ آیا ہے۔

(ملخص از توضیح القرآن)



پارہ:(۹)

قَالَ الْمَلَاُ الَّذِيْنَ اسْتَكْبَرُوْا مِنْ قَوْمِهٖ لَنُخْرِجَنَّكَ يٰشُعَيْبُ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَعَكَ مِنْ قَرْيَتِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ۭ قَالَ اَوَلَوْ كُنَّا كٰرِهِيْنَ ﴿٨٨﴾

حضرت شعیب علیہ السلام کا واقعہ جاری ہے کہ ان کی قوم نے دعوتِ توحید کو ٹھکرایا، بالخصوص قوم کے سرداروں نے انہیں جلا وطنی کی دھمکی دی، اور حضرت شعیب کی اتباع کو خسارے اور نقصان کا سبب بتایا، چناں چہ عذابِ خداوندی ایک سخت زلزلے کی شکل میں آیا اور وہ اپنے گھروں میں اوندھے منہ پڑے رہ گئے۔

رکوع (۱۲)

وَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْ قَرْيَةٍ مِّنْ نَّبِيٍّ اِلَّآ اَخَذْنَآ اَهْلَهَا بِالْبَاْسَاۗءِ وَالضَّرَّاۗءِ لَعَلَّهُمْ يَضَّرَّعُوْنَ ﴿٩٤﴾

گزشتہ چند رکوع میں چند انبیائے کرام کے واقعات کے بعد اللہ تعالیٰ ایک مشترکہ اصول بیان کر رہے ہیں کہ ہم اوّلاً بستیوں میں نبی بھیجتے ہیں، وہاں کی قوم کو دولت وراحت اور مصیبت وآزمائش دونوں کے ذریعہ جانچتے ہیں، اس کے باوجود اگر وہ ایمان نہیں لاتے تو انہیں ہلاک کر دیا جاتا ہے، لہٰذا اللہ کے عذاب سے ڈرنا چاہیے اور جو ایسا نہیں کرتے وہ نقصان اٹھانے والے ہیں۔

رکوع (۱۳)

اَوَلَمْ يَهْدِ لِلَّذِيْنَ يَرِثُوْنَ الْاَرْضَ مِنْۢ بَعْدِ اَهْلِهَآ اَنْ لَّوْ نَشَاۗءُ اَصَبْنٰهُمْ بِذُنُوْبِهِمْ ۚ وَنَطْبَعُ عَلٰي قُلُوْبِهِمْ فَهُمْ لَا يَسْمَعُوْنَ ﴿١٠٠﴾

اس رکوع میں گزشتہ واقعات سے عبرت ونصیحت حاصل کرنے کا حکم ہے کہ اگر ہم

چاہیں تو انھیں بھی ان کے جرائم کی پاداش میں گرفت میں لے سکتے ہیں، نیز ماضی کی اکثر اقوام کو سرکش اور نافرمان قرار دیا گیا ہے۔اس کے بعد حضرت موسیٰ اور فرعون کے مشہور واقعے کا آغاز ہے کہ حضرت موسیٰ نے فرعون کے دربار میں اپنی نبوت کا اعلان کیا اور انہیں دو خاص معجزے عطا کیے گئے: ایک عصا کی شکل میں جو حسبِ موقع اژدہا بن جاتا تھا اور دوسرا یدِ بیضاء کی شکل میں کہ اگر ہاتھ کو بغل میں ڈال کر نکالا جاتا تو اُس میں سے روشنی اور نور ظاہر ہوتا۔

رکوع (۱۴)

قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِيْمٌ ﴿۱۰۹﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے کے لیے فرعون نے جادوگروں کو جمع کیا، لیکن اللہ تعالیٰ کے معجزات کو دیکھ کر وہ سمجھ بیٹھے کہ یہ کوئی جادو نہیں، بلکہ خالص اللہ کی نشانی ہے، چناں چہ وہ انجام کی پرواہ کیے بغیر حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کے رب پر ایمان لے آئے۔جس پر فرعون بہت چراغ پا ہوا اور انہیں سخت سزا کی دھمکی دی، لیکن وہ لوگ ایمان پر ثابت قدم رہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مختصر تعارف

یہاں سے آیت نمبر: ۱۶۲ تک حضرت موسیٰ علیہ السلام کے واقعے کے کچھ اہم حصے تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں، اس سورت میں فرعون کے ساتھ آپ کی گفتگو اور مقابلے اور اس کے غرق ہونے کی تفصیل، نیز حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توراۃ عطا ہونے کے واقعات آرہے ہیں، حضرت موسیٰ حضرت یعقوب علیہ السلام کی چوتھی پشت میں آتے ہیں، سورۂ یوسف میں قرآن کریم نے بتایا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جب مصر کے وزیر خزانہ بن گئے تو انھوں نے اپنے والدین اور بھائیوں کو فلسطین سے مصر بلالیا تھا، حضرت یعقوب علیہ السلام کی ساری اولاد جو بنو اسرائیل کہلاتی ہے پھر وہیں آباد ہوگئی تھی، اور مصر کے بادشاہ نے ان کو شہری آبادی سے الگ ایک علاقہ دے دیا تھا، مصر کے ہر بادشاہ

کوفرعون کہا جاتا تھا، حضرت یوسف علیہ السلام کی وفات کے بعد رفتہ رفتہ مصر کے بادشاہوں نے بنی اسرائیل کو اپنا غلام سمجھنا شروع کر دیا اور دوسری طرف تکبر میں آ کر انہی میں کا ایک فرعون (جس کا نام جدید تحقیق کے مطابق منفتاح تھا) خدائی کا دعوے دار بن بیٹھا، ان حالات میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبر بنا کر اس کے پاس بھیجا گیا، ان کے پیدائش، مدین کی طرف ہجرت، اور پھر نبوت عطا ہونے کے واقعات تو انشاء اللہ سورۂ طٰہٰ اور سورۂ قصص میں آئیں گے، اس کے علاوہ مزید ۳۵ر سورتوں میں آپ کے واقعات کے مختلف حصے بیان فرمائے ہیں؛ لیکن فرعون کے ساتھ ان کے جو واقعات پیش آئے ان کا تذکرہ یہاں ہو رہا ہے۔ (ملخص از توضیح القرآن)

رکوع (۱۵)

وَ قَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِ فِرْعَوْنَ اَتَذَرُ مُوْسٰى وَ قَوْمَهٗ لِيُفْسِدُوْا فِي الْاَرْضِ وَ يَذَرَكَ وَ اٰلِهَتَكَ

اس رکوع میں فرعون اور اُس کے درباریوں کے ناپاک عزائم کا ذکر ہے، نیز اُس کی سفاکی اور ظلم کا بھی تذکرہ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی جانب سے قوم کو صبر کی تلقین ہے کہ راہِ خداوندی میں آزمائش کا ہونا کوئی نئی بات نہیں، صبر کے نتیجہ میں اچھا انجام تو بہر حال متقیوں کے لیے ہی ہے۔ نیز فرعون کی ہلاکت کی پیشین گوئی بھی ہے۔

رکوع (۱۶)

وَ لَقَدْ اَخَذْنَاۤ اٰلَ فِرْعَوْنَ بِالسِّنِيْنَ وَ نَقْصٍ مِّنَ الثَّمَرٰتِ لَعَلَّهُمْ يَذَّكَّرُوْنَ ﴿۱۳۰﴾

اس رکوع میں فرعون پر اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہونے والی گرفت کی مختلف صورتوں کا ذکر ہے، مثلاً اللہ تعالیٰ نے اُن پر طوفان، ٹڈیوں کا دَل، مینڈک وغیرہ کا عذاب بھیجا، اس عذاب کو دور کرنے کے لیے انہوں نے حضرت موسیٰ سے کہا کہ اگر وہ اللہ سے دعا کر کے یہ عذاب ختم کرا دیں تو ہم ایمان لے آئیں گے، لیکن عذاب دور ہونے کے باوجود ان کا کبر بدستور جاری رہا۔ بالآخر اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اُس کی قوم کو دریائے نیل

میں غرق کر دیا اور وہ آنے والی اقوام کے لیے عبرت کا نشان بن گئے۔

رکوع (۱۷)

وَ وٰعَدْنَا مُوْسٰی ثَلٰثِیْنَ لَیْلَةً وَّ اَتْمَمْنٰهَا بِعَشْرٍ فَتَمَّ مِیْقَاتُ رَبِّهٖۤ اَرْبَعِیْنَ لَیْلَةً ۚ

فرعون سے نجات پانے کے بعد بنی اسرائیل حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قیادت و سرپرستی میں مصر سے نکل کر وادیٔ تیہ میں پہنچے تو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو توریت دینے کے لیے طور پہاڑی پر بلایا، جہاں حضرت موسیٰ نے بحکم خداوندی چالیس دن تک اعتکاف کیا، اس دوران وہ اپنا نائب بڑے بھائی حضرت ہارون کو بنا کر گئے تھے۔

رکوع (۱۸)

وَ اتَّخَذَ قَوْمُ مُوْسٰی مِنْۢ بَعْدِهٖ مِنْ حُلِیِّهِمْ عِجْلًا جَسَدًا لَّهٗ خُوَارٌ ؕ اَلَمْ یَرَوْا اَنَّهٗ لَا یُكَلِّمُهُمْ وَ لَا یَهْدِیْهِمْ سَبِیْلًا ۘ اِتَّخَذُوْهُ وَ كَانُوْا ظٰلِمِیْنَ ﴿۱۴۸﴾

بنی اسرائیل میں ایک شخص سامری نام کا تھا جس نے سونے کا ایک بچھڑا بنا کر قوم کو اُس کی عبادت کی تلقین کی، جس پر چند لوگوں کو چھوڑ کر سب فوراً آمادہ ہو گئے۔ حضرت موسیٰ کو واپسی پر جب اس کا علم ہوا تو بہت ناراض ہوئے اور حضرت ہارون سے باز پرس کی جس پر انہوں نے پوری بات بتائی۔

رکوع (۱۹)

اِنَّ الَّذِیْنَ اتَّخَذُوا الْعِجْلَ سَیَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّنْ رَّبِّهِمْ وَ ذِلَّةٌ فِی الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُفْتَرِیْنَ ﴿۱۵۲﴾

اس رکوع میں اوّلاً بچھڑے کی عبادت کرنے والوں پر عذاب کا ذکر ہے، البتہ اگر کوئی گناہ کر کے توبہ کر لے تو اُس کا دروازہ کھلا ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ کی عاجزانہ دعا کا ذکر ہے، پھر بتایا گیا ہے کہ توریت و انجیل میں واضح طور پر خاتم النبیین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت موجود ہے، جو امر بالمعروف و نہی عن المنکر کا فریضہ انجام دیں

گے، حلال وحرام کو واضح کریں گے۔ لہٰذا کامیابی اُنہیں کی اتباع میں ہے۔

رکوع (۲۰)

قُلْ یٰۤاَیُّهَا النَّاسُ اِنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ اِلَیْكُمْ جَمِیْعَا ﰳالَّذِیْ لَهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِۚ

اس رکوع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی عالمی نبوت کا تذکرہ ہے، کہ اُن کی بعثت کسی زمانے، قوم یا علاقے کے ساتھ مخصوص نہیں، لہٰذا لوگوں کو اُن پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا ہے۔ اُس کے بعد حضرت موسیٰ کا وہ واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ کس طرح مختلف آزمائشوں اور دشواریوں کے باوجود وہ اپنی قوم کی سرپرستی وقیادت کرتے رہے اور اُن کی قوم کی جانب سے سرکشی جاری رہی۔

رکوع (۲۱)

وَ سْـَٔلْهُمْ عَنِ الْقَرْیَةِ الَّتِیْ كَانَتْ حَاضِرَةَ الْبَحْرِۘ

اس رکوع میں بنی اسرائیل پر مسخ یعنی انہیں بندر بنا دینے کے عذاب کا ذکر ہے۔ نیز اُن کی نافرمانیوں کا بھی تذکرہ ہے کہ وہ دنیوی مال ودولت کے لالچ میں احکامِ الٰہی تک کو اس طور پر تبدیل کر دیتے تھے کہ غریب عوام کے لیے قانونِ شریعت سخت ہوتا، جب کہ سرداروں کے لیے ہلکی پھلکی تنبیہ کافی ہوتی۔ البتہ ان میں جو لوگ نیک ومتقی رہے، توریت کے احکام پر عمل پیرا رہے ان کے لیے اجر کا بھی وعدہ ہے۔

رکوع (۲۲)

وَ اِذْ اَخَذَ رَبُّكَ مِنْۢ بَنِیْۤ اٰدَمَ مِنْ ظُهُوْرِهِمْ ذُرِّیَّتَهُمْ وَ اَشْهَدَهُمْ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ اَلَسْتُ بِرَبِّكُمْؕ قَالُوْا بَلٰىۛ

اس رکوع کا آغاز اُس عہد اور اعترافِ توحید سے ہوا ہے جو اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں سے ازل میں لیا تھا۔ اس کے بعد دنیوی حرص اور خواہشات کی اتباع میں مبتلا شخص کو کتے سے تشبیہ دی گئی ہے جو ہر حال میں زبان نکالے ہانپتا رہتا ہے۔ اس کے بعد کفار

کے دلوں، آنکھوں، کانوں کو بے مقصد بتایا ہے کیوں کہ وہ ان سے اصل کام نہیں لیتے کہ حق بات کو سنیں، سمجھیں اور ایمان لائیں، اسی لیے انہیں چوپایوں سے تشبیہ دی گئی ہے۔

رکوع (۲۳)

وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا سَنَسْتَدْرِجُهُمْ مِّنْ حَيْثُ لَا يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۸۲﴾

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کفار و مشرکین کو ڈھیل دے رہے ہیں، وہ اس مہلت میں غور و فکر کریں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کن خوبیوں کے مالک ہیں اور وہ اُن کی جانب نعوذ باللہ کتنی بے ہودہ صفات منسوب کرتے ہیں۔ نیز انہیں آسمان و زمین اور اللہ کی دیگر مخلوقات میں تدبر کی ترغیب دی گئی ہے۔ پھر کفار کے اس سوال کا ذکر ہے کہ بار بار قیامت کا وقت معلوم کرتے ہیں، حالاں کہ اُس کا علم صرف اللہ کو ہے، لہٰذا سوالات میں وقت ضائع کرنے سے بہتر یہ ہے کہ اُس کی تیاری کریں، کیوں کہ وہ اچانک آئے گی اور پھر کوئی مہلت نہ ہوگی۔

رکوع (۲۴)

هُوَ الَّذِيْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِيَسْكُنَ اِلَيْهَا ۚ

سورت کے آخری رکوع کا آغاز اس بات سے ہوتا ہے کہ تمام انسانوں کو اللہ نے ایک ہی نفس سے پیدا کیا ہے، جس کا تقاضہ ہے کہ اُسی ایک خالق حقیقی کی اتباع کی جائے، اسی پر ایمان لایا جائے، پھر شرک کی مذمت اور حماقت کا ذکر ہے کہ یہ لوگ ایسی چیزوں کو اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں جنہوں نے آج تک کچھ پیدا نہیں کیا، بلکہ خود اپنی مدد بھی نہیں کر سکتے، ان کی مصیبت میں کام نہیں آسکتے، اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو عفو و درگزر، بھلائی کے حکم اور جہلاء سے کنارہ کشی کا حکم دیا گیا ہے کہ دعوت و تبلیغ کے لیے یہ صفات نہایت معاون ثابت ہوتی ہیں۔ قرآن کی تلاوت کے وقت غور سے سننے اور خاموش رہنے کو اللہ کی رحمت کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ سورت کا اختتام اس بات پر ہوتا ہے کہ مومنین کو چاہیے کہ وہ صبح و شام اللہ تعالیٰ کا ذکر کریں، جیسا کہ فرشتے ہمہ وقت اللہ کے ذکر اور عبادت

میں مشغول رہتے ہیں۔

اہم مسائل

● تلاوت قرآن کو بغور سننے کا جو حکم ہے، وہی حکم خطبۂ جمعہ کا ہے، وہی عیدین کے خطبہ کا اور نکاح وغیرہ کے خطبہ کا ہے کہ اس وقت کان لگانا اور خاموش رہنا واجب ہے۔

● کان لگانا اور سننا صرف ان جگہوں میں واجب ہے جہاں قرآن کو سنانے ہی کے لیے پڑھا جا رہا ہو، جیسے نماز و خطبہ وغیرہ ہیں، اور اگر کوئی شخص بطور خود تلاوت کر رہا ہے یا چند آدمی کسی ایک مکان میں اپنی تلاوت کر رہے ہیں تو دوسرے کی آواز پر کان لگانا اور خاموش رہنا واجب نہیں۔ (ملخص از معارف)



تعارف سورۂ انفال

یہ سورت تقریبا سن ۲ ہجری کے آس پاس مدینہ منورہ میں نازل ہوئی ہے، اور اس کے بیشتر مضامین جنگ بدر اور اس کے واقعات اور مسائل سے متعلق ہیں۔ یہ جنگ اسلام اور کفر کے درمیان پہلے باقاعدہ معرکے کی حیثیت رکھتی ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح مبین عطا فرمائی ہے اور قریش مکہ کو ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ چنانچہ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات بھی یاد دلائے ہیں، اور مسلمانوں نے جس جاں نثاری کے ساتھ یہ جنگ لڑی اس کی ہمت افزائی کے ساتھ بعض ان کمزوریوں کی بھی نشان دہی فرمائی ہے جو اس جنگ میں سامنے آئیں۔ اور آئندہ کے لیے وہ ہدایات بھی دی گئی ہیں جو ہمیشہ مسلمانوں کی کامیابی اور فتح ونصرت کا سبب بن سکتی ہیں۔ جہاد اور مالِ غنیمت کی تقسیم کے بہت سے احکام بھی بیان ہوئے ہیں اور چونکہ جنگ بدر اصل میں کفار کے ظلم وستم کے پس منظر میں پیش آئی تھی، اس لیے ان حالات کا بھی ذکر کیا گیا ہے جن میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مکہ مکرمہ سے ہجرت کا حکم ہوا۔ نیز جو مسلمان مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، ان کے لیے بھی ضروری قرار دیا گیا ہے کہ وہ ہجرت کر کے مدینہ منورہ آجائیں۔ ہجرت کی وجہ سے میراث کی تقسیم سے متعلق کچھ احکام عارضی طور پر نافذ کیے گئے تھے۔ سورت کے آخر میں اسی وجہ سے میراث کے کچھ مستقل احکام دیئے گئے ہیں۔

جنگ بدر

چونکہ اس سورت کے بہت سے مضامین جنگ بدر کے مختلف واقعات سے متعلق ہیں، اس لیے ان کو ٹھیک ٹھیک سمجھنے کے لیے اس جنگ کے بارے میں کچھ بنیادی معلومات

یہاں پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے، تاکہ اس سے متعلق آیات کو ان کے صحیح پس منظر میں سمجھا جاسکے۔

مکہ مکرمہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نبوت کے بعد تیرہ سال مقیم رہے۔ اس دوران مکہ مکرمہ کے کفار نے آپ اور آپ کے جاں نثار صحابہؓ کو طرح طرح سے ستانے اور ناقابل برداشت تکلیفیں پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہاں تک کہ ہجرت سے ذرا پہلے آپ کو قتل کرنے کا باقاعدہ منصوبہ بنایا گیا جس کا ذکر اسی سورت میں آنے والا ہے۔ جب آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہجرت کر کے مدینہ منورہ تشریف لے آئے تو کفار مکہ مسلسل اس فکر میں رہے کہ آپ کو وہاں بھی چین سے بیٹھنے نہ دیا جائے۔ انھوں نے عبداللہ بن اُبی کو مدینہ منورہ میں خط لکھا کہ تم لوگوں نے محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور ان کے ساتھیوں کو پناہ دی ہے، اب یا تو تم انھیں پناہ دینے سے ہاتھ اٹھالو، ورنہ ہم تم پر حملہ کریں گے۔ (دیکھیے سنن ابوداؤد، کتاب الخراج، باب ۲۳، حدیث نمبر ۳۰۰۴)

انصار میں سے اوس کے قبیلے کے سردار حضرت سعد بن معاذ ایک مرتبہ مکہ مکرمہ گئے تو بن طواف کے دوران ابوجہل نے ان سے کہا کہ تم نے ہمارے دشمنوں کو پناہ دے رکھی ہے، اور اگر تم ہمارے ایک سردار کی پناہ میں نہ ہوتے تو زندہ واپس نہیں جاسکتے تھے، جس کا مطلب یہ تھا کہ آئندہ اگر مدینہ منوہ کا کوئی آدمی مکہ مکرمہ آئے گا تو اسے قتل کردیا جائے گا۔ حضرت سعد بن معاذؓ نے اس کے جواب میں ابوجہل سے کہہ دیا کہ اگر تم ہمارے آدمیوں کو مکہ مکرمہ آنے سے روکو گے تو ہم تمہارے لیے اس سے بھی بڑی رکاوٹ کھڑی کردیں گے، یعنی تم تجارتی قافلے لے کر جب شام جاتے ہو تو تمہارا راستہ مدینہ منورہ کے قریب سے گزرتا ہے۔ اب ہم تمہارے قافلوں کو روکنے اور ان پر حملہ کرنے میں آزاد ہوں گے۔
(دیکھیے صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب ۲، حدیث نمبر ۳۹۵۰)

اس کے بعد کفار مکہ کے کچھ دستے مدینہ منورہ کے آس پاس آئے، اور مسلمانوں کے مویشی لوٹ کر لے گئے۔ حالات کے اس پس منظر میں ابوسفیان (جو اس وقت کفار مکہ کا سردار تھا) ایک بڑا بھاری تجارتی قافلہ لے کر شام گیا۔ اس قافلے میں مکہ مکرمہ کے ہر مرد

عورت نے سونا چاندی جمع کر کے تجارت میں شرکت کی غرض سے بھیجا تھا۔ یہ قافلہ شام سے سو فیصد نفع کما کر واپس آ رہا تھا۔ یہ قافلہ ایک ہزار اونٹوں پر مشتمل تھا، اور پچاس ہزار دینار (گنیوں) کا سامان لا رہا تھا، اور اس کے ساتھ چالیس مسلح افراد اس کی حفاظت پر متعین تھے۔ جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اس قافلے کی واپسی کا پتہ چلا تو حضرت سعد بن معاذؓ کے چیلنج کے مطابق آپ نے اس قافلے پر حملہ کرنے کا ارادہ فرمایا۔ اس کے لیے باقاعدہ سپاہیوں کی بھرتی کا موقع نہیں تھا، اس لیے وقت پر جتنے صحابہ تیار ہو سکے، ان کی تعداد تین سو تیرہ تھی، کل ستر اونٹ اور دو گھوڑے تھے، ساٹھ زرہیں تھیں، اس مختصر سامان کے ساتھ آپ مدینہ منورہ سے نکلے۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ بعض غیر مسلم مصنّفین نے اس واقعے پر یہ اعتراض کیا ہے کہ ایک پُرامن تجارتی قافلے پر حملہ کرنے کا کوئی جواز نہیں تھا۔ ہمارے زمانے کے بعض مسلمان مصنفین نے اس اعتراض سے مرعوب ہو کر یہ دعویٰ کرنے کی کوشش کی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا ارادہ قافلے پر حملہ کرنے کا نہیں تھا، بلکہ ابوسفیان نے اپنے طور پر خطرہ محسوس کر کے ابوجہل کے لشکر کو دعوت دی تھی، لیکن واقعے کی یہ تشریح صحیح احادیث اور قرآن کے ارشادات کی روشنی میں درست نہیں ہے۔ درحقیقت یہ اعتراض اس وقت کے حالات اور اس دور کے سیاسی، دفاعی اور معاشرتی ڈھانچے سے بے خبری پر مبنی ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ جو واقعات ہم نے اوپر بیان کیے ہیں ان کی روشنی میں فریقین کے درمیان ایک مسلسل جنگ کی حالت موجود تھی۔ دونوں نے ایک دوسرے کو نہ صرف چیلنج دے رکھے تھے، بلکہ کفار کی طرف سے عملی طور پر چھیڑ چھاڑ بھی شروع ہو چکی تھی۔ دوسرے حضرت سعد بن معاذ پہلے سے انھیں متنبہ کر آئے تھے کہ وہ ان کے قافلوں پر حملہ کرنے کے لیے آزاد ہوں گے۔ تیسرے اس دور میں شہری اور فوجی افراد کی کوئی تفریق نہیں ہوتی تھی۔ کسی معاشرے کے تمام بالغ مرد مقاتلہ یعنی لڑنے والے کہلاتے تھے۔ چنانچہ قافلے کی سرکردگی ابوسفیان کے ہاتھ میں تھی جو اس وقت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا کھلا دشمن تھا، اور اس کے ساتھ چالیس افراد میں سے ہر ایک قریش کے

ان لوگوں میں سے تھا جو مسلمانوں کو ستانے میں پیش پیش رہے تھے، اور مسلمانوں کے خلاف جنگ کی تیاری کر رہے تھے، اور یہ قافلہ بھی اگر کامیابی سے مکہ مکرمہ پہنچ جاتا تو قریش کی جنگی طاقت میں بڑے اضافے کا سبب بنتا۔ ان حالات میں اس کو ایک پرامن تجارتی قافلے پر حملہ قرار دینا اس وقت کے حالات سے ناواقفیت یا محض عناد کا کرشمہ ہے، اور اس کی وجہ سے ان واقعات کا انکار کرنا کسی طرح درست نہیں ہے جو صحیح احادیث سے ثابت ہیں۔

بہر حال! جب ابوسفیان کو آپ کے ارادے کا اندازہ ہوا تو اس نے ایک طرف تو ایک تیز رفتار ایلچی ابو جہل کے پاس بھیج کر اس واقعے کی اطلاع کی، اور اسے پورے لاؤ لشکر کے ساتھ آپ پر حملہ کرنے کا مشورہ دیا، اور دوسری طرف اپنے قافلے کا راستہ بدل کر بحر احمر کے ساحل کی طرف نکل گیا تاکہ وہاں سے چکر کاٹ کر مکہ مکرمہ پہنچ سکے۔ ابو جہل نے اس موقع کو غنیمت سمجھ کر ایک بڑا لشکر تیار کیا اور لوہے میں غرق ہو کر مدینہ منورہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو جب پتہ چلا کہ ابوسفیان تو قافلہ لے کر نکل چکا ہے اور ابو جہل کا لشکر آ رہا ہے تو آپ نے صحابہ کرام سے مشورہ کیا۔ سب نے یہی رائے دی کہ اب ابو جہل سے ایک فیصلہ کن معرکہ ہو جانا چاہیے۔ چنانچہ بدر کے مقام پر دونوں لشکروں کا مقابلہ ہوا۔ مسلمانوں کی تعداد اور ساز و سامان ابو جہل کے لشکر کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مسلمانوں کو شاندار فتح حاصل ہوئی۔ ابو جہل سمیت قریش کے ستر سردار جو مسلمانوں کی دشمنی میں پیش پیش تھے مارے گئے، اور دوسرے ستر افراد گرفتار ہوئے اور باقی لوگ میدان سے بھاگ کھڑے ہوئے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۷۵ | سُوْرَۃُ الْاَنْفَالِ مَدَنِیَّۃٌ | رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْاَنْفَالِ ؕ قُلِ الْاَنْفَالُ لِلّٰهِ وَ الرَّسُوْلِ ۚ فَاتَّقُوا اللّٰهَ وَ اَصْلِحُوْا ذَاتَ بَیْنِكُمْ ۪ وَ اَطِیْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗۤ اِنْ كُنْتُمْ مُّؤْمِنِیْنَ ①

سورت کی ابتدا میں مالِ غنیمت کے بارے میں اجمالی تذکرہ ہے کہ یہ اللہ اور اس کے رسول کے لیے ہوتا ہے، تفصیلی احکامات آگے ذکر کیے گئے ہیں۔ مالِ غنیمت اُس مال کو کہتے ہیں جو میدانِ جنگ میں کفار چھوڑ بھاگیں اور وہ مجاہدین کے قبضے میں آجائے۔ اس کی تقسیم کا ایک باقاعدہ نظام ہے جس کو آگے بیان کیا جائے گا۔ اس کے بعد مومنین کے خاص اوصاف، مثلاً خوفِ خدا، توکل، نماز، زکوۃ وغیرہ کا ذکر ہے۔ پھر غزوۂ بدر کے واقعے کو ذکر کر کے اللہ کی جانب سے ہونے والی مدد کو یاد دلایا گیا ہے۔

رکوع (۲)

اِذْ یُغَشِّیْكُمُ النُّعَاسَ اَمَنَةً مِّنْهُ وَ یُنَزِّلُ عَلَیْكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ مَآءً الآیۃ

غزوۂ بدر کا واقعہ جاری ہے، اس واقعہ کو حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی نے اختصار کے ساتھ کچھ یوں ذکر کیا گیا ہے:

”مدینہ میں مسلمانوں کا اس طرح سکون سے رہنا اور اپنے دین کی تبلیغ کرنا اہل مکہ کو گوارہ نہ ہوا، اس لئے انھوں نے مسلمانوں کے خلاف جنگی مہمات شروع کردیں، چنانچہ ۱۲ رصفر سن دو ہجری میں مسلمانوں کو جہاد اور ظالموں کے خلاف تلوار اٹھانے اور اپنے حقوق کے تحفظ کے لئے مسلح جدوجہد کی اجازت ملی اور جہاد کے سلسلے کی اجازت میں آیت نازل

ہوئی، یہ آیت سورہ حج کی آیت نمبر ۳۹ ہے، بعض روایات میں پہلی آیت جہاد کی حیثیت سے سورہ بقرہ کی آیت نمبر ۱۹۰ کا ذکر آیا ہے، مشرکین مکہ کی طرف سے مسلمانوں پر پہلا باضابطہ حملہ رمضان ۲ھ میں ہوا، مسلمانوں کو اطلاع ہوئی، وہ بھی آگے بڑھے اور مدینہ سے ۸۰ ر میل کے فاصلہ پر بدر کے میدان میں دونوں فوجوں کا آمنا سامنا ہوا، مشرکین مکہ کی تعداد ایک ہزار تھی اور مسلمانوں کی تعداد ۳۱۳، اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح سے ہمکنار کیا، ۱۴ ر مسلمان شہید ہوئے، ۷۰ ر مشرکین مکہ مارے گئے اور ۷۰ ر قید کئے گئے، آپ ﷺ نے ان قیدیوں کے ساتھ بہت ہی اچھا سلوک فرمایا، ان میں جو پڑھنا لکھنا جانتے تھے، ان کے لئے دس مسلمان بچوں کو پڑھانا لکھانا فدیہ قرار دیا گیا اور بقیہ قیدیوں سے مالی فدیہ وصول کیا گیا، نیز انھیں بہت اعزاز واکرام کے ساتھ نئے کپڑے پہنا کر رخصت کیا گیا۔'' (حیاتِ طیبہ، ص ۲۰۱)

رکوع (۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَطِيْعُوا اللّٰهَ وَ رَسُوْلَهٗ وَلَا تَوَلَّوْا عَنْهُ وَ اَنْتُمْ تَسْمَعُوْنَ ۝

اس رکوع میں اوّلاً اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم ہے، پھر نافرمانی سے منع کیا گیا ہے۔ نیز یہودیوں کی طرح زبانی جمع خرچ سے منع کیا گیا ہے۔ غزوۂ بدر سے متعلق اللہ تعالیٰ کی مدد و نصرت اور مسلمانوں کی قلیل تعداد کے باوجود فتح کو ذکر کیا گیا ہے۔ اخیر میں مال واولاد کو فتنہ یعنی آزمائش کا سبب قرار دیا ہے کہ انسان عموماً انہیں کی بے جا محبت میں پڑ کر معصیت اور احکامِ الٰہی سے غفلت کا مرتکب ہوتا ہے۔

رکوع (۴)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ تَتَّقُوا اللّٰهَ يَجْعَلْ لَّكُمْ فُرْقَانًا وَّ يُكَفِّرْ عَنْكُمْ سَيِّاٰتِكُمْ وَ يَغْفِرْ لَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ ذُو الْفَضْلِ الْعَظِيْمِ ۝

اس رکوع میں کفار کی جانب سے ہونے والی سازشوں کا تذکرہ ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ کے خلاف چھپ چھپ کر مشورہ کرتے رہتے ہیں، اور جب ان کے سامنے

قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں تو انہیں فقط افسانہ اور قصہ قرار دیتے ہیں۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ پھر کفار کی کچھ شرارتوں اور قرآن کریم کے تعلق سے غیر معقول اعتراضات کا تذکرہ ہے۔ اخیر میں بتایا گیا ہے کہ کفار کی جانب سے اللہ کے دین کے خلاف جو بھی مال و دولت خرچ کیا جارہا ہے وہ آخرت میں ان کے لیے سخت عذاب کا سبب بنے گا۔

(رکوع ۵)

قُلْ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِنْ يَّنْتَهُوْا يُغْفَرْ لَهُمْ مَّا قَدْ سَلَفَ ۚ وَاِنْ يَّعُوْدُوْا فَقَدْ مَضَتْ سُنَّتُ الْاَوَّلِيْنَ ۝۳۸

اس رکوع میں کفار کو کہا گیا ہے کہ اگر تم اب بھی اپنی نافرمانیوں اور شرارتوں سے باز آجاؤ تو اللہ تعالیٰ تمہارے گزشتہ گناہوں کو معاف کردیں گے، لیکن اگر تم نے اپنی حرکتیں اسی طرح جاری رکھیں تو گزشتہ اقوام کے انجام اور عبرت انگیز ہلاکت یاد رکھیں۔ اخیر میں مسلمانوں کو اللہ تعالیٰ کی نصرت پر یقین رکھنے کا حکم ہے۔



پارہ: (۱۰)

وَاعْلَمُوْٓا اَنَّمَا غَنِمْتُمْ مِّنْ شَیْءٍ فَاَنَّ لِلّٰهِ خُمُسَهٗ وَلِلرَّسُوْلِ وَلِذِی الْقُرْبٰی وَالْیَتٰمٰی وَالْمَسٰكِیْنِ وَابْنِ السَّبِیْلِ

ابتدا مالِ غنیمت کی تقسیم کے اصول سے کی جارہی ہے کہ اس کے چار حصے تو مجاہدین میں تقسیم ہوں گے اور پانچواں حصہ حکومتی خزانے یعنی بیت المال میں جمع ہوگا۔ نیز غزوۂ بدر کے کچھ حالات کا بھی تذکرہ ہے، جس کی کچھ تفصیل سورۂ انفال کی ابتدا میں ذکر کی گئی تھی۔

اہم مسائل

● غنیمت: اُس مال کو کہتے ہیں جو جہاد فی سبیل اللہ کے ذریعہ بزورِ قوت حربی کافروں سے حاصل کیا جائے۔

● پہلی اُمتوں پر مالِ غنیمت حرام تھا، اس کو اللہ کے حضور نذر کر دیا جاتا تھا، جو نذر قبول ہوتی، ایک آگ آتی اور اسے جلا جاتی، اُمت محمدیہ کی خصوصیات میں سے ہے کہ اس کے لئے مالِ غنیمت کو حلال رکھا گیا ہے۔

● مالِ غنیمت کے کل پانچ حصے کئے جائیں گے، جن میں چار حصے مجاہدین میں تقسیم کئے جائیں گے، ایک حصہ عہد نبوی میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے زیر تصرف رہتا تھا، جسے آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اہل خاندان اور دوسری دینی اور قومی ضرورتوں پر صرف فرمایا کرتے تھے، ظاہر ہے اب یہ جہت باقی نہیں رہی، لہٰذا اس پانچویں حصہ میں یتیموں، مسکینوں اور حاجت مند مسافروں کا حصہ متعلق ہے، البتہ حضور کے قرابت مند یعنی بنو ہاشم اور بنو مطلب کے فقراء اس حصہ میں زیادہ حقدار ہیں۔ (ملخص از قاموس الفقہ: غنیمت)

رکوع (۶)

یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اِذَا لَقِیْتُمْ فِئَةً فَاثْبُتُوْا وَاذْكُرُوا اللّٰهَ كَثِیْرًا

لَعَلَّكُمْ تُفْلِحُوْنَ ﴿۴۵﴾

اس رکوع میں میدانِ جنگ میں ثابت قدمی اور بہ کثرت ذکر خداوندی کو فلاح و کامیابی کا سبب قرار دیا گیا ہے، نیز اللہ و رسول کی اطاعت اور آپسی اختلاف سے بچنے کی تاکید کی گئی ہے، یہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ کفار غزوۂ بدر کے لیے بہت اکڑتے ہوئے اور اتراتے ہوئے نکلے تھے، شیطان نے اُن کو اس دھوکے میں مبتلا کر رکھا تھا کہ فتح تو انہیں کی ہو کر رہے گی، لیکن جب جنگ ہوئی تو مسلمانوں کو فتح نصیب ہوئی اور کفار شکست سے دوچار ہوئے۔

رکوع (۷)

اِذْ يَقُوْلُ الْمُنٰفِقُوْنَ وَالَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ مَّرَضٌ غَرَّ هٰٓؤُلَآءِ دِيْنُهُمْ ؕ وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ عَزِيْزٌ حَكِيْمٌ ﴿۴۹﴾

اس رکوع میں غزوۂ بدر کے دوران منافقین کے حوصلہ شکن جملوں کا ذکر ہے، ان کے مقابلے میں مسلمانوں کو اللہ پر توکل اور بھروسے کی تعلیم دی گئی ہے۔ پھر کفار کو کہا گیا ہے کہ اگر اُن کی سرکشی یوں ہی جاری رہی تو ان کا انجام فرعون جیسا ہوگا، کہ اللہ کی گرفت اور سخت عذاب ان کا مقدر بنے گی۔ کفار کی ناشکری کے ذکر کے بعد یہودیوں کی عہد شکنی کا ذکر ہے کہ عہد شکنی کے بعد جنگ وغیرہ میں کوئی رعایت نہیں کی جائے گی۔

رکوع (۸)

وَلَا يَحْسَبَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا سَبَقُوْا ؕ اِنَّهُمْ لَا يُعْجِزُوْنَ ﴿۵۹﴾

اس رکوع میں تعلیم دی گئی ہے کہ مسلمانوں کو اپنی قدرت کے بقدر ہمہ وقت دفاعی طاقت جمع کرنی چاہیے، نیز اگر دشمنوں کی جانب سے صلح کی پیشکش ہو تو اسے تسلیم کرنے کی بھی اجازت دی گئی ہے۔ اخیر میں کہا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور مومنین کے لیے گھبرانے کی کوئی بات نہیں، تمام دشمنان کی جانب سے اللہ تعالیٰ تنہا ہی کافی ہے۔

رکوع (۹)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ حَرِّضِ الْمُؤْمِنِيْنَ عَلَى الْقِتَالِ ؕ

اس رکوع میں رسول اکرم ﷺ کو مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دینے کا حکم ہے، نیز فوج کی قلت و کثرت کو بھی عارضی چیز قرار دیا گیا ہے بشرطیکہ صبر، ثابت قدمی اور اللہ پر توکل رکھا جائے۔ اس کے علاوہ میدانِ جنگ کے کچھ اصول بھی بیان کیے گئے ہیں۔

رکوع (۱۰)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّمَنْ فِيْٓ اَيْدِيْكُمْ مِّنَ الْاَسْرٰٓى ۙ اِنْ يَّعْلَمِ اللّٰهُ فِيْ قُلُوْبِكُمْ خَيْرًا يُّؤْتِكُمْ خَيْرًا مِّمَّآ اُخِذَ مِنْكُمْ وَيَغْفِرْ لَكُمْ ۭ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

سورۂ توبہ کے آخری رکوع میں جنگی قیدیوں سے متعلق فدیہ وغیرہ کی کچھ ہدایات ہیں، اس کے بعد ایمان، ہجرت اور جہاد وغیرہ کی فضیلت ذکی گئی ہے، نیز جس سرزمین پر دین پر عمل کرنا ممکن نہ رہے وہاں سے ہجرت کا حکم دیا گیا ہے، اس کے علاوہ مظلوم مسلمانوں کی مدد کا بھی حکم ہے۔



تعارف سورۂ توبہ

یہ بھی مدنی سورت ہے، اور حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیات طیبہ کے آخری دور میں نازل ہوئی ہے۔ اپنے مضامین کے اعتبار سے یہ پچھلی سورت یعنی سورۂ انفال کا تکملہ ہے۔ غالباً اسی لیے عام سورتوں کے برخلاف اس سورت کے شروع میں بسم اللہ الرحمن الرحیم نہ نازل ہوئی، نہ لکھی گئی۔ اور اس کی تلاوت کا بھی قاعدہ یہ ہے کہ جو شخص پیچھے سورۂ انفال سے تلاوت کرتا چلا آرہا ہو، اسے یہاں بسم اللہ نہیں پڑھنی چاہیے، البتہ اگر کوئی شخص اسی سورت سے تلاوت شروع کررہا ہو تو اس کو بسم اللہ پڑھنی چاہیے۔ اور بعض لوگوں نے اس سورت کے شروع میں بسم اللہ کے بجائے کچھ اور جملے پڑھنے کے لیے بنا رکھے ہیں، وہ بے بنیاد ہیں۔ اوپر جو طریقہ لکھا گیا ہے، وہی سلف صالحین کا طریقہ رہا ہے۔

یہ سورت فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی۔ عرب کے بہت سے قبائل اس انتظار میں تھے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ کفار قریش کی جنگ کا انجام کیا ہوتا ہے، جب قریش نے حدیبیہ والا معاہدہ توڑ دیا تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مکہ مکرمہ پر حملہ کیا، اور کسی خاص خونریزی کے بغیر اسے فتح کرلیا۔ اس موقع پر کفار کی کمر ٹوٹ چکی تھی، البتہ آخری تدبیر کے طور پر قبیلہ ہوازن نے ایک بڑا لشکر مسلمانوں سے مقابلے کے لیے جمع کیا جس سے حنین کی وادی میں آخری بڑی جنگ ہوئی، اور شروع میں معمولی ہزیمت کے بعد مسلمانوں کو اس میں بھی فتح ہوئی۔ اس جنگ کے بعض واقعات بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں۔ اب عرب کے جو قبائل قریش کی وجہ سے اسلام قبول کرنے سے ڈرتے تھے ان کی جنگوں کے آخری انجام کے منتظر تھے، ان کے دل سے اسلام کے خلاف ہر رکاوٹ دور ہوگئی اور وہ جوق در جوق مدینہ منورہ آکر مسلمان ہوئے، اور اسی طرح جزیرہ عرب کے بیشتر علاقے پر اسلام کا پرچم لہرانے لگا۔ اس موقع پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے جزیرہ عرب کو اسلام

اور مسلمانوں کا بنیادی مرکز قرار دے دیا گیا۔ اصل منشا تو یہی تھی کہ پورے جزیرہ عرب میں کوئی بھی غیر مسلم مستقل باشندے کی حیثیت میں باقی نہ رہے، جیسا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے اس خواہش کا اظہار فرمایا کہ جزیرہ عرب میں دو دین باقی نہ رہنے پائیں۔ (موطا امام مالک، کتاب الجامع و مسند احمد ج:٦ ص:۲۷۵) لیکن اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے تدریج کا طریقہ اختیار فرمایا گیا۔ سب سے پہلا ہدف یہ مقرر فرمایا گیا کہ جزیرۂ عرب کو بت پرستوں سے خالی کرایا جائے۔ چنانچہ جو بچے کھچے بت پرست عرب میں رہ گئے تھے، اور جنھوں نے بیس سال سے زیادہ مدت تک مسلمانوں کو وحشیانہ مظالم کا نشانہ بنایا تھا، ان کو اس سورت کے شروع میں مختلف مدتوں کی مہلت دی گئی جس میں اگر وہ اسلام قبول نہ کریں تو انھیں جزیرۂ عرب چھوڑنے، ورنہ جنگ کا سامنا کرنے کے احکام دیئے گئے ہیں، اور مسجد حرام کو بت پرستی کی ہر نشانی سے پاک کرنے کا اعلان کیا گیا ہے۔ اس ہدف کے پورا ہونے کے بعد جزیرۂ عرب کی مکمل صفائی کا دوسرا مرحلہ یہود و نصاری کو وہاں سے نکالنے کا تھا۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی حیات طیبہ میں یہ مرحلہ مکمل نہیں ہو سکا تھا، لیکن آپ نے اس کی وصیت فرمادی تھی، جیسا کہ آیت نمبر ۲۹ کے تحت اس کی وضاحت آنے والی ہے۔

اس سے پہلے روم کے بادشاہ نے مسلمانوں کی بڑھتی ہوئی طاقت کو دیکھ کر ان پر حملہ کرنے کے لیے ایک بڑی فوج جمع کی۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پیش قدمی کر کے اس کے مقابلے کے لیے تبوک تک تشریف لے گئے۔ اس سورت کا بہت بڑا حصہ اس مہم کے مختلف پہلوؤں پر روشنی ڈالتا ہے۔ منافقین کی معاندانہ کارروائیاں مسلسل جاری تھی، اس سورت میں ان کی بدعنوانیوں کو بھی طشت از بام کیا گیا ہے۔

اس سورت کو سورۂ توبہ بھی کہا جاتا ہے، اور سورہ برأت بھی۔ برأت اس لیے کہ اس کے شروع میں مشرکین سے برأت اور دستبرداری کا اعلان کیا گیا ہے، اور توبہ اس لیے کہ اس میں بعض ان صحابہ کرام کی توبہ قبول ہونے کا ذکر ہے جنھوں نے تبوک کی مہم میں حصہ نہیں لیا تھا، اور بعد میں اپنی اس غلطی پر توبہ کی تھی۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۱۲۹ | سُوْرَةُ التَّوْبَةِ مَدَنِيَّة | رکوعاتہا ۱۶

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ ؕ﴿۱﴾

سورت کی ابتدا میں کفار و مشرکین سے ہونے والے مسلمانوں کے کچھ معاہدوں کا تذکرہ ہے، انہیں سے متعلق کچھ تفصیل ہدایات ذکر کی گئی ہیں، نیز کہا گیا ہے کہ اگر مشرکین پناہ مانگتے ہوں تو ان کو پناہ دی جائے گی، لیکن سرکش کفار اور دشمنانِ اسلام کو کسی قسم کی رعایت نہیں دی جائے گی۔

رکوع (۲)

كَيْفَ يَكُوْنُ لِلْمُشْرِكِيْنَ عَهْدٌ عِنْدَ اللّٰهِ وَ عِنْدَ رَسُوْلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ عِنْدَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ ۚ

اس رکوع میں کچھ قبیلوں کے معاہدے کا ذکر ہے کہ اگر وہ اس کی پاسداری کرتے ہیں تو مسلمانوں کی بھی اس کی پاسداری کرنی ہوگی، البتہ جو کفار مسلمانوں کی جان و مال کے درپے رہتے ہیں اُن سے معاہدہ کیسے باقی رہ سکتا ہے۔ لیکن اگر وہ اپنی سرکشی سے باز آ کر توبہ کریں، نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی کریں، تو وہ ایمانی اخوت کا حصہ بن جائیں گے، اور اگر نعوذ باللہ وہ مرتد ہو جائیں تو اُن سے کوئی معاہدہ باقی نہ رہے گا۔ اخیر رکوع میں اللہ کی راہ میں ہر طرح کی جدوجہد کرنے اور مال و دولت وغیرہ کو خیر آباد کہنے کی ترغیب وارد ہے۔

رکوع (۳)

مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰۤى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ ؕ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ ۖۚ وَ فِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ ﴿۱۷﴾

اس رکوع میں مسجدوں کی تعمیر، اُس کی آبادی ونگرانی وغیرہ کا مستحق مومنین کو قرار دیا گیا ہے، اسی طرح کفار کے کچھ اعمال مثلاً حجاج کی خدمت، مسجد حرام کی نگرانی وغیرہ کو بغیر ایمان کے کالعدم قرار دیا گیا ہے، جن مومنین نے ہجرت کی اور اللہ کی راہ میں جہاد کیا ان کو اللہ کی رضا وخوشنذی اور دائمی جنّت کی خوشخبری سنائی گئی ہے۔ پھر مومنین کو ہدایت ہے کہ اگر تمہارے قریبی رشتہ دار مثلاً والدین، بھائی وغیرہ حالتِ کفر پر ہی ہیں تو ان سے قلبی تعلق نہ رکھو، نیز رشتے داری، مال ودولت، مکانات وتجارت وغیرہ اگر راہِ خدا میں رکاوٹ کا سبب بنیں تو انہیں بے فائدہ بلکہ مضر قرار دیا گیا ہے۔

اہم مسائل

● ایمان روحِ عمل ہے، اُس کے بغیر کیسا ہی اچھا عمل ہو وہ صرف صورت بے جان اور نا قابل قبول ہے، نجاتِ آخرت میں اس کی کوئی قیمت نہیں، ہاں اللہ تعالیٰ کے یہاں بے انصافی نہیں، کافروں کے ایسے بے روح اعمال حسنہ بھی بالکل ضائع نہیں کیے جاتے، ان کا بدلہ ان کو دنیا ہی میں آرام وعیش اور دولت وراحت دے کر بیباق کر دیا جاتا ہے۔

● نیک اعمال میں بھی باہمی تفاضل ہے، اور اسی کی مناسبت سے عمل کرنے والوں کے درجات میں تفاضل قائم ہوتا ہے، سب عمل کرنے والے ایک درجہ میں نہیں رکھے جاسکتے، اور مدار کثرتِ عمل پر نہیں بلکہ حسنِ عمل پر ہے۔

● اصل رشتہ اسلام وایمان کا رشتہ ہے، نسبی ووطنی تعلقات کی اس کے سامنے کوئی حیثیت نہیں۔

● رشتہ داری اور دوستی کے سارے تعلقات پر اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق مقدم ہے۔ جو تعلق اس سے ٹکرائے وہ توڑنے کے قابل ہے۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۴)

لَقَدْ نَصَرَكُمُ اللّٰهُ فِيْ مَوَاطِنَ كَثِيْرَةٍ ۙ وَّ يَوْمَ حُنَيْنٍ ۙ

اس رکوع میں اللہ نے غزوۂ بدر اور حنین کے موقع پر مسلمانوں کی مدد کو یاد دلایا ہے، کہ دشمنوں کی کثرت کے باوجود اللہ تعالیٰ نے فتح نصیب فرمائی، کفار میں سے جو لوگ ایمان

لے آئے تھے ان کے لیے مغفرت کا وعدہ بھی کیا ہے۔اُس کے بعد مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ کفار باطنی طور پر نجس ہیں، اس لیے آئندہ مسجد حرام میں اُن کا داخلہ ممنوع رہے گا، اللہ پر توکل اور بھروسہ کریں اور ان سے تعلقات ٹوٹنے کا کوئی اندیشہ نہ کریں۔اُس کے بعد اہل کتاب سے جزیہ (Tax) لینے کے احکامات ذکر کی گئے ہیں، نیز جو لوگ مصالحت کریں اُن سے جنگ ممنوع قرار دی گئی ہے۔

رکوع(۵)

وَ قَالَتِ الْيَهُوْدُ عُزَيْرُ ۨابْنُ اللّٰهِ وَ قَالَتِ النَّصٰرَى الْمَسِيْحُ ابْنُ اللّٰهِ ؕ

اس رکوع کے آغاز میں یہود ونصاریٰ کے دو مشرکانہ عقیدوں کی تردید کی گئی ہے، یہود حضرت عزیر کو اللہ کا بیٹا قرار دیتے تھے جب کہ نصاریٰ حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا سمجھتے تھے-نعوذ باللہ منہ-اس عقیدے میں اُن کے مذہبی پیشواؤں کی خیانت اور بددیانتی کا بھی ذکر ہے۔اُس کے بعد کفار کی دلی خواہش کا ذکر ہے کہ وہ اللہ کے نور یعنی دین اسلام کو مٹانا چاہتے ہیں، حالاں کہ اللہ اپنے نور یعنی دین اسلام کو پوری طرح چمکا کر رہے گا۔اس کے بعد مال ودولت کے لالچ، سونے چاندی کی ذخیرہ اندوزی اور اُس کے حقوق کی عدم ادائیگی یعنی زکوٰۃ وصدقات کا اہتمام نہ کرنے پر دردناک عذاب کا ذکر ہے۔پھر حرمت والے مہینوں کا (رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، محرم الحرام) ذکر ہے اور اس سے متعلق کچھ خاص ہدایات ہے۔

اہم مسائل

● مہینوں کی جو ترتیب اور ان مہینوں کے جو نام اسلام میں معروف ہیں وہ انسانوں کی بنائی ہوئی اصطلاح نہیں، بلکہ اللہ تعالیٰ نے جس دن آسمان وزمین پیدا کیے اسی دن یہ ترتیب اور یہ نام اور ان کے ساتھ خاص خاص مہینوں کے خاص خاص احکام متعین فرما دیے تھے، اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک احکام شرعیہ میں قمری مہینوں کا اعتبار ہے، اسی قمری حساب پر تمام احکام شرعیہ: روزہ، حج، زکوٰۃ وغیرہ دائر ہیں۔

● تاریخ وسال کا حساب چاند اور سورج دونوں سے جائز ہے، لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنے

احکام کے لیے چاند کے حساب کو پسند فرمایا، اور احکام شرعیہ اس پر دائر فرمائے، اس لیے قمری حساب کا محفوظ رکھنا فرضِ کفایہ ہے، اگر ساری امت قمری حساب ترک کر کے اس کو بھلا دے تو سب گنہگار ہوں گے، اور اگر وہ محفوظ رہے تو دوسرے حساب کا استعمال بھی جائز ہے۔

رکوع (۶)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مَا لَكُمْ اِذَا قِيْلَ لَكُمُ انْفِرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ الاٰية

اس رکوع میں مسلمانوں کو جہاد کی ترغیب دی گئی ہے، نیز آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کو بے حیثیت قرار دیا گیا ہے۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیقؓ کے واقعہ ہجرت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ اخیر میں منافقین کا ذکر ہے جو جہاد میں جانے کے لیے مختلف قسم کے جھوٹے بہانے بناتے رہتے ہیں۔

رکوع (۷)

عَفَا اللّٰهُ عَنْكَ ۚ لِمَ اَذِنْتَ لَهُمْ حَتّٰى يَتَبَيَّنَ لَكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا وَتَعْلَمَ الْكٰذِبِيْنَ ﴿۴۳﴾

اس رکوع میں بھی منافقین کے جہاد سے پیچھے ہٹنے اور حیلے بہانے تلاش کرنے کا ذکر ہے، نیز ان کی ذہنیت بیان کی گئی ہے کہ اگر بالفرض یہ جہاد میں شامل بھی ہوتے تو سازشوں میں مشغول رہتے۔ اسی طرح غزوۂ تبوک میں منافقین کی جانب سے ہونے والی حرکتوں کا بھی ذکر ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو ہونے والی تکلیف سے ان کو دلی مسرّت حاصل ہوتی ہے۔ ایسے لوگوں سے کسی بھی طرح کا مالی چندہ لینے سے منع کیا گیا ہے۔ ساتھ ہی نماز کے تعلق سے ان کی سستی و کاہلی، زکوٰۃ و صدقات کے تعلق سے ان کے بخل اور ان کی جھوٹی قسموں کا بھی تذکرہ ہے۔

رکوع (۸)

اِنَّمَا الصَّدَقٰتُ لِلْفُقَرَآءِ وَالْمَسٰكِيْنِ وَالْعٰمِلِيْنَ عَلَيْهَا وَالْمُؤَلَّفَةِ قُلُوْبُهُمْ وَفِي الرِّقَابِ وَالْغٰرِمِيْنَ وَفِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَابْنِ السَّبِيْلِ ؕ

اس رکوع میں اوّلاً زکوٰۃ کے ۸؍ مستحقین کا ذکر ہے۔ فقراء، مساکین، زکوٰۃ وصول کرنے والے اسلامی حکومت کے ملازمین، مؤلفۃ القلوب، غلاموں کو آزادی دلانے، قرض دار، اللہ کے راستے میں نکلنے والے یعنی مجاہدین وحجاج اور مسافرین۔ پھر ایسے بد بخت منافقین کا ذکر ہے جنھوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تکلیف پہنچائی، ایسے لوگوں کو جہنم کے دائمی عذاب اور رسوائی سے ڈرایا گیا ہے۔ ساتھ ہی یہ بھی ذکر ہے کہ جب ان منافقین کے جملوں کی گرفت کی جاتی ہے تو یہ کہتے ہیں کہ ہم تو بس مذاق کر رہے تھے۔ جس کو اللہ نے کفر قرار دیا ہے۔

زکوٰۃ وصدقات کے اہم مسائل

● زکوٰۃ ہر عاقل بالغ صاحب نصاب (نصاب کی تفصیل آگے آئے گی) مسلمان پر سال میں ایک مرتبہ فرض ہے۔ چنانچہ نابالغ بچے، پاگل آدمی، یا غریب شخص (جو صاحب نصاب نہ ہو) پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے۔ سال میں ایک مرتبہ کا مطلب یہ ہے کہ ایک مرتبہ کسی شخص کے پاس کم از کم نصاب کے برابر پورے سال مال رہا ہو تو وہ سال پورا ہونے پر زکوٰۃ ادا کرے گا۔ سال کے دونوں سروں پر اگر مال کم از کم نصاب کے برابر رہا لیکن درمیان میں اس میں کمی بیشی ہوتی رہی تو سال کے آخر میں جتنی رقم یا مال ہو اس کی زکوۃ ادا کرے گا۔ زکوٰۃ پورے قابلِ زکوۃ مال کا ڈھائی فیصد یا چالیسواں حصہ ادا کی جاتی ہے۔ قابل زکوۃ مال سونا چاندی، مال تجارت اور نقدی ہے۔ غیر قابلِ زکوۃ مال اس کے علاوہ تمام اشیاء اگر تجارت کے لیے نہیں خریدیں مثلاً زمین جائیداد، استعمالی سامان وغیرہ۔

● جو شخص نصابِ زکوٰۃ کا مالک ہو وہ صاحبِ نصاب کہلاتا ہے۔

● زکوٰۃ کا نصاب درج ذیل ہے:

نصاب وہ مال کی مقدار ہے جس پر زکوٰۃ فرض ہوتی ہے، اس کی مقدار ۶۱۲ء۳۶ گرام (یعنی ساڑھے باون تولہ) چاندی یا اس کی مالیت کے برابر سونا نقدی یا سامانِ تجارت ہے۔ اگر ان چار چیزوں کے سوا دوسرا ضرورت سے زائد سامان مثلاً ضرورت سے زائد کپڑے، برتن وغیرہ ہو تو اس پر صدقۃ الفطر اور قربانی تو واجب ہوتی ہے، اور اس کے

لیے زکوٰۃ لینا بھی جائز نہیں ہوتا، لیکن اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہوتی۔

● البتہ ایسے شخص پر زکوٰۃ فرض ہوگی یا نہیں اس میں تفصیل ہے، مندرجہ بالا شخص پر صدقۂ فطر یا قربانی تو فرض ہے البتہ زکوٰۃ اس شخص پر فرض نہیں جس کے پاس صرف ضرورت سے زائد سامان جس کی مالیت ۶۱۲ء۳۶ گرام ہو موجود ہو لیکن اور کوئی سونا چاندی، نقدی یا سامانِ تجارت اس مالیت کا موجود نہ ہو۔ البتہ اگر اس کے پاس ۳۶ء ۶۱۲ گرام چاندی یا اس کی مالیت کے برابر سونا، مال تجارت یا اس کی مالیت کے برابر نقدی موجود ہو تو اس کے اوپر زکوٰۃ فرض ہے۔

مصارفِ زکوٰۃ

۱-۲ فقراء و مساکین: ان سے مراد وہ غریب لوگ ہیں جو یا تو سرے سے کسی پراپرٹی یا اثاثے اور بنیادی مال و اسباب کے مالک ہی نہ ہوں، یا اس کے مالک ہوں مگر صاحب نصاب نہ ہوں، جس کی تفصیل اوپر گذر چکی ہے۔ انہیں زکوٰۃ ادا کی جا سکتی ہے۔ آگے غریب کے لفظ سے یہی لوگ مراد ہوں گے۔ مگر جو لوگ نصاب کے مالک ہوں انہیں زکوٰۃ نہیں دی جا سکتی۔

۳۔ زکوٰۃ کے عاملین: ان سے مراد وہ لوگ ہیں جو اسلامی حکومت کی طرف سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور ہوتے ہیں۔ انہیں بھی زکوٰۃ دی جا سکتی ہے۔

۴۔ مؤلفۃ القلوب: یہ وہ لوگ ہیں جن کی دل جوئی کے لیے ان کو صدقات دیئے جاتے تھے، ان میں مسلم اور غیر مسلم دونوں طرح کے لوگ تھے، غیر مسلموں کی دل جوئی اور اسلام کی ترغیب کے لیے اور نو مسلموں کی دل جوئی اور اسلام پر پختہ کرنے کے لیے زکوٰۃ دی جاتی تھی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں ان لوگوں کو ایک علت اور مصلحت کے لیے صدقات دیئے جاتے تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد جب اسلام کو مادی قوت بھی حاصل ہو گئی اور کفار کے شر سے بچنے اور نو مسلموں کو اسلام پر پختہ کرنے کے لیے اس طرح کی تدبیروں کی ضرورت نہ رہی تو وہ علت اور مصلحت بھی ختم ہو گئی، اس لیے اب ان کا

حصہ بھی ختم ہو گیا۔

۵۔غلاموں کو آزاد کرنے کے لیے: پہلے زمانے میں غلام آقا کے ساتھ معاہدہ کر لیتے کہ اگر وہ آقا کو اتنے پیسے دیدیں تو آقا انہیں آزاد کردے گا، اسے مکاتب بھی کہا جاتا تھا۔ ان کی مدد کرنے کے لیے تاکہ وہ آزاد ہو سکیں شریعت نے انہیں بھی زکوٰۃ ادا کرنے کی اجازت دی ہے۔آج کل چونکہ غلاموں کا وجود نہیں ہے، اس لیے یہ مصرف موجود نہیں ہے۔

۶۔مقروض لوگ: اگر کوئی شخص اتنا مقروض ہو کہ اس کے پاس قرض ادائیگی کے لیے مال نہ ہو یا اتنا کم مال ہو کہ جس سے اگر وہ قرضہ ادا کردے تو ادا کرنے کے بعد وہ صاحبِ نصاب نہ رہے۔

۷۔اللہ کی راہ میں: اس سے مراد مجاہدین اور وہ حجاج کرام ہیں جن کے پاس اپنی ضروریات کو پورا کرنے کے لیے پیسے نہ ہوں۔

۸۔مسافر: اس سے مراد وہ لوگ ہیں جو چاہے اپنے علاقہ میں مال دار ہوں مگر حالتِ سفر میں ان کے پاس ان کی بنیادی ضروریات پورا کرنے کے لیے مال نہ ہو تو انہیں بھی زکوٰۃ دی جاسکتی ہے۔

زکوٰۃ کے بنیادی مسائل

● سونے چاندی اور سامانِ تجارت (یعنی وہ سامان جو تجارت کی نیت سے خریدا ہو) اگر وہ زکوٰۃ کے نصاب کے برابر پہنچے تو اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔البتہ اس کے علاوہ جامد اثاثے مثلاً زمین جائیداد خواہ اس سے کرایہ بھی آتا ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں۔اسی طرح قیمتی پتھر اور جواہر پر بھی زکوٰۃ واجب نہیں، البتہ اگر ان کی قیمت نصاب کے برابر ہو تو اس کے مالک کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

● زکوٰۃ کسی مالدار کے نابالغ بچے کو نہیں دی جاسکتی، البتہ اگر وہ بالغ اور غریب ہو تو پھر دے سکتے ہیں۔اسی طرح زکوٰۃ کسی غریب کے نابالغ بچے کو بھی دی جاسکتی ہے۔

● زکوٰۃ کسی غیر مسلم کو نہیں دی جاسکتی، البتہ اسے نفلی خیرات وصدقات میں سے دیا جاسکتا ہے۔

● زکوٰۃ کسی بنی ہاشم یا سیّد کو نہیں دی جاسکتی (یعنی حضرت علیؓ، حضرت عقیل، اور حضرت حارث بن عبدالمطلبؓ کی اولاد ونسل)۔

● زکوٰۃ کسی ایسی غریب عورت کو بھی دی جاسکتی ہے جس کا شوہر مال دار ہو۔

قابلِ زکوٰۃ اشیاء

(۱) سونا چاندی۔

(۲) کیش یا نقدی خواہ کوئی بھی کرنسی ہو اس کی بازاری قیمت لگائی جائے۔

(۳) وہ دستاویزات جو نقدی یا سامان تجارت کی نمائندگی کرتی ہوں، مثلاً بانڈز، شیئرز، سرٹیفیکیٹس وغیرہ۔

(۴) مال مویشی مثلاً بکرا، دنبہ، گائے، بھینس وغیرہ۔

(۵) زرعی پیداوار۔

قابلِ وصول قرضے

قابل وصول قرضوں کی تین قسمیں ہیں:

(۱) دینِ قوی: یہ وہ قابل وصول قرضے ہیں جو یا تو سامان تجارت کی فروختگی کی وجہ سے وصول ہونے ہیں، یا کوئی رقم، سونا یا چاندی کسی کو قرض دی گئی ہے وہ وصول ہونی ہے۔

اس کا اصول یہ ہے کہ وصول کنندہ قرضے کی رقم وصول کرنے کے بعد سابقہ سارے سالوں کی زکوٰۃ ادا کرے گا۔

(۲) دین متوسط: اس سے مراد وہ قابل وصول قرضے ہیں جو سامان تجارت کے علاوہ مثلاً کوئی گھریلو سامان، کپڑے، گاڑی اور جائداد وغیرہ کی فروختگی کی وجہ سے وصول ہونے ہیں۔

اس میں اصول یہ ہے کہ وصول کنندہ یہ قرضے وصول کرنے کے بعد سابقہ سالوں کی زکوٰۃ تو ادا نہیں کرے گا البتہ صرف اس سال کی زکوٰۃ ادا کرے گا جس سال اسے یہ رقم ملی ہے۔

(۳) دین ضعیف: یہ وہ قابل وصول قرضے ہیں جو کسی سامان کی فروختگی یا قرضہ دینے کی وجہ سے قابل وصول نہ ہوں بلکہ کسی اور وجہ مثلاً وراثت، جہیز، کرایہ، تنخواہ یا پراویڈنٹ فنڈ کی ادائیگی کی وجہ سے وصول ہونے ہیں۔

اس کا اصول بھی یہی ہے کہ سابقہ سالوں کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم نہیں، بلکہ صرف اسی سال کی زکوٰۃ ادا کرنا لازم ہے جس سال یہ رقم ملی ہے، بشرطیکہ زکوٰۃ کی فرضیت کی دیگر شرائط پائی جائیں۔

قابلِ ادا قرضہ

● صاحب نصاب پر زکوٰۃ کی ادائیگی اس وقت لازم ہوگی جب وہ اتنی رقم کا مقروض نہ ہو کہ اگر وہ قرضہ ادا کرے تو صاحب نصاب نہ رہے، لہٰذا اگر کسی نے تھوڑا سا بھی قرضہ لیا ہے تو اسے نکال کر دیکھا جائے گا کہ کتنی رقم باقی بچی، اگر وہ نصاب کو پہنچے تو اس پر زکوٰۃ ادا کی جائے گی، ورنہ نہیں۔ البتہ یہ یاد رہے کہ یہ حکم عام قرضوں کا ہے، تجارتی قرضوں کا نہیں۔ چنانچہ اگر کسی شخص نے تجارتی قرضہ لے کر اس سے کوئی ایسی چیز خریدی جس پر زکوٰۃ نہیں ہے مثلاً مشینری تو ایسے قرضے کو قابل زکوٰۃ مال سے منہا گھٹایا نہیں کیا جائے گا۔

شرائط زکوٰۃ

(۱) ملکیت: قابل زکوٰۃ اشیاء زکوٰۃ ادا کرنے والے کی ملکیت میں ہونی چاہئیں۔

(۲) قابل نمو: وہ اشیاء جن کی مالیت میں از خود اضافہ ہوتا رہتا ہے، مثلاً سونا چاندی یا سامان تجارت۔ انہیں اموال نامیہ (بڑھوتری والا مال) بھی کہا جاتا ہے۔

(۳) مال زکوٰۃ پر ایک سال مکمل گذر گیا ہو: مثلاً اگر ایک آدمی کے پاس ایک سال یکم شعبان پر نصاب کے برابر مال آیا اور سال بھر اس کے پاس کم از کم نصاب کے برابر مال رہا، تو وہ اگلے سال یکم شعبان کو دیکھے گا کہ اس کے پاس مجموعی مال کتنا ہے، اس کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ نکالے گا۔ درمیان میں اگر مال میں اضافہ ہوا تو اس کا الگ سے پورا سال شمار نہیں کرے گا بلکہ وہ مال بھی اسی سال میں شامل ہو کر اگلے کی مال زکوٰۃ میں شمار کیا جائے گا۔

(۴) تملیک: یعنی جس شخص کو زکوٰۃ دی جائے اسے زکوٰۃ کے مال کا مالک بنانا ضروری ہے۔ زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت زکوٰۃ لینے والے پر کسی کام وغیرہ کی شرط جائز نہیں۔ اسی طرح کسی کام کے معاوضہ کے طور پر زکوٰۃ ادا نہیں کی جاسکتی۔ زکوٰۃ وصول کرنے والا کوئی انسان ہونا ضروری ہے، وقف، مسجد، ہسپتال یا اسکول کو زکوٰۃ نہیں دی جاسکتی۔

مال تجارت پر زکوٰۃ

● زیورات کے علاوہ کسی استعمالی مال پر زکوٰۃ نہیں، جب تک کہ اس کے حصوں یا خریداری کے وقت اس کی تجارت (آگے فروختگی) کی نیت نہ کی ہو۔ اگر کوئی سامان اپنے استعمال کے لیے خریدا پھر اسکو بیچنے کی نیت کرلی تو وہ مال تجارت نہیں بنے گا اور اس پر زکوٰۃ نہیں ہوگی جب تک کہ اسے فروخت کر کے نقد میں تبدیل نہ کر دے۔ جب فروخت کر کے نقدی حاصل کر لے گا تو اس پر زکوٰۃ دینی ہوگی۔

● جائداد خواہ کرایہ پر چڑھی ہوئی ہو اس پر زکوٰۃ فرض نہیں ہے، البتہ اس کے کرایہ پر زکوٰۃ دینی ہوگی۔

● کسی دوکان پر مال تجارت یا کسی فیکٹری یا مل کے خام مال یا پیداوار پر زکوٰۃ فرض ہے۔ ان تمام اشیاء کی ہول سیل قیمت پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

● شیئرز یا سرٹیفکیٹس کی بھی بازاری قیمت پر زکوٰۃ نکالی جائے۔ البتہ اگر ان کے پیچھے کچھ جامد اثاثے ہوں تو اس تناسب سے ان کی قیمت پر سے زکوٰۃ ساقط ہو جائے گی۔ مثلاً اگر شیئرز کے پیچھے ۳۰ رفی صد جامد اثاثے ہوں اور اس کی قیمت ۱۰۰ روپے ہو تو زکوٰۃ صرف ۷۰ روپے پر آئیگی۔

زیور پر زکوٰۃ

● زیور خواہ سونے کا ہو یا چاندی کا اس پر زکوٰۃ فرض ہے۔ جو زیور کا مالک ہو اسے زکوٰۃ نکالنی چاہیے، البتہ سونے چاندی کے علاوہ زیور مثلاً آرٹیفیشل جیولری، قیمتی پتھر، جواہرات اور موتی وغیرہ پر زکوٰۃ نہیں ہے لیکن اگر یہ اشیاء تجارت کے لیے خریدی ہیں تو پھر ان پر زکوٰۃ فرض ہوگی۔

● اگر سونے کے زیورات میں کھوٹ غالب ہو تو پھر ان پر بھی زکوٰۃ فرض نہیں ہوگی بشرطیکہ انہیں تجارت کی غرض سے نہ خریدا ہو۔

زکوٰۃ کی نیت

● زکوٰۃ ادا کرتے وقت زکوٰۃ کی نیت کرنا ضروری ہے، تاہم جس دن زکوٰۃ فرض ہو،

اس دن زکوٰۃ کی نیت سے پیسے الگ کر لیے اور پھر سال بھر زکوٰۃ ادا کرتا رہا تو پھر ہمیشہ الگ سے زکوٰۃ کی نیت کی ضرورت نہیں۔

● اگر کسی غریب آدمی کو زکوٰۃ کی نیت کے بغیر کوئی پیسے دیئے اور پھر اس کی زکوٰۃ کی نیت کرنا چاہے تو اگر اس کے پاس وہ پیسے موجود ہوں تو اس پر زکوٰۃ کی نیت کر سکتا ہے، ورنہ اگر وہ پیسے استعمال ہو گئے تو پھر اس پر زکوٰۃ کی نیت نہیں کی جاسکتی۔

● زکوٰۃ کی ادائیگی کے وقت جس شخص کو زکوٰۃ دے رہا ہے اسے بتانے کی ضرورت نہیں کہ یہ زکوٰۃ کے پیسے ہیں۔

● اگر کسی شخص نے زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے کسی کو وکیل بنایا تو وکیل کو دیتے وقت تو نیت کرے لیکن وکیل کا ادائیگی کے وقت نیت کرنا ضروری نہیں ہے۔

زکوٰۃ کے حساب کا طریقہ

● سب سے پہلے جو اشیاء قابل زکوٰۃ ہیں انہیں شمار (جمع) کیا جائے۔

مثلاً: کل سونا، چاندی، نقد مال، مال تجارت وغیرہ اس کے بعد اس میں سے قرضے منہا (گھٹایا) کیے جائیں جو باقی بچے اس کا ڈھائی فیصد زکوٰۃ ادا کی جائے۔

صدقہ فطر کا نصاب

● صدقہ فطر کا نصاب وہ مال کی مقدار ہے کہ جس کا مالک شرعاً مال دار کہلاتا ہے اور اسے زکوٰۃ وصدقات نہیں دئے جاسکتے۔ اس کی مقدار ۶۱۲،۳۶ گرام چاندی یا اس کی مالیت کے برابر سونا، نقدی سامان تجارت یا ضرورت سے زائد سامان ہے۔ جس کے اوپر صدقہ فطر واجب ہو وہ اپنی طرف سے اور اپنے بچوں کی طرف سے الگ الگ صدقہ فطر نکالے۔ صدقہ فطر کی مقدار پونے دو کلو گندم کا آٹا، یا اس کے برابر رقم ہے اور احتیاطاً دو کلو گندم کا آٹا یا اس کے برابر رقم ہے۔ (ملخص از ارکانِ اسلام)

رکوع (۹)

اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْۢ بَعْضٍ ۘ

اس رکوع میں اوّلاً منافقین کی خصلتوں کا ذکر ہے کہ یہ لوگ برائی کو پھیلاتے ہیں، بھلائی کے کاموں سے روکتے ہیں، بخل کا مظاہرہ کرتے ہیں، اللہ کو بھلائے بیٹھے ہیں، ظاہر ہے کہ یہ سب اللہ کا نافرمان ہونے کی علامت ہیں، جس پر ان سے جہنم کے دائمی عذاب اور رحمت خداوندی سے دوری کا وعدہ کیا گیا ہے۔ طاقت وقوت اور مال دولت وغیرہ کے باوجود گزشتہ امتوں مثلاً قوم نوح، قوم عاد وثمود وغیرہ کی ہلاکت وبربادی کا ذکر بھی کیا گیا ہے، کہ یہ منافقین انہیں کے نقش قدم پر چل رہے ہیں۔ اس کے بعد مومنین کی صفات ذکر کی گئی ہیں کہ یہ ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوتے ہیں، بھلائی کا حکم کرتے ہیں، برائیوں سے روکتے ہیں، نماز وزکوۃ کا اہتمام کرتے ہیں، اللہ ورسول کی اطاعت کرتے ہیں جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے جنّت کی نعمتوں کا وعدہ کیا گیا ہے۔

رکوع (۱۰)

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ ؕ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ ؕ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ ﴿۷۳﴾

اس رکوع میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار ومنافقین کے ساتھ جہاد اور سختی کا حکم دیا گیا ہے۔ نیز منافقین کے کفریہ جملوں، ان کی سازشوں مال ودولت کی کثرت کے باوجود بخل وکنجوسی اور اہل ایمان کے استہزاء کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس بعد بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان کی سرگوشیوں اور خفیہ مجلسوں سے خوب واقف ہے اور ان کے لیے دردناک عذاب ہے۔

رکوع (۱۱)

فَرِحَ الْمُخَلَّفُوْنَ بِمَقْعَدِهِمْ خِلٰفَ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَكَرِهُوْٓا اَنْ يُّجَاهِدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ ؕ

اس رکوع میں بھی منافقین کا ذکر ہے کہ غزوۂ تبوک کے موقع پر یہ بہانے بنا کر پیچھے رہ گئے، جہاد میں شریک نہ ہوئے اور دھوپ کی شدت کا بہانہ بناتے رہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ کاش انہیں جہنم کی آگ کی شدت کا اندازہ ہوتا۔ انجام کار ان کے لیے بس دنیا کی

کچھ دن کی مسرت ہے، آخرت میں رونا ہی ان کا مقدر ہوگا۔ پھر یہ ہدایت کی گئی ہے کہ اب اگر یہ جہاد میں شریک بھی ہونا چاہیں تو ان کو منع کر دیں، نیز ان کی نماز جنازہ بھی نہ پڑھائیں۔ اخیر رکوع میں مجاہدین کی تعریف کی گئی ہے۔

اہم مسائل

● کسی کافر کے جنازہ کی نماز اور اس کے لیے دعائے مغفرت جائز نہیں۔

● کسی کافر کے اعزاز و اکرام کے لیے اس کی قبر پر کھڑا ہونا یا اس کی زیارت کے لیے جانا حرام ہے، عبرت حاصل کرنے کے لیے ہو یا کسی مجبوری کے لیے تو وہ اس کے منافی نہیں۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۱۲)

وَجَآءَ الْمُعَذِّرُوْنَ مِنَ الْاَعْرَابِ لِيُؤْذَنَ لَهُمْ وَقَعَدَ الَّذِيْنَ كَذَبُوا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ ۚ سَيُصِيْبُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ۞

اس رکوع میں بھی غزوۂ تبوک ہی کا ذکر ہے، کمزوروں، مریضوں اور جن لوگوں کے پاس جہاد میں جانے کا سامان نہیں تھا اُن سب کو جہاد سے رخصت دی گئی ہے۔ کچھ ایسے صحابہ کرام کا ذکر ہے جنہیں سامانِ جہاد نہ ہونے کی وجہ سے واپس کر دیا گیا تھا کہ اس عظیم عبادت میں شریک نہ ہو پانے کی وجہ سے روتے روتے واپس لوٹے، یہ سات انصاری صحابہ تھے: حضرت سالم بن عمیر، حضرت علبہ بن زید، حضرت عبدالرحمٰن بن کعب، حضرت عمرو بن الحمام، حضرت عبداللہ بن مغفل، حضرت ہرمی بن عبداللہ اور حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہم اجمعین۔



پارہ: (۱۱)

يَعْتَذِرُوْنَ اِلَيْكُمْ اِذَا رَجَعْتُمْ اِلَيْهِمْ ؕ

قُلْ لَّا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ ؕ

منافقین اور ان کی جانب سے غزوۂ تبوک کے موقع پر ہونے والی شرارتوں اور بہانوں کا ذکر جاری ہے، جس میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی کسی بھی قسم کی معذرت قبول کرنے سے منع کیا گیا ہے، اور ان سے کہا گیا ہے کہ ہمیں تمہارے دل کا حال اللہ نے بتادیا ہے۔ پھر بار بار ان کی جانب سے جھوٹی قسموں کا ذکر ہے، ان کے مزاج کی شدت اور کچھ مزید برے اوصاف بھی بتائے گئے ہیں۔ البتہ جو لوگ اللہ پر صدق دل سے ایمان لاتے ہیں اور رضا کے لیے راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں ان کی نیکیوں کی قبولیت کا بھی تذکرہ ہے۔

رکوع (۱۲)

وَالسّٰبِقُوْنَ الْاَوَّلُوْنَ مِنَ الْمُهٰجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ

وَالَّذِيْنَ اتَّبَعُوْهُمْ بِاِحْسَانٍ ۙ

اس رکوع میں مہاجرین وانصار کی تعریف کی گئی ہے، انہیں رضائے الٰہی اور جنت کا مستحق قرار دیا گیا ہے، پھر ایسے لوگوں کا ذکر ہے جن سے گناہ ہوا، پھر انہوں نے توبہ کی اور اپنے گناہ کا اعتراف کیا تو اُن کے لیے مغفرت کا وعدہ ہے، نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو زکوٰۃ صدقات وصول کرنے کا حکم ہے جسے مسلمانوں کے مال کے لیے پاکیزگی کا سبب قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد "مسجد ضرار" کا ذکر ہے، یہ وہ مسجد ہے جو منافقین نے اپنی خفیہ سازشوں اور مجلسوں کے لیے بنائی تھی، ان کی خواہش تھی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اس کا افتتاح کردیں، اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم نازل ہوا کہ اس مسجد کا مقصد مسلمانوں کے درمیان افتراق اور فساد ہے، اس لیے اسے منہدم کردیا جائے۔

اہم مسئلہ

● آج بھی اگر کوئی نئی مسجد پہلی مسجد کے متصل بلا کسی ضرورت کے محض ریاء ونمود کے لیے یا ضد وعناد کی وجہ سے بنائی جائے تو اس میں نماز پڑھنا بہتر نہیں، اگرچہ نماز ہو جاتی ہے۔

رکوع (۱۴)

إِنَّ اللَّهَ اشْتَرَىٰ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ أَنفُسَهُمْ وَأَمْوَالَهُم بِأَنَّ لَهُمُ الْجَنَّةَ ۚ

اس رکوع میں اُن مومنین کو جنّت کی بشارت دی گئی ہے جو اپنی جان ومال اللہ کے راستے میں قربان کر دیتے ہیں، جو توبہ کرنے والے، عبادت گزار، اللہ کی تعریف کرنے والے، نماز کی پابندی کرنے والے، بھلائیوں کا حکم کرنے والے، برائیوں سے روکنے والے اور اللہ کے احکامات کا لحاظ کرنے والے ہیں۔ پھر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ کسی مشرک کے لیے دعائے استغفار جائز نہیں، خواہ وہ کتنا ہی قریبی رشتے دار ہو۔ اس کے بعد انصار ومہاجرین کا ذکر ہے جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نہایت دشوار گھڑی میں ساتھ دیا، اخیر رکوع میں تین صحابہ کرام حضرت کعب بن مالک، حضرت ہلال بن امیہ اور مرارہ بن ربیع رضی اللہ عنہم کا تذکرہ ہے جو غفلت اور سستی کی وجہ سے غزوۂ تبوک میں شرکت نہ کر سکے تھے، ان تینوں نے سچے دل سے توبہ کی اور اللہ نے اُن پر اپنا فضل فرما کر معاف کر دیا۔

رکوع (۱۵)

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَكُونُوا مَعَ الصَّادِقِينَ ﴿۱۱۹﴾

اس رکوع میں اہل ایمان کو تقویٰ اور سچائی کی تعلیم دی گئی ہے، اُس کے بعد کہا گیا ہے کہ راہِ خدا میں مشقتیں اٹھانا، بھوک پیاس برداشت کرنا بھی ایک عبادت ہے، نیز اللہ کے راستے میں کم یا زیادہ ہر طرح کا صدقہ نہایت قابلِ قدر ہے۔ اخیر رکوع میں حکم ہے کہ دینی علوم سیکھنے اور اس کی نشر واشاعت کے لیے ایک جماعت کا اسی کام میں منہمک ہونا ضروری ہے۔

اہم مسائل

●**فرضِ عین علم:** ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے کہ اسلام کے عقائد صحیحہ کا علم حاصل کرے اور طہارت، نجاست کے احکام سیکھے، نماز روزہ اور تمام عبادات جو شریعت نے فرض وواجب قرار دی ہیں ان کا علم حاصل کرے، جن چیزوں کو حرام یا مکروہ قرار دیا ہے ان کا علم حاصل کرے، جس شخص کے پاس بقدر نصاب مال ہو اس پر فرض ہے کہ زکوٰۃ کے مسائل واحکام معلوم کرے، جس کو حج پر قدرت ہے اس کے لیے فرض عین ہے کہ حج کے احکام ومسائل معلوم کرے، جس کو بیع وشراء کرنا پڑے اس پر فرض عین ہے کہ بیع واجارہ وغیرہ کے مسائل واحکام سیکھے، جب نکاح کرے تو نکاح وطلاق کے احکام و مسائل معلوم کرے، غرض جو کام شریعت نے ہر انسان کے ذمہ فرض وواجب کیے ہیں ان کے احکام ومسائل کا علم حاصل کرنا بھی ہر مسلمان مرد وعورت پر فرض ہے۔

●**فرضِ کفایہ علم:** پورے قرآن مجید کے معانی ومسائل کو سمجھنا، تمام احادیث کو سمجھنا اور ان میں معتبر اور غیر معتبر کی پہچان پیدا کرنا، قرآن وسنت سے جو احکام ومسائل نکلتے ہیں ان سب کا علم حاصل کرنا، اس میں صحابہ وتابعین اور ائمۂ مجتہدین کے اقوال وآثار سے واقف ہونا یہ اتنا بڑا کام ہے کہ پوری عمر اور سارا وقت اس میں خرچ کر کے بھی پورا حاصل ہونا آسان نہیں، اس لیے شریعت نے اس علم کو فرض کفایہ قرار دیا ہے، کہ بقدر ضرورت کچھ لوگ یہ سب علوم حاصل کرلیں تو باقی مسلمان سبکدوش ہو جائیں گے۔

رکوع (۱۶)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا قَاتِلُوا الَّذِيْنَ يَلُوْنَكُمْ مِّنَ الْكُفَّارِ وَلْيَجِدُوْا فِيْكُمْ غِلْظَةً ۭ وَاعْلَمُوْٓا اَنَّ اللّٰهَ مَعَ الْمُتَّقِيْنَ ﴿۱۲۳﴾

سورۂ توبہ کے آخری رکوع میں مسلمانوں کو حوصلہ، شجاعت اور جہاد کی تعلیم دی گئی ہے، اس کے بعد قرآن کریم کے تعلق سے منافقین کے اعراض اور کچھ بے ہودہ حرکتوں کا تذکرہ ہے۔ اخیر سورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں مسلمانوں کے لیے غایت درجے کے جذبہ شفقت ورحمت کو بیان کیا گیا ہے۔

تعارف سورۂ یونس

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ البتہ بعض مفسرین نے اس کو تین آیتوں (آیت نمبر ۴۰ اور ۹۴ اور ۹۵) کے بارے میں یہ خیال ظاہر کیا ہے کہ وہ مدینہ منورہ میں نازل ہوئی تھیں۔ لیکن اس کا کوئی یقینی ثبوت موجود نہیں ہے۔ سورت کا نام حضرت یونس (علیہ السلام) کے نام پر رکھا گیا ہے جن کا حوالہ آیت نمبر ۹۸ میں آیا ہے۔ مکہ مکرمہ میں سب سے اہم مسئلہ اسلام کے بنیادی عقائد کو ثابت کرنا تھا، اس لیے اکثر مکی سورتوں میں بنیادی زور توحید، رسالت اور آخرت کے مضامین پر دیا گیا ہے۔ اس سورت کے بھی مرکزی موضوعات یہی ہیں۔ اس کے ساتھ اسلام پر مشرکین عرب کے اعتراضات کے جواب دیئے گئے ہیں اور ان کے غلط طرز عمل کی مذمت کی گئی ہے، اور انھیں تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر انھوں نے اپنی ضد جاری رکھی دنیا اور آخرت دونوں میں ان پر اللہ تعالیٰ کی طرف عذاب آسکتا ہے۔ اسی سلسلہ میں پچھلے انبیائے کرام میں سے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی مخالفت کے نتیجے میں فرعون کے غرق ہونے کا واقعہ تفصیل کے ساتھ اور حضرت نوح اور حضرت یونس (علیہما السلام) کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ ان میں کافروں کے لیے تو یہ کہ انھوں نے پیغمبر کی مخالفت میں جو رویہ اختیار کیا ہوا ہے، اس کے نتیجے میں ان کا انجام بھی ایسا ہی ہوسکتا ہے، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں کے لیے یہ تسلی کا سامان بھی ہے کہ ان ساری مخالفتوں کے باوجود آخری انجام انشاء اللہ انہی کے حق میں ہوگا۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

رکوعاتہا ۱۱ | سُوْرَۃُ یُوْنُس مَکِّیَّۃ | آیاتہا ۱۰۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ①

سورت کی شروعات میں مومنین کے لیے اچھے انجام کی بشارت ہے، جب کہ کفار کی بدبختی یہ تھی کہ وہ نبی اکرم ﷺ کو جادوگر قرار دیتے تھے۔ پھر بیان کیا گیا ہے کہ اللہ رب العزت نے آسمان وزمین کی تخلیق چھ دنوں میں کی ہے، وہی سب کا خالق و مالک ہے، اُسی نے سورج و چاند بنائے جس کے ذریعہ سالوں اور مہینوں کا نظام چل رہا ہے، اُسی نے پہلی زندگی دی اور وہی مرنے کے بعد والی زندگی دے گا، ان چیزوں میں غور و فکر کا تقاضہ یہ ہے کہ عبادت بھی اسی کی کرنی چاہیے۔

رکوع (۲)

وَلَوْ یُعَجِّلُ اللّٰہُ لِلنَّاسِ الشَّرَّ اسْتِعْجَالَھُمْ بِالْخَیْرِ لَقُضِیَ اِلَیْھِمْ اَجَلُھُمْ ۭ فَنَذَرُ الَّذِیْنَ لَا یَرْجُوْنَ لِقَاۗءَنَا فِیْ طُغْیَانِھِمْ یَعْمَھُوْنَ ⑪

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کا ایک دستور ذکر کیا گیا ہے کہ وہ لوگوں کو نافرمانی پر فوری عذاب نہیں دیتا، بلکہ ان کو مہلت اور ڈھیل دیتا ہے، چناں چہ انسان کو جب کوئی مصیبت پہنچتی ہے تو وہ اللہ کی جانب ہی رجوع کرتا ہے، لیکن مصیبت ختم ہوتے ہی اُسے بھول کر شرک میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ گزشتہ اقوام کی ہلاکت اور اس کے سب سے بڑے سبب ''کفر'' کو ذکر کیا گیا ہے۔ کفار کی ایک حماقت یہ بھی ذکر کی گئی ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ سے قرآن کی آیات میں تبدیلی کا مطالبہ کرتے تھے، جس کا جواب رسول اکرم ﷺ نے یہ دیا کہ یہ میرے اختیار میں نہیں، میں تو اللہ کی وحی کے تابع ہوں۔ اس کے بعد شرک کی مذمت کی گئی ہے۔

رکوع (۳)

وَ اِذَآ اَذَقْنَا النَّاسَ رَحْمَةً مِّنْۢ بَعْدِ ضَرَّآءَ مَسَّتْهُمْ اِذَا لَهُمْ مَّكْرٌ فِيْٓ اٰيَاتِنَا ؕ قُلِ اللّٰهُ اَسْرَعُ مَكْرًا ؕ اِنَّ رُسُلَنَا يَكْتُبُوْنَ مَا تَمْكُرُوْنَ ﴿۲۱﴾

اس رکوع میں انسانوں کی ناشکری کو ایک مثال سے بیان کیا گیا ہے کہ جب لوگوں کو مصیبت پہنچتی ہے تو اللہ کی جانب رجوع کرتے ہیں، لیکن بعد میں بھول جاتے ہیں۔ اسی کے ذیل میں اللہ تعالیٰ کے چند مظاہر قدرت کا تذکرہ ہے، پھر دنیوی زندگی کی بے ثباتی اور ناپائیداری کا ذکر ہے، اس کے بعد مومنین اور کفار کا اخروی تقابل ہے کہ مومنین کو تو جنت کی نعمتیں نصیب ہوں گی، جب کہ کفار اپنی بداعمالیوں کی پاداش میں ذلیل ورسوا ہوں گے، اور جن معبودوں کو اللہ کا شریک ٹھہرانے کی وجہ سے یہ جہنم رسید ہوں گے آخرت میں وہ خود ان سے براءت کا اظہار کریں گے۔

رکوع (۴)

قُلْ مَنْ يَّرْزُقُكُمْ مِّنَ السَّمَآءِ وَ الْاَرْضِ اَمَّنْ يَّمْلِكُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ مَنْ يُّخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ يُخْرِجُ الْمَيِّتَ مِنَ الْحَيِّ وَ مَنْ يُّدَبِّرُ الْاَمْرَ ؕ

اس رکوع میں کفار کی جانب سے اقرارِ توحید کو اس طرح ذکر کیا گیا ہے کہ اگر ان سے سوال کیا جائے کہ آسمان وزمین سے یہ رزق کون دیتا ہے اور کون اس کی پوری تدبیر کرتا ہے تو ان کا جواب بھی ''اللہ'' کے سوا کچھ نہیں ہوگا۔ اسی پر انہیں دعوتِ غور وفکر دی جارہی ہے کہ جب اللہ کی قدرت وتدبیر کا اقرار ہے تو گمراہی کی جانب کیوں جارہے ہو۔ نیز کفار ومشرکین کو کہا گیا ہے کہ ذرا اپنے جھوٹے خداؤں کی کوئی تخلیق دکھائیں۔ اخیر رکوع میں قرآن کریم کے تعلق سے چیلنج کیا گیا ہے کہ اگر یہ کسی انسان کا کلام ہے تو تم ذرا اس کے جیسی ایک سورت پیش کر کے دکھادو۔

رکوع (۵)

وَ اِنْ كَذَّبُوْكَ فَقُلْ لِّيْ عَمَلِيْ وَ لَكُمْ عَمَلُكُمْ ۚ

اَنۡتُمۡ بَرِیۡٓـُٔوۡنَ مِمَّاۤ اَعۡمَلُ وَ اَنَا بَرِیۡٓءٌ مِّمَّا تَعۡمَلُوۡنَ ﴿۴۱﴾

اس رکوع میں اوّلاً ذکر کیا گیا ہے کہ مشرکین اگر اتنے دلائل کے باوجود آپ کی بات تسلیم نہیں کرتے تو انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں۔ پھر قیامت کا ذکر ہے کہ یہ کفار و مشرکین قیامت کی ہولناکی اور شدت کی وجہ سے دنیا کی پوری زندگی کو بس ایک دن کا سمجھیں گے۔ اس کے بعد ضابطۂ خداوندی بتایا گیا ہے کہ ہر قوم اور ہر شخص کے لیے موت کا ایک وقت مقرّر ہے، جس سے وہ ذرّہ برابر آگے پیچھے نہیں ہو سکتے، لیکن اُس وقت اگر کوئی کافر اللہ پر ایمان لاتا ہے تو وہ ایمان فائدہ نہیں دے گا، بلکہ ان کے لیے ہمیشگی کا عذاب ہی مقدر ہوگا۔

رکوع (٦)

وَ لَوۡ اَنَّ لِکُلِّ نَفۡسٍ ظَلَمَتۡ مَا فِی الۡاَرۡضِ لَافۡتَدَتۡ بِہٖ ؕ وَ اَسَرُّوا النَّدَامَۃَ لَمَّا رَاَوُا الۡعَذَابَ ۚ وَ قُضِیَ بَیۡنَہُمۡ بِالۡقِسۡطِ وَ ہُمۡ لَا یُظۡلَمُوۡنَ ﴿۵۴﴾

اس رکوع میں قیامت کی شدت اور ہولناکی کا تذکرہ اس طور پر کیا گیا ہے کہ اگر کسی کے پاس پوری دنیا کی دولت ہو تو وہ بھی عذاب کے بدلے اُسے دے کر جان چھڑانے کو ترجیح دے گا، لیکن یہ صورت بھی ممکن نہ ہوگی، عذاب کو دیکھنے کے بعد ندامت، حسرت اور خواہشات کے سوا کچھ نہ ہوگا۔ اس کے بعد آسمان و زمین پر اللہ کی حکومت کا ذکر ہے۔ پھر قرآن کریم کو لوگوں کے لیے نصیحت، ہدایت، رحمت اور باطنی امراض سے شفا قرار دیا گیا ہے، اخیر میں یہ حکم ہے کہ کسی بھی چیز کو حلال یا حرام کرنے کا اختیار اللہ تعالیٰ کو ہے، بندے اپنی جانب سے اس میں تصرف نہیں کر سکتے۔

رکوع (۷)

وَ مَا تَکُوۡنُ فِیۡ شَاۡنٍ وَّ مَا تَتۡلُوۡا مِنۡہُ مِنۡ قُرۡاٰنٍ وَّ لَا تَعۡمَلُوۡنَ مِنۡ عَمَلٍ اِلَّا کُنَّا عَلَیۡکُمۡ شُہُوۡدًا اِذۡ تُفِیۡضُوۡنَ فِیۡہِ ؕ

اس رکوع میں اوّلاً اللہ تعالیٰ کی صفتِ علم اس طور پر بیان کی گئی ہے کہ آسمان و زمین میں انجام پانے والا ہر عمل، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا سب اُس کے علم میں ہے۔ پھر اولیاء اللہ کی

صفت بیان کی گئی ہے کہ قیامت میں انہیں کسی قسم کا خوف یا غم نہ ہوگا، کیوں کہ وہ صاحبِ ایمان اور صاحبِ تقویٰ تھے۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ کفار کی تنقیدات اور بے ہودہ باتوں سے غم گین نہ ہوں، عزت و ذلت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ مشرکین کی مذمت کی گئی ہے کہ یہ محض اپنے خیالات کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، حالاں کہ انہیں اللہ تعالیٰ کے قائم کردہ نظامِ کائنات میں غور وفکر کرنا چاہیے۔ اخیر میں عیسائیوں کے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کا بیٹا ماننے کی تردید کی گئی ہے۔

رکوع (۸)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ نُوْحٍ

اس رکوع کا آغاز حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرے سے ہوا ہے، جو اپنی قوم کو ایک لمبی مدت (۹۵۰ رسال) تک دعوت و تبلیغ کرنے کے باوجود ان کی جانب سے سرکشی کے علاوہ کچھ نہ پا سکے، چناں چہ طوفان کے عذاب میں سب ہلاک و برباد ہوئے۔ اس کے بعد اجمالی طور پر انبیاء کی بعثت اور ان کی قوم کی سرکشی کا ذکر ہے، پھر حضرت موسیٰ و ہارون علیہما السلام کا تذکرہ ہے جنہیں فرعون کی جانب پیغامِ توحید لے کر بھیجا گیا تھا، جہاں انہیں فرعون، اس کی قوم اور جادوگروں سے مقابلہ کرنا پڑا، اللہ تعالیٰ نے انہیں فتح یاب کر کے حق کو باطل پر غالب کر دیا۔

رکوع (۹)

فَمَآ اٰمَنَ لِمُوْسٰٓى اِلَّا ذُرِّيَّةٌ مِّنْ قَوْمِهٖ عَلٰى خَوْفٍ مِّنْ فِرْعَوْنَ وَمَلَا۟ئِهِمْ اَنْ يَّفْتِنَهُمْ ؕ وَاِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِى الْاَرْضِ ۚ وَاِنَّهٗ لَمِنَ الْمُسْرِفِيْنَ ۝۸۳

اس رکوع میں بتایا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی دعوت پر ابتدا میں چند لوگ ہی مسلمان ہوئے، ان کے دلوں میں فرعون کے ظلم کا خوف تھا، حضرت موسیٰ نے ان کو اللہ پر توکل کا حکم دیا، پھر ان مومنین نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے دعا مانگی۔ اس کے بعد فرعون کے دریا میں غرق ہونے کا ذکر ہے کہ غرق ہوتے وقت فرعون نے ایمان لانے کا اقرار کیا، لیکن اس وقت تک دیر ہو چکی تھی، چناں چہ وہ ہلاک ہوا اور اس کی لاش کو آنے والی نسل کے

لیے نشانِ عبرت بنا دیا گیا۔

رکوع (۱۰)

وَ لَقَدْ بَوَّاْنَا بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مُبَوَّاَ صِدْقٍ وَّ رَزَقْنٰهُمْ مِّنَ الطَّیِّبٰتِ ۚ

اس رکوع کی ابتدا میں بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات کا ذکر ہے، اس کے بعد ان کے باہمی اختلافات کا تذکرہ ہے۔ پھر حضرت یونس علیہ السلام کی قوم کا واقعہ ہے کہ جب انہوں نے عذابِ الٰہی کو دیکھا تو فوراً اپنے کفر سے توبہ کی، اور ایمان لے آئی، اللہ تعالیٰ نے ان پر اپنا خصوصی فضل فرمایا اور عذاب ٹال دیا، یہ خاص معاملہ صرف حضرت یونس کی قوم کے ساتھ تھا، دوسرے لوگ اس پر اپنے آپ کو ہرگز قیاس نہ کریں۔

رکوع (۱۱)

قُلْ یٰٓاَیُّهَا النَّاسُ اِنْ كُنْتُمْ فِیْ شَكٍّ مِّنْ دِیْنِیْ فَلَآ اَعْبُدُ الَّذِیْنَ تَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ وَ لٰكِنْ اَعْبُدُ اللّٰهَ الَّذِیْ یَتَوَفّٰىكُمْ ۚۖ

سورۂ یونس کے آخری رکوع میں رسول اکرم کو ہدایت ہے کہ لوگوں کو توحید کی دعوت دیں، ساتھ ہی بتایا گیا کہ نفع اور نقصان صرف اللہ کے ہاتھ میں ہے، اگر کسی کو نقصان پہنچانا چاہیں تو کوئی اُسے دور نہیں کرسکتا، اور اگر کسی کو فائدہ پہنچانا چاہیں اُس کے فضل و کرم کو کوئی روک نہیں سکتا۔ اخیر میں ہدایت ہے کہ دین کے لیے کوئی زبردستی نہیں، جو ہدایت پر آتا ہے اُس کا فائدہ اُسی کو ہوتا ہے، اور جو گمراہ ہوگا وہ خود اس کا نقصان اُٹھائے گا۔



تعارف سورۂ ہود

یہ سورت بھی مکی ہے، اور اس کے مضامین پچھلی سورت کے مضامین سے ملتے جلتے ہیں، البتہ سورۂ یونس میں جن پیغمبروں کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان ہوئے تھے، اس سورت میں انھیں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، خاص طور پر حضرت نوح، حضرت ہود، حضرت صالح، حضرت شعیب، اور حضرت لوط (علیہم السلام) کے واقعات زیادہ تفصیل سے انتہائی بلیغ اور مؤثر اسلوب میں بیان فرمائے گئے ہیں۔ بتانا یہ مقصود ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نافرمانی بڑی بڑی زور آور قوموں کو تباہ کر چکی ہے، اور جب انسان اس نافرمانی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے قہر اور عذاب کا مستحق ہو جائے تو چاہے وہ کتنے بڑے پیغمبر سے قریبی رشتہ رکھتا ہو، اس کا یہ رشتہ اسے عذابِ الٰہی سے نہیں بچا سکتا، جیسا کہ حضرت نوح (علیہ السلام) کے بیٹے اور حضرت لوط (علیہ السلام) کی بیوی کو نہیں بچا سکا۔ اس سورت میں عذابِ الٰہی کے واقعات اتنے مؤثر انداز میں بیان ہوئے ہیں اور دین پر استقامت کا حکم اتنی تاکید سے فرمایا گیا ہے کہ ایک مرتبہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے فرمایا کہ مجھے سورۂ ہود اور اس جیسی سورتوں نے بوڑھا کر دیا ہے، ان سورتوں میں جو تنبیہ کی گئی ہے اس کی بنا پر آپ کو اپنی امت کے بارے میں بھی یہ خوف لگا ہوا تھا کہ کہیں وہ بھی اپنی نافرمانی کی وجہ سے اسی طرح کے کسی عذاب کا شکار نہ ہو جائے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

ایاتھا ۱۲۳

سُوْرَۃُ هُوْدٍ مَكِّيَّةٌ

رکوعاتھا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ كِتٰبٌ اُحْكِمَتْ اٰيٰتُهٗ ثُمَّ فُصِّلَتْ مِنْ لَّدُنْ حَكِيْمٍ خَبِيْرٍ ۙ﴿۱﴾

سورت کی ابتدا میں کتاب اللہ کی شان ذکر کی گئی ہے، اس کے بعد توحید کی دعوت ہے، پھر اچھے انجام کے لیے توبہ واستغفار کی ترغیب ہے، کیوں کہ اللہ تعالیٰ ہر ظاہر اور پوشیدہ چیز کو جاننے والا ہے۔



پــارہ: (۱۲)

وَمَا مِنْ دَآبَّةٍ فِي الْاَرْضِ اِلَّا عَلَى اللّٰهِ رِزْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقَرَّهَا وَمُسْتَوْدَعَهَا ۭ كُلٌّ فِيْ كِتٰبٍ مُّبِيْنٍ ۝

پارہ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کے رازق ہونے کا ذکر ہے کہ پوری کائنات کی ہر زندہ چیز کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔ جس نے آسمان وزمین کو چھ دنوں میں پیدا کیا، اور لوگوں کو ان کے اعمال کے ذریعہ آزماتا ہے۔ پھر قیامت کا مذاق اڑانے والوں کو سخت عذاب کی وعید ہے۔

رکوع (۲)

وَلَىِٕنْ اَذَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنَّا رَحْمَةً ثُمَّ نَزَعْنٰهَا مِنْهُ ۚ اِنَّهٗ لَيَـــُٔوْسٌ كَفُوْرٌ ۝

اس رکوع میں انسان کی ایک عام فطرت کا تذکرہ ہے کہ جب انسان کو مصیبت کا سامنا ہوتا ہے تو وہ اللہ کی جانب رجوع کرتا ہے، لیکن نعمتیں ملتے ہی تکبر میں مبتلا ہوجاتا ہے۔ البتہ ایمان والے ایسا نہیں کرتے، وہ صبر اور اعمالِ صالحہ کے پابند رہتے ہیں جس پر ان سے مغفرت اور جزا کا وعدہ ہے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ وہ کفار کے بے ہودہ اعتراضات اور طنز وتبصرے کو خاطر میں نہ لائیں۔ نیز دنیا کی بے ثباتی اور آخرت کی ہیشگی کا ذکر ہے۔ اس کے بعد کافر اور مومن کا موازنہ کیا گیا ہے، کافر کو اندھا اور بہرا، جب کہ مومن کو بینا اور سننے والا قرار دیا گیا ہے، کہ ان دونوں میں برابری ممکن نہیں۔ کفار کے آخرت کے خسارے اور مومنین کی فلاح کا تذکرہ اسی ضمن میں موجود ہے۔

رکوع (۳)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ ۡ اِنِّىْ لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۝

یہاں سے انبیاء کرام کا تذکرہ شروع ہوتا ہے جس کی ابتدا حضرت نوح علیہ السلام

سے کی گئی ہے جنہوں نے قوم کو توحید کی دعوت دی، کچھ غریب و نادار ایمان لائے تو قوم کے سرداروں نے اس پر طنز کیا کہ تمہاری اتباع کرنے والا تو ہمارا ادنیٰ طبقہ ہے، تمہیں ہم پر کوئی فضیلت حاصل نہیں ہے۔ حضرت نوح نے ان کا جواب دیا کہ میں اپنی دعوت و تبلیغ پر کسی مال و دولت کا خواہشمند نہیں ہوں، نہ ہی ان مومنین سے کنارہ کشی کر سکتا ہوں، بلکہ تم لوگ ہی حماقت اور جہالت میں مبتلا ہو۔ ان کی قوم نے بحث و مباحثہ کے بعد عذاب کا مطالبہ کر ڈالا جس کا تذکرہ اگلے رکوع میں ہے۔

● حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے مختصر حالات ۱۹۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۴)

وَ اُوۡحِیَ اِلٰی نُوۡحٍ اَنَّهٗ لَنۡ یُّؤۡمِنَ مِنۡ قَوۡمِكَ اِلَّا مَنۡ قَدۡ اٰمَنَ فَلَا تَبۡتَئِسۡ بِمَا كَانُوۡا یَفۡعَلُوۡنَ ﴿۳۶﴾

حضرت نوح علیہ السلام کی جانب وحی کی گئی کہ جتنے لوگ ایمان لا چکے اب اُن میں اضافہ نہیں ہوگا، لہٰذا آپ ایک بڑی کشتی تیار کریں، ان کفار کو عنقریب غرق کیا جائے گا۔ چناں چہ حضرت نوح نے کفار کے طنز و تبصروں کے درمیان کشتی سازی کا کام جاری رکھا، اُس کے بعد طوفان آیا، حضرت نوح مومنین کو لے کر کشتی پر سوار ہو کر محفوظ ہو گئے، حضرت نوح کا ایک کافر بیٹا ''کنعان'' بھی اسی طوفان کی زد میں آ گیا جو اپنے والد کے لاکھ سمجھانے کے باوجود ایمان نہیں لایا تھا۔

اہم مسائل

● دعا کرنے کے لیے یہ ضروری ہے کہ دعا کرنے والا پہلے یہ معلوم کر لے کہ جس کام کی دعا کر رہا ہے وہ جائز و حلال ہے یا نہیں، مشتبہ حالت میں دعا کرنے سے منع فرمایا گیا ہے۔

● مؤمن اور کافر کے درمیان اگر چہ رشتہ قرابت کا ہو، مگر دینی اور اجتماعی معاملات میں اس رشتہ داری کا کوئی اثر نہیں ہوگا، کوئی شخص کتنا ہی عالی نسب ہو، کتنے ہی بڑے بزرگ کی اولاد ہو، یہاں تک کہ سید الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں داخل ہونے کا شرف رکھتا ہو، اگر

وہ مؤمن نہیں ہے تو دینی معاملات میں اس کے اس نسب عالی اور قرابت نبوی کا بھی کوئی لحاظ نہ کیا جائے گا، تمام دینی معاملات میں تو مدارِ کار ایمان اور صلاح وتقویٰ پر ہے، جو صالح ومتقی ہے وہ اپنا ہے جو ایسا نہیں وہ بیگانہ ہے۔

رکوع (۵)

وَاِلٰی عَادٍ اَخَاهُمْ هُوْدًا ؕ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ اِنْ اَنْتُمْ اِلَّا مُفْتَرُوْنَ ۝

اس رکوع میں حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر ہے جنہیں قوم عاد کی جانب بھیجا گیا تھا، انہوں نے قوم کو توحید کی دعوت دی، انہیں توبہ واستغفار کی تلقین کی، اس کے فوائد بتائے، وہ شرک سے باز نہ آئے، بلکہ حضرت ہود پر ہی جنون کا الزام لگا بیٹھے، حضرت ہود نے توکل سے کام لیا اور قوم کو مسلسل عذابِ الٰہی سے ڈراتے رہے، ادھر قوم کی سرکشی بڑھتی گئی اور وہ اپنی طاقت وقوت پر اتراتے رہے، بالآخر راتوں رات انہیں عذابِ الٰہی نے اپنی گرفت میں لے لیا اور آج ان کے مکانات کھنڈر کی شکل میں ہمارے لیے عبرت کا سامان ہیں۔

● حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کے مختصر حالات ص ۱۹۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۶)

وَاِلٰی ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا ۘ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ؕ

قوم عاد کی طرح قوم ثمود کا معاملہ رہا، ان کی جانب حضرت صالح علیہ السلام کو بھیجا گیا، انہوں نے بھی توحید، توبہ اور استغفار کی دعوت دی، قوم کے مطالبہ پر پہاڑ سے ایک اونٹنی بطور معجزہ ظاہر کی، لیکن قوم نے اللہ کی اونٹنی کو قتل کر دیا، چناں چہ حضرت صالح کو بستی سے نکال کر اللہ نے ان کو بھی عذاب میں مبتلا کر دیا، نتیجتاً سب بے نام و نشان ہو گئے۔

● حضرت صالح علیہ السلام اوران کی قوم کے مختصر حالات ص ۲۰۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع(۷)

وَلَقَدْ جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى قَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ فَمَا لَبِثَ اَنْ جَآءَ بِعِجْلٍ حَنِيْذٍ ﴿۶۹﴾

اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس فرشتوں کے آنے کا تذکرہ ہے جن کی آمد کے دو اہم مقصد ذکر کیے گئے ہیں: (۱) حضرت ابراہیم کی اہلیہ بوڑھی ہو چکی تھیں اور اب تک بے اولاد تھیں، انہیں حضرت اسحاق کی بشارت دی گئی، چناں چہ کچھ دنوں بعد ان کی ولادت ہوئی۔ (۲) حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی نافرمانی، سرکشی اور بدعملی اتنی بڑھ چکی تھی کہ فرشتوں کی یہ جماعت انہیں عذاب دینے کے لیے جارہی تھی۔ چناں چہ حضرت لوط کے لاکھ سمجھانے کے باوجود وہ قوم ہم جنس پرستی کے بدترین عمل میں مبتلا رہی، فرشتوں نے حضرت لوط علیہ السلام کو اہل ایمان کے ساتھ راتوں رات بستی سے کوچ کرنے کی ہدایت کی، اُس کے بعد پوری بستی پر پتھروں کی بارش ہوئی اور ان کی زمین کو الٹ پلٹ کر رکھ دیا گیا۔ (اللہ اس قبیح عمل سے ہماری اور ہماری نسلوں کی حفاظت فرمائے۔ آمین)

اہم مسائل

● مہمان نوازی کے آداب میں سے یہ ہے کہ مہمان کے آتے ہی جو کچھ کھانے پینے کی چیز میسر ہو اور جلدی سے مہیا ہو سکے وہ لا رکھے، پھر اگر صاحب وسعت ہے تو مزید مہمانی کا انتظام بعد میں کرے۔

● مہمان کے لیے بہت زیادہ تکلفات کی فکر میں نہ پڑے، آسانی سے جو اچھی چیز میسر ہو جائے وہ مہمان کی خدمت میں پیش کر دے۔

● آنے والوں کی مہمانی کرنا آداب اسلام اور مکارمِ اخلاق میں سے ہے۔

● مہمان کے سامنے جو چیز پیش کی جائے اس کو قبول کرے، (کھانے کو دل نہ چاہے یا مضر سمجھیں تو معمولی سی شرکت دلجوئی کے لیے کرلیں)۔

● میزبان کو چاہئے کہ صرف کھانا سامنے رکھ کر فارغ نہ ہو جائے بلکہ اس پر نظر رکھے کہ مہمان کھا رہا ہے یا نہیں۔

● مگر یہ نظر رکھنا اس طرح ہو کہ مہمان کے کھانے کو تکتا نہ رہے، سرسری نظر سے دیکھ لے کیوں کہ مہمان کے لقموں کو دیکھنا آدابِ ضیافت کے خلاف اور مدعو کے لیے باعث شرمندگی ہوتا ہے۔ (ملخص از معارف)

● حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے مختصر حالات ص ۲۰۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۸)

وَاِلٰى مَدْيَنَ اَخَاهُمْ شُعَيْبًا ۚ قَالَ يٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰهَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَيْرُهٗ ۚ

یہاں حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہیں ''مدین'' نامی بستی میں بھیجا گیا تھا، جہاں انہوں نے قوم کو توحید کی تعلیم دی، ان میں رائج کچھ خرابیوں مثلاً ناپ تول میں کمی وغیرہ سے انہیں روکا، جس پر ان کی قوم سرکشی پر آمادہ ہوگئی، حضرت شعیب نے جواب دیا کہ میرا مقصد حتی الامکان اصلاح ہے، میں اللہ ہی پر بھروسہ کرتا ہوں۔ انہوں نے اپنی قوم کو سابقہ اقوام کی ہلاکت سے بھی ڈرایا لیکن وہ حضرت شعیب کی مخالفت کرتے رہے۔ بالآخر اس قوم کو بھی اللہ کے عذاب نے اپنی گرفت میں لے لیا اور سب نیست و نابود ہوگئے۔

● حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کے مختصر حالات ص ۲۰۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۹)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰى بِاٰيٰتِنَا وَسُلْطٰنٍ مُّبِيْنٍ ﴿۹۶﴾

اس رکوع کے آغاز میں حضرت موسیٰ اور فرعون کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے، پھر گزشتہ اقوام کی ہلاکت پر سرسری روشنی ڈالی گئی ہے، اس کے بعد قیامت کا ذکر ہے کہ جو لوگ بد بخت یعنی کافر ہوں گے ان کا ٹھکانہ جہنم ہے، جہاں وہ ہمیشہ ہمیش چیخ پکار کریں گے۔ ان کے مقابلے میں سعادت مند مومنین جنت میں اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے محظوظ ہوں گے۔

آخری آیت میں مومنین کو ایمان پر جمے رہنے اور شرک سے دور رہنے کی تاکید ہے۔

رکوع (۱۰)

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِيْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِيَ بَيْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِيْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِيْبٍ ﴿۱۱۰﴾

اس رکوع میں اوّلاً حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہیں توریت عطا کی گئی، لیکن ان کی قوم نے اس میں بھی اختلاف پیدا کر دیا، اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو احکامِ الٰہی پر جمے رہنے، کفار کی جانب مائل نہ ہونے اور نماز کا حکم ہے۔ سابقہ اقوام کی ہلاکت و بربادی کا اہم سبب برائی سے نہ روکنا قرار دیا گیا ہے۔ اخیر آیت میں اللہ کی صفت علم، اس کی عبادت اور اس پر توکل کا حکم ہے۔



تعارف سورۂ یوسف

یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی۔ بعض روایات میں ہے کہ کچھ یہودیوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ سوال کروایا تھا کہ بنواسرائیل کے لوگ جو فلسطین کے باشندے تھے، مصر میں جا کر کیوں آباد ہوئے؟ ان لوگوں کا خیال تھا کہ آپ کے پاس چونکہ بنواسرائیل کی تاریخ معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں ہے، اس لیے آپ اس سوال کا جواب نہیں دے پائیں گے، اور اس طرح آپ کے خلاف یہ پروپیگنڈا کرنے کا موقع مل جائے گا کہ آپ (معاذ اللہ) سچے نبی نہیں ہیں۔ اس سوال کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے یہ پوری سورۂ یوسف نازل فرمادی جس میں پوری تفصیل اور وضاحت کے ساتھ حضرت یوسف (علیہ السلام) کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے۔ دراصل بنواسرائیل کے جدامجد حضرت یعقوب (علیہ السلام) تھے، انہی کا دوسرا نام اسرائیل بھی تھا۔ ان کے بارہ صاحبزادے تھے، انہی کی نسل سے بنواسرائیل کے بارہ قبیلے پیدا ہوئے۔ اس سورت میں بتایا گیا ہے کہ حضرت یعقوب (علیہ السلام) اپنے صاحبزادوں کے ساتھ فلسطین میں مقیم تھے جن میں حضرت یوسف (علیہ السلام) اور ان کے بھائی بنیامین بھی شامل تھے۔ ان دونوں کے سوتیلے بھائیوں نے سازش کر کے حضرت یوسف (علیہ السلام) کو ایک کنویں میں ڈال دیا، جہاں سے ایک قافلے نے انھیں اٹھا کر مصر کے ایک سردار کے ہاتھ بیچ دیا، شروع میں وہ غلامی کی زندگی گزارتے رہے، لیکن اس واقعے کے تحت جس کی تفصیل اس سورت میں آرہی ہے، اس سردار کی بیوی زلیخا نے انھیں گرفتار کر کے جیل بھجوادیا۔ اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ مصر کے بادشاہ کے ایک خواب کی صحیح تعبیر دینے پر بادشاہ ان پر مہربان ہوا، اور انھیں نہ صرف جیل سے نکال کر باعزت بری کر دیا، بلکہ انھیں اپنا وزیر خزانہ مقرر کیا، اور بعد میں

حکومت کے سارے اختیارات انہی کو سونپ دیے۔ اس کے بعد حضرت یوسف (علیہ السلام) نے اپنے والدین کو فلسطین سے مصر بلوالیا۔ اس طرح بنو اسرائیل فلسطین سے مصر منتقل ہو گئے۔

سورۂ یوسف کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ اس میں حضرت یوسف (علیہ السلام) کا پورا واقعہ ایک ہی تسلسل میں تفصیل کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے، اور تقریباً پوری سورت اسی کے لیے وقف ہے، اور یہ واقعہ کسی اور سورت میں نہیں آیا۔ اس واقعے کو اتنی تفصیل کے ساتھ بیان کر کے اللہ تعالیٰ نے ان کافروں پر ایک حجت قائم فرمادی ہے جو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت کا انکار کرتے تھے۔ یہ بات ان پر بھی واضح تھی کہ اس واقعے کا علم ہونے کا آپ کے پاس کوئی ذریعہ نہیں تھا، لہٰذا یہ تفصیل آپ کو وحی کے علاوہ کسی اور طریقے سے حاصل نہیں ہو سکتی تھی۔ اس کے علاوہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور آپ کے صحابہ کرام کو کفار مکہ کی طرف سے جن تکلیفوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، ان کے پیش نظر اس واقعے میں آپ کے لیے تسلی کا بھی بڑا سامان تھا کہ حضرت یوسف (علیہ السلام) اپنے بھائیوں کی سازش کے نتیجے میں بڑے سخت حالات سے گزرے، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہی کو عزت، شوکت اور سربلندی عطا فرمائی، اور جن لوگوں نے انھیں تکلیفوں کا نشانہ بنایا تھا، ان سب کو ان کے آگے جھکنا پڑا۔ اسی طرح آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اگرچہ مکہ مکرمہ میں تکلیفیں اٹھانی پڑ رہی ہیں، لیکن آخر کار یہ سازشی لوگ آپ ہی کے سامنے جھکیں گے، اور حق غالب ہو کر رہے گا۔ اس کے علاوہ بھی اس واقعے میں مسلمانوں کے لیے بہت سے سبق ہیں، اور شاید اسی لیے اللہ تعالیٰ نے اس کو بہترین قصہ قرار دیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۱۱۱ | سُوْرَةُ يُوْسُفَ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۱۲

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

الٓرٰ ۚ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿١﴾

سورت کا آغاز قرآن کریم کے اصل مقصد یعنی غور و فکر اور تدبر کی تلقین سے ہوا ہے۔ حضرت یوسف کا واقعہ چوں کہ نہایت مربوط، مفصل اور یکجا ہے، عبرتوں سے لبریز ہے اس لیے اس کو احسن القصص یعنی سب سے بہترین واقعہ قرار دیا گیا ہے۔ واقعہ کا آغاز اس طرح ہوتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خواب میں گیارہ ستارے، سورج اور چاند کو خود کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ ان کے والد حضرت یعقوب علیہ السلام نے انہیں اپنے بھائیوں سے اس خواب کے بارے میں بتانے سے منع کیا۔

اہم مسائل

● ایسے شخص کے سامنے خواب نہیں بیان کرنا چاہیے جو اس کا خیر خواہ اور ہمدرد نہ ہو اور نہ ایسے شخص کے سامنے جو تعبیر خواب میں ماہر نہ ہو۔

● جس خواب میں کوئی بات تکلیف و مصیبت کی نظر آئے وہ کسی سے بیان نہ کرنا بہتر ہے، لیکن اگر کسی سے بیان کردے تو کوئی گناہ نہیں۔

● مسلمان کو دوسرے کے شر سے بچانے کے لیے اس کی کسی بری خصلت یا نیت کا اظہار کر دینا جائز ہے، یہ غیبت میں داخل نہیں۔

● جس شخص کے متعلق یہ احتمال ہو کہ ہماری خوش حالی اور نعمت کا ذکر سنے گا تو اس کو حسد ہوگا اور نقصان پہنچانے کی فکر کرے گا تو اس کے سامنے اپنی نعمت دولت و عزت وغیرہ کا ذکر نہ کرے۔

● تعبیر کا فوراً ظاہر ہونا کوئی ضروری نہیں۔(ملخص از معارف)

رکوع (۲)

لَقَدْ كَانَ فِي يُوسُفَ وَإِخْوَتِهِ آيَاتٌ لِّلسَّائِلِينَ ﴿۷﴾

حضرت یوسف کے گیارہ بھائی اُن سے حسد میں مبتلا تھے، چناں چہ وہ اپنے والد کی مکمل توجہ حاصل کرنے کے لیے ایک سازش کے تحت حضرت یوسف کو تفریح پر لے گئے، حضرت یعقوب نے اپنے خدشات کا اظہار بھی کیا لیکن انہوں نے اپنے والد کو آمادہ کرلیا۔ وہاں جا کر حضرت یوسف کو ایک کنویں میں گرادیا اور ان کے کرتے پر جھوٹا خون لگا کر لے آئے کہ ابا جان! ہمارے چھوٹے بھائی کو بھیڑیے نے کھالیا ہے۔حضرت یعقوب ان کے جھوٹ کو سمجھ تو گئے لیکن انہوں نے معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا، ادھر ایک قافلہ کا کنویں کے پاس گزر ہوا، ایک شخص نے حضرت یوسف کو کنویں سے نکال کر چند دراہم کے عوض مصر کے بازار میں فروخت کر دیا۔

رکوع (۳)

وَقَالَ الَّذِي اشْتَرَاهُ مِن مِّصْرَ لِامْرَأَتِهِ أَكْرِمِي مَثْوَاهُ
عَسَىٰ أَن يَنفَعَنَا أَوْ نَتَّخِذَهُ وَلَدًا

حضرت یوسف کو عزیز مصر نے خریدا تھا، انہوں نے اپنی اہلیہ زلیخا کو تاکید کی کہ اس لڑکے کا خیال رکھے، وہ حضرت یوسف کے حسن پر فدا ہو گئیں اور انہیں تنہائی میں بدکاری پر اکسایا، اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کی حفاظت فرمائی اور ایک نومولود بچے نے عزیز مصر کے سامنے حضرت یوسف کی پاکدامنی کی گواہی دی۔عزیز مصر نے معاملہ کو رفع دفع کرنا مناسب سمجھا اور اپنی اہلیہ کو استغفار کی تلقین کی۔

اہم مسائل

● جس جگہ گناہ میں مبتلا ہو جانے کا خطرہ ہو اس جگہ ہی کو چھوڑ دینا چاہیے جیسا کہ یوسف علیہ السلام نے آزمائش کی جگہ سے بھاگ کر اس کا ثبوت دیا۔

● احکام الٰہیہ کی اطاعت میں انسان پر لازم ہے کہ اپنی مقدور بھر کوشش میں کمی نہ کرے خواہ اس کا نتیجہ بظاہر کچھ برآمد ہوتا نظر نہ آئے نتائج اللہ تعالیٰ کے ہاتھ میں ہیں۔

● کسی شخص پر کوئی غلط تہمت باندھے تو اپنی صفائی پیش کرنا سنت انبیاء علیہم السلام ہے۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۴)

وَ قَالَ نِسْوَةٌ فِي الْمَدِيْنَةِ امْرَاَتُ الْعَزِيْزِ تُرَاوِدُ فَتٰىهَا عَنْ نَّفْسِهٖ ۚ قَدْ شَغَفَهَا حُبًّا ؕ اِنَّا لَنَرٰىهَا فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۳۰﴾

یہ بات رفتہ رفتہ شہر کی خواتین میں عام ہوگئی اور انہوں نے عزیز مصر کی اہلیہ پر طنز و تبصرے شروع کر دیے کہ اتنی معزز خاتون ہو کر ایک غلام پر کیسے فریفتہ ہوگئیں۔ انھیں خاموش کرنے کے لیے زلیخا نے اپنے گھر ایک دعوت کا اہتمام کیا، جس میں حضرت یوسف کا حسن دیکھ کر تمام خواتین فدا ہوگئیں، حتیٰ کہ ان کے ہاتھ میں جو چاقو پھل کاٹنے کے لیے دیا گیا تھا اس سے اپنی انگلیاں کاٹ بیٹھیں۔ زلیخا کو موقع مل گیا اور کہا کہ یہی ہے وہ خوب صورت نوجوان جس کی وجہ سے تم مجھ پر تبصرہ کرتی پھرتی ہو۔ حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنی عصمت اور پاک دامنی کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ ان فتنوں سے کہیں بہتر میرے لیے قید خانہ ہے، چناں چہ حالات ایسے بنے کہ حضرت یوسف علیہ السلام جیل بھیج دیے گئے۔

رکوع (۵)

وَ دَخَلَ مَعَهُ السِّجْنَ فَتَيٰنِ ؕ قَالَ اَحَدُهُمَاۤ اِنِّيْۤ اَرٰىنِيْۤ اَعْصِرُ خَمْرًا ۚ

حضرت یوسف علیہ السلام کے ساتھ دو نوجوان بھی جیل گئے، جو حضرت یوسف کی نیکی، بزرگی اور علم سے بے حد متاثر ہوئے، چناں چہ دونوں نے اپنے اپنے خواب کا تذکرہ اُن سے کیا۔ حضرت یوسف نے اوّلاً توحید کی دعوت دی، معبودانِ باطلہ کی حقیقت سے آگاہ کیا اُس کے بعد دونوں کو خواب کی تعبیر بتائی، جن میں ایک کو رہائی میسر آنی تھی جب کہ

دوسرے کی قسمت میں سزائے موت تھی۔

اہم مسائل

● مصلحین کے لیے لازم ہے کہ مجرموں، خطا کاروں سے شفقت و ہمدردی کا معاملہ کر کے ان کو اپنے سے مانوس و مربوط کریں، کسی قدم پر منافرت کا اظہار نہ ہونے دیں۔

● تعبیر خواب ایسے ہی لوگوں سے دریافت کرنا چاہئے جن کے نیک صالح اور ہمدرد ہونے پر اعتماد ہو۔

● حق کی دعوت دینے والوں اور اصلاح خلق کی خدمت کرنے والوں کا طرز عمل یہ ہونا چاہئے کہ پہلے حسن اخلاق اور علمی و عملی کمالات کے ذریعہ خلق اللہ پر اپنا اعتماد قائم کریں خواہ اس میں ان کو کچھ اپنے کمالات کا اظہار بھی کرنا پڑے۔

● داعی اور مصلح کا فرض ہے کہ ہر وقت ہر حال میں اپنے وظیفہ دعوت و تبلیغ کو سب کاموں سے مقدم رکھے، کوئی اس کے پاس کسی کام کے لیے آئے وہ اپنے اصلی کام کو نہ بھولے جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس یہ قیدی تعبیر خواب دریافت کرنے کے لیے آئے تو یوسف علیہ السلام نے تعبیرِ خواب کے جواب سے پہلے دعوت و تبلیغ کے ذریعہ ان کو رشد و ہدایت کا تحفہ عطا فرمایا یہ نہ سمجھے کہ دعوت و تبلیغ کسی جلسہ، کسی منبر یا اسٹیج ہی پر ہوا کرتی ہے، شخصی ملاقاتوں اور نجی مذاکروں کے ذریعہ یہ کام اس سے زیادہ مؤثر ہوتا ہے۔

● حکمت کے ساتھ وہ بات کہی جائے جو مخاطب کو دل نشین ہو سکے جیسا یوسف علیہ السلام نے ان کو یہ دکھلایا کہ مجھے جو کوئی کمال حاصل ہوا وہ اِس کا نتیجہ ہے کہ میں نے ملت کفر کو چھوڑ کر ملت اسلام کو اختیار کیا اور پھر کفر و شرک کی خرابیاں دل نشین انداز میں بیان فرمائیں۔

● جو معاملہ مخاطب کے لیے تکلیف دہ اور ناگوار ہو اس کا اظہار ضروری ہو تو مخاطب کے سامنے جہاں تک ممکن ہو ایسے انداز سے ذکر کیا جائے کہ اس کو تکلیف کم سے کم پہنچے۔

● کسی مصیبت سے نجات حاصل کرنے کے لیے کسی شخص کو کوشش کا واسطہ بنانا توکل کے خلاف نہیں۔ (ملخص از معارف)

رکوع(۶)

وَ قَالَ الْمَلِكُ اِنِّیْۤ اَرٰى سَبْعَ بَقَرٰتٍ سِمَانٍ یَّاْكُلُهُنَّ سَبْعٌ عِجَافٌ وَّ سَبْعَ سُنْۢبُلٰتٍ خُضْرٍ وَّ اُخَرَ یٰبِسٰتٍؕ

کچھ عرصے بعد مصر کے بادشاہ نے ایک خواب دیکھا کہ سات دبلی پتلی گائے سات موٹی گائے کو کھا رہی ہیں، نیز سات ہرے بھرے اور سات سوکھے خوشے دیکھے۔ درباریوں نے اسے ایک عام خواب قرار دیا، اتفاق سے دربار میں وہی شخص موجود تھا جس نے جیل میں حضرت یوسف سے اپنے خواب کی تعبیر لی تھی۔ اُس نے حضرت یوسف کے علم، بزرگی اور پاکیزگی کا تذکرہ بادشاہ کے سامنے کیا۔ حضرت یوسف سے تعبیر معلوم کی گئی تو انہوں نے کہا کہ تم لوگ سات سال مسلسل کھیتی کرو گے، اُس کے غلّے کا حتی الامکان اسٹاک رکھنا، اس کے بعد سات سال قحط کے ہوں گے جس میں یہی اسٹاک تمہارے کام آئے گا۔

رکوع(۷)

وَ قَالَ الْمَلِكُ ائْتُوْنِیْ بِهٖۚ فَلَمَّا جَآءَهُ الرَّسُوْلُ قَالَ ارْجِعْ اِلٰى رَبِّكَ فَسْــٴَـلْهُ مَا بَالُ النِّسْوَةِ الّٰتِیْ قَطَّعْنَ اَیْدِیَهُنَّؕ اِنَّ رَبِّیْ بِكَیْدِهِنَّ عَلِیْمٌ ۝

اس تعبیر نے بادشاہ کو بہت متاثر کیا، چناں چہ انہوں نے حضرت یوسف کو طلب کیا، حضرت یوسف نے کہلوایا کہ پہلے میرے جرم کی تحقیق کی جائے کہ آخر مجھے کیوں جیل میں ڈالا گیا، اُن خواتین سے بھی ذرا تفتیش کی جائے جو زلیخا کی دعوت میں موجود تھیں۔ چناں چہ بادشاہ نے تحقیق کی تو تمام خواتین نے حضرت یوسف کی پاکدامنی اور بزرگی کی شہادت دی، اپنے قصور اور نیتوں کے فطور کا اعتراف کیا۔ زلیخا نے بھی انہیں خیالات کا اظہار کیا۔

اہم مسائل

● اللہ تعالیٰ اپنے مخصوص اور مقبول بندوں کے مقاصد پورا کرنے کے لیے خود ہی غیبی تدابیر سے انتظام فرماتے ہیں ان کو کسی مخلوق کا ممنون احسان کرنا پسند نہیں فرماتے یہی وجہ ہوئی کہ یوسف علیہ السلام نے جو رہا ہونے والے قیدی سے کہا تھا کہ بادشاہ

سے میرا ذکر کرنا اس کو تو بھلا دیا گیا اور پھر بادشاہ کو خواب دکھا کر ایک تدبیر ایسی کی گئی جس میں یوسف علیہ السلام کسی کے ممنون بھی نہ ہوں اور پوری عزت وشان کے ساتھ جیل کی رہائی کا مقصد بھی پورا ہو جائے۔

● رہا ہونے والے قیدی نے یوسف علیہ السلام کا اتنا کام نہ کیا کہ بادشاہ سے ذکر کر دیتا اور ان کو مزید سات سال قید کی مصیبت میں گزارنے پڑے اب سات سال کے بعد جب وہ اپنا مطلب تعبیر خواب کا لے کر حاضر ہوا تو عام انسانی عادت کا تقاضا تھا کہ اس کو ملامت کرتے اس پر خفا ہوتے کہ تجھ سے اتنا کام نہ ہو سکا مگر یوسف علیہ السلام نے اپنے پیغمبرانہ اخلاق کا اظہار فرمایا، کہ اس کو ملامت تو کیا اس قصہ کا ذکر تک بھی نہیں کیا۔

● جس طرح انبیاء (علیہم السلام) اور علمائے امت کا یہ فریضہ ہے کہ وہ لوگوں کی آخرت درست کرنے کی فکر کریں ان کو ایسے کاموں سے بچائیں جو آخرت میں عذاب بنیں گے، اسی طرح ان کو مسلمانوں کے معاشی حالات پر بھی نظر رکھنا چاہئے کہ وہ پریشان نہ ہوں جیسے یوسف علیہ السلام نے اس موقع پر صرف تعبیر خواب بتا دینے کو کافی نہیں سمجھا بلکہ یہ حکیمانہ اور خیر خواہانہ مشورہ بھی دیا کہ پیداوار کے تمام گیہوں کو خوشوں کے اندر رہنے دیں اور بقدر ضرورت صاف کر کے غلہ نکالیں تا کہ آخر سالوں تک خراب نہ ہو جائے۔

● عالم مقتدا کو اس کی بھی فکر رہنی چاہئے کہ اس کی طرف سے لوگوں میں بدگمانی پیدا نہ ہو اگر چہ وہ بدگمانی سراسر غلط ہی کیوں نہ ہو اس سے بھی بچنے کی تدبیر کرنا چاہئے کیوں کہ بدگمانی خواہ کسی جہالت یا کم فہمی ہی کے سبب سے ہو بہر حال ان کی دعوت و ارشاد کے کام میں خلل انداز ہوتی ہے لوگوں میں اس کی بات کا وزن نہیں رہتا۔ اسی لیے اس موقع پر حضرت یوسف علیہ السلام نے جیل سے رہائی اور شاہی دعوت کا پیغام ملنے کے باوجود رہائی سے پہلے اس کی کوشش فرمائی کہ لوگوں کے شبہات دور ہو جائیں۔



پارہ: (۱۳)

وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ ۚ اِنَّ النَّفْسَ لَاَمَّارَةٌۢ بِالسُّوْٓءِ اِلَّا مَا رَحِمَ رَبِّيْ ۭ اِنَّ رَبِّيْ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝۵۳

پارہ کی شروعات میں ذکر ہے کہ نفس تو برائی کا حکم دیتا ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کی رحمت جن بندوں پر ہوتی ہے وہ برائی سے محفوظ رہتے ہیں۔ حضرت یوسف علیہ السلام کا واقعہ جاری ہے، مصر کے بادشاہ نے حضرت یوسف کی براءت کے بعد انہیں جیل سے بلوایا اور اپنا خاص مشیر مقرر کردیا، حضرت یوسف نے دوراندیشی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ملک کی وزارتِ خزانہ اپنے ہاتھوں میں لے لی، چناں چہ کل تک اپنے بھائیوں کے حسد زدہ، مصر کے بازار میں فروخت شدہ اور بلا جرم کے قید زدہ شخص کو اللہ تعالیٰ نے حکومت کا ایک اہم شعبہ عنایت فرمایا۔

اہم مسائل

● حضرت یوسف علیہ السلام کے قول وَمَآ اُبَرِّئُ نَفْسِيْ میں نیک اور متقی پرہیزگار بندوں کے لیے یہ ہدایت ہے کہ جب ان کو کسی گناہ سے بچنے کی توفیق ہوجائے تو اس پر ناز نہ کریں اور اس کے بالمقابل گناہگاروں کو حقیر نہ سمجھیں بلکہ ارشادِ یوسفی کے مطابق اس بات کو اپنے دل میں جمائیں کہ یہ ہمارا کوئی ذاتی کمال نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے کہ اس نے نفسِ اَمارہ کو ہم پر غالب نہیں آنے دیا، ورنہ ہر انسان کا نفس اس کو طبعی طور پر برے ہی کاموں کی طرف کھینچتا ہے۔

● جب کسی خاص عہدہ کے متعلق یہ معلوم ہو کہ کوئی دوسرا آدمی اس کا اچھا انتظام نہیں کرسکے گا اور اپنے بارے میں یہ اندازہ ہو کہ عہدہ کے کام کو اچھا انجام دے سکے گا اور کسی گناہ میں مبتلا ہونے کا خطرہ نہ ہو، اس حالت میں عہدہ کا خود طلب کرلینا بھی جائز ہے

بشرطیکہ حُبّ جاہ و مال اس کا سبب نہ ہو بلکہ خلق اللہ کی صحیح خدمت اور انصاف کے ساتھ ان کے حقوق پہنچانا مقصود ہو جیسے حضرت یوسف علیہ السلام کے سامنے صرف یہی مقصد تھا۔

● کافر یا فاسق حکمران کی حکومت کا عہدہ قبول کرنا خاص حالات میں جائز ہے۔

(ملخص از معارف)

رکوع (۸)

وَجَآءَ اِخْوَةُ يُوْسُفَ فَدَخَلُوْا عَلَيْهِ فَعَرَفَهُمْ وَهُمْ لَهٗ مُنْكِرُوْنَ ﴿۵۸﴾

قحط سالی کے دوران حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی بادشاہ کے دربار میں غلہ لینے حاضر ہوئے، حضرت یوسف انہیں فوراً پہچان گئے، لیکن وہ اپنے اس مظلوم بھائی کی شناخت نہ کر سکے، حضرت یعقوب علیہ السلام نے حضرت یوسف کے سگے بھائی بن یامین کو ان لوگوں کے ساتھ نہیں بھیجا تھا، حضرت یوسف نے باتوں باتوں میں یہ ہدایت کر دی کہ آئندہ اگر ان کا غلہ چاہیے تو انہیں بھی ساتھ لانا پڑے گا۔ اگلی مرتبہ حضرت یعقوب علیہ السلام تھوڑے اصرار کے بعد بن یامین کو بھیجنے پر آمادہ ہو گئے۔

رکوع (۹)

وَلَمَّا دَخَلُوْا عَلٰى يُوْسُفَ اٰوٰٓى اِلَيْهِ اَخَاهُ قَالَ اِنِّيْٓ اَنَا اَخُوْكَ فَلَا تَبْتَئِسْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ﴿۶۹﴾

اگلی مرتبہ حضرت یوسف علیہ السلام نے خلوت میں بن یامین سے اپنا تعارف کرا دیا اور سوتیلے بھائیوں کی سابقہ زیادتیوں پر تسلی دی۔ بن یامین کو اپنے پاس روکنے کے لیے حضرت یوسف نے ایک تدبیر اختیار کی، جس کے نتیجے میں ان کے بھائیوں کو مجبوراً بن یامین کو حضرت یوسف کے پاس چھوڑنا پڑا۔

رکوع (۱۰)

فَلَمَّا اسْتَيْئَسُوْا مِنْهُ خَلَصُوْا نَجِيًّا ؕ

اب بھائیوں کے سامنے بڑا مسئلہ تھا کہ والد کا سامنا کیسے کریں، بڑے بھائی نے

ماقبل میں حضرت یوسف کے ساتھ ہونے والی زیادتی کو یاد کیا اور بقیہ بھائیوں سے کہا کہ جب تک والد محترم مجھے نہیں بلاتے میں گھر نہیں جاؤں گا۔ حضرت یعقوب کو واپسی پر جب واقعہ کا علم ہوا تو صبر کے سوا کوئی چارہ نہ تھا، انہوں نے پورا معاملہ اللہ کے سپرد کر دیا اور اللہ سے دعائیں جاری رکھیں کہ بن یامین اور یوسف دونوں واپس آجائیں۔ غلہ ختم ہونے کے بعد جب یوسف علیہ السلام کے بھائی اس مرتبہ مصر پہنچے تو انہوں نے راز ختم کر دیا، تمام بھائی اپنے ظلم پر شرمندہ ہوئے، حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ کے فضل و کرم پر اُس کا شکر ادا کیا اور سب بھائیوں کو معاف کر دیا اور انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کو بلانے بھیجا، ساتھ ہی اپنی ایک قمیص دی کہ اسے والد صاحب کے چہرے پر ڈالنا تو ان کی بینائی لوٹ آئے گی۔

رکوع (۱۱)

وَ لَمَّا فَصَلَتِ الْعِيْرُ قَالَ اَبُوْهُمْ اِنِّيْ لَاَجِدُ رِيْحَ يُوْسُفَ لَوْلَاۤ اَنْ تُفَنِّدُوْنِ ﴿۹۴﴾

اِدھر مصر سے بھائی چلے اُدھر حضرت یعقوب کو یوسف کی خوشبو محسوس ہونے لگی، حضرت یوسف کی ہدایت کے مطابق بھائیوں نے وہ قمیص حضرت یعقوب کے چہرے پر ڈالی جس سے معجزاتی طور پر ان کی بینائی لوٹ آئی۔ تمام لڑکوں نے حضرت یعقوب سے اپنے گناہ کی معافی مانگی، پھر یہ خاندان مصر پہنچا، وہاں شاہی اعزاز و اکرام ہوا، حضرت یوسف کے سب بھائیوں نے سجدۂ تعظیمی کیا جو اُس شریعت میں جائز تھا، حضرت یعقوب نے حضرت یوسف کو بتایا کہ یہ تمہارے بچپن کے خواب کی تعبیر ہے۔ حضرت یوسف نے اللہ کے بے پناہ احسانات کا شکر ادا کیا اور حسنِ خاتمہ کی دعا کی۔

اہم مسائل

● یوسف علیہ السلام کی شریعت میں سجدۂ تعظیمی جائز تھا، اسی لیے والدین اور بھائیوں نے سجدہ کیا مگر شریعت محمدیہ میں سجدہ کو خاص عبادت کی علامت قرار دے کر غیر اللہ کے لیے حرام قرار دے دیا گیا۔

● جوشخص کسی مرض یا مصیبت میں مبتلا ہو پھر اس سے نجات ہو جائے تو سنت پیغمبری یہ ہے کہ نجات پر شکر ادا کرے اور مرض و مصیبت کے ذکر کو بھول جائے۔

(ملخص از معارف)

رکوع (۱۲)

وَ كَاَيِّنْ مِّنْ اٰيَةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ يَمُرُّوْنَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُعْرِضُوْنَ ﴿۱۰۵﴾

سورۂ یوسف کے آخری رکوع میں اوّلاً آسمان وزمین میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیوں میں غور وفکر کی ترغیب ہے۔ مشرکین کو اللہ کے عذاب اور قیامت سے ڈرایا گیا ہے۔ پھر دین اسلام کو اللہ کا راستہ قرار دیا گیا ہے جس کی اتباع کرنے والے بصیرت اور راہِ حق پر ہیں۔ اخیر میں سابقہ انبیاء اور ان کی قوموں کے واقعات سے عبرت حاصل کرنے کا حکم ہے۔



تعارف سورۂ رعد

یہ سورت بھی ہجرت سے پہلے نازل ہوئی تھی، اور اس کا بنیادی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات اور ان پر عائد کیے جانے والے اعتراضات کا جواب ہے۔ پچھلی سورت یعنی سورۂ یوسف کے آخر (آیت نمبر ۱۰۵) میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا تھا کہ آسمانوں اور زمین میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی وحدانیت کی بہت سی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں، لیکن کفار ان کی طرف دھیان دینے کے بجائے ان سے منہ موڑے ہوئے ہیں۔ اب اس سورت میں کائنات کی ان نشانیوں کی کچھ تفصیل بیان فرمائی گئی ہے جو پکار پکار کر کہہ رہی ہیں کہ جس قادر مطلق نے اس کائنات کا یہ محیر العقول نظام بنایا ہے، اسے اپنی خدائی قائم کرنے کے لیے کسی مددگار یا شریک کی ضرورت نہیں ہے۔ اگر انصاف کے ساتھ غور کیا جائے تو اس کائنات کا ہر ذرہ اللہ تعالیٰ کی توحید کی بھی گواہی دیتا ہے، اور اس بات کی بھی کہ یہ سارا نظام اس نے بے مقصد پیدا نہیں کر دیا۔ اس کا یقیناً کوئی مقصد ہے، اور وہ یہ کہ اس دنیوی زندگی میں کیے ہوئے ہر کام کا کسی دن حساب ہو، اور اس دن نیکیوں کا انعام اور برائیوں کی سزا دی جائے۔ اس سے خود بخود آخرت کا عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔ پھر نیکی اور برائی کا تعین کرنے کے لیے ضروری ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے واضح ہدایات بندوں کو دی جائیں۔ ان ہدایات کا ذریعہ اللہ تعالیٰ کے پیغمبر ہیں جو وحی کے ذریعے اللہ تعالیٰ کے احکام معلوم کر کے دنیا والوں تک پہنچاتے ہیں۔ لہٰذا اسی سے رسالت کا عقیدہ بھی ثابت ہوتا ہے۔ کائنات کی جو نشانیاں اس سورت میں بیان کی گئی ہیں، ان میں بادلوں کی گرج چمک بھی ہے جس کا ذکر اس سورت کی آیت نمبر ۱۳ میں آیا ہے۔ عربی میں گرج کو "رعد" کہا جاتا ہے۔ اسی پر اس سورت کا نام رعد رکھا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۴۳	سُوْرَةُ الرَّعْدِ مَكِّيَّةٌ	رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓرٰ ۗ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ ؕ وَالَّذِيْٓ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يُؤْمِنُوْنَ ①

سورت کے آغاز میں قرآن کریم کی حقانیت کا تذکرہ ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کی کچھ نشانیوں مثلاً بغیر کسی ستون کے آسمانوں کی تخلیق، سورج اور چاند کی تسخیر، تمام معاملات کی تدبیر، زمین، پہاڑ، نہر، رات ودن کے متعینہ نظام وغیرہ کو بیان کر کے غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ جس ذات نے ابتداءً تخلیق کی ہے ظاہر سی بات ہے کہ وہ مرنے کے بعد دوبارہ بھی زندہ کر سکتا ہے۔ اخیر رکوع میں کفار کی سرکشی، ان کے خوفناک انجام اور بے جا مطالبوں کا بیان ہے، مثلاً وہ کہتے تھے کہ اگر عذابِ الٰہی برحق ہے تو اُسے جلدی لے آئیں، نیز مرنے کے بعد کی دوبارہ جی اٹھنے کا مذاق اڑاتے تھے۔

رکوع (۲)

اَللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تَحْمِلُ كُلُّ اُنْثٰى وَمَا تَغِيْضُ الْاَرْحَامُ وَمَا تَزْدَادُ ؕ وَكُلُّ شَيْءٍ عِنْدَهٗ بِمِقْدَارٍ ⑧

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کے عالم الغیب ہونے کا بیان ہے کہ وہ کائنات کی ہر چیز سے واقف ہے، نیز اس کی قدرت کی نشانیوں کا ذکر ہے مثلاً بجلی کی کڑک اور بادلوں کا نظام وغیرہ۔ پھر جو لوگ اللہ کے علاوہ کی عبادت کرتے ہیں اُن کی حماقت کو مثال سے واضح کیا گیا ہے۔ ایمان وکفر اور مومن وکافر کا موازنہ کیا گیا ہے، ساتھ ہی فطرت کا ایک اصول سمجھایا گیا ہے کہ بارش سے ندی نالے بھر جاتے ہیں اور جھاگ بہہ کر ختم ہو جاتا ہے اسی طرح

مفید اور نفع بخش جماعت اور قوم اس زمین پر کامیاب ہو سکتی ہے، سست، کاہل اور بے فائدہ لوگوں کے ہونے یا نہ ہونے کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

رکوع (۳)

اَفَمَنْ يَّعْلَمُ اَنَّمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكَ مِنْ رَّبِّكَ الْحَقُّ كَمَنْ هُوَ اَعْمٰى ؕ اِنَّمَا يَتَذَكَّرُ اُولُوا الْاَلْبَابِ ۙ﴿۱۹﴾

اس رکوع میں کچھ ایسی صفات کا ذکر کیا گیا ہے جنہیں اختیار کر کے آخرت کی کامیابی حاصل کی جا سکتی ہے، مثلاً وفائے عہد، صلہ رحمی، خشیتِ الٰہی، خوفِ آخرت، صبر، نماز و زکوٰۃ کا اہتمام وغیرہ۔ اس کے مقابلے میں جو لوگ عہد شکنی، قطع رحمی، فساد فی الارض وغیرہ کے مرتکب ہیں ان کے لیے اللہ کی رحمت سے دوری اور برے انجام کی وعید وارد ہے، آخری آیت میں آخرت کے مقابلے میں دنیوی زندگی کے بے حیثیت ہونے کو بیان کیا گیا ہے۔

اہم مسائل

● جو معاہدہ کسی سے کر لیا جائے اس کی پابندی فرض اور اس کی خلاف ورزی حرام ہے، خواہ وہ معاہدہ اللہ اور رسول سے ہو جیسے عہدِ ایمانی یا مخلوقات میں کسی سے ہو خواہ مسلمان سے یا کافر سے، عہد شکنی بہر حال حرام ہے۔

● اسلام کی تعلیم راہبانہ انداز سے ترکِ تعلقات کی نہیں بلکہ صلہ رحمی، ضروری تعلقات کو قائم رکھنے اور ان کے حقوق ادا کرنے کو ضروری قرار دیا گیا ہے، ماں باپ کے حقوق، اولاد، بیوی، اور بہن بھائیوں کے حقوق، دوسرے رشتہ داروں اور پڑوسیوں کے حقوق، اللہ تعالیٰ نے ہر انسان پر لازم کئے ہیں، ان کو نظر انداز کر کے نفلی عبادت میں یا کسی دینی خدمت میں لگ جانا بھی جائز نہیں، دوسرے کاموں میں لگ کر ان کو بھلا دینا تو کیسے جائز ہوتا۔

● صلہ رحمی کے معنی یہ ہیں کہ جن سے رشتہ داری کے خصوصی تعلقات ہیں ان کی خبر گیری اور بقدر گنجائش امداد و اعانت کرے۔

● اللہ تعالیٰ کی راہ میں خرچ کرنا خفیہ اور علانیہ دونوں طرح سے درست ہے، البتہ

افضل یہ ہے کہ صدقات واجبہ زکوٰۃ، صدقۃ الفطر وغیرہ کو علانیہ ادا کرے، تا کہ دوسرے مسلمانوں کو بھی ادائیگی کی ترغیب ہو اور صدقات نافلہ جو واجب نہیں ان کو خفیہ ادا کرے تا کہ ریا کاری اور نام ونمود کے شبہ سے نجات ہو۔

● اسلامی تعلیم یہ ہے کہ برائی کو بھلائی کے ذریعہ دفع کرو، جس نے تم پر ظلم کیا ہے تم اس کے ساتھ انصاف کا معاملہ کرو، جس نے تمہارے تعلق کا حق ادا نہیں کیا تم اس کا حق ادا کرو، جس نے تم پر غصہ کیا تم اس کا جواب حلم وبردباری سے دو، جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ دشمن بھی دوست ہو جائے گا اور شریر بھی آپ کے سامنے نیک بن جائے گا۔

● بزرگوں کے ساتھ تعلق خواہ نسب اور قرابت کا ہو یا دوستی کا؛ وہ آخرت میں بھی بشرطِ ایمان نفع دے گا۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۴)

وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَوْلَآ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ قُلْ اِنَّ اللّٰهَ يُضِلُّ مَنْ يَّشَآءُ وَيَهْدِيْٓ اِلَيْهِ مَنْ اَنَابَ ﴿۲۷﴾

اس رکوع میں کفار کی ہٹ دھرمی، ضد اور بے جا مطالبات کا ذکر ہے، ساتھ ہی یہ بیان کیا گیا ہے کہ اگر ان کے مطالبے کے مطابق پہاڑ اپنی جگہ سے ہٹا دیے جاتے یا زمین شق کر دی جاتی اور یہ مردوں سے خود بات کر لیتے تو بھی ان کے عناد کا یہ عالم ہے کہ یہ لوگ ایمان نہ لاتے۔ اس رکوع میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ دلوں کا اطمینان صرف اور صرف اللہ کی یاد اور اس کے ذکر میں ملتا ہے۔

رکوع (۵)

وَلَقَدِ اسْتُهْزِئَ بِرُسُلٍ مِّنْ قَبْلِكَ فَاَمْلَيْتُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا ثُمَّ اَخَذْتُهُمْ ۫ فَكَيْفَ كَانَ عِقَابِ ﴿۳۲﴾

اس رکوع میں اوّلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ انکار واستہزاء کا جو معاملہ اہل مکہ آپ کے ساتھ کر رہے ہیں یہ کوئی نئی بات نہیں ہے، ماضی میں بھی انبیائے کرام کے

ساتھ اس طرح کے واقعات پیش آتے رہے ہیں۔ کفار کی نگاہوں میں یہی اعمال بھلے معلوم ہوتے ہیں کیوں کہ ان کے مقدر میں ہدایت نہیں ہے، ان کے لیے دنیا و آخرت کے عذاب کا ذکر ہے، جب کہ مومنین کے لیے جنت کی نعمتوں کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر اہل کتاب کا تذکرہ ہے کہ بعض تو قرآن کریم کی تعلیمات پر ایمان لاتے ہیں اور کچھ اس کا انکار کرتے ہیں۔ اخیر آیت میں اللہ کے علاوہ کسی کی بھی خواہشات کی اتباع کی ممانعت وارد ہے۔

رکوع (٦)

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ وَ جَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً ؕ وَ مَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ؕ لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ ﴿۳۸﴾

اس رکوع میں کفار اور منکرین کے ایک اعتراض کو رد کیا گیا ہے، وہ کہتے تھے کہ یہ کیسے رسول ہیں کہ ان کی بیویاں بھی ہیں اور شادیاں بھی کرتے ہیں، گویا رسول اور نبی بشر نہیں ہونا چاہیے، اس کو رد کیا ہے کہ گزشتہ اقوام کی جانب جتنے انبیائے کرام بھیجے گئے تھے سب انسان تھے، سب کی بیویاں اور اولاد تھیں۔ اخیر میں کفار کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اسلام کے خلاف تمہاری ساری سازش ناکام ہوگی، کیوں کہ اصل تدبیر تو اللہ کی ہی غالب رہتی ہے۔



تعارف سورۂ ابراہیم

دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور ان کا انکار کرنے کے خوفناک نتائج پر تنبیہ ہے۔ چونکہ عرب کے مشرکین حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو مانتے تھے، اس لیے سورت کے آخر سے پہلے رکوع میں ان کی وہ پُر اثر دعا نقل فرمائی گئی ہے جس میں انھوں نے شرک اور بت پرستی کی صاف صاف برائی بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے درخواست کی ہے کہ انھیں اور ان کے بیٹوں کو بت پرستی سے محفوظ رکھا جائے۔ اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ ابراہیم ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)

آیاتہا ۵۲	سُوْرَۃُ اِبْرَاهِيْمَ مَكِّيَّةٌ	رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓرٰ ۚ كِتٰبٌ اَنْزَلْنٰهُ اِلَيْكَ لِتُخْرِجَ النَّاسَ مِنَ الظُّلُمٰتِ اِلَى النُّوْرِ ۙ بِاِذْنِ رَبِّهِمْ اِلٰى صِرَاطِ الْعَزِيْزِ الْحَمِيْدِ ۙ①

سورۂ ابراہیم کے پہلے رکوع کی ابتدا قرآن کریم کے مقصد کو واضح کرتی ہے کہ کفر کی تاریکیوں سے ایمان کے نور اور روشنی کی جانب قدم بڑھائے جائیں۔اس کے بعد کفار اور دنیا پرستوں کے لیے سخت عذاب کی وعید وارد ہے۔پھر ایک اصول بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر رسول کو اُس کی قوم کی زبان میں ہی بھیجا ہے تاکہ وہ اپنا فریضہ اچھی طرح انجام دے سکیں۔اخیر میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ کیسے اللہ نے اُن کی قوم کو فرعون کے ظلم سے نجات دلا کر احسان کیا۔

رکوع (۲)

وَاِذْ تَاَذَّنَ رَبُّكُمْ لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَاَزِيْدَنَّكُمْ وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِيْ لَشَدِيْدٌ ⑦

اوّلاً ایک اصول بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نعمتیں شکر ادا کرنے سے بڑھتی ہیں۔جب کہ ناشکری اللہ کی ناراضگی اور عذاب کا سبب بنتی ہے۔اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو سمجھاتے ہوئے کہا تھا کہ اگر زمین پر موجود تمام لوگ کفر اختیار کرلیں تو بھی اللہ تعالیٰ اُن سے بے نیاز ہے۔لہٰذا ایمان کا فائدہ خود مومنین کو ہوتا ہے۔پھر سابقہ انبیائے کرام کی جدوجہد اور ان کی دعوت وتبلیغ کا ذکر ہے،نیز قوم کی

سرکشی اور ظلم کو بھی بیان کیا گیا ہے۔

اہم مسائل

● شکر کی حقیقت کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کو اس کی نافرمانی اور حرام وناجائز کاموں میں خرچ نہ کرے اور زبان سے بھی اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کرے اور اپنے افعال واعمال کو بھی اس کی مرضی کے مطابق بنائے۔

● صبر کا خلاصہ یہ ہے کہ خلافِ طبع امور پر پریشان نہ ہو اپنے قول وعمل میں ناشکری سے بچے اور اللہ تعالیٰ کی رحمت کا دنیا میں بھی امیدوار رہے اور آخرت میں صبر کے اجر عظیم کا یقین رکھے۔

رکوع (۳)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لِرُسُلِهِمْ لَنُخْرِجَنَّكُمْ مِّنْ اَرْضِنَآ اَوْ لَتَعُوْدُنَّ فِيْ مِلَّتِنَا ؕ فَاَوْحٰٓى اِلَيْهِمْ رَبُّهُمْ لَنُهْلِكَنَّ الظّٰلِمِيْنَ ۙ

کافر اقوام اور انبیائے کرام کی گفتگو کا سلسلہ اس رکوع میں بھی جاری ہے کہ انبیائے کرام کو ان کے مشن سے ہٹانے کے لیے کفار کی جانب سے الگ الگ طرح دھمکیاں دی گئیں۔ اس کے بعد جہنم کی ہولناکی اور عذاب کی شدت کا تذکرہ ہے کہ وہاں کفار کو پانی کی جگہ کھولتا ہوا پیپ پلایا جائے گا، لیکن وہ ان کے حلق میں نہ اترے گا، اس کے علاوہ بھی مختلف قسم کے عذاب کا سامنا ہوگا۔ کفر کے ساتھ اعمالِ خیر کو اُس راکھ سے تشبیہ دی گئی ہے جسے آندھی طوفان والے دن میں ہوا تیزی کے ساتھ اڑا لے جاتی ہے، ظاہر ہے کہ بغیر ایمان کے کوئی عمل مقبول نہیں ہوگا۔ اخیر رکوع میں میدانِ حشر کا ذکر ہے کہ وہاں سب اپنی گمراہی کا الزام دوسرے پر لگانے کی کوشش کریں گے لیکن کوئی فائدہ حاصل نہ ہوگا۔

رکوع (۴)

وَقَالَ الشَّيْطٰنُ لَمَّا قُضِيَ الْاَمْرُ اِنَّ اللّٰهَ وَعَدَكُمْ وَعْدَ الْحَقِّ وَوَعَدْتُّكُمْ فَاَخْلَفْتُكُمْ ؕ

حشر کے مناظر کا سلسلہ جاری ہے، شیطان اپنے متبعین سے پیچھا چھڑائے گا اور کہے گا کہ اللہ کا وعدہ ہی سچا تھا، میں نے تمہیں گناہ پر مجبور تو نہیں کیا تھا، لہٰذا مجھے ملامت نہ کرو۔ اس کے بعد کلمہ طیبہ کو پاکیزہ درخت سے تشبیہ دی گئی ہے جیسے درخت کے پھل سے ظاہری رزق ملتا ہے اُسی طرح کلمہ طیبہ سے باطنی رزق میسر آتا ہے۔

رکوع (۵)

اَلَمۡ تَرَ اِلَى الَّذِيۡنَ بَدَّلُوۡا نِعۡمَتَ اللّٰهِ كُفۡرًا وَّ اَحَلُّوۡا قَوۡمَهُمۡ دَارَ الۡبَوَارِ ﴿۲۸﴾ جَهَنَّمَ ۚ يَصۡلَوۡنَهَا ؕ وَبِئۡسَ الۡقَرَارُ ﴿۲۹﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے انسانوں پر اپنی کئی نعمتوں کا ذکر کیا ہے، مثلاً آسمان و زمین کی تخلیق، آسمان سے برستا پانی، اُس سے اگتے پھل اور ثمرات، سمندر میں چلتی کشتیاں، سورج، چاند، دن اور رات کا نظام؛ بلکہ کہا گیا ہے کہ اگر تم اللہ کی نعمتوں کو شمار کرنا چاہو تو شمار نہیں کر سکتے۔ درمیان میں مومنین کو نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کا حکم بھی دیا گیا ہے۔

رکوع (۶)

وَاِذۡ قَالَ اِبۡرٰهِيۡمُ رَبِّ اجۡعَلۡ هٰذَا الۡبَلَدَ اٰمِنًا وَّاجۡنُبۡنِىۡ وَبَنِىَّ اَنۡ نَّـعۡبُدَ الۡاَصۡنَامَ ؕ ﴿۳۵﴾

اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی چند دعائیں مذکور ہیں، ایک دعا تو سرزمین حرم کو پُرامن بنانے اور شرک سے بےزاری پر مشتمل ہے۔ یہ دعا دراصل کفار مکہ کے سامنے دلیل کے طور پر پیش کی گئی ہے کہ وہ حضرت ابراہیم کو ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں حالاں کہ حضرت ابراہیم شرک سے بیزار تھے۔ مزید کچھ دعاؤں کے ساتھ حرم کو بابرکت بنانے، اپنی نسل کو نماز کی پابندی کی توفیق دینے کی دعا بھی اس رکوع میں موجود ہیں۔

رکوع (۷)

وَلَا تَحۡسَبَنَّ اللّٰهَ غَافِلًا عَمَّا يَعۡمَلُ الظّٰلِمُوۡنَ ؕ

إِنَّمَا يُؤَخِّرُهُمْ لِيَوْمٍ تَشْخَصُ فِيهِ الْأَبْصَارُ ﴿۴۲﴾

سورۂ ابراہیم کے آخری رکوع میں ظالموں کو تنبیہ کی جارہی ہے کہ تمہارے ہر ہر عمل سے اللہ واقف ہے، وہ تو بس تمہیں مہلت دے رہا ہے۔ اس کے بعد جہنم کی کچھ ایسی شدید سزاؤں کا ذکر ہے کہ مجرمین کو زنجیروں میں جکڑ دیا جائے گا، آگ ان کے چہروں کو جھلسا کر رکھ دے گی، وہ مہلت طلب کریں گے لیکن کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ (اللہ ہر مومن کی حفاظت فرمائے۔ آمین)



تعارف سورۂ حجر

اس سورت کی آیت نمبر ۹۴ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکہ مکرمہ میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت کے ابتدائی زمانے میں نازل ہوئی تھی، کیونکہ اس آیت میں پہلی بار آپ کو کھل کر اسلام کی عام تبلیغ کا حکم دیا گیا ہے۔ سورت کے شروع میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ قرآن کریم اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل کی ہوئی کتاب ہے، اور جو لوگ اس کی مخالفت کر رہے ہیں، ایک وقت آئے گا جب وہ تمنا کریں گے کہ کاش وہ اسلام لے آتے۔ یہ لوگ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کبھی (معاذ اللہ) مجنون کہتے، اور کبھی کاہن قرار دیتے تھے۔ ان باتوں کی تردید کرتے ہوئے کہانت کی حقیقت آیت نمبر ۱۷ اور ۱۸ میں بیان فرمائی گئی ہے۔ ان لوگوں کے کفر کی اصل وجہ ان کا تکبر تھا، اس لیے ابلیس کا واقعہ آیات نمبر ۲۶ تا ۴۴ میں بیان کیا گیا ہے کہ اس کے تکبر نے کس طرح اس کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے محروم کیا۔ کفار کی عبرت کے لیے حضرت ابراہیم، حضرت لوط، حضرت شعیب اور حضرت صالح (علیہم السلام) کے واقعات اختصار کے ساتھ بیان فرمائے گئے ہیں۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور مسلمانوں کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کافروں کی ہٹ دھرمی کی وجہ سے وہ یہ نہ سمجھیں کہ ان کی محنت بیکار جا رہی ہے۔ ان کا فریضہ اتنا ہے کہ وہ موثر انداز میں تبلیغ کریں، جو وہ بہترین طریقے پر انجام دے رہے ہیں۔ نتائج کی ذمہ داری ان پر نہیں ہے۔ سورت کا نام قوم ثمود کی بستیوں کے نام پر رکھا گیا ہے جو حجر کہلاتی تھیں، اور ان کا ذکر اس سورت کی آیت نمبر ۸۰ میں آیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

پارہ: (۱۴)

رکوعاتہا ۶	سُوْرَۃُ الْحِجْر مکیۃ	آیاتہا ۹۹

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓرٰ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ وَ قُرْاٰنٍ مُّبِیْنٍ ۝۱

رُبَمَا یَوَدُّ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا لَوْ كَانُوْا مُسْلِمِیْنَ ۝۲

پہلے رکوع میں قرآن کریم کی حقانیت اور منجانب اللہ اس کی حفاظت کا ذکر ہے، کفار کی سرکشی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی شان میں بے ہودہ جملوں اور ان کے احمقانہ مطالبات کو بیان کیا گیا ہے، ان کی ضد اور جہالت کا یہ عالم ہے کہ اگر ان کے مطالبوں کے مطابق بھی معجزے دکھا دیے گئے تو بھی یہ ایمان نہ لانے کے بہانے بنائیں گے۔ نیز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کے اس رویہ پر تسلی دی گئی ہے کہ یہ معاملہ سابقہ انبیائے کرام کے ساتھ بھی پیش آتا رہا ہے۔

رکوع (۲)

وَ لَقَدْ جَعَلْنَا فِی السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّ زَیَّنّٰهَا لِلنّٰظِرِیْنَ ۝۱۶

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں مثلاً آسمان وزمین کے متعینہ نظام، معیشت کے اسباب، ہوا، پانی وغیرہ کا تذکرہ ہے، اللہ کی قدرت کے مظاہر بیان کیے گئے ہیں، نیز اخیر میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ اگلی پچھلی تمام اقوام سے باخبر ہے اور روزِ قیامت ان سب کو حساب کے لیے جمع کرے گا۔

رکوع (۳)

وَ لَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَاٍ مَّسْنُوْنٍ ۝۲۶

اس رکوع میں حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق، فرشتوں کے سجدے، ابلیس کے انکار اور پھر اللہ تعالیٰ سے باہمی سوال وجواب کا ذکر ہے۔ اخیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نیک اور برگزیدہ لوگوں پر شیطان کے حربے اثر نہیں کریں گے، البتہ جو شیطان کی پیروی کریں گے ان کے لیے جہنم کی وعید ہے۔

رکوع (۴)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ جَنّٰتٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۴۵﴾ اُدْخُلُوْهَا بِسَلٰمٍ اٰمِنِيْنَ ﴿۴۶﴾

ابتداءً اہل تقویٰ کو جنّت میں ملنے والے انعامات کا تذکرہ ہے، اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے اُن فرشتوں کا ذکر ہے جو حضرت ابراہیم کو حضرت اسحاق کی بشارت دینے اور حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کو ان کی بداعمالیوں کی وجہ سے ہلاک کرنے کے لیے آئے تھے۔ جس ہلاکت کا تذکرہ اگلے رکوع میں موجود ہے۔

رکوع (۵)

فَلَمَّا جَآءَ اٰلَ لُوْطِ ِۨالْمُرْسَلُوْنَ ﴿۶۱﴾ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ مُّنْكَرُوْنَ ﴿۶۲﴾

حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کی بداعمالیوں، لڑکیوں کو چھوڑ کر لڑکوں سے اپنی شہوت پوری کرنے اور ان کی ہلاکت کا یہاں ذکر ہے، حضرت لوط علیہ السلام اللہ کی ہدایت کے مطابق مومنین کو راتوں رات بستی سے لے کر چلے گئے تھے، اس کے بعد ایک سخت چنگھاڑ گونجی، اور ان کی پوری بستی کو اوپر اٹھا کر زمین پر پٹخ دیا گیا اور ان پر پتھروں کی بارش کی گئی۔ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم کی ہلاکت کا بھی مختصر ذکر اخیر رکوع میں کیا گیا ہے۔

● حضرت لوط، حضرت شعیب، حضرت صالح علیہم السلام وغیرہ کی قوم کا مختصر ذکر سورۃ الاعراف، ص ۱۹۸ تا ۲۰۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۶)

وَ لَقَدْ كَذَّبَ اَصْحٰبُ الْحِجْرِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۸۰﴾

سورت کے آخری رکوع میں اوّلاً قوم ثمود کی قوت وطاقت کا ذکر ہے کہ وہ لوگ

پہاڑوں میں بآسانی بڑے بڑے گھر بنالیا کرتے تھے، لیکن ان کی سرکشی کی وجہ سے انہیں بھی ایک چیخ نے ہلاک کرڈالا اوران کے بنائے ہوئے محلات ان کے کچھ کام نہ آئے۔ پھر مسلمانوں کو کفار کے دنیوی سازوسامان پر رشک کی نگاہ ڈالنے سے منع کیا گیا ہے۔ اہل کتاب کا تذکرہ اس طور پر ہے کہ وہ کتاب اللہ کو اپنی مرضی کے مطابق ڈھالنے لگے تھے، چناں چہ بعض احکامات پر عمل کرتے اور جس کی چاہتے خلاف ورزی کرتے۔ سورت کی آخری آیت میں یہ حکم ہے کہ مرتے دم تک اللہ کی عبادت کی جائے یعنی پوری زندگی اُسی کے حکم کے مطابق گزاری جائے۔



تعارف سورۃ النحل

اس سورت کا بنیادی موضوع اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا مفصل بیان ہے جو اللہ تعالیٰ نے اس کائنات میں انسان کے فائدے کے لیے پیدا فرمائی ہیں۔ اسی لیے اس سورت کو سورۃ النعم (نعمتوں کی سورت) بھی کہا جاتا ہے۔ عرب کے مشرکین عام طور سے یہ مانتے تھے کہ ان میں سے بیشتر نعمتیں اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی ہیں۔ اس کے باوجود وہ یہ عقیدہ رکھتے تھے کہ اللہ تعالیٰ کی خدائی میں وہ بت بھی شریک ہیں جن کی وہ عبادت کرتے تھے۔ اس طرح اللہ تعالیٰ کی ان نعمتوں کا تذکرہ فرما کر انھیں توحید پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے۔ ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور ایمان نہ لانے کی صورت میں انھیں اللہ تعالیٰ کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ یہ سورت جس زمانے میں نازل ہوئی، اس وقت بہت سے مسلمان کفار کے ظلم وستم سے تنگ آ کر حبشہ کی طرف ہجرت کرنے پر مجبور ہو رہے تھے۔ آیت نمبر ۴۱ و ۴۲ میں ان کو تسلی دی گئی ہے کہ ان کے مصائب و آلام کا دور ختم ہونے والا ہے۔ اور انھیں دنیا میں بھی اچھا ٹھکانا عطا ہوگا، اور آخرت میں بھی ان کے لیے بڑا اجر وثواب ہے، بشرطیکہ وہ صبر سے کام لیں، اور اللہ تعالیٰ پر بھروسہ رکھیں۔ سورت کے آخری حصے میں اسلامی شریعت کے کچھ اہم احکام بھی بیان فرمائے گئے ہیں جو ایک مسلمان کے طرز عمل کی بنیاد ہونے چاہئیں۔ ''نحل'' عربی میں شہد کی مکھی کو کہتے ہیں۔ اس سورت کی آیت نمبر ۶۸ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات کا تذکرہ کرتے ہوئے شہد کی مکھی کا حوالہ دیا ہے کہ وہ کس طرح اللہ کے حکم سے پہاڑوں اور جنگلوں میں اپنے چھتے بناتی اور شہد پیدا کرتی ہے۔ اسی لیے سورت کا نام ''نحل'' رکھا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۱۲۸ | سُوْرَةُ النَّحْلِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۱۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَتٰۤى اَمْرُ اللّٰهِ فَلَا تَسْتَعْجِلُوْهُ ؕ سُبْحٰنَهٗ وَ تَعٰلٰى عَمَّا يُشْرِكُوْنَ ①

سورۂ نحل کے پہلے رکوع میں اوّلاً شرک پر تنبیہ کی گئی ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے احسانات شمار کرائے گئے ہیں، مثلاً آسمان وزمین کی تخلیق، چوپایوں کی تسخیر، ان سے حاصل ہونے والے سواری اور خوراک کے منافع وغیرہ۔ اسی دوران انسان کی حقیقت کو واضح کیا ہے کہ اس کی تخلیق ایک پانی کے قطرے سے ہوئی ہے، لیکن بسا اوقات کبر میں آکر اللہ کے دین کا دشمن بن بیٹھتا ہے۔

رکوع (۲)

هُوَ الَّذِيْۤ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً لَّكُمْ مِّنْهُ شَرَابٌ وَّ مِنْهُ شَجَرٌ فِيْهِ تُسِيْمُوْنَ ⑩

مشرکین کو خاموش اور لاجواب کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ کے انعامات اور قدرت کے مظاہر کے ذکر کا سلسلہ جاری ہے، چناں چہ اس رکوع میں چند چیزیں ذکر کی گئی ہیں، مثلاً آسمان سے پانی برسانا، درخت اگانا، پھر مختلف قسم کے پھل کھجور، انگور، زیتون وغیرہ اگانا، رات، دن، سورج، چاند اور ستاروں کو مسخر کرنا، مختلف رنگوں کی مخلوق پیدا کرنا، سمندر سے مچھلی کی شکل میں بالکل تازہ گوشت فراہم کرنا وغیرہ۔ یہ سب ذکر کر کے دعوتِ غور وفکر دی جا رہی ہے کہ کیا خالق اور غیر خالق برابر ہو سکتے ہیں؟ بلکہ جنہیں یہ مشرکین اللہ کا شریک قرار دیتے ہیں یہ تو خود انہیں کے پیدا کردہ ہیں۔

رکوع (۳)

اِلٰـهُكُمۡ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ‌ ۚ فَالَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِالۡاٰخِرَةِ قُلُوۡبُهُمۡ مُّنۡكِرَةٌ وَّهُمۡ مُّسۡتَكۡبِرُوۡنَ ﴿۲۲﴾

اس رکوع میں توحید کی تعلیم دی گئی ہے اور کفر کی سب سے بڑی وجہ ''کبر'' کو قرار دیا گیا ہے، اس کے بعد کفار مکہ کا ذکر ہے کہ وہ قرآن کریم کو قصہ کہانیوں کی کتاب کہا کرتے تھے، یہ کہہ کر وہ خود بھی گمراہ ہوتے اور اپنے ماتحتوں کو بھی گمراہ کرتے، چناں چہ قیامت میں وہ خود کی گمراہی کا بوجھ تو اٹھائیں گے ہی، ساتھ ہی اپنے ماتحتوں کی گمراہی کی سزا بھی جھیلیں گے۔

رکوع (۴)

قَدۡ مَكَرَ الَّذِيۡنَ مِنۡ قَبۡلِهِمۡ فَاَتَى اللّٰهُ بُنۡيَانَهُمۡ مِّنَ الۡقَوَاعِدِ فَخَرَّ عَلَيۡهِمُ السَّقۡفُ مِنۡ فَوۡقِهِمۡ وَاَتٰٮهُمُ الۡعَذَابُ مِنۡ حَيۡثُ لَا يَشۡعُرُوۡنَ ﴿۲۶﴾

اس رکوع میں دین کے مخالفین کا انجام ذکر کیا گیا ہے کہ دنیا میں اللہ کے عذاب نے انہیں آگھیرا اور کل قیامت میں بھی اُن کے ہاتھ فقط رسوائی ہوگی۔ ایسے لوگوں کو مرتے وقت جو تکلیف ہوتی ہے اس کا بھی ذکر ہے، اس کے مقابلے میں مومنین ہیں کہ مرتے وقت فرشتے ان کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرتے ہیں، ان کا استقبال کرتے ہیں اور آخرت میں ان کے لیے بھلائی کا وعدہ کیا گیا ہے۔

رکوع (۵)

وَقَالَ الَّذِيۡنَ اَشۡرَكُوۡا لَوۡ شَآءَ اللّٰهُ مَا عَبَدۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ نَّحۡنُ وَلَاۤ اٰبَآؤُنَا وَلَا حَرَّمۡنَا مِنۡ دُوۡنِهٖ مِنۡ شَىۡءٍ‌ ؕ

اس رکوع میں سابقہ انبیائے کرام اور ان کی اقوام کا ذکر ہے کہ رسولوں کی تکذیب، ان کے ساتھ نافرمانی کا معاملہ، بے ہودہ مطالبات اور بے جا اعتراضات کوئی نئی بات نہیں، البتہ انبیاء و رسل کی ذمہ داری درست پیغام کو ان تک پہنچا دینا ہے، اس کے بعد ہدایت و ضلالت اللہ کے ہاتھ میں ہے۔ چناں چہ ماضی کی بہت سی اقوام کے بنجر مقامات اور کھنڈر

محلات آج بھی غور کرنے والوں کے لیے نشانِ عبرت بنے ہوئے ہیں۔

رکوع (۶)

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِي اللّٰهِ مِنْۢ بَعْدِ مَا ظُلِمُوْا لَنُبَوِّئَنَّهُمْ فِي الدُّنْيَا حَسَنَةً ۭ وَلَاَجْرُ الْاٰخِرَةِ اَكْبَرُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۴۱﴾

اس رکوع میں مہاجرین کے فضائل وارد ہیں جنہوں نے صبر اور توکل سے کام لیا۔ اس کے بعد قرآن کریم کے نزول کا مقصد غور وفکر کو قرار دیا گیا ہے۔ پھر کفار کو اللہ کے مختلف قسم کے عذاب سے ڈرایا گیا ہے۔ اخیر میں کہا گیا ہے کہ دنیا کی تمام مخلوقات اللہ کو سجدہ تی ہیں سوائے اِن کافروں کے کہ یہ ان عظیم مخلوقات کے مقابلے میں بے حیثیت ہونے ۔ باوجود کبر میں مبتلا ہیں۔

رکوع (۷)

وَقَالَ اللّٰهُ لَا تَتَّخِذُوْٓا اِلٰـهَيْنِ اثْنَيْنِ ۚ اِنَّمَا هُوَ اِلٰهٌ وَّاحِدٌ ۚ فَاِيَّايَ فَارْهَبُوْنِ ﴿۵۱﴾

اس رکوع میں شرک کی مذمت اور توحید کی تاکید کی گئی ہے، پھر کافروں کی فطرت کا ذکر ہے کہ یہ مصیبت کے وقت میں اللہ کو یاد کرتے ہیں اور مصیبت دور ہوتے ہی شرک کرنے لگ جاتے ہیں، اس کے بعد شرک کی مختلف اقسام کا بیان ہے۔ کافروں کی ایک بری خصلت یہ بھی ذکر کی گئی کہ لڑکی کی پیدائش پر خوش نہیں ہوتے بلکہ ان کے چہرے لڑکی کی ولادت پر افسردہ ہوجاتے ہیں۔

● شرک کی تعریف واقسام صفحہ ۱۵۱ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۸)

وَلَوْ يُؤَاخِذُ اللّٰهُ النَّاسَ بِظُلْمِهِمْ مَّا تَرَكَ عَلَيْهَا مِنْ دَاۗبَّةٍ وَّلٰكِنْ يُّؤَخِّرُهُمْ اِلٰٓى اَجَلٍ مُّسَمًّى ۚ

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت کو یوں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی

شخص کی فوری گرفت نہیں کرتا، بلکہ اُسے سنبھلنے اور سدھرنے کے لیے مہلت دیتا ہے، اس لیے عقل وشعور کا تقاضہ یہ ہے کہ موت آنے سے پہلے اپنی غلطی سدھار لی جائے، وقت مقرر سے تھوڑا بھی آگے پیچھے ہونا ممکن نہ ہوگا۔ اس کے بعد شیطانی حربے کا ذکر ہے کہ وہ کفار کے برے اعمال کو ان کی نظر میں بہتر بنا کر دکھاتا ہے جس سے وہ دھوکہ کھا جاتے ہیں۔

رکوع (۹)

وَاِنَّ لَكُمْ فِي الْاَنْعَامِ لَعِبْرَةً ۭ نُسْقِيْكُمْ مِّمَّا فِيْ بُطُوْنِهٖ
مِنْۢ بَيْنِ فَرْثٍ وَّدَمٍ لَّبَنًا خَالِصًا سَاۗىِٕغًا لِّلشّٰرِبِيْنَ ۝۶۶

اس رکوع میں خاص طور پر اللہ کی غذائی نعمتوں کا ذکر ہے، مثلاً چوپائے، پھر اس سے نکلنے والا دودھ، کھجور اور انگور کے پھل، پھر شہد جو کئی بیماریوں کے لیے شفا کا ذریعہ ہے۔ ان تمام نعمتوں کو ذکر کرنے کا مقصد ان میں غور وفکر کر کے ان کے خالق کی معرفت کی ترغیب دی گئی ہے۔

رکوع (۱۰)

وَاللّٰهُ فَضَّلَ بَعْضَكُمْ عَلٰي بَعْضٍ فِي الرِّزْقِ ۚ

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کے نظام کا ذکر ہے کہ اُس نے بعض کو بعض پر رزق میں فوقیت دے رکھی ہے، تاکہ مضبوط لوگ کمزوروں کی مدد کر سکیں، اور کمزور افراد اپنی صلاحیتوں اور ہنر کے ذریعے اپنے معاونین کے کام آسکیں، لیکن افسوس کہ کفار اللہ کی نعمتوں کا انکار کر بیٹھتے ہیں۔ اس کے بعد اہل وعیال، فیملی اور خاندان کی نعمت کا ذکر کیا گیا۔ پھر شرک کی مذمت کو کچھ مثالوں سے واضح کیا گیا ہے۔

رکوع (۱۱)

وَلِلّٰهِ غَيْبُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ وَمَآ اَمْرُ السَّاعَةِ اِلَّا كَلَمْحِ الْبَصَرِ
اَوْ هُوَ اَقْرَبُ ۭ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰي كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝۷۷

اس رکوع میں اوّلاً اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو بیان کر کے قیامت کی آمد کا ذکر ہے کہ وہ

اچانک آجائے گی۔ پھر اللہ کی مختلف نعمتوں کا ذکر ہے مثلاً ماں کے پیٹ سے نکالنا، قوت سماعت، بصارت اور شعور عطا کرنا، رہنے کے لیے گھر، سواری کے لیے چوپائے، اور سردی وغیرہ سے حفاظت کے لیے چوپائے کی کھال اور اس سے بننے والا اون وغیرہ۔ یہ تمام نعمتیں فقط اس لیے عطا کی گئی ہیں کہ انسان اللہ کے حکم کے مطابق زندگی گزارے اور اس کی مکمل اطاعت کرے، اللہ کی نعمتوں کا جان بوجھ کر انکار کر دینے کو ناشکری قرار دیا گیا ہے۔

رکوع (۱۲)

وَ يَوْمَ نَبْعَثُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ شَهِيْدًا ثُمَّ لَا يُؤْذَنُ لِلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَ لَا هُمْ يُسْتَعْتَبُوْنَ ﴿۸۴﴾

اس رکوع میں قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ ہر قوم کے نبی اُس قوم پر گواہ بنیں گے ور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تمام لوگوں پر گواہ ہوں گے، کیوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم تمام انبیائے کرام پر ایمان لانے کی ہے اور قرآن کریم گزشتہ تمام آسمانی کتابوں کی تصدیق کرتا ہے۔ کفار کا حال یہ ہوگا کہ وہ عذاب دیکھ کر اُس میں تخفیف اور مہلت چاہیں گے، مشرکین اپنے جھوٹے معبودوں پر گمراہی کا الزام لگائیں گے اور وہ ان سے براءت کا اظہار کریں گے۔

رکوع (۱۳)

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَ الْاِحْسَانِ وَ اِيْتَآئِ ذِي الْقُرْبٰى وَ يَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ وَ الْبَغْيِ ۚ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۹۰﴾

رکوع کی ابتدا میں کچھ اہم باتوں کا حکم دیا گیا ہے مثلاً انصاف پسندی، احسان اور رشتے داروں کے حقوق کی ادائیگی، ساتھ ہی بے حیائی، برائی اور ظلم سے روکا گیا ہے۔ اس کے بعد خدا سے کیے گئے وعدے کو پورا کرنے کی اہمیت کو مثال سے سمجھایا گیا ہے۔ پھر کہا گیا ہے کہ ایمان کی راہ میں ابتلاء وآزمائش آتی رہتی ہیں، لہٰذا اس پر صبر کرنا لازم ہے، جس کی وجہ سے آخرت کا دائمی اجر ملے گا، خواہ وہ مرد ہو یا عورت بس ایمان شرط ہے۔ نیز

قرآن کریم کی تلاوت کے وقت شیطان سے پناہ مانگنے کا حکم ہے جس پر ہم تلاوت سے قبل أعوذ باللہ من الشیطان الرجیم پڑھ کر عمل کرتے ہیں۔

اہم مسائل

● تلاوتِ قرآن سے پہلے اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ کا پڑھنا اس آیت کی تعمیل کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ثابت ہے، مگر کبھی کبھی اس کا ترک کرنا بھی احادیثِ صحیحہ سے ثابت ہے، اس لیے جمہور علمائے امت نے اس حکم کو واجب نہیں بلکہ سنت قرار دیا ہے۔

● نماز میں تعوّذ (یعنی اعوذ باللہ) صرف پہلی رکعت کے شروع میں پڑھنا چاہیے۔

● تلاوتِ قرآن نماز میں ہو یا خارج نماز دونوں صورتوں میں تلاوت سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت ہے، مگر ایک دفعہ پڑھ لیا تو آگے جتنا پڑھتا رہے وہی ایک تعوّذ کافی ہے، البتہ تلاوت کو درمیان میں چھوڑ کر کسی دنیوی کام میں مشغول ہو گیا اور پھر دوبارہ شروع کیا، تو اس وقت دوبارہ تعوذ اور بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔

● تلاوتِ قرآن کے علاوہ کسی دوسرے کلام یا کتاب پڑھنے سے پہلے اعوذ باللہ پڑھنا سنت نہیں، وہاں صرف بسم اللہ پڑھنا چاہیے۔

● البتہ مختلف اعمال اور حالات میں تعوّذ کی تعلیم حدیث میں منقول ہے، مثلاً جب کسی کو غصہ زیادہ آئے تو حدیث میں ہے کہ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ پڑھنے سے غصہ دور ہو جاتا ہے۔

رکوع (۱۴)

وَاِذَا بَدَّلْنَآ اٰیَۃً مَّکَانَ اٰیَۃٍ ۙ وَّاللّٰہُ اَعْلَمُ بِمَا یُنَزِّلُ قَالُوْٓا اِنَّمَآ اَنْتَ مُفْتَرٍ ۭ بَلْ اَکْثَرُھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ ﴿۱۰۱﴾

اس رکوع میں کفار کی جانب سے قرآن کریم پر ہونے والے بعض بے ہودہ اعتراضات و جوابات ذکر کیے گئے ہیں، اس کے بعد حالتِ اضطرار میں زبان سے کلمہ کفر کہنے کی اجازت دی گئی ہے، لیکن اگر دل میں بھی کفر ہے تو اس پر سخت عذاب کی وعید ہے۔

اخیر رکوع میں مہاجرین کے جہاد اور صبر کی تعریف کی گئی ہے۔

اہم مسئلہ

● جس شخص کو کلمۂ کفر کہنے پر اس طرح مجبور کر دیا گیا کہ اگر یہ کلمہ نہ کہے تو اس کو قتل کر دیا جائے اور یہ بھی غالب گمان ہو کہ دھمکی دینے والے کو اس پر پوری قدرت حاصل ہے تو ایسی مجبوری میں اگر وہ زبان سے کلمۂ کفر کہہ دے، مگر اس کا دل ایمان پر جما ہوا اور اس کلمہ کو باطل اور برا جانتا ہو تو اس پر کوئی گناہ نہیں اور نہ اس کی بیوی اس پر حرام ہوگی۔

رکوع (۱۵)

يَوْمَ تَأْتِي كُلُّ نَفْسٍ تُجَادِلُ عَنْ نَّفْسِهَا وَتُوَفّٰى كُلُّ نَفْسٍ مَّا عَمِلَتْ وَهُمْ لَا يُظْلَمُوْنَ ﴿١١١﴾

اس رکوع میں قیامت کا ذکر کرتے ہوئے ماضی کی ایک ایسی قوم کا تذکرہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت سے انعامات سے نوازا تھا، لیکن انہوں نے ناشکری کی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے تمام نعمتیں چھین لیں اور عذاب میں مبتلا کر دیا، کفارِ مکہ کو اس واقعہ سے عبرت حاصل کرنے کی تلقین ہے کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم پر کیے جانے والے اللہ کے انعامات رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی تکذیب اور قرآن کریم کے انکار کی وجہ سے سلب ہو جائیں۔ اس کے بعد حلال روزی کھانے اور اللہ کی نعمتوں کے شکر کا حکم ہے۔ ساتھ ہی کچھ حرام غذاؤں کا تذکرہ ہے مثلاً مردار، خون، خنزیر کا گوشت اور غیر اللہ پر ذبح کیا جانے والا جانور۔ البتہ حالتِ اضطرار کے احکام الگ ہیں۔ رکوع کی آخری آیت میں گناہوں سے توبہ کی تلقین ہے۔

رکوع (۱۶)

اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ كَانَ اُمَّةً قَانِتًا لِّلّٰهِ حَنِيْفًا ؕ وَلَمْ يَكُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ ﴿١٢٠﴾

آخری رکوع کی ابتدا حضرت ابراہیم علیہ السلام کے تذکرے سے کی گئی ہے، اہل مکہ چوں کہ اپنے آپ کو حضرت ابراہیم کا پیروکار کہتے تھے تو اُن کا ذکر اس طور پر کیا گیا کہ وہ تو اللہ کے دین کے پیروکار تھے، وہ مشرک نہ تھے، اللہ کی نعمتوں کے شکر گزار تھے، اور

وہی تعلیمات لے کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ہیں۔ اس کے بعد کچھ نصاریٰ کا ذکر ہے کہ ان کے باہمی اختلافات کا فیصلہ کل قیامت میں ہوگا۔ اخیر سورت میں دعوت وتبلیغ سے متعلق بہت جامع ہدایات دی گئی ہیں کہ اللہ کے راستے کی جانب نہایت حکمت اور خوش اسلوبی کے ساتھ بلانا چاہیے، اگر کوئی بحث ومباحثہ بھی کرے تو اُس سے سلیقے کے ساتھ گفتگو ہونی چاہیے۔ نیز کفار کی سازشوں اور تدبیروں کے خلاف صبر کی تلقین ہے۔

دعوت وتبلیغ کے چند آداب

- اخلاص کا ہونا۔
- سب سے پہلے اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی عبادت کی طرف متوجہ کرنا۔
- دعوت دیتے وقت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف متوجہ ہونا۔
- پوری امید اور بصیرت کے ساتھ دعوت دینا۔
- جس چیز کی دعوت دے اُس پر خود بھی عمل کرنا۔
- مسلسل دعوت وتبلیغ کا کام کرتے رہنا۔
- اپنے آپ کو اچھے اخلاق سے آراستہ کرنا۔
- امت کا غم اپنے دل میں پیدا کرنا۔
- درجہ بہ درجہ امورِ اسلام کی دعوت دینا۔
- اچھے انداز سے اور مناسب موقع پر دعوت دینا۔
- دعوت کے لیے ہر ممکن موقع کو غنیمت جاننا۔
- قدرت ہو تو مدعو (جس کو دعوت دی جائے) کی لغت (زبان) میں دعوت دینا۔
- نرمی سے دعوت دینا۔
- دعوت کے قبول کرنے پر مدعو کو مجبور نہ کرنا۔
- اللہ سبحانہ وتعالیٰ کے دین کی نسبت پر ہر قسم کا مجاہدہ برداشت کرنا۔
- فریضۂ تبلیغ کی ادائیگی میں کسی کی مخالفت کی پرواہ نہ کرنا۔

- مدعو کی طرف سے پہنچنے والی تکلیف پر صبر کرنا۔
- بہ کثرت دعوت کے باوجود مدعو کے قبول نہ کرنے سے نہ اُکتانا۔
- مدعو کو حقیر نہ جاننا۔

(ملخص از سنن وآداب)



تعارف سورۂ بنی اسرائیل

اس سورت کی سب سے پہلی آیت ہی یہ بتا رہی ہے کہ اس کا نزول معراج مبارک کے واقعے کے بعد ہوا ہے۔ اگرچہ معراج کے واقعے کی ٹھیک تاریخ یقینی طور پر متعین کرنا مشکل ہے، لیکن زیادہ تر روایات کا رجحان اس طرف ہے کہ یہ عظیم واقعہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی بعثت کے دس سال بعد اور ہجرت سے تین سال پہلے پیش آیا تھا۔ اس وقت تک اسلام کی دعوت کا پیغام نہ صرف عرب کے بت پرستوں تک، بلکہ یہودیوں اور عیسائیوں تک بھی پہنچ چکا تھا۔ اس سورت میں معراج کے غیر معمولی واقعے کا حوالہ دے کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کا ناقابل انکار ثبوت فراہم کر دیا گیا ہے۔ اس کے بعد بنو اسرائیل کے واقعے کا ذکر فرمایا گیا ہے کہ کس طرح انھیں دو مرتبہ اللہ کی نافرمانی کی پاداش میں ذلت و رسوائی اور دشمن کے ہاتھوں بربادی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح مشرکین عرب کو سبق دیا گیا ہے کہ وہ قرآن کریم کی مخالفت سے باز آجائیں، ورنہ ان کو بھی اسی قسم کے انجام سے سابقہ پیش آسکتا ہے، کیونکہ اس وقت قرآن کریم ہی وہ واحد کتاب ہے جو اعتدال کے ساتھ سیدھے راستے کی طرف ہدایت کر رہی ہے۔ (آیت نمبر ۹) پھر آیت نمبر ۲۲ سے ۳۸ تک مسلمانوں کو ان کے دینی، معاشرتی اور اخلاقی طرز عمل کے بارے میں نہایت اہم ہدایات دی گئی ہیں۔ اور مشرکین کے نامعقول اور معاندانہ طرز عمل کی مذمت کر کے ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور مسلمانوں کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ پر بھروسہ کرتے ہوئے اسی کی عبادت کرتے رہیں۔

چونکہ سورت کے شروع میں بنو اسرائیل کے ساتھ پیش آنے والے دو اہم واقعات کا تذکرہ کیا گیا ہے، اس لیے سورت کا نام سورۂ بنی اسرائیل ہے۔ اور اس کا دوسرا نام سورۃ

الاسراء بھی ہے۔اسراء سفر معراج کو اور خاص طور پر اس سفر کے اس حصے کو کہا جاتا ہے جس میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مسجد حرام سے بیت المقدس تک لے جایا گیا، سورت کا آغاز ہی چونکہ اس معجزانہ سفر کے تذکرے سے ہوا ہے، اس لیے اس کو سورۃ الاسراء بھی کہا جاتا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)



پارہ: (۱۵)

آیاتہا ۱۱۱ — سُوْرَۃُ بَنِیْٓ اِسْرَآءِیْلَ مَکِّیَّۃٌ — رکوعاتہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُبْحٰنَ الَّذِیْٓ اَسْرٰی بِعَبْدِهٖ لَیْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَی الْمَسْجِدِ الْاَقْصَا الَّذِیْ بٰرَکْنَا حَوْلَهٗ لِنُرِیَهٗ مِنْ اٰیٰتِنَا ؕ اِنَّهٗ هُوَ السَّمِیْعُ الْبَصِیْرُ ①

سورت کی شروعات اُس واقعہ سے ہوئی ہے جسے ہم واقعہ معراج کہتے ہیں، جس میں اللہ تعالیٰ نے نہایت قلیل مدّت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مسجد حرام سے مسجد اقصیٰ، اور وہاں سے ساتوں آسمان کا سفر کرایا تھا، یہی وہ سفر ہے جس میں نمازیں فرض ہوئیں۔اس کے بعد بنی اسرائیل کا ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ کو توریت عطا کی گئی اور اُسی میں فیصلہ ہو چکا تھا کہ ان کی نافرمانیوں کی وجہ سے دنیا میں ہی ان پر محکومیت اور ذلت ومسکنت کا عذاب ہوگا۔چناں چہ بابل کے بادشاہ بخت نصر نے ان کا قتل عام کیا، جو زندہ رہ گئے انہیں قیدی بنا لیا، انہیں دوبارہ خوشحالی ملی لیکن ان کی سرکشی جاری رہی تو دوبارہ انہیں عذاب میں مبتلا کیا گیا۔اخیر میں قرآن کریم کو صحیح اور سیدھا راستہ دکھانے والی کتاب قرار دیا گیا ہے۔

رکوع (۲)

وَيَدْعُ الْاِنْسَانُ بِالشَّرِّ دُعَآءَهٗ بِالْخَيْرِ ؕ وَكَانَ الْاِنْسَانُ عَجُوْلًا ⑪

اس رکوع میں اوّلاً انسانی فطرت بتائی گئی ہے کہ وہ بڑا جلد باز ہے، اُسے ہر چیز میں جلدی نتیجے کی خواہش رہتی ہے اور یہ کوئی اچھی چیز نہیں۔اس کے بعد انسانوں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ انسان کا ہر ہر عمل ریکارڈ کیا جا رہا ہے جسے وہ کل قیامت کے دن اپنے سامنے پائے گا

اور اُسی کے مطابق اس کا انجام ہوگا۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ہر شخص اپنے عمل کا ذمہ دار ہے، دوسرے کی ذمہ داری اُس پر نہیں۔ اس کے بعد دنیوی عذاب کے سلسلے میں اللہ کا طریقہ کار بتایا گیا ہے کہ جب بھی کسی قوم کے سرداران اور قائدین سرکشی کرتے ہیں، اپنے منصب پر اتراتے ہیں تو عذاب آتا ہے۔ پھر دنیا اور آخرت کا موازنہ کیا گیا ہے کہ اصل سعی اور کوشش آخرت کے لیے ہونی چاہیے۔

رکوع (۳)

وَقَضٰى رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْٓا اِلَّآ اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا ؕ

یہ رکوع اور آئندہ رکوع بہت سے احکامات پر مشتمل ہے، سب سے پہلے تو توحید کا حکم ہے، اُس کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسن سلوک اور نرم رویے کی تاکید ہے۔ پھر رشتے داروں، مساکین اور مسافروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم ہے، ساتھ ہی فضول خرچی سے اس تاکید سے روکا گیا ہے کہ فضول خرچ لوگوں کو شیطان کا بھائی قرار دیا گیا ہے۔ خرچ میں اعتدال کی تعلیم دی گئی ہے کہ نہ تو اتنا خرچ کیا جائے کہ کسی کے سامنے ہاتھ پھیلانے پڑ جائیں اور نہ ہی اتنا بخل ہو کہ ہاتھ بالکل نہ کھلے۔ آخری آیت میں رزق کی وسعت یا تنگی کو خالص اللہ تعالیٰ کا عمل قرار دیا گیا ہے۔

اہم مسائل

● والدین کا مقام اتنا بلند ہے کہ جب تک جہاد فرضِ عین نہ ہو جائے فرضِ کفایہ کے درجے میں رہے اس وقت تک کسی لڑکے کے لیے والدین کی اجازت کے بغیر اجازت کے جہاد میں شریک ہو جانا جائز نہیں۔

● جب کوئی چیز فرض عین یا واجب علی العین نہ ہو کفایہ کے درجہ میں ہو تو اولاد کے لیے وہ کام بغیر ماں باپ کی اجازت کے جائز نہیں، اس میں مکمل علم دین حاصل کرنا اور تبلیغ دین کے لیے سفر کرنے کا حکم بھی شامل ہے کہ بقدر فرض علم دین جس کو حاصل ہو وہ عالم بننے کے لیے سفر کرے یا لوگوں کو تبلیغ و دعوت کے لیے سفر کرے تو بغیر اجازت والدین کے جائز نہیں۔

● والدین کے ساتھ جو حسن سلوک کا حکم قرآن وحدیث میں آیا ہے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ جن لوگوں سے والدین کی قرابت یا دوستی تھی ان کے ساتھ بھی حسن سلوک کا معاملہ کرے، خصوصاً ان کی وفات کے بعد۔

● والدین اگر مسلمان ہوں تو اُن کے لیے رحمت کی دعا ظاہر ہے لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوں تو ان کی زندگی میں رحمت کی دعا اس نیت سے جائز ہوگی کہ اُن کو دنیوی تکلیف سے نجات ہو اور ایمان کی توفیق ہو، مرنے کے بعد ان کے لیے دعاء رحمت جائز نہیں۔

● فضول خرچی کے معنیٰ کو قرآن حکیم نے دو لفظوں سے تعبیر فرمایا ہے ایک تبذیر اور دوسرے اسراف، تبذیر کی ممانعت تو اسی آیت مذکورہ میں واضح ہے اسراف کی ممانعت آیت وَلَا تُسْرِفُوْا (الاعراف: ۳۱) ۳ سے ثابت ہے بعض حضرات نے فرمایا کہ دونوں لفظ ہم معنیٰ ہیں کسی معصیت میں یا بے موقع بے محل خرچ کرنے کو تبذیر و اسراف کہا جاتا ہے اور بعض حضرات نے یہ تفصیل کی ہے کہ کسی گناہ میں یا بالکل بے موقع بے محل خرچ کرنے کو تبذیر کہتے ہیں اور جہاں خرچ کرنے کا جائز موقع تو ہو مگر ضرورت سے زائد خرچ کیا جائے اس کو اسراف کہتے ہیں۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۴)

وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ۭ نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ۭ اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا ۝۳۱

احکامات کا سلسلہ جاری ہے، سب سے پہلے رزق کی تنگی کے سبب اولاد کے قتل کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے، پھر زنا اور زنا کے اسباب سے بچنے کا حکم ہے، پھر ناحق قتل کی ممانعت ہے، اس کے بعد یتیموں کے حقوق کی ادائیگی اور ان کے مال کی حفاظت کا حکم ہے، وعدہ پورا کرنے، ناپ تول میں انصاف کرنے، کسی کی ٹوہ میں نہ لگنے کا بھی حکم دیا گیا ہے۔ ساتھ ہی زمین میں اکڑ کر چلنے کو بھی ناپسندیدہ قرار دیا گیا ہے۔ اخیر میں شرک کی ممانعت اور کفار کی زبان درازی کا تذکرہ ہے۔

اہم مسائل

● یہاں ناپ تول میں کمی کا جو حکم ہے اس کا حاصل یہ ہے کہ جس کا جتنا حق ہے اس سے کم دینا حرام ہے اس لیے اس میں یہ بھی داخل ہے کہ کوئی ملازم اپنے مفوضہ اور مقررہ کام میں کمی کرے یا جتنا وقت دینا ہے اس سے کم دے یا مزدور اپنی مزدوری میں کام چوری کرے۔

● ناپ تول پورا کرنے کا ذمہ داری بیچنے والا شخص ہے، نہ کہ خریدنے والا۔

(ملخص از معارف)

رکوع (۵)

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِیَذَّكَّرُوْا ؕ وَ مَا یَزِیْدُهُمْ اِلَّا نُفُوْرًا ۝۴۱

اس رکوع میں شرک کی مذمت کی گئی ہے اور اللہ تعالیٰ کی عظمت کو ظاہر کیا گیا ہے۔ پھر بتایا گیا ہے کہ آسمان و زمین میں موجود تمام مخلوقات اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہیں، بس انسان اس کو سمجھ نہیں پاتا۔ اس کے بعد کفار کے دلوں کا حال بیان کیا گیا ہے کہ ان کے کفر، ضد اور سرکشی کی وجہ سے ان کے دلوں پر پردے پڑ گئے ہیں جس کی وجہ سے یہ حق بات سمجھنے سے قاصر ہیں۔ اس کے بعد کفار کے مشہور اعتراض کو ذکر کیا گیا ہے کہ جب ہماری ہڈیاں تک مٹی میں مل جائیں گی تو ہمیں دوبارہ کیسے زندہ کیا جائے گا، اُس کے جواب میں کہا گیا ہے کہ ہڈیاں یا مٹی تو دور، اگر تم پتھر، لوہا یا اپنے گمان کے مطابق کوئی اور مشکل چیز بھی ہو جاؤ تو بھی اللہ تعالیٰ کے لیے دوبارہ زندہ کرنا نہایت آسان ہے۔

رکوع (۶)

وَ قُلْ لِّعِبَادِیْ یَقُوْلُوا الَّتِیْ هِیَ اَحْسَنُ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ یَنْزَغُ بَیْنَهُمْ ؕ اِنَّ الشَّیْطٰنَ كَانَ لِلْاِنْسَانِ عَدُوًّا مُّبِیْنًا ۝۵۳

اس رکوع میں دعوت و تبلیغ کے لیے نرم لہجہ اور عمدہ گفتگو کی تعلیم ہے، ورنہ شیطان لوگوں میں سخت گفتگو کے سبب ہٹ دھرمی پیدا کر دے گا۔ پھر شرک کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ جنہیں یہ خدا سمجھتے ہیں وہ نہ تو ان کی کوئی تکلیف دور کر سکتے اور نہ ہی اُس تکلیف کو

راحت میں بدل سکتے، حالاں کہ ان کے خودساختہ خدا تو خود اللہ کا قرب چاہتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ اس کے بعد کچھ گزشتہ اقوام کی سرکشی اور ہلاکت کا ذکر ہے۔

رکوع (۷)

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ قَالَ ءَاَسْجُدُ لِمَنْ خَلَقْتَ طِيْنًا ۚ﴿۶۱﴾

اس رکوع میں پہلے تو حضرت آدم اور ابلیس کا مشہور واقعہ ذکر کیا گیا ہے، اس کے بعد شیطانی تدابیر اور دھوکے سے انسان کو بچنے کی تلقین کی گئی ہے، مشرکین کی خصلت بیان کی گئی ہے کہ ہر مصیبت کے وقت میں خدا ہی انسان کے کام آتا ہے، لیکن مصیبت دور ہوتے ہی یہ کفار ناشکری کرتے ہیں اور شرک میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ آخری آیت میں انسان کی عظمت، اس پر اللہ کے انعامات اور اس کے اشرف المخلوقات ہونے کو ذکر کیا ہے جس کی عظمت اور اہمیت شرک جیسے قبیح عمل سے گھٹتی ہے۔

رکوع (۸)

يَوْمَ نَدْعُوْا كُلَّ اُنَاسٍۢ بِاِمَامِهِمْ ۚ فَمَنْ اُوْتِيَ كِتٰبَهٗ بِيَمِيْنِهٖ فَاُولٰٓئِكَ يَقْرَءُوْنَ كِتٰبَهُمْ وَلَا يُظْلَمُوْنَ فَتِيْلًا ﴿۷۱﴾

اس رکوع میں اوّلاً قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ ہر انسان کو اُس کا نامۂ اعمال دیا جائے گا، اور اُسی کے مطابق جنت یا جہنم کا فیصلہ ہوگا اور جو شخص دنیا میں ہدایت سے غافل ہے وہ کل قیامت میں انعاماتِ خداوندی سے محروم رہے گا۔ اہل مکہ کی سرکشی اور عداوت کو ذکر کیا ہے کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی سرزمین سے نکالنا چاہتے ہیں، اس میں عنقریب ہونے والی ہجرت نبوی اور اس کے بعد ہونے والی کفار کی ہلاکت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔

رکوع (۹)

اَقِمِ الصَّلٰوةَ لِدُلُوْكِ الشَّمْسِ اِلٰى غَسَقِ الَّيْلِ وَ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ ؕ اِنَّ قُرْاٰنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُوْدًا ﴿۷۸﴾

اس رکوع میں نماز کے اوقات ذکر کیے گئے ہیں: اور حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے تہجد کا لازمی حکم ہے، نیز ہجرت کے بعد اچھے اور پُرامن ٹھکانے کی خوشخبری ہے۔ پھر حق اور باطل کا موازنہ ہے کہ حق غالب اور باطل مغلوب ہونے والی چیز ہے۔ پھر قرآن کریم کے شفا اور رحمت ہونے کا تذکرہ ہے۔

اہم مسائل

● ''تہجد'' ایک اہم ترین نماز ہے، آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے تو خصوصی طور پر ''فرض'' تھی مگر اُمت کے لئے مسنون اور بے پناہ اجر وثواب کی حامل ہے، اس نماز کے لئے حدیث میں ''تہجد'' کا لفظ بھی آیا ہے اور زیادہ تر ''صلوٰۃ لیل'' کا۔

● نماز تہجد کے لئے رکعت کی کوئی خاص تعداد متعین نہیں ہے، کم سے کم دو رکعت پڑھی جائے گی، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے دو رکعت بھی ثابت ہے، چار رکعت بھی، کبھی چھ اور آٹھ بھی اور بعض احادیث سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا دس رکعت پڑھنا بھی معلوم ہوتا ہے۔ ان نمازوں میں اکثر آپ صلی اللہ علیہ وسلم لمبی قرأت فرماتے، رکوع اور سجدہ بھی طویل فرماتے۔
(ملخص از قاموس الفقہ: تہجد)

● تہجد کے درست ہونے کے لیے سونا شرط نہیں ہے، لیکن عموماً رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرامؓ کا معمول یہی رہا ہے کہ نماز آخر رات میں بیدار ہو کر پڑھتے تھے اس لیے اس کی افضل صورت یہی ہوگی۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۱۰)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الرُّوْحِ ؕ قُلِ الرُّوْحُ مِنْ اَمْرِ رَبِّيْ
وَمَآ اُوْتِيْتُمْ مِّنَ الْعِلْمِ اِلَّا قَلِيْلًا ﴿۸۵﴾

اس رکوع میں اوّلاً تو روح کے بارے میں یہودیوں کے ایک سوال کا جواب ہے، پھر قرآن کریم کی نظیر پیش کرنے کے چیلنج کو دوبارہ تمام انسانوں اور جنات کے سامنے پیش کیا گیا ہے۔ اس کے بعد کفار کی جانب سے بعض احمقانہ مطالبات کا ذکر ہے جن کا جواب بھی ساتھ میں دیا گیا ہے۔

رکوع (۱۱)

وَمَا مَنَعَ النَّاسَ اَنْ يُّؤْمِنُوْٓا اِذْ جَآءَهُمُ الْهُدٰٓى اِلَّآ اَنْ قَالُوْٓا اَبَعَثَ اللّٰهُ بَشَرًا رَّسُوْلًا ﴿۹۴﴾

اس رکوع میں کفار کے بے جا اعتراض کو ذکر کیا ہے کہ یہ کہتے ہیں کہ اللہ نے انسان کو ہی رسول بنا کر کیوں بھیجا؟ اس کا بہت واضح اور منطقی جواب دیا گیا کہ اگر دنیا میں فرشتے بستے تو رسول فرشتہ ہوتا، انسان بستے ہیں تو انسان ہی کو رسول بنا کر بھیجا گیا ہے۔ پھر بعث بعد الموت یعنی مرنے کے بعد والی زندگی پر کفار کے تعجب کو بیان کیا گیا ہے۔ اخیر میں بخل اور کنجوسی کی مذمت کی گئی ہے۔

رکوع (۱۲)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسٰى تِسْعَ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ فَسْـَٔلْ بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ اِذْ جَآءَهُمْ فَقَالَ لَهٗ فِرْعَوْنُ اِنِّيْ لَاَظُنُّكَ يٰمُوْسٰى مَسْحُوْرًا ﴿۱۰۱﴾

اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے جانے والے نو معجزات اور فرعون کے مکالمے کا ذکر ہے، اس کے بعد فرعون کی ہلاکت اور بنی اسرائیل پر اللہ کے انعامات مذکور ہیں۔ پھر قرآن کریم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ بالکل برحق نازل ہوا ہے، اب اسے ماننا یا نہ ماننا تمہارا کام ہے، جو اس پر ایمان لاتے ہیں وہ اللہ کی بارگاہ میں سجدہ ریز ہوتے ہیں۔ اخیر میں کہا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے ذاتی نام ''اللہ'' کے علاوہ بھی رحمٰن، رحیم وغیرہ کئی نام ہیں جن سے انہیں پکارنے میں کوئی حرج نہیں۔

اہم مسائل

- حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیے جانے والے ۹ رمعجزے:

(۱) عصائے موسیٰ جو اژدھا بن جاتی تھی۔

(۲) ید بیضا جس کو گریبان میں ڈال کر نکالنے سے چمکنے لگتا تھا۔

(۳) زبان میں لکنت تھی وہ دور کر دی گئی۔

(۴) بنی اسرائیل کے دریا پار کرنے کے لیے دریا کو پھاڑ کر اس کے دو حصے الگ کر دیے اور راستہ دے دیا۔

(۵) ٹڈی دل کا عذاب غیر معمولی صورت میں بھیج دیا گیا۔

(۶) طوفان بھیج دیا گیا۔

(۷) بدن کے کپڑوں میں بے حد جوئیں پیدا کر دی گئیں جن سے بچنے کا کوئی راستہ نہ رہا۔

(۸) مینڈکوں کا ایک عذاب مسلط کر دیا گیا کہ ہر کھانے پینے کی چیز میں مینڈک آجاتے تھے۔

(۹) خون کا عذاب بھیجا گیا کہ ہر برتن اور کھانے پینے میں خون مل جاتا تھا۔

● نماز میں تلاوت، بہت بلند آواز سے ہو، نہ بہت آہستہ جس کو مقتدی نہ سن سکیں۔ یہ حکم ظاہر ہے کہ جہری نمازوں کے ساتھ مخصوص ہے، ظہر اور عصر کی نمازوں میں تو بالکل اخفاء ہونا سنت متواترہ سے ثابت ہے۔ (ملخص از معارف)



تعارف سورۂ کہف

حافظ ابن جریر طبری نے حضرت عبداللہ بن عباسؓ سے اس سورت کا شانِ نزول یہ نقل کیا ہے کہ مکہ مکرمہ کے کچھ سرداروں نے دو آدمی مدینہ منورہ کے یہودی علماء کے پاس یہ معلوم کرنے کے لیے بھیجے کہ توراۃ اور انجیل کے یہ علماء آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دعوائے نبوت کے بارے میں کیا کہتے ہیں۔ یہودی علماء نے ان سے کہا کہ آپ حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تین سوالات کیجیے۔ اگر وہ ان کا صحیح جواب دے دیں تو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ واقعی اللہ تعالیٰ کے نبی ہیں اور اگر وہ صحیح جواب نہ دے سکے تو اس کا مطلب یہ ہوگا کہ ان کا نبوت کا دعویٰ صحیح نہیں ہے۔ پہلا سوال یہ تھا کہ ان نوجوانوں کا وہ عجیب واقعہ بیان کریں جو کسی زمانے میں شرک سے بچنے کے لیے اپنے شہر سے نکل کر کسی غار میں چھپ گئے تھے۔ دوسرے اس شخص کا حال بتائیں جس نے مشرق سے مغرب تک پوری دنیا کا سفر کیا تھا۔ تیسرے ان سے پوچھیں کہ روح کی حقیقت کیا ہے، چنانچہ یہ دونوں شخص مکہ مکرمہ واپس آئے، اور اپنی برادری کے لوگوں کو ساتھ لے کر انھوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ تین سوال پوچھے۔ تیسرے سوال کا جواب تو پچھلی سورت (۱۷:۸۵) میں آچکا ہے۔ اور پہلے دو سوالات کے جواب میں یہ سورت نازل ہوئی جس میں غار میں چھپنے والے نوجوانوں کا واقعہ تفصیل سے بیان فرمایا گیا ہے، انہی کو اصحاب کہف کہا جاتا ہے۔ ''کہف'' عربی میں غار کو کہتے ہیں، اصحاب کہف کے معنی ہوئے غار والے اور اسی غار کے نام پر سورت کو سورۃ الکہف کہا جاتا ہے۔ دوسرے سوال کے جواب میں سورت کے آخر میں ذوالقرنین کا واقعہ بیان فرمایا گیا ہے جنہوں نے مشرق و مغرب کا سفر کیا تھا۔

اس کے علاوہ اسی سورت میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا وہ واقعہ بھی بیان فرمایا گیا ہے جس میں وہ حضرت خضر (علیہ السلام) کے پاس تشریف لے گئے تھے، اور کچھ عرصہ ان کی معیت میں سفر کیا تھا۔ یہ تین واقعات تو اس سورت کا مرکزی موضوع ہیں۔ ان کے علاوہ عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کو جو خدا کا بیٹا قرار دے رکھا تھا، اس سورت میں بطور خاص اس کی تردید بھی ہے اور حق کا انکار کرنے والوں کو وعیدیں بھی سنائی گئی ہیں، اور حق کے ماننے والوں کو نیک انجام کی خوشخبری بھی دی گئی ہے۔

سورۂ کہف کی تلاوت کے فضائل احادیث میں آئے ہیں۔ خاص طور پر جمعہ کے دن اس کی تلاوت کی بڑی فضیلت آئی ہے، اور اسی لیے بزرگانِ دین کا معمول رہا ہے کہ وہ جمعہ کے دن اس کی تلاوت کا خاص اہتمام کرتے تھے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)



آیاتہا ۱۱۰ | سُوْرَةُ الْكَهْفِ مَكِّيَّة | رکوعاتہا ۱۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلٰى عَبْدِهِ الْكِتٰبَ وَلَمْ يَجْعَلْ لَّهٗ عِوَجًا ①

سورۂ کہف کی ابتدا میں قرآن کریم کے نزول کا مقصد بتایا گیا ہے کہ مومنین کو جنّت کی بشارت دی جائے اور کفار ومشرکین کو جہنم کے عذاب سے ڈرایا جائے۔ اس کے بعد امّت کے لیے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے دل میں جو شفقت ومحبت کا جذبہ اور دین اسلام قبول کرنے کے تئیں جو تڑپ اور کڑھن تھی اس کو بیان کیا گیا ہے، نیز انہیں ہدایت دی گئی ہے کہ کفار کی سرکشی اور کفر کی بنیاد پر آپ دل برداشتہ نہ ہوں۔ پھر اصحابِ کہف کا واقعہ شروع کیا گیا ہے جو آئندہ دو رکوع میں بھی جاری رہے گا کہ یہ چند نوجوان تھے جنہوں نے ظالم اور مشرک بادشاہ کے خلاف توحید کا اعلان کیا اور پھر اُس کی گرفت سے بچنے کے لیے ایک غار میں چھپ گئے، اللہ تعالیٰ نے اُن پر سالہا سال کے لیے نیند طاری کر دی۔

رکوع (۲)

نَحْنُ نَقُصُّ عَلَيْكَ نَبَاَهُمْ بِالْحَقِّ ؕ

اِنَّهُمْ فِتْيَةٌ اٰمَنُوْا بِرَبِّهِمْ وَزِدْنٰهُمْ هُدًى ⑬

اصحابِ کہف کا واقعہ جاری ہے کہ یہ نوجوان اپنے دین اور عقیدے میں نہایت ثابت قدم تھے، چناں چہ انہوں نے ظالم حکومت کے سامنے بھی اپنے عقیدے کو مضبوط انداز میں بیان کیا اور شرک پر آمادہ نہ ہوئے۔ اتنی طویل مدّت تک نیند میں رہنا اور پھر صحیح سلامت بیدار ہونے کو اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کی نشانی قرار دیا ہے۔

رکوع (۳)

وَ تَحۡسَبُهُمۡ اَيۡقَاظًا وَّ هُمۡ رُقُوۡدٌ ‌ۖ وَّ نُقَلِّبُهُمۡ ذَاتَ الۡيَمِيۡنِ وَ ذَاتَ الشِّمَالِ‌ ۖ

اصحابِ کہف کے اتنی طویل مدّت تک سونے کی کیفیت کچھ یوں تھی کہ اللہ تعالیٰ انہیں کروٹ دیتے رہتے تھے، اوران کا کتا غار کے دہانے پر پاؤں پھیلائے بیٹھا تھا، جب اللہ کے حکم سے یہ حضرات بیدار ہوئے تو آپس میں سوال کرنے لگے کہ انہیں سوئے ہوئے کتنی مدّت گزری ہے، اسی دوران انہیں بھوک کا احساس ہوا تو اپنے ایک ساتھی کو حلال رزق کی تلاش میں باہر بھیجا۔ اس کے بعد لوگوں کے اختلافات کو ذکر کیا گیا ہے کہ ان کی قیام گاہ پر لوگوں نے اپنے اپنے ذوق کے مطابق یادگار بنانی چاہی، بالآخر وہاں ایک مسجد کی تعمیر کا فیصلہ ہوا، ان کی تعداد کے بارے میں بھی اختلاف ہے، یہ کوئی غور کی چیز نہیں، اس واقعہ سے اصل سبق تو یہ ملتا ہے کہ اللہ کی راہ میں اُس کے دین کی خاطر سب کچھ قربان کر دیا جائے۔

اہم مسئلہ

● جس شہر یا جس بازار، ہوٹل میں اکثریت حرام کھانے کی ہو وہاں کا کھانا بغیر تحقیق کے کھانا جائز نہیں۔

● اولیاء وصلحاء کی قبور کے پاس نماز کے لیے مسجد بنا دینا کوئی گناہ نہیں، اور جس حدیث میں قبورِ انبیاء کو مسجد بنانے والوں پر لعنت کے الفاظ آئے ہیں، اس سے مراد خود قبور کو سجدہ گاہ بنا دینا ہے، جو باتفاق شرک وحرام ہے۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۴)

وَلَا تَقُوۡلَنَّ لِشَاىۡءٍ اِنِّىۡ فَاعِلٌ ذٰ لِكَ غَدًا ۙ‏ ﴿۲۳﴾ اِلَّاۤ اَنۡ يَّشَآءَ اللّٰهُ‌

اس رکوع میں یہ ہدایت ہے کہ مستقبل میں جب بھی کسی کام کا ارادہ کیا جائے تو ساتھ میں "ان شاء اللہ" کہہ دیا جائے، پھر بتایا کہ اصحابِ کہف کی تعداد، ان کے رہنے کی مدت وغیرہ کی اصل حقیقت اللہ ہی کے علم میں ہے۔ اس کے بعد صحبتِ صالح کی اہمیت کو اس طور پر واضح کیا گیا کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اُن لوگوں کے ساتھ رہنے کا حکم دیا گیا جو صبح شام اللہ کی

یاد میں مشغول رہتے ہیں، نیز کفار کی صحبت سے منع کیا گیا۔ پھر مومن وکافر کا مختصر سا موازنہ اور جہنم کے عذاب کی شدت کو بیان کیا گیا ہے کہ جہنمیوں کو ایسا کھولتا ہوا پانی دیا جائے گا جس سے ان کا چہرہ جھلس جائے گا، اس کے مقابلے میں جنّتی افراد کو ملنے والے انعامات، سونے چاندی کے زیورات، عمدہ قسم کے ریشمی لباس اور بے مثال مسند وغیرہ کا ذکر ہے۔

رکوع (۵)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا رَّجُلَيْنِ جَعَلْنَا لِأَحَدِهِمَا جَنَّتَيْنِ مِنْ أَعْنَابٍ وَّحَفَفْنٰهُمَا بِنَخْلٍ وَّجَعَلْنَا بَيْنَهُمَا زَرْعًا ﴿٣٢﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ نے دو لوگوں کا واقعہ ذکر کیا ہے جن میں ایک کے پاس خوب مال و دولت تھی، گھنے باغات اور کئی نعمتیں تھیں، جب کہ دوسرا شخص غریب اور مفلس تھا۔ امیر شخص سرکش، متکبر اور کافر تھا جب کہ غریب صاحبِ ایمان تھا۔ دونوں کے درمیان بات چیت ہوئی، کافر نے اللہ تعالیٰ کے احسانات کا انکار کیا جس کے نتیجے میں اُس کی پوری کھیتی خس و خاشاک میں تبدیل ہوگئی، سب کچھ تباہ و برباد ہوگیا اور وہ کفِ افسوس ملتا رہ گیا۔

رکوع (۶)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا كَمَآءٍ أَنْزَلْنٰهُ مِنَ السَّمَآءِ فَاخْتَلَطَ بِهٖ نَبَاتُ الْأَرْضِ فَأَصْبَحَ هَشِيْمًا تَذْرُوْهُ الرِّيٰحُ

اس رکوع میں اوّلاً دنیا کی بے ثباتی کو مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ دنیوی مال و اولاد فقط یہیں کی زینت ہیں، آخرت میں کام آنے والی اور ہمیشہ باقی رہنے والے فقط نیک اعمال ہیں۔ پھر قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے وہاں ہر انسان اپنے چھوٹے بڑے اعمال کا حساب دے گا اور اللہ تعالیٰ سب کے ساتھ انصاف کا معاملہ فرمائیں گے۔

رکوع (۷)

وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا إِلَّآ إِبْلِيْسَ

اس رکوع میں پہلے تو حضرت آدم اور ابلیس کا مشہور واقعہ ذکر کیا گیا ہے، اس کے

بعد قیامت کا منظر مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ مشرکین سے کہیں گے کہ ذرا اپنے خداؤں کو پکار کر دیکھو، لیکن وہ ان کی پکار کا کوئی جواب نہیں دے سکیں گے۔

رکوع (۸)

وَ لَقَدْ صَرَّفْنَا فِیْ هٰذَا الْقُرْاٰنِ لِلنَّاسِ مِنْ كُلِّ مَثَلٍ ؕ وَ كَانَ الْاِنْسَانُ اَكْثَرَ شَیْءٍ جَدَلًا ﴿۵۴﴾

اس رکوع میں ذکر کیا گیا ہے کہ قرآن کریم نے انسانوں کی ہدایت کے لیے عقیدۂ توحید کو الگ الگ طرح مثالوں سے سمجھا سمجھا کر پیش کیا، لیکن کفار اپنی عنادی فطرت سے باز نہیں آتے، حالاں کہ ہم نے جنت و جہنم کی یاددہانی کے لیے انبیائے کرام بھی بھیجے ہیں لیکن یہ حق بات مان کر نہیں دیتے، بلکہ آیاتِ خداوندی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ اخیر میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ صرف اللہ تعالیٰ کی صفت رحمت ہے کہ انہیں اب تک مہلت دے رکھی ہے، ورنہ ان کی کرتوت تو اس لائق ہے کہ ان پر فوری طور پر عذاب آجائے۔

رکوع (۹)

وَ اِذْ قَالَ مُوْسٰی لِفَتٰىهُ لَاۤ اَبْرَحُ حَتّٰۤی اَبْلُغَ مَجْمَعَ الْبَحْرَیْنِ اَوْ اَمْضِیَ حُقُبًا ﴿۶۰﴾

یہاں سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زندگی کا ایک واقعہ ذکر کیا جارہا ہے، ہوا یوں کہ ایک موقع پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے ایسا جملہ نکل گیا جس میں علم کا دعویٰ محسوس ہوتا تھا، اس کی تنبیہ کی خاطر اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے ایک مخصوص بندے حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات کے لیے بھیجا، چناں چہ وہ اپنے ایک خادم کے ساتھ روانہ ہوئے، راستے میں کچھ عجیب وغریب چیزیں پیش آئیں، بہرحال ایک دریا کے پاس حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات حضرت خضر سے ہوگئی، حضرت موسیٰ نے ان سے علم سکھانے کی درخواست کی، حضرت خضر نے کہا کہ میرے ساتھ رہنا اتنا آسان نہیں، تم سے صبر نہیں ہوسکے گا۔ حضرت موسیٰ اصرار کرتے رہے، چناں چہ حضرت خضر اس شرط پر تیار

ہوئے کہ درمیان میں آپ کوئی سوال نہیں کریں گے۔

رکوع (۱۰)

فَانْطَلَقَا ٚ حَتّٰۤی اِذَا رَکِبَا فِی السَّفِیْنَةِ خَرَقَهَا ؕ قَالَ اَخَرَقْتَهَا لِتُغْرِقَ اَهْلَهَا ۚ لَقَدْ جِئْتَ شَیْـًٔا اِمْرًا ﴿۷۱﴾

حضرت موسیٰ اور حضرت خضر علیہ السلام ایک کشتی پر سوار ہوئے تو حضرت خضر نے کشتی کا ایک تختہ توڑ دیا، جس پر حضرت موسیٰ نے اعتراض کیا کہ کیا آپ اس طرح سب کو ڈبونا چاہتے ہیں؟ یہ تو بہت ناشکری کی بات ہے کہ احسان کے بدلے نقصان پہنچایا جائے۔ حضرت خضر نے کہا کہ میں نے تو پہلے ہی کہا تھا کہ تم میرے ساتھ نہیں رہ سکو گے۔ حضرت موسیٰ کو تنبہ ہوا اور معذرت کرلی، ساحل سمندر پر اتر کر حضرت خضر نے ایک بچے کو قتل کر دیا۔ اس پر حضرت موسیٰ بھڑک گئے کہ کسی معصوم کا ناحق قتل تو بہت بڑا گناہ ہے۔



پــارہ: (۱۶)

قَالَ اَلَمْ اَقُلْ لَّكَ اِنَّكَ لَنْ تَسْتَطِيْعَ مَعِيَ صَبْرًا ﴿۷۵﴾

حضرت خضر نے انہیں پھر سے پرانی بات یاد دلائی، حضرت موسیٰ خاموش ہو گئے، چلتے چلتے بھوک لگی تو بستی والوں سے ضیافت کی درخواست کی جسے انہوں نے رد کر دیا، اتنے میں حضرت خضر نے ایک گرتی ہوئی دیوار کو سہارا دے کر سیدھا کر دیا۔ حضرت موسیٰ نے پھر اعتراض کیا کہ آپ اس کے بدلے میں کچھ اجرت یا کھانا وغیرہ لے سکتے تھے۔ حضرت خضر نے کہا کہ بس اب ہمارا ساتھ نہیں ہو سکتا، ہمارے کاموں کی راہیں الگ الگ ہیں، پھر انہوں نے سابقہ اعمال کی مصلحتیں ذکر کیں کہ وہ کشتی چند مسکینوں کی تھی، بادشاہ بے عیب اور سالم کشتیوں کو غصب کر لیتا تھا اس لیے میں نے اسے عیب دار کر دیا۔ وہ لڑکا جسے قتل کیا تھا نیک اور صالح والدین کا تھا، بڑا ہو کر کفر کرتا اور اپنے والدین کے لیے آزمائش کا سبب بنتا۔ رہی بات دیوار کی تو وہ یتیم بچوں کی تھی جس کے نیچے خزانہ گڑا ہوا تھا، ان کے والد نیک اور صالح تھے، اس لیے اس خزانے کا تحفظ ضروری تھا، بچے بڑے ہو کر خود حاصل کر لیں گے۔

رکوع (۱۱)

وَيَسْـَٔلُوْنَكَ عَنْ ذِي الْقَرْنَيْنِ ؕ قُلْ سَاَتْلُوْا عَلَيْكُمْ مِّنْهُ ذِكْرًا ؕ﴿۸۳﴾

اس رکوع میں عظیم بادشاہ سکندر ذوالقرنین کا ذکر ہے، واضح رہے کہ یہ وہ سکندر نہیں جس کو انگریزی میں ایلکزینڈر دی گریٹ کہا جاتا ہے، بعض لوگوں کو یہاں پر مغالطہ ہوا ہے۔ اس کے مشرق اور مغرب کی جانب سفر اور اس کی اصلاحات کو یہاں بیان کیا گیا ہے۔ نیز ایک قوم نے ان سے یاجوج ماجوج کے فساد اور لوٹ پاٹ کی شکایت کی تو انہوں نے پہاڑ کے دو حصوں کے درمیان لوہے اور تانبے کی دیوار قائم کر دی، اسی دیوار کو سدِ سکندری کہا جاتا ہے۔ اخیر رکوع میں کفار اور جہنم کا کچھ ذکر ہے۔

رکوع (۱۲)

اَفَحَسِبَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنْ يَّتَّخِذُوْا عِبَادِيْ مِنْ دُوْنِيْٓ اَوْلِيَآءَ ؕ اِنَّآ اَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكٰفِرِيْنَ نُزُلًا ﴿۱۰۲﴾

آخری رکوع میں کفار ومشرکین کی گمراہی کوذکر کیا گیا ہے کہ جن اعمال کو یہ اپنے لیے بہتر سمجھتے ہیں اور جنہیں کارِ خیر سمجھ کر انجام دیتے ہیں کل قیامت میں ان کی کوئی حیثیت نہیں ہوگی، کیوں کہ اعمال کی مقبولیت کے لیے ایمان شرط ہے۔ایسے لوگوں کی قسمت میں تو بس جہنم کا عذاب ہے، جب کہ ایمان اور عمل صالح سے متصف افراد جنت الفردوس کا لطف لیں گے۔آخری آیت میں عمل صالح اور شرک سے بچنے کی تلقین ہے۔



تعارف سورۂ مریم

اس سورت کا بنیادی مقصد حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) اور ان کی والدہ حضرت مریم (علیہا السلام) کے بارے میں صحیح عقائد کی وضاحت اور ان کے بارے میں عیسائیوں کی تردید ہے۔ اگرچہ مکہ مکرمہ میں، جہاں یہ سورت نازل ہوئی، عیسائیوں کی کوئی خاص آبادی نہیں تھی، لیکن مکہ مکرمہ کے بت پرست کبھی کبھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے دعوائے نبوت کی تردید کے لیے عیسائیوں سے مدد لیا کرتے تھے۔ اس کے علاوہ بہت سے صحابہ کفار مکہ کے مظالم سے تنگ آکر حبشہ کی طرف ہجرت کر رہے تھے جہاں عیسائی مذہب ہی کی حکمرانی تھی۔ اس لیے ضروری تھا کہ مسلمان حضرت عیسیٰ، حضرت مریم، حضرت زکریا اور حضرت یحییٰ (علیہم السلام) کی صحیح حقیقت سے واقف ہوں۔ چنانچہ اس سورت میں ان حضرات کے واقعات اسی سیاق وسباق میں بیان ہوئے ہیں۔ اور چونکہ یہ واضح کرنا تھا کہ حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) خدا کے بیٹے نہیں ہیں، جیسا کہ عیسائیوں کا عقیدہ ہے، بلکہ وہ انبیائے کرام ہی کے مقدس سلسلے کی ایک کڑی ہیں۔ اس لیے بعض دوسرے انبیائے کرام (علیہم السلام) کا بھی مختصر تذکرہ اس سورت میں آیا ہے۔ لیکن حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کی معجزانہ ولادت اور اس وقت حضرت مریم (علیہا السلام) کی کیفیات سب سے زیادہ تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوئی ہیں، اس لیے اس کا نام سورۂ مریم رکھا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)

آیاتہا ۹۸ | سُوْرَةُ مَرْيَمَ مَكِّيَّة | رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

كٓهٰيٰعٓصٓ ﴿۱﴾ ذِكْرُ رَحْمَتِ رَبِّكَ عَبْدَهٗ زَكَرِيَّا ﴿۲﴾

سورۂ مریم کے پہلے رکوع میں حضرت زکریا علیہ السلام کا تذکرہ ہے جو کافی عمر رسیدہ ہو چکے تھے اور اب تک ان کے کوئی اولاد نہ تھی، اللہ تعالیٰ سے خوب دعا کی تو حضرت زکریا کو حضرت یحییٰ کی بشارت ملی، حالاں کہ حضرت زکریا اور ان کی اہلیہ کافی عمر دراز ہو چکے تھے لیکن اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا مظاہرہ فرمایا اور ان کے یہاں حضرت یحییٰ کی ولادت ہوئی، حضرت یحییٰ کا نام اللہ تعالیٰ نے ہی رکھا تھا، پھر ان کی پاکیزہ حیات، عفیف زندگی اور فرماں برداری سے عبارت ان کے اوصافِ حسنہ کا ذکر ہے۔

رکوع (۲)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مَرْيَمَ ۘ اِذِ انْتَبَذَتْ مِنْ اَهْلِهَا مَكَانًا شَرْقِيًّا ﴿۱۶﴾

اس رکوع میں حضرت مریم کا ذکر ہے جو حضرت زکریا کی خانقاہ میں عبادت کرتی تھیں اور وہیں پر راہبانہ زندگی بسر کر رہی تھیں کہ اللہ تعالیٰ نے ایک دن حضرت جبریل امیں سے کہلا بھیجا کہ آپ کے یہاں اللہ کے حکم سے ایک لڑکے کی ولادت ہونے والی ہے، چناں چہ حضرت مریم حاملہ ہوگئیں اور آبادی سے دور جا کر ان کے یہاں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی، جب وہ چھوٹا سا بچہ اپنی گود میں لے کر آئیں تو لوگوں نے ان کے بارے میں طرح طرح کی باتیں بنائیں، اللہ تعالیٰ کی ہدایت کے مطابق حضرت مریم نے جواب کے لیے نومولود حضرت عیسیٰ کی جانب اشارہ کیا، چناں چہ حضرت عیسیٰ نے اُسی

حالت میں حضرت مریم پر لگنے والی تہمتوں کو رد کیا اور مستقبل میں اپنے نبی ہونے اور انجیل اتارے جانے کا ذکر کیا، نیز اللہ کی طرف سے نماز و زکوٰۃ کی ادائیگی اور والدہ کے ساتھ حسنِ سلوک کا بھی حکم فرمایا۔ اس کے بعد نصاریٰ کے باہمی اختلافات اور قیامت کے دن ہونے والی ان کی حسرت کا ذکر ہے۔

رکوع (۳)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ اِبْرٰهِيْمَ ۬ اِنَّهٗ كَانَ صِدِّيْقًا نَّبِيًّا ﴿۴۱﴾

اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی دعوت کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے والد آزر کے سامنے توحید کی دعوت بہت حکمت، مصلحت اور نرم لہجے میں رکھی، جواب میں آزر کی جانب سے سخت کلامی ہوئی، اس کے باوجود حضرت ابراہیم علیہ السلام بہت ہی دب کے ساتھ گفتگو کرتے رہے، اس سے دعوت وتبلیغ کا بنیادی اصول معلوم ہوتا ہے۔

رکوع (۴)

وَاذْكُرْ فِي الْكِتٰبِ مُوْسٰۤى ۬ اِنَّهٗ كَانَ مُخْلَصًا وَّ كَانَ رَسُوْلًا نَّبِيًّا ﴿۵۱﴾

اس رکوع میں بہت سے انبیائے کرام کا اجمالی ذکر ہے، مثلاً حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت ادریس اور حضرت نوح علیہم السلام وغیرہ۔ سب کی صداقت اور رسالت کے تذکرے سے مقصود ان کے متحدہ مشن یعنی توحید کی جانب اشارہ کرنا ہے۔ اُن کی ایک خاص صفت ذکر کی گئی ہے کہ جب ان کے سامنے اللہ کی آیات کی تلاوت کی جاتی ہے تو وہ روتے ہوئے سجدے میں گر پڑتے ہیں۔ پھر گناہوں سے توبہ اور عمل صالح کے نتیجے میں جنت کی بشارت دی گئی ہے۔

رکوع (۵)

وَيَقُوْلُ الْاِنْسَانُ ءَاِذَا مَا مِتُّ لَسَوْفَ اُخْرَجُ حَيًّا ﴿۶۶﴾

کفار کی جانب سے مرنے کے بعد والی زندگی پر بڑا اعتراض ہوتا تھا، اس رکوع میں اُسی کا جواب دیا گیا ہے کہ جو ذات پہلی مرتبہ میں پیدا کر سکتی ہے اُس کے لیے دوبارہ

پیدا کرنا کیا مشکل ہے۔ پھر قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ شیطان اور اس کے متبعین سب کے سب جہنم میں جائیں گے، جب کہ متقی اور پرہیز گار لوگوں کو اس سے نجات ملے گی۔ پھر کفار کے اپنے مال و دولت اور متبعین کی جماعت پر فخر و کبر کا ذکر ہے، حالاں کہ گزشتہ ہلاکت زدہ اقوام ان سے کہیں زیادہ مال دار اور طاقتور رہ چکی ہیں۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ نیکیاں ہوں یا گناہوں کی باتیں، سب کا ریکارڈ اللہ کے پاس محفوظ ہے جس کے مطابق انسان کا انجام ہونا ہے۔

رکوع (٦)

اَلَمْ تَرَ اَنَّآ اَرْسَلْنَا الشَّيٰطِيْنَ عَلَى الْكٰفِرِيْنَ تَؤُزُّهُمْ اَزًّا ﴿٨٣﴾

سورۂ مریم کے آخری رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ شیطان کفار کو برائی پر اکساتا رہتا ہے، اس کے بعد قیامت میں متقین اور مجرمین کے انجام کا ذکر ہے، نیز حضرت عیسیٰ کو اللہ کا بیٹا قرار دینے والے نصاریٰ کے گناہ کی ہولناکی اور ان کے انجام کو بیان کیا گیا ہے۔ سورت کا اختتام اس مضمون پر ہوتا ہے کہ نہایت مالدار اور طاقتور گزشتہ اقوام اس طرح ہلاک ہو چکی ہیں کہ آج ان کی بھنک بھی انسانوں کو سنائی نہیں دیتی، لہٰذا اللہ کے عذاب سے ہمیشہ ڈرنا چاہیے۔



تعارف سورۂ طٰہٰ

یہ سورت مکہ مکرمہ کے بالکل ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی۔ مستند روایات سے ثابت ہے کہ حضرت عمرؓ اسی سورت کو سن کر اسلام لائے تھے۔ ان کی بہن حضرت فاطمہ اور ان کے بہنوئی حضرت سعید بن زیدؓ ان سے پہلے خفیہ طور پر اسلام لا چکے تھے جس کا انھیں پتہ نہیں تھا۔ ایک روز وہ گھر سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو قتل کرنے کے ارادے سے نکلے۔ راستے میں نعیم بن عبداللہ نامی ایک صاحب انھیں ملے، انھوں نے حضرت عمر سے کہا کہ آپ پہلے اپنے گھر کی خبر لیں جہاں آپ کی بہن اور بہنوئی مسلمان ہو چکے ہیں۔ حضرت عمر غصے کے عالم میں واپس آئے تو بہن اور بہنوئی حضرت خباب بن ارت سے سورۂ طٰہٰ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر کو آتے دیکھا تو انھوں نے وہ صحیفہ جس پر سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی، کہیں چھپا دیا، لیکن حضرت عمر پڑھنے کی آواز سن چکے تھے۔ انھوں نے کہا کہ مجھے پتہ چل گیا ہے کہ تم مسلمان ہو چکے ہو، اور یہ کہہ کر بہن اور بہنوئی دونوں کو بہت مارا۔ اس وقت ان دونوں نے کہا کہ آپ ہمیں کوئی بھی سزا دیں، ہم مسلمان ہو چکے ہیں، اور حضرت محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جو کلام اللہ تعالیٰ کی طرف سے نازل ہوا ہے، وہ پڑھ رہے تھے۔ حضرت عمر نے کہا کہ اچھا مجھے بھی دکھاؤ، وہ کیسا کلام ہے۔ بہن نے ان سے غسل کروا کر صحیفہ ان کو دکھایا جس میں سورۂ طٰہٰ لکھی ہوئی تھی۔ اسے پڑھ کر حضرت عمرؓ مبہوت رہ گئے، اور انھیں یقین ہو گیا کہ یہ کسی انسان کا نہیں، اللہ تعالیٰ کا کلام ہے۔ حضرت خبابؓ نے بھی انھیں اسلام لانے کی ترغیب دی، اور بتایا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ دعا فرمائی ہے کہ اللہ تعالیٰ ابوجہل یا عمر بن خطاب میں سے کسی ایک کو اسلام کی

توفیق دے کر اسلام کی قوت کا سامان پیدا فرمادے۔ چنانچہ اسی وقت وہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی خدمت میں حاضر ہوئے، اور اسلام قبول کر لیا۔

جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی، وہ مسلمانوں کے لیے بڑی آزمائش اور تکلیفوں کا زمانہ تھا۔ کفارِ مکہ نے ان پر عرصہ حیات تنگ کر رکھا تھا۔ اس لیے اس سورت کا بنیادی مقصد ان کو تسلی دینا تھا کہ اس قسم کی آزمائشیں حق کے علمبرداروں کو ہر زمانے میں پیش آئی ہیں، لیکن آخری انجام انہی کے حق میں ہوا ہے۔ چنانچہ اسی سلسلہ میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا واقعہ نہایت تفصیل کے ساتھ اسی سورت میں بیان ہوا ہے جس سے دونوں باتیں ثابت ہوتی ہیں، یہ بھی کہ ایمان والوں کو آزمائشوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے، اور یہ بھی کہ آخری فتح انہی کی ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی ثابت کرنا مقصود ہے کہ تمام انبیائے کرام کی بنیادی دعوت ایک ہی ہوتی ہے کہ انسان خدائے واحد پر ایمان لائے اور اس کے ساتھ کسی کو شریک نہ ٹھہرائے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)



رکوعاتہا ۸	سُوْرَۃُ طٰہٰ مَکِّیَّۃ	اٰیاتہا ۱۳۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰهٰ ۚ ﴿١﴾ مَآ اَنْزَلْنَا عَلَيْكَ الْقُرْاٰنَ لِتَشْقٰٓى ۙ ﴿٢﴾ اِلَّا تَذْكِرَةً لِّمَنْ يَّخْشٰى ۙ ﴿٣﴾

اوّلاً قرآن کریم کے نزول کا مقصد بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا خوف دلوں میں رکھنے والوں کے لیے یہ بہترین نصیحت ہے، اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر شروع ہوتا ہے جو کافی طویل ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت دیے جانے کا واقعہ مذکور ہے کہ انہیں دورانِ سفر طور پر ایک روشنی نظر آئی، قریب گئے تو آواز آئی کہ میں تمہارا رب ہوں، پھر اللہ تعالیٰ سے گفتگو ہوئی اور انہیں دو معجزے عصا اور ید بیضاء دے کر فرعون کی جانب روانہ کیا گیا۔

اہم مسائل

- مقامِ ادب میں جوتا اتار کر ننگے پاؤں ہو جانا ادب کا تقاضا ہے۔ جیسا کہ یہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم دیا گیا۔
- ہاتھ میں عصا رکھنا سنّتِ انبیاء ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بھی یہی سنت تھی اور اس میں بہت سے دینی و دنیوی فوائد ہیں۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۲)

قَالَ رَبِّ اشْرَحْ لِيْ صَدْرِيْ ۙ ﴿٢٥﴾ وَيَسِّرْ لِيْٓ اَمْرِيْ ۙ ﴿٢٦﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نبوت ملنے کے بعد سب سے پہلے اپنے معاون کے طور پر حضرت ہارون کو نبی بنائے جانے کی درخواست کی جو قبول ہوئی، اس کے بعد حضرت موسیٰ

کے بچپن کا تذکرہ ہے کہ کس طرح ان کی پرورش کا انتظام فرعون کے محل میں کرایا گیا، ان کی والدہ کے عزم وحوصلے اور جرأت کا بھی ذکر ہے۔ پھر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون دونوں کو دعوت وتبلیغ کا پہلا اصول بتایا گیا کہ فرعون سے بات کرتے وقت لہجہ نرم رکھا جائے، دوسری بات کہ کسی سے گھبرانا نہیں ہے، اللہ تمہارے ساتھ ہے۔ چناں چہ دونوں فرعون کے دربار میں آئے اور توحید کی دعوت دی، جس پر فرعون کی جانب سے کچھ سوال وجواب ہوئے۔

رکوع (۳)

مِنۡهَا خَلَقۡنٰكُمۡ وَفِيۡهَا نُعِيۡدُكُمۡ وَمِنۡهَا نُخۡرِجُكُمۡ تَارَةً اُخۡرٰى ﴿۵۵﴾

حضرت موسیٰ پر فرعون نے الزام لگایا کہ ان کے معجزات اصلی نہیں، بلکہ جادو کا اثر ہیں، چناں چہ اس نے ملک کے بڑے بڑے جادوگروں کو جمع کر کے حضرت موسیٰ سے مقابلے کا اعلان کیا، میدان میں موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ اللہ کی مدد رہی اور جادوگروں کو شکست فاش ہوئی، جادوگر اُسی وقت حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے، فرعون نے سخت سزا سے انہیں ڈرایا لیکن وہ پیچھے نہ ہٹے اور دنیوی راحت وآرام پر آخرت کی کامیابی کو ترجیح دی۔

رکوع (۴)

وَلَقَدۡ اَوۡحَيۡنَاۤ اِلٰى مُوۡسٰٓى ۙ اَنۡ اَسۡرِ بِعِبَادِىۡ فَاضۡرِبۡ لَهُمۡ طَرِيۡقًا فِى الۡبَحۡرِ يَبَسًا ۙ لَّا تَخٰفُ دَرَكًا وَّلَا تَخۡشٰى ﴿۷۷﴾

اس رکوع میں بنی اسرائیل کو فرعون سے نجات دینے کا ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ ان سب کو دریا پار کرا کر لے آئے، اور فرعون اپنے عظیم لشکر کے ساتھ دریا میں ڈوب گیا۔ اللہ تعالیٰ کے انعامات کا سلسلہ جاری رہا، پھر حضرت موسیٰ کو توریت عطا کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ نے طور پر طلب کیا، اِدھر حضرت موسیٰ روانہ ہوئے اُدھر سامری نامی شخص نے قوم میں گمراہی پھیلانی شروع کر دی، حضرت موسیٰ کو معلوم ہوا تو سخت غصے کی حالت میں واپس آئے اور دیکھا کہ سامری نے سونے چاندی کو پگھلا کر ایک بچھڑا بنا رکھا ہے اور بنی اسرائیل اس کی عبادت کر رہے ہیں۔

رکوع (۵)

وَ لَقَدْ قَالَ لَهُمْ هٰرُوْنُ مِنْ قَبْلُ يٰقَوْمِ اِنَّمَا فُتِنْتُمْ بِهٖ ۚ وَ اِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمٰنُ فَاتَّبِعُوْنِیْ وَ اَطِيْعُوْٓا اَمْرِیْ ۝۹۰

حضرت موسیٰ نے حضرت ہارون سے باز پُرس کی تو سارا ماجرا معلوم ہوا کہ بنی اسرائیل حضرت ہارون کے منع کرنے کے باوجود شرک میں مبتلا ہو گئے، حضرت موسیٰ نے بچھڑے کو جلا کر بھسم کر دیا اور اس کے ذرّات دریا میں بہا دیے، بعض روایات کے مطابق سامری کو بھی ایسی بیماری لاحق ہوئی کہ اُسے کوئی چھوتا نہ تھا، نہ ہی اس کے قریب جاتا تھا۔ اخیر رکوع میں قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ مجرمین کو اس حالت میں جمع کریں گے کہ ان کے جسم نیلے پڑ چکے ہوں گے اور وہ عذاب کی شدت کی وجہ سے دنیا کی زندگی کو بہت کم شمار کریں گے۔

رکوع (۶)

وَ يَسْـَٔلُوْنَكَ عَنِ الْجِبَالِ فَقُلْ يَنْسِفُهَا رَبِّیْ نَسْفًا ۝۱۰۵

اس رکوع میں قیامت کی ہولناکی کا ذکر ہے کہ اُس دن پہاڑ دھول کی طرح اڑ جائیں گے، سب ایک میدان میں جمع ہو جائیں گے، اللہ کی مرضی کے بغیر کوئی سفارش نہ کر سکے گا، البتہ جو لوگ ایمان اور اعمالِ صالحہ سے متصف ہوں گے انہیں کسی قسم کا کوئی خوف اور خدشہ نہ ہوگا۔

رکوع (۷)

وَ اِذْ قُلْنَا لِلْمَلٰٓئِكَةِ اسْجُدُوْا لِاٰدَمَ فَسَجَدُوْٓا اِلَّآ اِبْلِيْسَ ؕ اَبٰى ۝۱۱۶

اس رکوع میں حضرت آدم اور ابلیس کے واقعہ کو پھر دہرایا گیا ہے کہ کس طرح اس نے اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی کی، کبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے حضرت آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کیا اور حضرت آدم وحوا کو بھی بہکا کر جنّت سے نکلوا دیا۔ اخیر میں ذکر ہے کہ جو شخص اللہ کی یاد سے غافل رہتا ہے اُس کو کبھی سکون میسر نہیں آتا، اور دنیوی گمراہی آخرت میں بھی ناکامی کا سبب

بنے گی۔ رکوع کے اخیر میں لوگوں کو دعوتِ غور وفکر دی گئی ہے کہ عقل سے کام لیتے ہوئے گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کی بستیوں میں جا کر ان کے کھنڈرات سے عبرت حاصل کریں۔

رکوع (۸)

وَلَوْلَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَكَانَ لِزَامًا وَّاَجَلٌ مُّسَمًّى ﴿١٢٩﴾

اس رکوع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے امت مسلمہ کو کفار کی باتوں اور طعن وتشنیع پر صبر اور صبح وشام اللہ کے ذکر کا حکم ہے، نیز کفار کو دیے جانے والے مال و دولت کو بے حیثیت قرار دے کر اُس کا لالچ کرنے سے منع کیا گیا ہے، اس کے ساتھ ساتھ اہل وعیال کو نماز کی تلقین کا حکم ہے۔



تعارف سورۃ الانبیاء

اس سورت کا بنیادی مقصد اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات ہے، اور ان عقائد کے خلاف کفار مکہ جو اعتراضات اٹھایا کرتے تھے، سورت میں ان کا جواب بھی دیا گیا ہے۔ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی نبوت پر ان لوگوں کا ایک اعتراض یہ تھا کہ ایک ہم جیسے انسان کو پیغمبر بنا کر کیوں بھیجا گیا ہے۔ اس کے جواب میں فرمایا گیا ہے کہ انسانوں کے پاس انسان ہی کو پیغمبر بنا کر بھیجنا مناسب تھا، اور اس ضمن میں بہت سے پچھلے پیغمبروں کا حوالہ دیا گیا ہے کہ وہ سب انسان ہی تھے، اور انھوں نے اپنی اپنی قوموں کو انہی عقائد کی تعلیم دی تھی جو حضرت محمد مصطفیٰ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے عقائد ہیں۔ انبیائے کرام کے اسی حوالے کی بنا پر اس سورت کا نام سورۃ الانبیاء رکھا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

پارہ: (۱۷)

آیاتہا ۱۱۲ — سُوْرَۃُ الْاَنْبِيَآءِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَ لِلنَّاسِ حِسَابُهُمْ وَهُمْ فِيْ غَفْلَةٍ مُّعْرِضُوْنَ ۝۱

سورت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ نے انسان کو غفلت سے بیدار کر کے احتساب پر آمادہ کیا ہے، نیز کھیل کود اور بے فائدہ کاموں سے بچنے کی تلقین کی ہے، پھر کفار کی تردید ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر سحر و شعر کا الزام لگاتے تھے، اس کے بعد گزشتہ انبیاء کا اجمالی ذکر ہے جن کی دعوت پر عمل کرنے والے لوگ نجات پائے جب کہ سرکش لوگوں کو ہلاکت اور عذاب کا سامنا کرنا پڑا، اب چوں کہ انبیائے کرام کا سلسلہ مکمل ہو چکا، اس لیے ان کے نائبین یعنی اہل علم سے مسائل دریافت کرنے کا حکم ہے۔

رکوع (۲)

وَكَمْ قَصَمْنَا مِنْ قَرْيَةٍ كَانَتْ ظَالِمَةً وَّاَنْشَاْنَا بَعْدَهَا قَوْمًا اٰخَرِيْنَ ۝۱۱

اس رکوع میں گزشتہ اقوام کی سرکشی کا قدرے تفصیل کے ساتھ ذکر کیا ہے، اُس کے بعد آسمان و زمین کی تخلیق کو بامقصد بتایا گیا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کے پاس موجود فرشتوں کی تعریف کی گئی ہے، عقیدۂ توحید کو بھی واضح کیا گیا ہے۔ گزشتہ انبیائے کرام کی دعوتِ توحید کا بھی تذکرہ ہے۔

رکوع (۳)

اَوَلَمْ يَرَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اَنَّ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ كَانَتَا رَتْقًا فَفَتَقْنٰهُمَا ؕ وَجَعَلْنَا مِنَ الْمَآءِ كُلَّ شَيْءٍ حَيٍّ ؕ اَفَلَا يُؤْمِنُوْنَ ۝۳۰

اس رکوع میں آسمان وزمین، پانی، پہاڑ، اس کے درمیان کے رستے، رات دن، سورج اور چاند وغیرہ ذکر کرتے ہوئے نظامِ کائنات میں غور وفکر کی تلقین کی گئی ہے۔ انسان پر طاری ہونے والے اچھے اور برے حالات کو آزمائش قرار دیا گیا ہے، نیز کفار کی مذمت کی گئی ہے کہ وہ رسول اکرم ﷺ پر ایمان لانے کے بجائے ان کا مذاق اڑاتے ہیں، نیز قیامت کا وقت معلوم کرتے رہتے ہیں، حالاں کہ جب قیامت آئے گی تو یہ اُس کے عذاب کو روک نہیں سکیں گے۔ اخیر میں رسول اکرم ﷺ کو تسلی دی گئی ہے کہ تکذیب واستہزاء کا یہ معاملہ گزشتہ انبیائے کرام کے ساتھ بھی پیش آتا رہا ہے۔

رکوع (۴)

قُلْ مَنْ يَّكْلَؤُكُمْ بِالَّيْلِ وَالنَّهَارِ مِنَ الرَّحْمٰنِ ؕ بَلْ هُمْ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِمْ مُّعْرِضُوْنَ ﴿۴۲﴾

اس رکوع میں کفار کو تنبیہ کی گئی ہے کہ جن چیزوں کو تم نے اپنا فرضی معبود بنا رکھا ہے، اللہ کے عذاب سے تمہیں بچا نہیں سکتے، وہ تمہاری کیا مدد کریں گے، وہ تو خود اپنی مدد پر بھی قادر نہیں ہیں۔ پھر قیامت کا ذکر ہے کہ اس دن باقاعدہ سب کے اعمال تولے جائیں گے اور حساب میں کسی بھی قسم کی کمی بیشی نہیں ہوگی۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ اور توریت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ جیسے وہ اللہ کی کتاب تھی اسی طرح قرآن کریم بھی اللہ کی کتاب ہے۔

رکوع (۵)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَاۤ اِبْرٰهِيْمَ رُشْدَهٗ مِنْ قَبْلُ وَكُنَّا بِهٖ عٰلِمِيْنَ ﴿۵۱﴾

اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کا مشہور واقعہ مذکور ہے کہ اُن کی قوم ایک مرتبہ کسی تقریب میں گئی تو انہوں نے موقع غنیمت جانتے ہوئے عبادت خانے کے سارے بت توڑ ڈالے، واپسی پر قوم کا خیال انہیں کی جانب گیا، چناں چہ انہوں نے بادشاہ کے سامنے آکر ان معبودانِ باطلہ کی حقیقت کو واضح کیا، قوم کو اس کی بے عقلی پر جھنجھوڑا، جب قوم کے پاس حضرت ابراہیم کی باتوں کا کوئی جواب نہ بن پڑا تو انہوں نے

سزا کے طور پر انہیں دہکتی ہوئی آگ کے حوالے کر دیا، لیکن اللہ کے حکم سے وہ ٹھنڈی ہو گئی، اس طرح اللہ نے اپنے نبی کی مدد فرمائی۔ اس کے بعد حضرت لوط، ان کی قوم اور اس کی سرکشی و بے حیائی کا بھی مختصر تذکرہ ہے۔

رکوع (۶)

وَ نُوْحًا اِذْ نَادٰى مِنْ قَبْلُ فَاسْتَجَبْنَا لَهٗ فَنَجَّيْنٰهُ وَ اَهْلَهٗ مِنَ الْكَرْبِ الْعَظِيْمِ ﴿۷۶﴾

اس رکوع میں کئی انبیائے کرام کا اجمالی اور مختصر تذکرہ ہے، مثلاً حضرت نوح اور طوفان سے اہل ایمان کی نجات کا، حضرت داؤد وسلیمان کے حکیمانہ شاہی فرامین کا، حضرت داؤد کے فن سپہ گری کا، حضرت سلیمان کی بے مثال حکومت کا، حضرت ایوب کے صبر کا، حضرت یونس کے مچھلی کے پیٹ میں جانے اور زندہ بچ نکلنے کا، ان کی مشہور دعاء کا، حضرت زکریا کی بڑھاپے کی اولاد کا، حضرت یحییٰ کی بزرگی کا اور حضرت مریم کی پاک دامنی کا۔ اخیر میں کہا گیا کہ تمام انبیائے کرام کا مشن بس توحید کا تھا، وہ تو بعد میں لوگوں نے اپنی خواہشات کے مطابق اختلاف پیدا کر دیا۔

رکوع (۷)

فَمَنْ يَّعْمَلْ مِنَ الصّٰلِحٰتِ وَ هُوَ مُؤْمِنٌ فَلَا كُفْرَانَ لِسَعْيِهٖ ۚ وَ اِنَّا لَهٗ كٰتِبُوْنَ ﴿۹۴﴾

سورہ انبیاء کے آخری رکوع میں یاجوج ماجوج اور قیامت کی ہولناکی، نامہ اعمال، اس دن کی گھبراہٹ وغیرہ کا ذکر ہے، اور کفار ومشرکین کو کہا گیا ہے کہ تمہارے معبود بھی تمہارے ساتھ جہنم میں ہوں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس کو پوری دنیا کے لیے رحمت کا سبب قرار دے کر دین اسلام کی دعوت دی گئی ہے۔ نیز کفار کو متنبہ کیا گیا ہے کہ رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے دین کا پیغام پہنچا کر اپنی ذمہ داری مکمل کر دی ہے۔



تعارف سورۃ الحج

اس سورت کا کچھ حصہ مدنی ہے، اور کچھ مکی۔ مطلب یہ ہے کہ اس سورت کا نزول مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے شروع ہو چکا تھا، اور تکمیل ہجرت کے بعد مدینہ منورہ میں ہوئی۔ اسی سورت میں یہ بتایا گیا ہے کہ حج کی عبادت حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے زمانے میں کس طرح شروع ہوئی، اور اس کے بنیادی ارکان کیا ہیں؟ اسی وجہ سے اس کا نام سورۂ حج ہے۔ مکہ مکرمہ میں مشرکین نے مسلمانوں کو طرح طرح کے ظلم کا نشانہ بنایا تھا، وہاں مسلمانوں کو صبر کی تلقین کی جاتی تھی، لیکن مدینہ منورہ آنے کے بعد اسی سورت میں پہلی بار مسلمانوں کو کفار کے ظلم وستم کے مقابلے میں جہاد کی اجازت دی گئی، اور فرمایا گیا کہ جن کافروں نے مسلمانوں پر ظلم کر کے انھیں اپنا وطن اور گھربار چھوڑنے پر مجبور کیا ہے، اب مسلمان ان کے خلاف تلوار اٹھا سکتے ہیں۔ اس طرح جہاد کو ایک عبادت قرار دے کر یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ نہ صرف اس کا ثواب آخرت میں ملے گا، بلکہ دنیا میں بھی مسلمانوں کو ان شاء اللہ فتح نصیب ہوگی۔ اس کے علاوہ اسلام کے بنیادی عقائد بھی بیان کیے گئے ہیں۔ چنانچہ سورت کا آغاز آخرت کے بیان سے ہوا ہے جس میں قیامت کا ہولناک منظر بڑے مؤثر انداز میں پیش کیا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)

آیاتہا ۷۸ | سُوْرَةُ الحَجِّ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتہا ۱۰

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۚ اِنَّ زَلْزَلَةَ السَّاعَةِ شَيْءٌ عَظِيْمٌ ①

سورت کے آغاز میں تمام انسانوں کو قیامت کی ہولنا کی سے ڈرایا گیا ہے کہ اس دن کوئی قریبی اور خونی رشتے والا شخص بھی کسی کے کام نہ آسکے گا، پھر لوگوں کو مرنے کے بعد والی زندگی پر شک سے منع کیا گیا ہے کہ جو ذات انسان کو ایک معمولی پانی کے قطرے کو مختلف شکل دے کر پیدا کرسکتی ہے، اُس کے بعد زندگی کے الگ الگ مراحل طے کرا کر اُسے موت تک پہنچا سکتی ہے وہ اس پر بھی قادر ہے کہ دوبارہ اُسے زندگی دے دے۔ لہٰذا قیامت میں شک کرنا لاعلمی اور ضد کی دلیل ہے۔

رکوع (۲)

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَّعْبُدُ اللّٰهَ عَلٰى حَرْفٍ ۚ فَاِنْ اَصَابَهٗ خَيْرُ اِطْمَاَنَّ بِهٖ ۚ

اس رکوع میں بعض لوگوں کی فطرت بتائی گئی ہے کہ وہ اللہ کی عبادت تو کرتے ہیں، لیکن جیسے ہی انہیں کوئی دنیوی نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے وہ اُس سے بچنے کے لیے واپس کفر اختیار کر لیتا ہے، یہ سب سے بڑا اور واضح نقصان ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیز کی عبادت کی جائے جو نفع نقصان پر قدرت نہیں رکھتی۔ اُس کے بعد ذکر کیا گیا ہے کہ دنیا میں پائے جانے والے تمام مذاہب کے لوگوں کے درمیان حق اور باطل کا فیصلہ قیامت کے دن ہوگا جہاں تمام لوگوں کے دو گروہ بن جائیں گے، ایک مومنین کا اور دوسرا کفار کا، پھر کفار کے سخت عذاب کا ذکر ہے مثلاً ان کے سروں کے اوپر کھولتا ہوا پانی ڈالا جائے گا جس سے

ان کے جسم کی کھال جھلس جائے گی، انھیں لوہے کے ہتھوڑوں سے مارا جائے گا اور یہ سلسلہ ہمیشہ ہمیش جاری رہے گا۔ (اللہ ہم سب کا خاتمہ ایمان پر فرمائے، آمین)

رکوع (۳)

إِنَّ اللَّهَ يُدْخِلُ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ جَنَّاتٍ تَجْرِي مِنْ تَحْتِهَا الْأَنْهَارُ يُحَلَّوْنَ فِيهَا مِنْ أَسَاوِرَ مِنْ ذَهَبٍ وَلُؤْلُؤًا ۖ وَلِبَاسُهُمْ فِيهَا حَرِيرٌ ﴿۲۳﴾

گزشتہ رکوع کے اخیر میں کفار کے عذاب کا ذکر کرنے کے بعد یہاں جنت میں مومنین پر ہونے والے انعامات کا ذکر ہے۔ اُس کے بعد بیت اللہ کی عظمت اور مرکزیت کو واضح کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اُسے مقامی و بیرونی تمام لوگوں کے لیے یکساں بنایا ہے۔

رکوع (۴)

وَإِذْ بَوَّأْنَا لِإِبْرَاهِيمَ مَكَانَ الْبَيْتِ أَنْ لَا تُشْرِكْ بِي شَيْئًا وَطَهِّرْ بَيْتِيَ لِلطَّائِفِينَ وَالْقَائِمِينَ وَالرُّكَّعِ السُّجُودِ ﴿۲۶﴾

بیت اللہ کا ذکر جاری ہے کہ اس کی تعمیر حضرت ابراہیم علیہ السلام جیسے جلیل القدر نبی نے کی تھی۔ ان کے عظیم مقاصد کو بیان کیا گیا ہے، پھر حج سے متعلق کچھ احکامات ذکر کیے گئے ہیں۔ اخیر میں شرک اور جھوٹی گواہی سے بچنے کا حکم ہے اور مشرکین کی مذمت کی گئی ہے۔

اہم مسائل

● مکہ معظمہ اور زمانۂ حج میں مختلف قسم کے جانور ذبح کیے جاتے ہیں۔ ایک قسم وہ ہے جو کسی جرم کی سزا کے طور پر جانور کی قربانی واجب ہو جاتی ہے جیسے کسی نے حرم شریف کے اندر شکار مار دیا تو اُس پر اُس کی جزاء میں کسی جانور کی قربانی واجب ہوتی ہے جس کی تفصیل کتب فقہ میں ہے کہ کون سے جانور کے بدلے میں کس طرح کا جانور قربان کرنا ہے۔ اسی طرح جو کام احرام کی حالت میں ممنوع ہیں اگر کسی نے وہ کام کر لیا تو اس پر بھی جانور ذبح کرنا لازم اور واجب ہو جاتا ہے جس کو فقہاء کی اصطلاح میں دمِ جنایت کہا جاتا ہے اس میں بھی کچھ تفصیل ہے، بعض ممنوعات کے کر لینے سے گائے یا اونٹ ہی کی قربانی

ینا ضروری ہوتا ہے اور بعض کے لیے بکرے دنبے کی کافی ہوتی ہے بعض میں دم واجب نہیں ہوتا صرف صدقہ دینا کافی ہوتا ہے۔

● یہ قسم دَم کی جو کسی جنایت اور جُرم کی سزا کے طور پر لازم ہوا ہے اس کا گوشت کھانا خود اس شخص کے لیے جائز نہیں بلکہ یہ صرف فقراء و مساکین کا حق ہے کسی دوسرے مالدار آدمی کو بھی اس کا کھانا جائز نہیں۔ باقی قسمیں قربانی کی خواہ واجب ہوں یا نفلی، ان سب کا گوشت قربانی کرنے والا، اس کے احباب و اعزاء اگر چہ اغنیاء ہوں وہ بھی کھا سکتے ہیں، یہاں اسی کا بیان ہے۔

● عام قربانی کا گوشت ہو یا خاص حج کی قربانیاں ان سب کا حکم یہی ہے کہ قربانی کرنے والا خود اور ہر مسلمان غنی ہو یا فقیر اس میں سے کھا سکتا ہے لیکن مستحب یہ ہے کہ کم از کم ایک تہائی حصہ غرباء فقراء کو دے دیا جائے۔ (ملخص از معارف)

●**نذر:** کسی مباح کام کو اللہ تعالیٰ کی تعظیم اور اجلال کی نیت سے اپنے اوپر واجب کرلینا۔ اسی کو اردو میں منّت ماننا کہتے ہیں۔

● نذر ماننے والے کے لئے ضروری ہے کہ وہ عاقل و بالغ اور مسلمان ہو، پاگل سمجھ دار یا ناسمجھ بچہ اور کافر کی نذر کا اعتبار نہیں۔

● جس چیز کی نذر مانی جائے اس سے متعلق چند شرطیں یہ ہیں:

۱- شرعاً اس کا وجود ممکن ہو، مثلاً اگر کسی شخص نے رات میں روزہ رکھنے کی نذر مان لی تو اس نذر کا کوئی اعتبار نہیں۔

۲- یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عبادت اور اللہ تعالیٰ سے تقرب کا ذریعہ ہو، لہٰذا کسی گناہ کی نذر صحیح نہیں۔

۳- یہ بھی ضروری ہے کہ جس بات کی نذر مانی جائے وہ عبادت مقصودہ کا درجہ رکھتی ہو، جیسے نماز، روزہ، حج، عمرہ، اعتکاف، قربانی، وغیرہ، جو چیزیں عبادت مقصودہ کا درجہ نہیں رکھتیں، جیسے مریضوں کی عیادت، جنازہ کے ساتھ چلنا، وضوء و غسل، مسجد میں داخل ہونا، مصحف قرآنی کو چھونا اور اذان وغیرہ، ان کی نذر معتبر نہیں۔

۴-جس چیز کی نذر مانی جا رہی ہو وہ پہلے ہی سے فرض عین یا فرض کفایہ یا واجب عین یا واجب کفایہ نہ ہو، اس لئے نماز پنجگانہ، نماز جنازہ، وتر، صدقۃ الفطر اور مردہ کی تجہیز و تکفین کی نذر معتبر نہیں، کیونکہ یہ تو پہلے ہی سے فرض یا واجب ہیں۔

● نذر سے متعلق حکم کی بابت بنیادی طور پر دو پہلو ہیں: اول یہ کہ خود نذر ماننا کیسا عمل ہے؟ مستحب ہے؟ مکروہ ہے؟ یا محض مباح ہے؟--- دوسرے نذر ماننے کے بعد کیا اثر مرتب ہوتا ہے؟ اور کن صورتوں میں نذر کو پورا کرنا یا کفارہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے؟

● ایسی باتوں کی نذر ماننا جن کا شمار طاعات یعنی عبادات میں ہے جائز ہے۔

● اُصولی طور پر نذر کو پورا کرنا واجب ہوتا ہے، لیکن اس کا تعلق اس بات سے بھی ہے کہ جس فعل کی نذر مانی گئی ہے وہ فعل شریعت میں مطلوب ہے یا مذموم؟--- اس اعتبار سے اہل علم نے نذر کی چار صورتیں کی ہیں :

۱-ایسی چیز کی نذر مانی گئی ہو جو اللہ تعالیٰ کی اطاعت کی قبیل سے ہو جیسے: نماز، روزہ وغیرہ تو ایسی نذر کو پورا کرنا بالاتفاق واجب ہے۔

۲-جس چیز کی نذر مانی گئی ہو وہ معصیت ہو، جیسے شراب پینے کی نذر، ایسی نذر کو پورا کرنا حرام اور ترک کرنا واجب ہے اور اس پر امت کا اجماع ہے، البتہ جیسا کہ اس سے پہلے مذکور ہوا، اس صورت میں کفارۂ قسم ادا کرنا واجب ہوتا ہے۔

۳-ایسی چیز کی نذر مانی گئی ہو جو مکروہ ہو تو اس کو پورا کرنا بھی مکروہ ہے۔

۴-ایسی چیز کی نذر مانی گئی ہو جو محض مباح ہے جیسے: کھانا پینا، تو اس سے نذر منعقد نہیں ہوتی، چاہے تو اسے کرے یا چھوڑ دے۔ (ملخص از قاموس الفقہ : نذر)

رکوع (۵)

وَلِكُلِّ أُمَّةٍ جَعَلْنَا مَنسَكًا لِّيَذْكُرُوا اسْمَ اللَّهِ عَلَىٰ مَا رَزَقَهُم مِّن بَهِيمَةِ الْأَنْعَامِ ۗ فَإِلَٰهُكُمْ إِلَٰهٌ وَاحِدٌ فَلَهُ أَسْلِمُوا ۗ وَبَشِّرِ الْمُخْبِتِينَ ﴿٣٤﴾

اس رکوع میں قربانی کے احکامات ذکر کیے گئے ہیں، نیز اللہ تعالیٰ کی جانب رجوع کرنے والے نیک بندوں کو جنّت کی بشارت دی گئی ہے کہ اُن کے دلوں پر اللہ کا رعب

طاری رہتا ہے، وہ مصیبت کے وقت صبر سے کام لیتے ہیں اور نماز و زکوٰۃ کا اہتمام کرتے ہیں۔ قربانی کا اصل مقصد تقویٰ کو قرار دیا گیا ہے کہ وہی چیز اللہ کے دربار میں پہنچتی ہے، رہی بات گوشت کی تو وہ تو یہیں اہل ایمان کی ضیافت کے لیے رہ جاتا ہے۔

رکوع (۶)

أُذِنَ لِلَّذِينَ يُقٰتَلُونَ بِاَنَّهُمْ ظُلِمُوْا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ عَلٰى نَصْرِهِمْ لَقَدِيْرُ ۙ﴿۳۹﴾

مکہ مکرمہ میں صبر وضبط اور ظلم وجور کی لمبی مدت گزارنے کے بعد یہ پہلی آیت ہے جس میں جہاد کا حکم دیا گیا ہے اور جہاد کی حکمت بھی ذکر کی گئی ہے۔ پھر اسلامی حکومت کا لائحۂ عمل اور خدوخال بھی مذکور ہے کہ نماز قائم کی جائے، زکوٰۃ ادا کی جائے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام ہو۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دیتے ہوئے فرمایا گیا کہ تکذیب واستہزاء کا معاملہ گزشتہ انبیائے کرام کے ساتھ بھی پیش آچکا ہے، چناں چہ اخیر میں ان اقوام کو عذابِ الٰہی کا سامنا کرنا پڑا جس کی شہادت ان کے کھنڈرات دیتے ہیں۔

رکوع (۷)

قُلْ يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّمَاۤ اَنَا لَكُمْ نَذِيْرٌ مُّبِيْنٌ ۚ﴿۴۹﴾

اس رکوع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی اپنی نبوت کا اعلان کرایا گیا ہے، نیز مومنین اور کفار کا انجام بھی ذکر کیا گیا۔ گزشتہ انبیائے کرام کے ساتھ ہونے والے بعض واقعات کی جانب بھی اشارہ ہے۔ اخیر میں اس بات کا تذکرہ ہے کہ یہ ضدی کفار دین اسلام کے بارے میں اسی طرح شک میں مبتلا رہیں گے یہاں تک کہ اچانک قیامت آجائے گی، جہاں حکومت وسلطنت صرف اللہ کی ہوگی اور انہیں رسوا کن عذاب کا سامنا کرنا ہوگا۔

رکوع (۸)

وَالَّذِيْنَ هَاجَرُوْا فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ ثُمَّ قُتِلُوْۤا اَوْ مَاتُوْا لَيَرْزُقَنَّهُمُ اللّٰهُ رِزْقًا حَسَنًا ؕ وَاِنَّ اللّٰهَ لَهُوَ خَيْرُ الرّٰزِقِيْنَ ﴿۵۸﴾

اس رکوع میں اوّلاً اللہ کے راستے میں جہاد کرنے والوں اور شہید ہونے والوں کی فضیلت بیان کی گئی ہے، اللہ تعالیٰ کے برحق معبود ہونے اور اس کے علاوہ تمام معبودوں کو باطل قرار دیا گیا ہے، نیز اللہ تعالیٰ کی مختلف قدرتوں کا بھی ذکر ہے۔

رکوع (۹)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي الْاَرْضِ وَالْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِاَمْرِهٖ

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کے اُن احسانات کو ذکر کیا گیا ہے جس سے ہر انسان فائدہ اٹھاتا ہے، مثلاً اللہ نے آسمان کو تھام رکھا ہے، غور کا مقام ہے کہ اگر آسمان گر جائے تو کیا زندگی ممکن ہے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو ہدایت ہے کہ آپ اپنے دین کی تبلیغ کرتے رہیں، اگر کوئی آپ سے مجادلہ کرے یعنی ضد اور ہٹ دھرمی کے ساتھ مباحثہ کرنا چاہے تو آپ اس سے اعراض کریں۔ اخیر آیت میں کفار کی فطرت کو بیان کیا گیا ہے کہ جب ان کے سامنے قرآنی آیات پڑھی جاتی ہیں تو ان کے چہروں پر ناگواری صاف دکھائی دیتی ہے، حالاں کہ انہیں جہنم کو زیادہ ناگوار سمجھنا چاہیے جو کفار کا دائمی ٹھکانہ ہے۔

رکوع (۱۰)

يٰاَيُّهَا النَّاسُ ضُرِبَ مَثَلٌ فَاسْتَمِعُوْا لَهٗ

سورت کے آخری رکوع میں مشرکین کو بہت عمدہ مثال کے ذریعہ غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ اللہ کو چھوڑ کر جنہیں یہ پوجتے ہیں کیا ان سب نے مل کر ایک مکھی جیسی ادنیٰ مخلوق کو بھی پیدا کیا ہے، اور اگر مکھی ان پر رکھے ہوئے چڑھاوے میں سے کچھ لینا چاہے تو کیا یہ اسے روک سکتے ہیں؟ ظاہر ہے کہ ایسا نہیں ہوسکتا! تو پھر کیوں ایسی ضعیف چیزوں کے پیچھے اپنی آخرت برباد کر رہے ہیں۔ اس کے بعد اہل ایمان کو نماز وزکوٰۃ اور جہاد وغیرہ کا حکم ہے۔ دین اسلام کو اصل دین ابراہیمی قرار دیا گیا ہے۔



تعارف سورۂ مومنون

اس سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ نے وہ بنیادی صفات ذکر فرمائی ہیں جو مسلمانوں میں پائی جانی چاہیں، مسند احمد کی ایک حدیث میں حضرت عمرؓ کے حوالے سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا یہ ارشاد منقول ہے کہ اس سورت کی پہلی دس آیتوں میں جو باتیں ذکر کی گئی ہیں، اگر کوئی شخص وہ ساری باتیں اپنے اندر پیدا کرلے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔اسی لیے اس سورت کا نام مومنون ہے۔یعنی وہ سورت جو یہ بیان کرتی ہے کہ مسلمانوں کو کیسا ہونا چاہیے۔نیز نسائی میں روایت ہے کہ ایک صاحب نے حضرت عائشہؓ سے پوچھا کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اخلاق اور اوصاف کیسے تھے؟ اس کے جواب میں حضرت عائشہؓ نے سورۂ مومنون کی یہ دس آیتیں تلاوت فرمادیں کہ یہ سب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے اوصاف تھے۔سورت کا بنیادی مقصد انسان کو اس کی اصلیت کی طرف متوجہ کرکے اس بات پر غور وفکر کی دعوت دینا ہے کہ اس کے دنیا میں آنے کا مقصد کیا ہے، اور بالآخر مرنے کے بعد جو زندگی آنی ہے، اس میں انسان کا انجام کیا ہوگا؟ اس کے علاوہ حضرت نوح (علیہ السلام) سے لے کر حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) تک بہت سے انبیائے کرام کے واقعات اس سورت میں دہرائے گئے ہیں، تاکہ یہ بات واضح ہو کہ ان سب پیغمبروں کی دعوت تواتر کے ساتھ ایک ہی تھی، اور جن لوگوں نے ان کا انکار کیا، انھیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کا نشانہ بننا پڑا۔مرنے کے بعد اللہ تعالیٰ انسانوں کو دوبارہ زندہ کرکے ان کی نیکیوں اور برائیوں کا حساب لیں گے، اور ہر انسان کو اپنے عقیدے اور عمل کے اعتبار سے جزاء وسزا کا سامنا کرنا پڑے گا۔اس عقیدے کو کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت خداوندی کی نشانیوں کی طرف متوجہ کرکے ثابت کیا گیا ہے۔(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

پــارہ: (۱۸)

سُوْرَۃُ الْمُؤْمِنُوْنَ مَكِّيَّة

اٰیاتھا ۱۱۸ — رکوعاتھا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

قَدْ اَفْلَحَ الْمُؤْمِنُوْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِیْنَ ھُمْ فِیْ صَلَاتِھِمْ خٰشِعُوْنَ ۙ﴿۲﴾

سورت کی شروعات میں اہل ایمان کے ان اوصاف کا ذکر ہے جنہیں اختیار کرکے وہ جنّت الفردوس کے مستحق ہوسکتے ہیں، مثلاً نماز میں خشوع خضوع، بے فائدہ چیزوں سے دوری، زکوٰۃ کی ادائیگی، بے حیائی و بدکاری سے حفاظت، امانت کی پاسداری وغیرہ۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انسانی تخلیق کے مراحل کو یکے بعد دیگرے بیان کرکے مرنے کے بعد والی زندگی پر اپنی قدرت کو ثابت کیا ہے۔ نیز انسانوں پر اپنے انعامات کا بھی ذکر کیا ہے، مثلاً آسمان سے پانی کا برسنا، اُس کے نتیجے میں باغات میں پھلوں اور غذاؤں کا اُگنا، چوپایوں میں سے دودھ کا نکلنا، چوپایوں کو بطورِ غذا اور بطورِ سواری استعمال کرنا وغیرہ۔

رکوع (۲)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰی قَوْمِهٖ فَقَالَ یٰقَوْمِ اعْبُدُوا اللّٰہَ مَا لَكُمْ مِّنْ اِلٰهٍ غَیْرُهٗ ؕ اَفَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿۲۳﴾

اس رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کی بعثت، ان کی دعوت و تبلیغ، ان کے مقابلے میں قوم کی سرکشی، سرداروں کے تکبر اور بے ہودہ اعتراضات، مجبوراً حضرت نوح کی بددعا، اس کے نتیجے میں آنے والے طوفان، کفار کی ہلاکت وغیرہ کا ذکر ہے۔

رکوع (۳)

وَقَالَ الْمَلَاُ مِنْ قَوْمِهِ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ كَذَّبُوْا بِلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ

وَ اَتْرَفْنٰهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا ۙ مَا هٰذَاۤ اِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ ۙ

حضرت نوح علیہ السلام کے تذکرہ کے بعد اس رکوع میں ابتداءً حضرت صالح علیہ السلام کا ذکر ہے جنہیں قوم ثمود کی جانب بھیجا گیا تھا، انہیں بھی اپنی قوم کی جانب سے کفرو انکار اور غیر معقول اعتراضات کا سامنا کرنا پڑا، دنیا پرستی اور آخرت سے غفلت انہیں لے ڈوبی، چناں چہ اپنے نبی کی بددعا کے نتیجے میں سب ہلاک و برباد ہوئے۔ انبیائے کرام کا یہ سلسلہ چلتا رہا، حضرت موسیٰ و ہارون اور فرعون کا بھی یہاں مختصر تذکرہ موجود ہے۔

رکوع (۴)

يٰۤاَيُّهَا الرُّسُلُ كُلُوْا مِنَ الطَّيِّبٰتِ وَ اعْمَلُوْا صَالِحًا ؕ اِنِّيْ بِمَا تَعْمَلُوْنَ عَلِيْمٌ ﴿۵۱﴾

اس رکوع میں بتایا گیا ہے کہ تمام انبیائے کرام کی تعلیم اسی دین اسلام کی تھی، لیکن لوگوں نے اپنی خواہشات کے مطابق اس میں اختلاف پیدا کر کے الگ الگ جماعتیں بنا لیں۔ پھر مومنین کی خاص صفات میں خشیتِ الٰہی اور نیک کاموں میں سبقت کو شمار کرایا گیا ہے۔ اس کے بعد کفار کی غفلت، کبر، ضد، ہٹ دھرمی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ استہزاء کا ذکر ہے، حالاں کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تعلیم اور تبلیغ پر ان سے کسی قسم کی اجرت کا مطالبہ نہیں کرتے تھے، اس کے باوجود ان کا رویہ ان کے ساتھ نہایت گستاخانہ رہتا تھا۔ مشرکین مکہ کی خصلت ذکر کی گئی ہے کہ قحط میں مبتلا ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں اُس عذاب سے نجات دے دی، یہ پھر کفر و شرک میں مشغول ہو گئے۔

رکوع (۵)

وَ هُوَ الَّذِيْۤ اَنْشَاَ لَكُمُ السَّمْعَ وَ الْاَبْصَارَ وَ الْاَفْـِٕدَةَ ؕ قَلِيْلًا مَّا تَشْكُرُوْنَ ﴿۷۸﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی بے پناہ قدرت اور انعامات کو ظاہر کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ایسی ایسی چیزیں پیدا کی ہیں کہ یہ کفار بھی ان کا خالق اللہ ہی کو سمجھتے ہیں، لیکن جب بات عبادت کی آتی ہے تو شرک کرنے لگ جاتے ہیں، یہ کتنی ناشکری کی بات ہے۔ کائنات کے اس پورے نظام کا خالق اللہ کو قرار دیتے ہیں لیکن مرنے کے بعد والی زندگی کو محال سمجھتے

ہیں۔اخیر رکوع اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ہونے کی نفی کی گئی ہے کہ یہ عقیدہ یا نظریہ نہایت احمقانہ ہے، اللہ کی ذات ان تمام چیزوں سے بہت بلند ہے۔

رکوع (۶)

قُلْ رَّبِّ اِمَّا تُرِیَنِّیْ مَا یُوْعَدُوْنَ ﴿۹۳﴾ رَبِّ فَلَا تَجْعَلْنِیْ فِی الْقَوْمِ الظّٰلِمِیْنَ ﴿۹۴﴾

سورت کے آخری رکوع میں اوّلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کفار کے مظالم کے خلاف صبر کی تلقین کی گئی ہے، اس کے بعد قیامت کے دن کفار کی حالت کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ وہاں سے واپس دنیا میں آنے کی تمنا کریں گے، لیکن ایسا ممکن نہ ہوگا، دنیا میں جب وہ اہل ایمان کا مذاق اڑاتے تھے انہیں وہ وقت یاد دلایا جائے گا، قیامت میں کوئی نسبی رشتے دار بھی کام نہ آئے گا، اسی طرح تمام اعمال کا حساب ہوگا، جہنم کا عذاب ایسا ہوگا جس سے چہرے جھلس جائیں گے۔ پھر ذکر کیا گیا ہے کہ انسانوں کی تخلیق یوں ہی بے فائدہ نہیں کی گئی، بلکہ اُسے دنیا میں ایک ذمہ دار اور مکلف مخلوق بنایا گیا ہے جس کا اسے حساب دینا ہوگا۔اخیر سورت میں توحید کا ذکر کرنے کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار اور طلب رحمت کی دعا کی تلقین کی گئی ہے۔



تعارف سورۂ نور

اس سورت کا مرکزی موضوع معاشرے میں بے حیائی اور فحاشی کو روکنے اور عفت و عصمت کو فروغ دینے کے لیے ضروری ہدایات اور احکام دینا ہے۔ پچھلی سورت کے شروع میں مومنوں کی جو خصوصیات بیان فرمائی گئی تھیں، ان میں سے ایک اہم خصوصیت یہ تھی کہ وہ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرتے ہیں، یعنی باعفت زندگی گزارتے ہیں۔ اب اس سورت میں باعفت زندگی گزارنے کے ضروری تقاضے بیان فرمائے گئے ہیں۔ چنانچہ سورت کے شروع ہی میں زنا کی شرعی سزا بیان فرمائی گئی ہے، اور ساتھ ہی یہ بتایا گیا ہے کہ جس طرح زنا انتہائی گھناؤنا جرم ہے، اسی طرح کسی بے گناہ پر شرعی ثبوت کے بغیر زنا کا الزام لگانا بھی نہ صرف سخت گناہ ہے، بلکہ اس پر بھی سخت قانونی سزا مقرر فرمائی گئی ہے۔ غالب گمان یہ ہے کہ یہ سورت ہجرت کے بعد چھٹے سال نازل ہوئی اس سال آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو عرب کے ایک قبیلے بنو المصطلق کے بارے میں یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ آپ پر حملہ کرنے کے لیے ایک لشکر جمع کر رہا ہے۔ آپ نے اس کے حملے سے پہلے ہی پیش قدمی کر کے اس کے عزائم کو خاک میں ملا دیا۔ اسی سفر سے واپسی پر منافقین نے حضرت عائشہ صدیقہؓ کے خلاف بڑی کمینگی کے ساتھ ایک بے بنیاد تہمت لگائی، اور اسے مدینہ منورہ میں بڑے پیمانے پر شہرت دی جس سے کچھ مخلص مسلمان بھی متاثر ہو گئے۔ اس سورت کی آیات ۱۱ تا ۲۰ حضرت عائشہ کی برأت کا اعلان کرنے کے لیے نازل ہوئیں۔ اور جن لوگوں نے تہمت لگانے کا گھناؤنا جرم کیا تھا ان کو اور معاشرے میں عریانی و فحاشی پھیلانے والوں کو سخت عذاب کی وعیدیں سنائی گئیں۔ نیز عفت و عصمت کی حفاظت کے پہلے قدم کے طور پر خواتین کو پردے کے احکام بھی اسی سورت میں دیے گئے ہیں، اور دوسروں کے گھر جانے کے لیے ضروری آداب و احکام کی وضاحت فرمائی گئی ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۶۴

سُوْرَةُ النُّوْرِ مَدَنِيَّةٌ

رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سُوْرَةٌ اَنْزَلْنٰهَا وَ فَرَضْنٰهَا وَ اَنْزَلْنَا فِيْهَآ اٰيٰتٍۭ بَيِّنٰتٍ لَّعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ①

سورۂ نور کے پہلے رکوع میں زنا کرنے والوں کی سزا ذکر کی گئی ہے، غیر شادی شدہ جوڑے کو سو سو کوڑے مارنے کا حکم ہے، جب کہ شادی شدہ جوڑے کے لیے سنگسار کرنے کا حکم حدیث سے ثابت ہے۔ اگر کوئی شخص کسی پر زنا کی تہمت لگائے اور شرط کے مطابق چار گواہ پیش نہ کر سکے تو اُس کو ۸۰ رکوڑے لگائے جائیں گے۔ سزاؤں کا یہ اجراء حکومت اسلامی کی ذمہ داری ہے۔ اخیر رکوع میں لعان کا حکم ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو بدکاری کرتے ہوئے پائے اور وہ شہادت نہ پیش کر سکے تو اُس سے اور اس کی بیوی سے ایک خاص انداز میں پانچ مرتبہ قسم لی جائے گی، یہ عمل پورا ہونے کے بعد دونوں کے درمیان علاحدگی کا فیصلہ ہوگا۔ یہی عمل "لعان" کہلاتا ہے۔

رکوع (۲)

اِنَّ الَّذِيْنَ جَآءُوْ بِالْاِفْكِ عُصْبَةٌ مِّنْكُمْ ؕ لَا تَحْسَبُوْهُ شَرًّا لَّكُمْ ؕ

اس رکوع میں حضرت عائشہ سے متعلق مشہور واقعہ ذکر کیا گیا ہے جسے واقعہ افک کہتے ہیں، جس میں منافقین کی جانب سے حضرت عائشہ پر نہایت غلط بہتان لگایا گیا تھا، منافقین کے پروپیگنڈے سے بعض مسلمان بھی متاثر ہوئے، حتی کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی طبیعت پر بہت گہرا اثر پڑا۔ اللہ تعالیٰ نے حضرت عائشہ کی براءت کے لیے پورا رکوع نازل فرمایا اور اُن بھولے بھالے مسلمانوں کو تنبیہ کی گئی جو منافقین کی سازش کا حصہ بن گئے تھے۔ اخیر رکوع میں معاشرہ میں بے حیائی کو فروغ دینے والوں کے لیے دردناک عذاب کی وعید ہے۔

اہم مسئلہ

● ہر مسلمان مرد و عورت کے ساتھ اچھا گمان رکھنا واجب ہے جب تک کسی دلیلِ شرعی سے اس کے خلاف ثابت نہ ہو جائے، اور جو شخص بلا دلیلِ شرعی کے اُس پر الزام لگاتا ہے اُس کی بات کو رد کرنا اور جھوٹا قرار دینا بھی واجب ہے کیوں کہ وہ محض ایک غیبت اور مسلمان کو بلا وجہ رُسوا کرنا ہے۔

رکوع (۳)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّبِعُوْا خُطُوٰتِ الشَّيْطٰنِ ؕ

اس رکوع میں اوّلاً شیطانی حربے کو ذکر کیا ہے کہ وہ معاشرے اور سوسائٹی میں بے حیائی کو فروغ دینا چاہتا ہے، اس لیے مسلمانوں کو اس کے نقش قدم پر نہیں چلنا چاہیے، پھر ایک مخصوص واقعہ کی جانب اشارہ کرتے ہوئے حکم ہے کہ اگر کوئی مومن کسی خیر کے کام کو انجام دیتا ہو تو اُس سے رکنا نہیں چاہیے۔ اس کے بعد بھولی بھالی عورتوں پر تہمت لگانے کو دنیا و آخرت میں لعنت اور عذاب والا عمل بتایا گیا ہے۔

رکوع (۴)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتًا غَيْرَ بُيُوْتِكُمْ حَتّٰى تَسْتَاْنِسُوْا وَتُسَلِّمُوْا عَلٰٓى اَهْلِهَا ؕ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ ﴿۲۷﴾

اس رکوع میں بہت سے احکامات دیے گئے ہیں، سب سے پہلا حکم یہ ہے کہ بغیر اجازت کسی کے گھر میں داخل نہ ہونا چاہیے، پھر مردوں اور عورتوں کو نگاہیں نیچی رکھنے اور عفت و پاکدامنی کا حکم دیا گیا ہے، عورتوں کے لیے پردے کی ہدایات بھی اسی رکوع میں ہیں، وہ رشتے دار جن سے پردہ نہیں ہے مثلاً شوہر، والد، بھائی وغیرہ ان کا بھی ذکر ہے، نیز چلتے وقت بجتا ہوا زیور یا کوئی ایسی چیز جو مردوں کے لیے کشش اور فتنے کا سبب بن جائے اس سے بھی خواتین کو منع کیا گیا ہے۔ اس کے بعد اولیاء کو حکم ہے کہ وہ اپنے ماتحتوں کا نکاح کرائیں، اس نکاح کو فقر اور غربت سے نکلنے اور اللہ کے فضل و کرم کا سبب قرار دیا گیا

ہے۔اس کے بعد غلاموں سے متعلق کچھ احکامات مذکور ہیں۔

استیذان کے اہم مسائل

● گھر میں داخل ہوتے وقت اجازت طلب کرنے کو" استیذان" کہتے ہیں۔

● جب بھی کسی کے گھر میں داخل ہوا جائے تو اجازت چاہی جائے اور اجازت لینے کا طریقہ یہ ہے کہ پہلے سلام کرے، پھر داخل ہونے کی اجازت چاہے۔

● اجازت لیتے وقت نام کی وضاحت کر دینی چاہیے تا کہ صاحب مکان کو اشتباہ نہ ہو۔

● استیذان کا اصل مقصد اجازت چاہنا، اپنی آمد کی اطلاع دینا اور دوسروں کی آزادی میں خلل انداز نہ ہونا ہے، یہ مقصد جس طریقہ سے بھی حاصل ہو جائے، استیذان کے لئے کافی ہوگا، مثلاً گھنٹی بجا کر اپنا نام بتا دینا، دروازہ پر دستک دینا، ویزیٹنگ کارڈ بھیج دینا، البتہ دستک کی آواز اتنی تیز نہ ہو کہ لوگ ڈر جائیں۔

● اگر صاحبِ مکان ملاقات سے معذرت کر دے تو کچھ ناگواری محسوس کئے بغیر واپس ہو جانا چاہیے، اسی طرح تین بار سلام کرنے اور اجازت چاہنے کے باوجود اگر جواب نہ آئے تو واپس آجانا چاہیے۔

● جس سے اجازت لی جائے اس کے لئے اسلامی اخلاق کا تقاضہ ہے کہ بلا عذر ملاقاتیوں سے معذرت نہ کی جائے۔

● بعض خصوصی اوقات کے علاوہ جیسے صبح، دوپہر، شب، والدین کے پاس بلا اجازت بھی جاسکتے ہیں۔

● اجازت لینے کا طریقہ یہ ہے کہ اس طرح نہ کھڑا ہو کہ بے پردگی ہو جائے، بلکہ دائیں یا بائیں جانب کھڑا ہو۔

● خود اپنے گھر میں جہاں اس کی بیوی ہو اجازت چاہنا ضروری نہیں، مگر مستحب طریقہ یہ ہے کہ وہاں بھی بلا اطلاع نہ جائے بلکہ کھنکار کر یا قبل از وقت اس کی اطلاع کر کے جائے۔

● استیذان کا حکم اُن گھروں کے لئے ہے جو رہائش گاہ کی حیثیت رکھتے ہوں، جو جگہیں جو کسی کی رہائش گاہ نہ ہوں بلکہ جہاں عام طور پر لوگوں کی آمد و رفت ہوا کرے

جیسے دفاتر، مدرسے، مسجدیں، یہاں بلا اجازت آمد ورفت کی جاسکتی ہے، سوائے اس کے کہ عام لوگوں کے آنے پر کوئی خلل واقع ہو۔

● اسی طرح وہ مقامات جو کسی خاص فرد کی ملکیت نہ ہوں، بلکہ عام لوگوں کے استعمال کی ہوں، جیسے مسافر خانے، ویٹنگ روم، ریلوے اسٹیشن، بس اسٹینڈ، یہاں ہر شخص کو جانے کی اجازت حاصل ہوگی۔ (ملخص از قاموس الفقہ)

● جن مکانوں میں داخل ہونا آیاتِ مذکورہ میں بغیر اجازت کے ممنوع قرار دیا ہے یہ عام حالات میں ہے اگر اتفاقاً کوئی حادثہ آگ لگنے یا مکان منہدم ہونے کا پیش آجائے تو اجازت لیے بغیر اس میں جاسکتے ہیں اور امداد کے لیے جانا چاہیئے۔ (ملخص از معارف)

ٹیلیفون رموبائل سے متعلق بعض مسائل

● کسی شخص کو ایسے وقت موبائل پر مخاطب کرنا جو عادۃً اُس کے سونے یا دوسری ضروریات میں یا نماز میں مشغول ہونے کا وقت ہو بلا ضرورتِ شدیدہ جائز نہیں؛ کیوں کہ اس میں بھی وہی ایذا رسانی ہے جو کسی کے گھر میں بغیر اجازت داخل ہونے اور اُس کی آزادی میں خلل ڈالنے سے ہوتی ہے۔

● موبائل پر اگر کوئی طویل بات کرنا ہو تو پہلے مخاطب سے دریافت کرلیا جائے کہ آپ کو ذراسی فرصت ہو تو میں اپنی بات عرض کروں۔

● بعض لوگ موبائل کی گھنٹی بجتی رہتی ہے اور کوئی پرواہ نہیں کرتے نہ پوچھتے ہیں کہ کون ہے کیا کہنا چاہتا ہے یہ اسلامی اخلاق کے خلاف اور بات کرنے والے کی حق تلفی ہے۔ (ملخص از معارف)

حجاب کے مسائل

● فقہاء نے حجاب وپردہ کے احکام میں مختلف درجات متعین کئے ہیں، اس سلسلے میں کتاب وسنت کی نصوص اور فقہاء کے اجتہادات کو سامنے رکھ کر چار درجات مقرر کئے جا سکتے ہیں:

● ایک تو وہ پردہ ہے جس کا حکم اجنبیوں سے دیا گیا ہے، عام حالات میں تو ان سے چہرہ اور ہاتھ کا بھی پردہ ہے، مگر ضرورت کے مواقع پر چہرہ کھول سکتے ہیں۔

● دوسرے غیر محرم رشتہ داروں سے پردہ ہے، رشتہ داروں کی چونکہ کثرت سے آمدورفت ہوا کرتی ہے، اس لئے ان سے چہرہ کے پردہ میں ایک گونہ دقت ہے، اس لئے شہوت و بدنگاہی کا خوف نہ ہو تو ایسے رشتہ داروں کے سامنے چہرہ اور ہتھیلیاں کھولنے کا جواز معلوم ہوتا ہے۔

● تیسرے محرم رشتہ دار ہیں، ان سے چونکہ ہر وقت سابقہ ہے، آمدورفت ہے اور رشتہ، حرمت کی جو دیوار شریعت نے قائم کر دی ہے، اس کے تحت جس کے دل میں ذرا بھی سلامتی ہو اپنے ان رشتہ داروں کے ساتھ برائی کا خیال تک گوارا نہیں کرتا، اس لئے محارم کے بارے میں مزید نرمی برتی گئی ہے۔ چنانچہ چہرہ، ہاتھ، بازو اور پنڈلی اگر محرم کے سامنے کھل جائے تو گنجائش ہے، گو عورت کے اندر مطلوب عام شرم وحیا کا تقاضا یہی ہے کہ عورتیں اپنے محرم رشتہ داروں سے بھی بازو، سینہ اور پنڈلی کو چھپایا کریں۔

● چوتھا درجہ شوہر کا ہے، شوہر کے سامنے جسم کے کسی حصہ کا ستر واجب نہیں، ہاں یہ ضرور ہے کہ بلا ضرورت جسم کے قابل حیا حصوں کا بے موقع شوہر کے سامنے کھولنا بھی ناپسندیدہ ہے۔ (ملخص از قاموس الفقہ: حجاب)

نکاح کی قسمیں

● فقہاء نے کتاب وسنت کی ہدایات کو سامنے رکھ کر مختلف حالات میں نکاح کے احکام متعین کئے ہیں، چنانچہ مہر اور نفقہ ادا کرنے پر قادر ہو اور نکاح نہ کرنے کی صورت میں زناء میں پڑ جانے کا یقین ہو تو نکاح فرض ہے۔

● اگر زناء میں پڑنے کا اندیشہ ہو نہ کہ یقین، اور نفس میں نکاح کا سخت تقاضا پاتا ہے، تو نکاح کرنا واجب ہے۔ ظاہر ہے یہاں مہر سے ایسا مہر مراد ہے جو فوری قابل ادائیگی ہو، اگر مہر مؤجل پر نکاح کرنا ممکن ہو تو فی الحال مہر کا مالک ہونا ضروری نہ ہوگا، بلکہ نکاح کیے لئے قرض لینا پڑے تو اس میں بھی قباحت نہیں، بہتر ہے کہ قرض لے کر نکاح کر لے۔

● اگر نکاح نہ کرنے کی صورت میں برائی میں پڑنے کا اندیشہ نہیں اور مالی اور جسمانی اعتبار سے نکاح کرنے پر قادر ہے تو ایسے شخص کے لئے نکاح کر لینا سنت مؤکدہ ہے، اگر اپنی عفت وعصمت کی حفاظت اور حصول اولاد کی نیت سے نکاح کرلے تو مستحق ثواب ہوگا، اور نکاح نہ کرے تو ترک سنت کا گناہ، بلکہ بعض فقہاء نے اس صورت میں بھی نکاح کو واجب قرار دیا ہے۔

● اگر نکاح کے بعد اندیشہ ہو کہ وہ بیوی کے ساتھ جور وظلم کا مرتکب ہوگا، تو نکاح مکروہِ تحریمی ہے، اور اس کا یقین ہو تو حرام۔ (ملخص از قاموس الفقہ : نکاح)

رکوع (۵)

اَللّٰهُ نُوْرُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ مَثَلُ نُوْرِهٖ كَمِشْكٰوةٍ فِيْهَا مِصْبَاحٌ ؕ

اس رکوع میں اوّلاً اللہ کو سراپا نور قرار دیا گیا ہے اور اس نور سے وہی گھر روشن رہتا ہے جہاں صبح وشام اللہ کا ذکر اور اس کی تسبیح ہو، اور ایسے گھر والوں کو تجارت یا دیگر دنیوی مشاغل اللہ کے ذکر اور نماز وزکوٰۃ کی ادائیگی سے غافل نہیں کر سکتے، آخرت میں بھی ایسے لوگ کے لیے بے حساب اجر ہوگا۔ ان کے برخلاف کفار ہیں کہ اُن کے اعمال سراب یعنی چمکتی ہوئی ریت کی مانند ہیں جسے دور سے دیکھ کر پانی کا گمان ہوتا ہے لیکن قریب آنے پر وہاں ریت کے سوا کچھ نہیں ملتا، یہی حال ان کے اعمال کا ہے کہ آخرت میں ان کی کوئی حیثیت نہ ہوگی۔

رکوع (٦)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ يُسَبِّحُ لَهٗ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ وَالطَّيْرُ صٰٓفّٰتٍ ؕ كُلٌّ قَدْ عَلِمَ صَلَاتَهٗ وَتَسْبِيْحَهٗ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌۢ بِمَا يَفْعَلُوْنَ ﴿۴۱﴾

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ کائنات کی ہر ہر چیز اپنے طریقے سے اللہ کی تسبیح کرتی رہتی ہے۔ پھر اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو ذکر کیا گیا ہے، مثلاً بادل، اس سے برسنے والا پانی، درمیان میں کڑکنے والی بجلی، رات ودن کی تبدیلی، مختلف قسم کے چوپائے وغیرہ۔

اخیر رکوع میں منافقین کی کچھ شرارتوں کا بھی ذکر ہے۔

رکوع (۷)

اِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِيْنَ اِذَا دُعُوْٓا اِلَى اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ اَنْ يَّقُوْلُوْا سَمِعْنَا وَ اَطَعْنَا ؕ وَ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ ۝۵۱

منافقین کی سرکشی کے مابعد مومنین کی وفاشعاری اور اطاعت کا ذکر ہے جسے کامیابی کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے، پھر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم ہے، جس کے نتیجے میں زمین پر مستحکم حکومت کا وعدہ کیا گیا ہے، اخیر میں کفار کا ٹھکانہ جہنم بتایا گیا ہے۔

رکوع (۸)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لِيَسْتَاْذِنْكُمُ الَّذِيْنَ مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ وَالَّذِيْنَ لَمْ يَبْلُغُوا الْحُلُمَ مِنْكُمْ ثَلٰثَ مَرّٰتٍ ؕ

اس رکوع میں کچھ معاشرتی احکام دیے گئے ہیں، مثلاً گھر کے غلام اور نابالغ بچے فجر سے قبل، قیلولے کے وقت اور عشا کے بعد اجازت لے کر ہی گھر یا کمرے میں داخل ہوں، لڑکے بڑے ہو جائیں تو ہمیشہ اجازت لے کر آئیں، بڑی بوڑھی عورتوں کو پردے کے سخت احکامات سے رخصت دی گئی ہے کہ وہ دوپٹہ یا چادر لے کر غیر محرموں کے سامنے بھی جاسکتی ہیں، کہ ان میں اب فتنے کا اندیشہ باقی نہیں رہا، البتہ اگر وہ عزیمت پر عمل کرتے ہوئے یہاں بھی پردہ کریں تو یہ ان کے لیے اجر وثواب کے اعتبار سے بہتر و برتر ہے۔ اس کے بعد معذور صحابہ کرام سے متعلق کچھ احکامات ہیں۔

رکوع (۹)

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اِذَا كَانُوْا مَعَهٗ عَلٰٓى اَمْرٍ جَامِعٍ لَّمْ يَذْهَبُوْا حَتّٰى يَسْتَاْذِنُوْهُ ؕ

سورۂ نور کے آخری رکوع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مجلس کے آداب ذکر کیے گئے ہیں، نیز ان سے مخاطب ہوتے وقت ادب کی تاکید کی گئی ہے، وہ منافقین جو رسول اکرم

ﷺ کی مجلس سے بغیر کسی عذر کے محض بے رغبتی کی وجہ سے چپ چاپ کھسک جاتے تھے ان کا بھی تذکرہ ہے۔ آخری آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کو تمہارے تمام اعمال کی خبر ہے اور وہ اسی کے مطابق سب کو جزا دے گا۔



تعارف سورۂ فرقان

یہ سورت مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی تھی، اور اس کا بنیادی مقصد اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور ان کے بارے میں کفار مکہ کے مختلف اعتراضات کا جواب دینا ہے، نیز اللہ تعالیٰ نے کائنات میں انسان کے لیے جو بیشمار نعمتیں پیدا فرمائی ہیں، انھیں یاد دلا کر اللہ تعالیٰ کی فرماں برداری، اس کی توحید کے اقرار اور شرک سے علیحدگی کی طرف دعوت دی گئی ہے۔ سورت کے آخر میں اللہ تعالیٰ کے نیک بندوں کی خصوصیات بیان فرمائی گئی ہیں، اور ان کے صلے میں اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے آخرت میں جو اجر وثواب رکھا ہے، اس کا بیان فرمایا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)

آیاتہا ۷۷ — سُوْرَۃُ الْفُرْقَانِ مَکِّیَّۃٌ — رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِیْ نَزَّلَ الْفُرْقَانَ عَلٰی عَبْدِہٖ لِیَكُوْنَ لِلْعٰلَمِیْنَ نَذِیْرًا ①

سورت کی شروعات میں قرآن کریم کے نزول کا مقصد بتایا گیا ہے، اس کے بعد شرک کی مذمت کی گئی ہے کہ ایسی چیزیں خدا کیسے ہوسکتی ہیں جو نہ تو کسی کو پیدا کر سکیں، نہ ہی نفع نقصان اور موت وحیات پر قدرت رکھیں۔ اس کے بعد قرآن کریم اور رسول اکرم ﷺ کے تعلق سے کفار کی جانب سے ہونے والے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

رکوع (۲)

تَبٰرَكَ الَّذِیْٓ اِنْ شَآءَ جَعَلَ لَكَ خَیْرًا مِّنْ ذٰلِكَ جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ۙ وَیَجْعَلْ لَّكَ قُصُوْرًا ⑩

اس رکوع میں کفار کے اعتراضات کی وجہ قیامت کے انکار کو قرار دیا گیا ہے، پھر قیامت کی ہولناکی ذکر کی گئی ہے کہ وہاں عذاب کی شدت سے کفار موت کو پکاریں گے، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ اس کے بالمقابل مومنین کو جنّت میں ان کی خواہش کے مطابق نعمتیں ملیں گی۔ کفار ومشرکین کو تنبیہ کی گئی ہے کہ خدا کو چھوڑ کر جن چیزوں کی تم عبادت کرتے ہو کل قیامت میں تمہارے کام نہ آئیں گے، بلکہ تم سے براءت کا اظہار کریں گے۔ کفار جو اعتراض کرتے تھے کہ یہ رسول کیسے ہیں جو کھانا کھاتے ہیں، بازاروں میں چلتے ہیں، گویا انہیں رسول کے عام انسان ہونے پر اعتراض تھا، اس کا جواب آخری آیت میں دیا گیا ہے کہ گزشتہ جتنے بھی انبیائے کرام آئے ہیں یہ تمام صفات ان میں بھی پائی جاتی تھیں۔



پارہ: (۱۹)

رکوع (۳)

وَ قَالَ الَّذِيْنَ لَا يَرْجُوْنَ لِقَآءَنَا لَوْ لَآ اُنْزِلَ عَلَيْنَا الْمَلٰٓئِكَةُ اَوْ نَرٰى رَبَّنَا ؕ لَقَدِ اسْتَكْبَرُوْا فِيْۤ اَنْفُسِهِمْ وَ عَتَوْ عُتُوًّا كَبِيْرًا ﴿۲۱﴾

اس رکوع میں آخرت کا ایک منظر دکھایا گیا ہے کہ کفار قیامت میں اپنی عقلوں پر ماتم کرتے ہوئے دنیوی زندگی پر افسوس کریں گے کہ انہوں نے قرآن سے فائدہ نہ اٹھایا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بات نہ مانی، فلاں کو اپنا خیر خواہ اور کارساز کیوں سمجھا اور جن اعمال کو ہم اچھا سمجھتے رہے وہ بھی آج بے حیثیت ہو گئے، وہ دن کفار پر بڑا سخت ہوگا، ان کے بالمقابل اہل جنّت اللہ تعالیٰ کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے۔ قرآن کریم کی تعلیمات کو ترک کرنے والوں کے لیے ایک مضمون وارد ہوا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم ایسے لوگوں کے خلاف دعویٰ کریں گے کہ اے میرے رب! میری اس قوم نے قرآن کریم کو چھوڑ رکھا تھا۔ (اللہ ہمیں قرآن کریم پر عمل کی توفیق بخشے، آمین)

رکوع (۴)

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَ جَعَلْنَا مَعَهٗۤ اَخَاهُ هٰرُوْنَ وَزِيْرًا ﴿۳۵﴾

اس رکوع میں متعدد انبیائے کرام مثلاً حضرت موسیٰ، حضرت ہارون، حضرت نوح علیہم السلام وغیرہ کا ذکر ہے، ساتھ ہی ان کی قوموں کی سرکشی، تکذیب اور پھر ہلاکت کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ پھر کفارِ مکہ کا تذکرہ ہے کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ استہزاء کرتے ہیں، عنقریب یہ عذاب میں مبتلا ہوں گے، اخیر آیت میں ان کو صحیح بات نہ سمجھنے کی وجہ سے جانوروں سے بھی بدتر قرار دیا گیا ہے۔

رکوع(۵)

اَلَمْ تَرَ اِلٰى رَبِّكَ كَيْفَ مَدَّ الظِّلَّ ۚ وَلَوْ شَآءَ لَجَعَلَهٗ سَاكِنًا ۚ ثُمَّ جَعَلْنَا الشَّمْسَ عَلَيْهِ دَلِيْلًا ﴿٤٥﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کی قدرت اور چند انعامات کو بیان کیا گیا ہے کہ اُسی نے انسانوں کے لیے سورج اور چاند بنائے، رات دن کا نظام قائم کیا، ہوائیں چلائیں، انسانوں اور چوپایوں کے لیے سبزہ اگایا، دریا میں میٹھا پانی بہایا، خونی اور سسرالی رشتے داری کے ذریعہ انسانوں کو قوت دی، لیکن اس کے باوجود یہ کفار اللہ کو چھوڑ کر ایسی چیزوں کو خدا قرار دیتے ہیں جو نفع نقصان کے بالکل مالک نہیں ہیں۔ اخیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ پر توکل کا حکم دیا گیا ہے۔

رکوع(۶)

تَبٰرَكَ الَّذِيْ جَعَلَ فِي السَّمَآءِ بُرُوْجًا وَّجَعَلَ فِيْهَا سِرٰجًا وَّقَمَرًا مُّنِيْرًا ﴿٦١﴾

اس رکوع میں اوّلاً اللہ تعالیٰ کی کچھ نشانیوں میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنے مخصوص اور مقبول بندوں کی کچھ صفات ذکر کی ہیں کہ وہ زمین پر اکڑ کر نہیں چلتے، بلکہ تواضع اختیار کرتے ہیں، فضول بحث میں نہیں پڑتے بلکہ ایسی جگہ سے بچ کر نکل جاتے ہیں، راتوں میں اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتے ہیں، ان کے دلوں میں ہمیشہ قیامت کا خوف رہتا ہے اور جہنم سے بچنے کے لیے اللہ سے دعا گو رہتے ہیں، فضول خرچی اور بخل کی درمیانی راہ پر چلتے ہیں، انسانی جان کا احترام کرتے ہیں، بے حیائی اور برے کاموں سے بچتے ہیں، جھوٹ بولنے اور جھوٹی گواہی دینے سے گریز کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی آیات پر غور وفکر کر کے نصیحت حاصل کرتے ہیں اور اچھی ازدواجی زندگی کے لیے بیوی کی نیکی اور اولاد کی فرماں برداری کی دعا کرتے ہیں۔



تعارف سورۂ شعراء

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت کے مطابق یہ سورت سورۂ واقعہ (سورۃ نمبر ۵۶) کے بعد نازل ہوئی تھی۔ یہ حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی مکی زندگی کا وہ زمانہ تھا جس میں کفارِ مکہ آپ کی دعوت کی بڑے زور وشور سے مخالفت کرتے ہوئے آپ سے اپنی پسند کے معجزات دکھانے کا مطالبہ کررہے تھے۔ اس سورت کے ذریعے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو تسلی بھی دی گئی ہے، اور کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کی طرف توجہ دلاکر اشارہ فرمایا گیا ہے کہ اگر کسی کے دل میں انصاف ہو اور وہ سچے دل سے حق کی تلاش کرنا چاہتا ہو تو اس کے لیے اللہ تعالیٰ کی قدرت کی یہ نشانیاں اس توحید کو ثابت کرنے کے لیے کافی ہیں۔ اور اسے کسی اور معجزے کی تلاش کی ضرورت نہیں ہے۔ اسی ضمن میں پچھلے انبیائے کرام (علیہم السلام) اور ان کی امتوں کے واقعات یہ بیان کرنے کے لیے سنائے گئے ہیں کہ ان کی قوموں نے جو معجزات مانگے تھے، انھیں وہی معجزات دکھائے گئے، لیکن وہ پھر بھی نہ مانے جس کے نتیجے میں انھیں عذابِ الٰہی کا سامنا کرنا پڑا، کیونکہ اللہ تعالیٰ کی سنت یہ ہے کہ جب منہ مانگے معجزات دیکھنے کے باوجود کوئی قوم ایمان نہیں لاتی تو اسے ہلاک کردیا جاتا ہے۔ اس بنا پر کفارِ مکہ کو مہلت دی جارہی ہے کہ وہ نت نئے معجزات کا مطالبہ کرنے کے بجائے توحید ورسالت کے دوسرے دلائل پر کھلی آنکھوں سے غور کرکے ایمان لائیں، اور ہلاکت سے بچ جائیں۔

کفارِ مکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو کبھی کاہن کہتے تھے، کبھی جادوگر اور کبھی آپ کو شاعر کا نام دیتے تھے۔ سورت کے آخری رکوع میں ان باتوں کی مدلل تردید فرمائی

گئی ہے، اور کاہنوں اور شاعروں کی خصوصیات بیان کر کے جتایا گیا ہے کہ ان میں سے کوئی بات آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) میں نہیں پائی جاتی۔ اسی ضمن میں آیت ۲۲۴ تا ۲۲۷ نے شعراء کی خصوصیات بیان کی ہیں۔ اسی وجہ سے سورت کا نام ''شعراء'' رکھا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)



رکوعاتہا ۱۱ | سُوْرَۃُ الشُّعَرَآءِ مَکِّیَّۃ | آیاتہا ۲۲۷

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰسٓمّٓ ۝۱ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِیْنِ ۝۲

سورت کے آغاز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قلبی کیفیت اور دلی تڑپ کو بیان کیا گیا ہے جو کفار کے ایمان قبول نہ کرنے کی وجہ سے تھی، جس پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے متنبہ کیا گیا کہ اگر یہ لوگ ایمان نہ لائیں گے تو کیا آپ اپنے آپ کو اسی غم میں ہلاک کرلیں گے؟ ادھر رسولِ اکرم کی اتنی خیر خواہی تھی اور دوسری جانب کفار کا یہ عالم تھا کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے آنے والی ہر نصیحت سے منہ موڑے بیٹھے تھے، اخیر رکوع میں انہیں اللہ تعالیٰ کی قدرت پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔

رکوع (۲)

وَ اِذْ نَادٰى رَبُّكَ مُوْسٰۤى اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۝۱۰

اس رکوع میں ایک مرتبہ پھر حضرت موسیٰ اور ہارون علیہما السلام کا ذکر ہے کہ یہ دونوں فرعون کے پاس توحید کی دعوت لے کر پہنچے تو وہ حضرت موسیٰ پر بچپن کے احسانات شمار کرانے لگا، حضرت موسیٰ نے بھی بنی اسرائیل کی مظلومیت کی داستاں بیان کی، جب اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی بات آئی تو فرعون الٹے سیدھے سوال کرنے لگا اور کہا کہ میرے علاوہ کوئی خدا نہیں ہے اور اگر ہے تو کوئی دلیل پیش کرو، چناں چہ حضرت موسیٰ نے اپنا عصا دربار میں پٹکا جس نے اژدہے کی شکل اختیار کرلی۔

رکوع (۳)

قَالَ لِلْمَلَاِ حَوْلَهٗۤ اِنَّ هٰذَا لَسٰحِرٌ عَلِیْمٌ ۝۳۴

فرعون نے اپنے درباریوں سے کہا کہ یہ تو بہت بڑا جادوگر معلوم ہوتا ہے جو اپنے جادو کی طاقت سے تمہاری سرزمین پر حکومت کرنا چاہتا ہے، چناں چہ اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے مقابلے کے لیے بڑے بڑے عہدوں کا لالچ دے کر پورے ملک سے جادوگر جمع کر لیے، مقابلے کے وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا نے اژدہا بن کر تمام جادوگروں کے جادو کو ہضم کر لیا، یہ منظر دیکھ کر تمام جادوگر حضرت موسیٰ پر ایمان لے آئے جس سے فرعون کی واضح شکست ہوئی، فرعون نے غصے میں تلملا کر جادوگروں کو دھمکی دی لیکن ان پر اس کا کوئی اثر نہ ہوا۔

رکوع (۴)

وَاَوْحَيْنَآ اِلٰى مُوْسٰٓى اَنْ اَسْرِ بِعِبَادِيْٓ اِنَّكُمْ مُّتَّبَعُوْنَ ﴿۵۲﴾

حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم ہوا کہ بنی اسرائیل کو راتوں رات لے کر نکل پڑیں، چناں چہ اِدھر انہوں نے کوچ کیا اور اُدھر فرعون کو اس کا علم ہو گیا، اس نے اپنے عظیم لاؤلشکر کے ساتھ بنی اسرائیل کا تعاقب کیا، بنی اسرائیل کے سامنے دریا تھا اور پیچھے فرعون کا لشکر جرار، چناں چہ حضرت موسیٰ نے اپنا عصا دریا پر مارا تو دونوں جانب کا پانی ٹھہر کر ایک رستے کی شکل اختیار کر گیا، حضرت موسیٰ پوری قوم کو لے کر دریا پار کر گئے جب کہ فرعون اور اس کے لشکر درمیان ہی میں غرق ہو گئے۔

رکوع (۵)

وَاتْلُ عَلَيْهِمْ نَبَاَ اِبْرٰهِيْمَ ﴿۶۹﴾ اِذْ قَالَ لِاَبِيْهِ وَقَوْمِهٖ مَا تَعْبُدُوْنَ ﴿۷۰﴾

اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کے بت پرست والد اور قوم کا ذکر ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے انہیں بہت پیارے اور معقول انداز میں شرک کی مذمت سمجھانے کی کوشش کی، لیکن وہ آبائی تقلید کا حوالہ دیتے رہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ کی قدرت وعظمت کے بارے میں بتایا، لیکن ان کی قوم نہ مانی۔ اس کے بعد جہنم کا ذکر ہے کہ وہاں یہ معبودانِ باطلہ ذرا بھی کام نہ آئیں گے، بلکہ وہ تو خوداوندھے منہ

جہنم رسید ہوں گے۔

رکوع(٦)

كَذَّبَتْ قَوْمُ نُوحٍ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٠٥﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ نُوحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٠٦﴾

اس رکوع میں حضرت نوح علیہ السلام کے واقعے کو دوہرایا گیا ہے کہ انہوں نے قوم کو توحید کی دعوت دی، لیکن ان کی جانب سے سرکشی اور کفر بڑھتا گیا، حتیٰ کہ اللہ کے عذاب نے ایک طوفان کی شکل میں ان کفار کو تہس نہس کر دیا۔

● حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کے مختصر حالات سورۃ الاعراف، صفحہ ۱۹۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع(۷)

كَذَّبَتْ عَادٌ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٢٣﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ هُودٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٢٤﴾

اس رکوع میں قوم عاد کا ذکر ہے جن کی جانب حضرت ہود علیہ السلام کو بھیجا گیا تھا، انہوں نے قوم کو توحید کی دعوت دی، لیکن قوم اپنی طاقت وقوت اور بلند وبالا عمارتوں کے خمار میں رہی اور حضرت ہود سے کہا کہ آپ چاہیں ہمیں سمجھائیں یا نہ سمجھائیں، ہمیں کوئی فرق نہیں پڑتا۔ اس کے بعد اللہ کے عذاب نے انہیں بھی اپنی گرفت میں لے لیا اور سب ہلاک ہو گئے۔

● حضرت ہود علیہ السلام اور ان کی قوم کے مختصر حالات سورۃ الاعراف، صفحہ ۱۹۹ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع(۸)

كَذَّبَتْ ثَمُودُ الْمُرْسَلِينَ ﴿١٤١﴾ إِذْ قَالَ لَهُمْ أَخُوهُمْ صٰلِحٌ أَلَا تَتَّقُونَ ﴿١٤٢﴾

اس رکوع میں قوم ثمود اور ان کے نبی حضرت صالح کا ذکر ہے، ان کی قوم بھی پہاڑوں کو تراش کر گھر بناتی تھی اور اپنی طاقت وقوت پر ناز کرتے ہوئے دنیوی زندگی میں مست تھی، حضرت صالح علیہ السلام سے انہوں نے معجزے کا مطالبہ کیا، چناں چہ پہاڑ سے ایک اونٹنی نمودار ہوگئی، جس کی حفاظت کا ذمہ اسی قوم کا تھا، لیکن انہوں نے اس اونٹنی کو قتل کر

ڈالا، جس کی پاداش میں یہ بھی عذابِ الٰہی کے مستحق ہوئے۔

● حضرت صالح علیہ السلام اور ان کی قوم کے مختصر حالات سورۃ الاعراف، صفحہ ۲۰۰ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۹)

كَذَّبَتْ قَوْمُ لُوْطِ ِالْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٦٠﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ اَخُوْهُمْ لُوْطٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٦١﴾

اس رکوع میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے جو اپنی بدکاری، بے حیائی اور سرکشی میں سب سے بڑھ کر تھی، مردوں کے ساتھ اپنی شہوت کی تکمیل کرتی، جس پر حضرت لوط علیہ السلام نے انہیں بارہا سمجھانے کی کوشش کی لیکن وہ اپنی حرکتوں سے باز نہ آئے، بالآخر عذاب کے فرشتوں نے پوری بستی کو تہس نہس کر ڈالا، ان پر پتھروں کی بارش ہوئی اور پوری بستی کو اوپر لے جا کر زمین پر پٹخ دیا گیا۔

● حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی قوم کے مختصر حالات سورۃ الاعراف، صفحہ ۲۰۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۱۰)

كَذَّبَ اَصْحٰبُ لْئَيْكَةِ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿١٧٦﴾ اِذْ قَالَ لَهُمْ شُعَيْبٌ اَلَا تَتَّقُوْنَ ﴿١٧٧﴾

اس رکوع میں اصحابِ اَیکہ یعنی جنگل والوں کا ذکر ہے، یہ حضرت شعیب علیہ السلام کی قوم تھی، ان کے یہاں ناپ تول میں کمی کا گناہ پایا جاتا تھا، حضرت شعیب علیہ السلام نے انہیں باز آنے کے لیے کہا اور توحید کی دعوت دیتے رہے، یہ لوگ باز نہ آئے، چناں چہ ایک بادل نے ان پر آگ کی بارش کی جس کے سبب پوری قوم ہلاک ہوگئی۔

● حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کی قوم کے مختصر حالات سورۃ الاعراف، صفحہ ۲۰۳ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۱۱)

وَاِنَّهٗ لَتَنْزِيْلُ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ ﴿١٩٢﴾ نَزَلَ بِهِ الرُّوْحُ الْاَمِيْنُ ﴿١٩٣﴾

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ تمام سابقہ انبیائے کرام کا دین وہی ہے جو اس قرآن کریم کی شکل میں آج موجود ہے، جسے جبریل امین رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر لے کر آئے ہیں، توریت کے علماء بھی اس سے واقف ہیں، لیکن اس کے ساتھ بھی وہی ہوا جو سابقہ انبیائے کرام کے ساتھ ہوا تھا، یعنی اسے جھٹلایا گیا، قیامت کی دھمکی دی گئی تو اُس کا بھی مذاق اڑایا گیا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی اور حکم دیا گیا کہ اپنے قریبی رشتے داروں میں دعوت وتبلیغ جاری رکھیں، اللہ پر بھروسہ رکھیں جو آپ کی جدوجہد اور شبانہ روز محنتوں سے واقف ہے۔ اخیر سورت میں شعراء کی مذمت کی گئی ہے، تاہم جن شعراء میں ایمان اور عمل صالح کی صفات پائی جائیں اور وہ ذکر خداوندی سے غافل نہ ہوں انہیں اس مذمت سے مستثنیٰ کیا گیا ہے۔

اہم مسائل

● قرآن کا صرف ترجمہ کسی زبان میں بغیر عربی متن کے لکھا جائے تو اس کو اس زبان کا قرآن کہنا جائز نہیں۔

● ہر ایسا علم وفن جو دلوں کو سخت کر دے اور اللہ تعالیٰ کے ذکر سے انحراف واعراض کا سبب بنے اور اعتقادات میں شکوک وشبہات اور روحانی بیماریاں پیدا کرے اس کا بھی وہی حکم ہے جو مذموم اشعار کا حکم ہے، یعنی وہ بھی شریعت میں حسبِ درجات ناپسندیدہ ہیں۔
(ملخص از معارف)



تعارف سورۂ نمل

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت کے مطابق یہ سورت پچھلی سورت یعنی سورۂ شعراء کے فوراً بعد نازل ہوئی تھی۔ دوسری مکی سورتوں کی طرح اس کا موضوع بھی اسلام کے بنیادی عقائد کا اثبات اور کفر کے برے نتائج کا بیان ہے۔ حضرت موسیٰ، اور حضرت صالح (علیہما السلام) کے واقعات کی طرف مختصر اشارہ کرتے ہوئے یہ بتایا گیا ہے کہ ان کی قوموں نے اس بنا پر ان کی بات نہیں مانی کہ انھیں اپنی دولت اور اپنے سماجی رتبے پر گھمنڈ تھا۔ اسی طرح کفار مکہ بھی گھمنڈ میں مبتلا ہو کر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کا انکار کر رہے تھے۔ دوسری طرف حضرت سلیمان (علیہ السلام) کو اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی دولت اور بے نظیر بادشاہت سے نوازا تھا، لیکن یہ دولت اور بادشاہت ان کے لیے اللہ تعالیٰ کے احکامات پر عمل کرنے سے مانع نہیں ہوئی۔ اسی طرح سبا کی ملکہ بلقیس بھی بہت دولت مند تھی، لیکن حق واضح ہونے کے بعد اس نے اس کو فوراً قبول کر لیا۔ اس سیاق میں حضرت سلیمان (علیہ السلام) اور سبا کی ملکہ کا واقعہ اس سورت میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور اس کے بعد کائنات میں پھیلی ہوئی قدرت خداوندی کی نشانیوں کو بڑے موثر انداز میں ذکر فرمایا گیا ہے جن سے اللہ تعالیٰ کی وحدانیت ثابت ہوتی ہے۔ ''نمل'' کے معنی عربی میں چیونٹی کے ہوتے ہیں، اور چونکہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۸ میں حضرت سلیمان (علیہ السلام) کا یہ واقعہ بیان کیا گیا ہے کہ وہ چیونٹیوں کی وادی کے پاس سے گزرے تھے، اس لیے اس کا نام سورۂ نمل رکھا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتھا ۹۳ | سُوْرَۃُ النَّمْلِ مَکِّیَّۃٌ | رکوعاتھا ۷

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

طٰسٓ تِلْکَ اٰیٰتُ الْقُرْاٰنِ وَ کِتَابٍ مُّبِیْنٍ ﴿۱﴾

سورت کے آغاز میں قرآن کریم کے مقصد کو واضح کرتے ہوئے اسے باعمل مسلمانوں کے لیے ہدایت اور خوشخبری کا ذریعہ بتایا گیا ہے، جب کہ کفار کے لیے برے عذاب کی پیشین گوئی ہے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبوت ملنے کا واقعہ مذکور ہے کہ وہ اپنی اہلیہ کے ساتھ سفر میں تھے کہ ایک پیڑ سے انہیں روشنی نظر آئی، قریب جا کر آواز سنائی دی کہ میں تمہارا پروردگار ہوں، چناں چہ انہیں عصا اور ید بیضا جیسے واضح معجزات سے نوازا گیا، لیکن فرعون نے سرکشی کا مظاہرہ کیا، بالآخر ہلاکت اُس کا مقدر بنی۔

رکوع (۲)

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا دَاوٗدَ وَ سُلَیْمٰنَ عِلْمًا ۚ وَ قَالَا الْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ فَضَّلَنَا عَلٰی کَثِیْرٍ مِّنْ عِبَادِہِ الْمُؤْمِنِیْنَ ﴿۱۵﴾

اس رکوع میں اوّلاً حضرت داؤد اور حضرت سلیمان علیہما السلام کی نبوت اور علم و حکمت کا ذکر ہے، اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کی چرند و پرند اور جنات و شیاطین پر بے مثال حکومت کا تذکرہ ہے۔ ایک مرتبہ وہ اپنے لشکر کے ساتھ جا رہے تھے کہ رستے میں انہیں چیونٹیوں کی آواز سنائی دی، وہ آپس میں کہہ رہی تھیں کہ جلدی اپنے بلوں میں گھس جاؤ، ورنہ بادشاہ کا لشکر تمہیں کچل دے گا۔ حضرت سلیمان علیہ السلام یہ سن کر مسکرائے اور اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم پر شکر ادا کیا۔ اس کے بعد ہدہد نے انہیں خبر دی کہ وہ ملکہ سبا یعنی بلقیس کو دیکھ کر آیا

ہے جس کی قوم آفتاب پرست ہے اور اس کے پاس ایک بڑا عظیم الشان تخت ہے۔ حضرت سلیمان علیہ السلام نے بلقیس کو خط لکھا اور توحید کی دعوت دی۔

اہم مسائل

● تبلیغ دین اور دعوتِ اسلام کے لیے مشرکین اور کفار کو خطوط لکھنا جائز ہے نبی کریم ﷺ سے بھی مختلف کفار کو خطوط بھیجنا احادیث صحیحہ سے ثابت ہے۔

● خط نویسی کی اصل سنت تو یہی ہے کہ ہر خط کے شروع میں بسم اللہ لکھی جائے، لیکن قرآن وسنت کے نصوص واشارات سے حضرات فقہاء نے یہ کلیہ قاعدہ لکھا ہے کہ جس جگہ بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھا جائے اگر اُس جگہ اُس کاغذ کے بے ادبی سے محفوظ رکھنے کا کوئی اہتمام نہیں بلکہ وہ پڑھ کر ڈال دیا جاتا ہے تو ایسے خطوط اور ایسی چیز میں بسم اللہ یا اللہ تعالیٰ کا کوئی نام لکھنا جائز نہیں کہ وہ اس طرح اس بے ادبی کے گناہ کا شریک ہو جائے گا۔ آج کل جو عموماً ایک دوسرے کو خطوط لکھے جاتے ہیں ان کا حال سب جانتے ہیں کہ نالیوں اور گندگیوں میں پڑے نظر آتے ہیں، اس لیے مناسب یہ ہے کہ ادائے سنت کے لیے زبان سے بسم اللہ کہہ لے تحریر میں نہ لکھے۔

● قرآنِ کریم کا کسی کافر کے ہاتھ میں دینا تو جائز نہیں لیکن ایسی کوئی کتاب یا کاغذ جس میں کسی مضمون کے ضمن میں کوئی آیت آگئی ہے وہ عرف میں قرآن نہیں کہلاتا اس لیے اس کا حکم بھی قرآن کا حکم نہیں ہوگا وہ کسی کافر کے ہاتھ میں بھی دے سکتے ہیں اور بے وضو کے ہاتھ میں بھی۔

رکوع (۳)

قَالَتۡ يٰۤاَيُّهَا الۡمَلَؤُا اَفۡتُوۡنِىۡ فِىۡۤ اَمۡرِىۡ‌ۚ مَا كُنۡتُ قَاطِعَةً اَمۡرًا حَتّٰى تَشۡهَدُوۡنِ ﴿۳۲﴾

بلقیس نے خط دیکھا تو اپنے وزیروں سے مشورہ کیا اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے لیے قیمتی تحفے اور ہیرے جواہرات بھیجے، حضرت سلیمان علیہ السلام نے جواباً کہا کہ اللہ

نے مجھے اس سے کہیں زیادہ اور بہتر دولت سے نواز رکھا ہے، انہوں نے قاصد سے کہا کہ یہ تحفے واپس لے جاؤ اور جنگ کی تیاری کرو۔ بلقیس کو جب پیغام پہنچا تو وہ حضرت سلیمان علیہ السلام سے ملاقات کے لیے روانہ ہوئی، اُدھر وہ روانہ ہوئی اور اِدھر حضرت سلیمان نے ایک جن کے ذریعہ بلقیس کا تختِ شاہی منگوالیا، اس میں معمولی ردوبدل کر کے اپنے محل میں نصب کر دیا، بلقیس نے جب وہ تخت دیکھا تو پہچان لیا اور حضرت سلیمان کی طاقت وحکومت سے مرعوب ہوئیں، بالآخر وہ حضرت سلیمان علیہ السلام پر ایمان لائیں۔

رکوع (۴)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَآ اِلٰى ثَمُوْدَ اَخَاهُمْ صٰلِحًا
اَنِ اعْبُدُوا اللّٰهَ فَاِذَا هُمْ فَرِيْقٰنِ يَخْتَصِمُوْنَ ۝۴۵

اس رکوع میں حضرت صالح علیہ السلام کی قوم کا ذکر ہے کہ وہ حضرت صالح کی باتوں کا مذاق اڑاتے اور کہتے کہ اللہ کا عذاب جلدی لے آؤ، چناں چہ شہر کے چند لوگوں نے مل کر حضرت صالح کو قتل کرنے کی سازش کی کہ ہم رات کے اندھیرے میں انہیں قتل کر کے بھاگ جائیں گے اور لوگوں کے پوچھنے پر کہہ دیں کہ ہم وہاں موجود ہی نہ تھے، یہ سازش مکمل ہوتی اس سے پہلے اللہ تعالیٰ کے عذاب نے ان سب کو ہلاک کر دیا اور مومنین کو نجات دی۔ اخیر رکوع میں حضرت لوط علیہ السلام کی قوم کا بھی کچھ ذکر ہے، ان کی بدکاری و بے حیائی اور پھر کفر وسرکشی، جس کے نتیجے میں اللہ نے ان پر پتھروں کی بارش کی اور سب ہلاک ہو گئے۔



پارہ: (۲۰)

رکوع (۵)

قُلِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ وَسَلٰمٌ عَلٰى عِبَادِهِ الَّذِيْنَ اصْطَفٰى ۭ آٰللّٰهُ خَيْرٌ اَمَّا يُشْرِكُوْنَ ۝59
اَمَّنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ وَاَنْزَلَ لَكُمْ مِّنَ السَّمَاۗءِ مَاۗءً ۚ

بیسویں پارے کا ابتدائی رکوع کفار و مشرکین کو غور وفکر کی دعوت دیتا ہے کہ کائنات کا یہ نظام، آسمان و زمین کی تخلیق، آسمان سے پانی کا برسنا، اُس کے نتیجے میں باغات میں آنے والی بہار، زمین کا اپنی جگہ پر ٹھہراؤ، جگہ جگہ نہریں، اونچے اونچے پہاڑ، خشکی وتری میں تمہاری رہنمائی، دلوں کو خوش کر دینے والی ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں یہ سب کس کا کام ہے، کون ہے جو مصیبت میں تمہاری پکار سنتا ہے، کون ہے جس نے ابتداءً سب کو پیدا کیا اور وہی دوبارہ بھی پیدا کرے گا، کون ہے جو آسمان سے رزق کے فیصلے کرتا ہے، خدائے واحد و یکتا یا وہ جھوٹے خدا جنہیں تم نے اللہ کا شریک قرار دے رکھا ہے۔

اہم مسئلہ

● خطبہ اللہ تعالیٰ کی حمد اور انبیاء علیہم السلام پر درود وسلام سے شروع ہونا چاہئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابہ کرام کے تمام خطبات میں یہی معمول رہا ہے بلکہ ہر اہم کام کے شروع میں اللہ تعالیٰ کی حمد اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر درود وسلام مسنون و مستحب ہے۔

رکوع (۶)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا ءَاِذَا كُنَّا تُرٰبًا وَّاٰبَاۗؤُنَآ اَىِٕنَّا لَمُخْرَجُوْنَ ۝67

اس رکوع میں اوّلاً کفار کے اعتراض کو ذکر کیا گیا ہے کہ آخر مرنے کے بعد دوبارہ کیسے زندہ ہوں گے، پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو کفار کے ان اعتراضات اور طعن تشنیع پر تسلی دی گئی ہے کہ آپ ان باتوں کو دل پر نہ لیں، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفت علم ذکر کی گئی

ہے کہ وہ سینوں میں چھپی باتوں کو بھی جانتا ہے، آسمان وزمین میں کوئی چیز اس سے مخفی نہیں۔ چوں کہ کفار حق کی بات پر توجہ نہ دیتے تھے اس لیے انہیں بہرا اور اندھا قرار دیا گیا ہے کہ ایسے کانوں کا کیا فائدہ جو حق بات نہ سن سکیں اور ایسی آنکھیں بھی بے فائدہ ہیں جو راہِ حق نہ دیکھ سکیں۔ اخیر رکوع میں قربِ قیامت کی ایک علامت ذکر کی گئی ہے کہ زمین سے ایک عجیب الخلقت جانور نمودار ہوگا جو انسانوں سے باتیں کرے گا، احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے بعد توبہ کا دروازہ بند ہوجائے گا اور قیامت آجائے گی۔

رکوع (۷)

وَيَوْمَ نَحْشُرُ مِنْ كُلِّ اُمَّةٍ فَوْجًا مِّمَّنْ يُّكَذِّبُ بِاٰيٰتِنَا فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۸۳﴾

اس رکوع کی ابتدا قیامت کی منظر کشی سے کی گئی ہے کہ جس وقت صور پھونکا جائے گا آسمان وزمین کے سب باشندے گھبرا اٹھیں گے، نہایت مضبوط اور بلند وبالا پہاڑ بادلوں کی طرح اڑتے پھریں گے، پھر سب اللہ کے سامنے حاضر ہوں گے، اس گھبراہٹ سے امن میں صرف مومنین ہوں گے، اور کفار کو منہ کے بل جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اخیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا فرضِ منصبی فقط حق بات پہنچانے کو قرار دیا گیا ہے، اب جو ایمان لائے اُس کا فائدہ اسی کو ہوگا، اور جو گمراہ ہو اس کی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر کوئی ذمہ داری نہ ہوگی۔



تعارف سورۂ قصص

حضرت عبداللہ بن عباسؓ کی ایک روایت میں ہے کہ یہ سورت سورۂ نمل (سورت نمبر ۲۷) کے بعد نازل ہوئی تھی، اور مختلف روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ آخری سورت ہے جو مکہ مکرمہ میں ہجرت سے پہلے نازل ہوئی، کیونکہ اس کی آیت نمبر ۸۵ اس وقت نازل ہوئی تھی جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہجرت کی غرض سے مدینہ منورہ کے لیے روانہ ہو چکے تھے۔ سورت کا مرکزی موضوع حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت اور آپ کی دعوت کی سچائی کو ثابت کرنا ہے۔ سورت کی پہلی ۴۳/آیتوں میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کی ابتدائی زندگی کی وہ تفصیلات بیان فرمائی گئی ہیں جو کسی اور سورت میں بیان نہیں ہوئیں۔ اس واقعے کو تفصیل کے ساتھ بیان فرمانے کے بعد آیات ۴۴ تا ۴۷ میں اللہ تعالیٰ نے اشارہ فرمایا ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے پاس ان واقعات کو اتنی تفصیل سے معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں تھا، اس کے باوجود جب آپ یہ واقعات بیان فرما رہے ہیں تو اس سے یہ بات بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ آپ پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے وحی آتی ہے۔ کفار مکہ کی طرف سے آپ کی نبوت اور رسالت پر جو اعتراضات کیے جاتے تھے، ان کا شافی جواب بھی اس سورت میں دیا گیا ہے، اور آپ کو تسلی دی گئی ہے کہ جو لوگ ضد پر اڑے ہوئے ہیں، ان کے طرز عمل کی کوئی ذمہ داری آپ پر عائد نہیں ہوتی۔ پھر کفار مکہ جن جھوٹے خداؤں پر ایمان رکھتے تھے، ان کی تردید کی گئی ہے۔ قریش کے بڑے بڑے سردار اپنی دولت پر غرور کی وجہ سے بھی آپ کی دعوت کو قبول کرنے سے انکار کرتے تھے۔ ان کی عبرت کے لیے آیات ۷۶ تا ۸۲ میں قارون کا واقعہ

بیان کیا گیا ہے، جو حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے زمانے میں سب سے زیادہ دولت مند شخص تھا، لیکن اس کی دولت اسے تباہی سے نہ بچا سکی جو غرور اور ضد کے نتیجے میں اس پر آ کر رہی۔ سورت کے آخر میں حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے وعدہ کیا گیا ہے کہ اگرچہ اس وقت آپ بے سروسامانی کی حالت میں مکہ مکرمہ چھوڑنے پر مجبور ہو رہے ہیں، لیکن اللہ تعالیٰ آپ کو فاتح کی حیثیت سے دوبارہ مکہ مکرمہ واپس آنے کا موقع عنایت فرمائے گا۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)



آیاتہا ۸۸ | سُوْرَةُ الْقَصَصِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

طٰسٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰيٰتُ الْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۝

اس سورت کا اکثر حصہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی حیات اور فرعون سے ان کے مقابلے کی داستان پر مشتمل ہے، واقعہ کچھ یوں شروع ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم بنی اسرائیل پر فرعون نے بہت ظلم کر رکھا تھا، اس کی وجہ یہ تھی کہ فرعون کے بعض نجومیوں نے یہ پیشین گوئی کی تھی کہ بنی اسرائیل میں ایک ایسا لڑکا پیدا ہوگا جو فرعون کی حکومت کے خاتمے کا سبب بنے گا، چناں چہ فرعون نے ہر نو مولود بچے کو قتل کرنا شروع کر دیا، اُدھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ولادت ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اُن کی والدہ کے دل میں یہ بات ڈالی کہ اس بچے کو لکڑی کے ایک صندوق میں ڈال کر دریا میں بہا دیں، اور اطمینان رکھیں ہم عنقریب اس بچے کو آپ تک پہنچا دیں گے، چناں چہ انہوں نے یہی کیا، وہ صندوق بہتا ہوا اُس نہر میں آیا جو فرعون کے محل سے ہو کر گزرتی تھی، فرعون کی اہلیہ حضرت آسیہ نے جب صندوق میں بچہ دیکھا اولاد کی نعمت سے محروم ان کی ممتا بے چین ہو اُٹھی، انہوں نے فرعون سے اصرار کیا کہ اسے اہم اپنا بچہ بنا لیتے ہیں، اللہ تعالیٰ کی تدبیر کچھ یوں ہوئی کہ حضرت موسیٰ نے دودھ پلانے والی کسی خاتون کا دودھ قبول نہ کیا، حضرت موسیٰ کی بہن جو اپنی والدہ کی ہدایت کے مطابق یہ سب دور سے دیکھ رہی تھی اُس نے دودھ پلانے والی ایک عورت کی حیثیت سے اپنی والدہ کو محل لانے کے لیے کہا، انہیں بلایا گیا تو حضرت موسیٰ نے فوراً ان کا دودھ قبول کر لیا، اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کو دوبارہ صحیح سلامت اپنی والدہ تک پہنچا دیا۔

رکوع (۲)

وَ لَمَّا بَلَغَ اَشُدَّهٗ وَ اسْتَوٰۤى اٰتَيْنٰهُ حُكْمًا وَّ عِلْمًا ؕ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِی الْمُحْسِنِیْنَ ﴿۱۴﴾

یہاں حضرت موسیٰ کی جوانی کا ایک واقعہ مذکور ہے کہ ایک دن دو پہر کے وقت انہوں نے دیکھا کہ ان کے قبیلے کے ایک مظلوم شخص کو فرعون کا ایک درباری مار رہا ہے، حضرت موسیٰ نے اُس کو ایک گھونسا لگایا جس سے وہ موقع پر ہی فوت ہو گیا، حضرت موسیٰ کو اپنی چوک کا احساس ہوا کہ یہ قتل ان سے جان بوجھ کر نہ ہوا تھا، انہوں نے اللہ تعالیٰ سے استغفار کیا، اگلے دن انہیں اپنے قبیلے کا وہی شخص ایک دوسرے آدمی سے لڑتا ہوا ملا، جس سے وہ سمجھے کہ شر اسی کے مزاج میں ہے، وہ لڑائی دور کرنے کے لیے آگے بڑھے تو اسرائیلی نے سمجھا کہ وہ آج اُسی کو مار ڈالیں گے، چناں چہ وہ فوراً بول پڑا کہ آپ نے جس طرح کل ایک قتل کیا تھا آج مجھے مارنا چاہتے ہیں؟ یہ بات رفتہ رفتہ فرعون کے دربار تک پہنچی، فوراً موسیٰ کو دربار میں پیش کرنے کا حکم صادر ہوا، فرعون کے دربار میں ایک شخص حضرت موسیٰ علیہ السلام سے عقیدت رکھتا تھا وہ دوسرے راستے سے ہوتا ہوا تیزی سے حضرت موسیٰ تک پہنچا اور انہیں صورت حال سے آگاہ کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فوراً مصر سے نکل کھڑے ہوئے۔

اہم مسائل

- مظلوم اگرچہ کافر یا فاسق ہی ہو اُس کی امداد کرنی چاہیے۔
- کسی بھی مجرم ظالم کی مدد کرنا جائز نہیں۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۳)

وَ لَمَّا تَوَجَّهَ تِلْقَآءَ مَدْيَنَ قَالَ عَسٰى رَبِّیْۤ اَنْ یَّهْدِیَنِیْ سَوَآءَ السَّبِیْلِ ﴿۲۲﴾

حضرت موسیٰ چلتے چلتے مدین پہنچے، وہاں ایک جنگل میں کنویں کے پاس کچھ لوگ نظر آئے جو اپنے مویشیوں کو پانی پلا رہے تھے، جب کہ اس بھیڑ سے ہٹ کر دو لڑکیاں اپنے جانوروں کو روکے کھڑی تھیں، حضرت موسیٰ نے ان سے وجہ پوچھی تو انہوں نے بتایا

کہ جب یہ لوگ یہاں سے چلے جائیں گے تب ہم اپنے جانوروں کو پانی پلائیں گے، جب لوگ چلے گئے اور کنویں پر ایک بڑا بھاری پتھر رکھ گئے تو حضرت موسیٰ نے اکیلے وہ پتھر سرکا دیا، لڑکیوں نے جانوروں کو پانی پلایا اور گھر روانہ ہوئیں، یہ دونوں حضرت شعیب علیہ السلام کی بیٹیاں تھیں، انہوں نے حضرت شعیب کو بتایا کہ ایک مسافر نے ہماری اس طرح مدد کی ہے، حضرت شعیب نے حضرت موسیٰ کو بلانے کے لیے ایک لڑکی کو بھیجا، وہ لڑکی شرماتے ہوئے حضرت موسیٰ کے پاس آئی اور کہا کہ والد محترم نے آپ کو بلایا ہے۔ اجنبی جگہ میں اس طرح کی شناسائی حضرت موسیٰ کو غیبی مدد محسوس ہوئی، وہ ساتھ چلنے لگے، لڑکی آگے اور حضرت موسیٰ پیچھے، اتنے میں ہوا کی وجہ لڑکی کی چادر تھوڑی سرک گئی، حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اسے اپنے پیچھے چلنے کے لیے کہا تا کہ کسی قسم کے فتنے کا اندیشہ نہ رہے۔ انہوں نے حضرت شعیب کے پاس پہنچ کر فرعون کے مظالم کی داستان سنائی، حضرت شعیب نے اطمینان دلایا اور اپنی ایک بیٹی کا نکاح حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کر دیا اور مہر یہ رکھا کہ آٹھ یا دس سال تک ہماری بکریاں چراؤ گے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے یہ شرط قبول کر لی۔

اہم مسائل

● لڑکیوں کے والد حضرت شعیب علیہ السلام نے خود ہی اپنی طرف سے اپنی لڑکی کو ان کے نکاح میں دینے کا ارادہ ظاہر فرمایا۔ اس سے معلوم ہوا کہ لڑکیوں کے ولی کو چاہیے کہ کوئی مرد صالح ملے تو اس کا انتظار نہ کرے کہ اسی کی طرف سے نکاح کے معاملہ کی تحریک ہو، بلکہ خود بھی پیش کر دینا سنت انبیاء ہے۔

● رشتے کی پیش کش اس کے برعکس بھی درست ہے، یعنی لڑکے کا رشتہ لڑکی کے اہل خانہ کی خدمت میں بھیجا جائے، جیسا کہ حضرت زید بن ثابتؓ کا رشتہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بھیجا تھا۔

● یہاں پر نکاح کا معاملہ والد نے کیا ہے، باجماع فقہاء ایسا ہی ہونا چاہیے کہ لڑکی کا ولی اس کے نکاح کے معاملہ کی کفالت کرے، لڑکی خود اپنا نکاح نہ کرے۔ یہ دوسری بات ہے کہ کسی لڑکی نے خود اپنا نکاح کسی ضرورت و مجبوری سے کر لیا تو وہ منعقد ہو جاتا ہے۔

(ملخص از معارف)

رکوع (۴)

فَلَمَّا قَضٰى مُوْسَى الْاَجَلَ وَ سَارَ بِاَهْلِهٖۤ اٰنَسَ مِنْ جَانِبِ الطُّوْرِ نَارًا

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی مقررہ مدت پوری کر کے اہلیہ کے ساتھ مصر کی جانب چلے تو رستے میں آگ کی ضرورت محسوس ہوئی، دور روشنی دکھائی دی تو اہلیہ کو وہیں روک کر وہ روشنی کی سمت میں چلے، وہاں پہنچے تو صدا آئی کہ میں اللہ ہوں۔ حضرت موسیٰ شروع میں گھبرائے، بعد میں اطمینان ہوا تو اللہ تعالیٰ سے گفتگو ہوئی اور دو اہم معجزے انہیں عطا ہوئے، ایک عصا جو زمین پر پٹخنے سے سانپ بن جاتا اور دوسرا ید بیضاء یعنی ہاتھ کو اگر بغل سے نکالتے تو اُس میں سے بہت تیز روشنی نکلتی۔ حضرت موسیٰ کو جب فرعون کے پاس جاکر تبلیغ کا حکم ہوا تو انہوں نے اپنے معاون کے طور پر حضرت ہارون علیہ السلام کو متعین کرنے کی سفارش کی، جسے اللہ نے قبول فرمایا۔ یہ دونوں جب فرعون کے دربار میں پہنچے تو فرعون نے ان کے معجزات کو جادو کہہ کر ٹال دیا اور توحید کی دعوت کے سامنے خود کے رب ہونے کا دعویٰ کیا، چناں چہ بعد میں اللہ تعالیٰ نے فرعون اور اس کے پورے لشکر کو دریا میں غرق کر دیا اور رہتی دنیا تک کے لیے نشانِ عبرت بنا دیا۔

رکوع (۵)

وَ لَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ مِنْۢ بَعْدِ مَاۤ اَهْلَكْنَا الْقُرُوْنَ الْاُوْلٰى بَصَآىِٕرَ لِلنَّاسِ وَ هُدًى وَّ رَحْمَةً لَّعَلَّهُمْ يَتَذَكَّرُوْنَ ﴿۴۳﴾

اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتابِ الٰہی یعنی ''توریت'' دیے جانے کا ذکر ہے، اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ انبیائے کرام کا یہ سلسلہ یوں ہی چلتا رہا، قرآن کریم کے کتاب اللہ ہونے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے نبی ہونے کی ایک دلیل یہ بیان کی گئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت موسیٰ کے واقعے کے وقت موجود نہ تھے، اور نہ ہی انہوں نے کسی سے یہ واقعہ سنا، اس کے باوجود اتنی تفصیل سے بتانا صرف وحی الٰہی کے ذریعہ ممکن ہے، لیکن کفار ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے غور کرنے کے لیے آمادہ نہ ہوئے اور اپنی

خواہشات کے پیچھے چل کر گمراہ ہوئے۔

رکوع(۶)

وَ لَقَدۡ وَصَّلۡنَا لَهُمُ الۡقَوۡلَ لَعَلَّهُمۡ يَتَذَكَّرُوۡنَ ﴿۵۱﴾

اس رکوع میں اُن اہل کتاب کا ذکر ہے جو پہلے اپنی کتابوں پر عمل پیرا تھے اور بعد میں قرآن کریم پر بھی ایمان لے آئے، ایسے لوگوں کے لیے دو گنے اجر کا وعدہ ہے۔ ان کی خاص صفات یہ بیان کی گئی ہیں کہ یہ برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں، راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں، اگر کوئی ان کے ساتھ بے ہودہ گفتگو کرتا ہے تو یہ اعراض کرتے ہیں اور ان سے نہیں الجھتے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی صفتِ خاص ہدایت کو قرار دیا ہے کہ ہدایت صرف اللہ دے سکتا ہے، نبی بھی اپنی مرضی کے مطابق کسی کو ہدایت دینے پر قادر نہیں ہیں۔ اس کے بعد ایمان نہ لانے کے لیے کفار کے کچھ بہت ہی کمزور بہانے اور اس کے جواب کا ذکر ہے۔ اخیر میں کفار کو متنبہ کیا گیا ہے کہ جس دنیوی زندگی اور عیش وعشرت کی وجہ سے تم ایمان سے دور ہو یہ آخرت کی دائمی نعمتوں کے مقابلے میں بہت ہی کم ہے۔

رکوع(۷)

اَفَمَنۡ وَّعَدۡنٰهُ وَعۡدًا حَسَنًا فَهُوَ لَاقِيۡهِ كَمَنۡ مَّتَّعۡنٰهُ مَتَاعَ الۡحَيٰوةِ الدُّنۡيَا ثُمَّ هُوَ يَوۡمَ الۡقِيٰمَةِ مِنَ الۡمُحۡضَرِيۡنَ ﴿۶۱﴾

اس رکوع میں شرک کی مذمت بیان کی گئی ہے کہ یہ بت کل قیامت میں کام نہ آئیں گے، بلکہ شیاطین اور ان کے متبعین سب ایک دوسرے پر گمراہی کا الزام لگائیں گے۔ کامیابی تو فقط ان لوگوں کو ملے گی جنہوں نے کفر وشرک سے توبہ کی، ایمان لائے اور نیک اعمال کیے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کو ذکر کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ رات کو دائمی اور ہمیشہ کے لیے کر دے تو کیا کوئی دن کا اجالا لا سکتا ہے؟ اور اس کے برعکس اگر ہمیشہ کے لیے دن کر دے تو کیا رات کی پرسکون تاریکی لانے والا کوئی ہے؟ اسی لیے اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں ہوسکتا۔

رکوع (۸)

اِنَّ قَارُوْنَ كَانَ مِنْ قَوْمِ مُوْسٰى فَبَغٰى عَلَيْهِمْ

اس رکوع میں قارون کا واقعہ بیان کیا گیا ہے، قارون حضرت موسیٰ کا قریبی رشتہ دار تھا، اس کے پاس اتنی زیادہ دولت تھی کہ اُس کے خزانے کی صرف چابیاں اٹھانے میں کئی طاقتور لوگوں کو لگنا پڑتا تھا، وہ اپنی دولت پر خوب ناز کرتا، اتراتا، قوم سمجھاتی تو کہتا کہ یہ سب مجھے اپنی قابلیت کی بنیاد پر ملا ہے، میں اس میں سے زکوٰۃ یا صدقہ نہیں دے سکتا۔ جب وہ اپنے لشکر کے ساتھ بن ٹھن کر نکلتا تو لوگ اُس جیسا بننے کی آرزو کرتے کہ کاش ہمیں بھی اتنی دولت نصیب ہوتی۔ اُس کے مسلسل کفر و سرکشی کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے اُسے لشکر سمیت زمین میں دھنسا کر ہلاک کر دیا، تب اُن لوگوں کی عقل ٹھکانے لگی جو کل تک قارون کے مقام و مرتبے کی تمنا کرتے تھے۔ اخیر میں بتایا گیا ہے کہ رزق کی کمی زیادتی اللہ کا عمل ہے۔

رکوع (۹)

تِلْكَ الدَّارُ الْاٰخِرَةُ نَجْعَلُهَا لِلَّذِيْنَ لَا يُرِيْدُوْنَ عُلُوًّا
فِي الْاَرْضِ وَلَا فَسَادًا ۭ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِيْنَ ﴿۸۳﴾

اس رکوع میں تکبر اور فساد سے روکا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ آخرت میں اچھا انجام انہیں لوگوں کا ہوگا جن کے دلوں میں تقویٰ ہو، جو نیک اعمال کریں، برے اعمال کا بدلہ بھی برا ہی ہوگا۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جو ہجرت کے وقت اپنے آبائی وطن اور بیت اللہ کی جدائی سے مغموم تھے انہیں واپس مکہ آنے یعنی مکہ فتح کرنے کی بشارت دی گئی۔ آخری آیت میں اللہ تعالیٰ کی وحدانیت، اُس کی ابدیت اور اس کی حاکمیت کا ذکر ہے۔



تعارف سورۂ عنکبوت

یہ سورت مکہ مکرمہ کے اس دور میں نازل ہوئی تھی جب مسلمانوں کو ان کے دشمنوں کے ہاتھوں طرح طرح کی تکلیفیں اٹھانی پڑ رہی تھیں، بعض مسلمان ان تکلیفوں کی شدت سے بعض اوقات پریشان ہوتے اور ان کی ہمت ٹوٹنے لگتی تھی۔ اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ایسے مسلمانوں کو بڑی قیمتی ہدایات عطا فرمائی ہیں۔ اول تو سورت کے بالکل شروع میں فرمایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے جو جنت تیار فرمائی ہے وہ اتنی سستی نہیں ہے کہ کسی تکلیف کے بغیر حاصل ہو جائے۔ ایمان لانے کے بعد انسان کو مختلف آزمائشوں سے گزرنا ہی پڑتا ہے۔ دوسرے یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ یہ ساری تکلیفیں عارضی نوعیت کی ہیں، اور آخر کار ایک وقت آنے والا ہے جب ظالموں کو ظلم کرنے کی طاقت نہیں رہے گی، اور غلبہ اسلام اور مسلمانوں ہی کو حاصل ہوگا۔ اسی پس منظر میں اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں پچھلے انبیائے کرام (علیہم السلام) کے واقعات سنائے ہیں جن میں سے ہر واقعے میں یہی ہوا ہے کہ شروع میں ایمان لانے والوں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑا، لیکن آخر کار اللہ تعالیٰ نے ظالموں کو برباد کیا اور مظلوم مومنوں کو فتح عطا فرمائی۔ مکی زندگی کے اسی زمانے میں کئی واقعات ایسے پیش آئے کہ اولاد مسلمان ہوگئی اور والدین کفر پر بضد رہے، اور اپنی اولاد کو واپس کفر اختیار کرنے پر مجبور کرنے لگے۔ ان کا کہنا تھا کہ والدین ہونے کی وجہ سے ان کی اولاد کو دین و مذہب کے معاملے میں بھی ان کی فرماں برداری کرنی چاہیے۔ اس سورت کی آیت نمبر ۸ میں اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ معتدل اور برحق اصول بیان فرمایا کہ والدین کے ساتھ اچھا برتاؤ انسان کا فرض ہے، لیکن اگر وہ کفر یا اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کا

حکم دیں تو ان کی اطاعت جائز نہیں ہے۔ جن مسلمانوں کے لیے مکہ مکرمہ کے کافروں کا ظلم وستم ناقابل برداشت ہو رہا تھا، ان کو اس سورت میں نہ صرف اجازت، بلکہ ترغیب دی گئی ہے کہ وہ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے کسی ایسی جگہ چلے جائیں جہاں وہ اطمینان کے ساتھ ساتھ اپنے دین پر عمل کر سکیں۔ بعض کافر لوگ مسلمانوں پر زور دیتے تھے کہ دین اسلام کو چھوڑ دو، اور اگر اس کے نتیجے میں تم پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی سزا آئی تو تمہاری طرف سے ہم اسے بھگت لیں گے۔ اس سورت کی آیات ۱۲ و ۱۳ میں اس لغو پیشکش کی حقیقت واضح کر دی گئی ہے کہ آخرت میں کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہوں کا بوجھ نہیں اٹھا سکے گا۔ اس کے علاوہ توحید، رسالت اور آخرت کے دلائل بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں جو اعتراضات کافروں کی طرف سے اٹھائے جاتے تھے، ان کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

''عنکبوت'' عربی میں مکڑی کو کہتے ہیں اور اس سورت کی آیت نمبر ۴۱ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ مشرکین کی مثال ایسی ہے جیسے کسی نے مکڑی کے جالے پر بھروسہ کر رکھا ہو، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ ''عنکبوت'' ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)



آیاتها ۶۹ | سُوْرَةُ الْعَنْكَبُوْتِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتها ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۝۱ اَحَسِبَ النَّاسُ اَنْ يُّتْرَكُوْٓا اَنْ يَّقُوْلُوْٓا اٰمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُوْنَ ۝۲

سورۂ عنکبوت کے آغاز میں مسلمانوں کے لیے نہایت اہم ہدایت ہے کہ ایمان اور آزمائش کا ساتھ تو پرانا ہے، اس لیے اہل ایمان کو ہر طرح کی آزمائش اور مصیبت کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے، اس سے ان کے ایمان کی پختگی اور صداقت مکمل طور پر ثابت ہو جائے گی۔ نیز جو لوگ بداعمالیوں میں مبتلا ہیں انہیں تنبیہ ہے کہ کیا وہ یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ کی گرفت سے بچ جائیں گے؟ ہرگز نہیں! اس کے بعد حکم ہے کہ والدین کے ساتھ اچھا سلوک کیا جائے، البتہ اگر وہ شرک یا کسی اور گناہ کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہیں کی جائے گی۔ اس کے بعد کمزور ایمان والوں کا ذکر ہے کہ ان کا معاملہ ڈانواڈول رہتا ہے۔ اخیر میں بعض کفار کا ذکر ہے جو اپنے اہل ایمان احباب سے کہتے تھے کہ تم ہمارے راستے پر آجاؤ، ویسے تو قیامت کوئی چیز نہیں، لیکن اگر بالفرض وہاں گناہوں کا بوجھ اٹھانا پڑا تو ہم ذمہ دار ہیں، ہم تمہارا بوجھ اٹھا لیں گے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ لوگ ایسا نہ کرسکیں گے، ان کے ذمہ تو خود اپنے گناہوں کا بوجھ ہوگا اور ساتھ ہی اُن لوگوں کے گناہوں کا بھی بوجھ ہوگا جنہیں انہوں نے گمراہ کیا ہے۔

رکوع (۲)

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖ فَلَبِثَ فِيْهِمْ اَلْفَ سَنَةٍ اِلَّا خَمْسِيْنَ عَامًا ؕ فَاَخَذَهُمُ الطُّوْفَانُ وَهُمْ ظٰلِمُوْنَ ۝۱۴

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اہل مکہ نے جو اذیت پہنچائی تھی اُس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دینے کے لیے چند انبیائے کرام کے واقعات ذکر کیے گئے ہیں کہ یہ تکذیب وانکار، استہزاء اور تمسخر اس راہِ حق میں کوئی نئی چیز نہیں، مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کو دیکھ لیں جنہوں نے ساڑھے نو سو سال تک حق کی تبلیغ کی، لیکن انجام کار ان کی کافر قوم رعذابِ الٰہی کا شکار ہوئی، حضرت ابراہیم نے اپنی قوم کو شرک کی غیر معقولیت کتنے اچھے انداز میں سمجھانے کی کوشش کی، لیکن قوم بجائے ایمان لانے کے حضرت ابراہیم کو سزا دینے کے در پے ہوگئی، لہٰذا ایسے معاملات سے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو کبیدہ خاطر ہونے کی ضرورت نہیں۔

رکوع (۳)

وَالَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَلِقَآئِهٖٓ اُولٰٓئِكَ يَئِسُوْا مِنْ رَّحْمَتِيْ وَاُولٰٓئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ﴿۲۳﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر جاری ہے کہ جب قوم کے پاس حضرت ابراہیم کے اعتراض کا کوئی جواب نہ تھا تو انہوں نے حضرت ابراہیم کو آگ میں ڈلوادیا جس سے اللہ تعالیٰ نے انہیں نجات دی، حضرت لوط علیہ السلام جو حضرت ابراہیم کے بھتیجے تھے ان پر ایمان لائے اور اللہ کے حکم سے ہجرت کا فیصلہ کیا۔ اس کے بعد حضرت لوط کا ذکر ہے کہ ان کی قوم نہایت بے حیا اور بدکار تھی، حضرت لوط نے قوم کو گناہ سے روکنے کی کوشش کی لیکن وہ باز نہ آئی، مجبوراً انہوں نے بدکاروں کے خلاف بددعا کی۔

رکوع (۴)

وَلَمَّا جَآءَتْ رُسُلُنَآ اِبْرٰهِيْمَ بِالْبُشْرٰى ۙ قَالُوْٓا اِنَّا مُهْلِكُوْٓا اَهْلِ هٰذِهِ الْقَرْيَةِ ۚ اِنَّ اَهْلَهَا كَانُوْا ظٰلِمِيْنَ ﴿۳۱﴾

حضرت لوط علیہ السلام کی بددعا کے بعد کچھ فرشتے حضرت ابراہیم کے پاس پہنچے، انہیں بیٹے کی بشارت دی اور قوم لوط کی متوقع ہلاکت سے آگاہ کیا، چناں چہ یہ فرشتے حضرت لوط کے پاس گئے اور تمام اہل ایمان کے بستی سے کوچ کرنے کے بعد کفار پر

پتھروں کی بارش کی، جس سے سب تباہ ہو گئے۔ اس کے بعد اجمالی طور پر حضرت شعیب علیہ السلام، قوم عاد، قوم ثمود، قارون، فرعون، ہامان اور حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے، کافر و سرکش اقوام پر مختلف قسم کے عذابوں کا تذکرہ ہے۔ اخیر میں شرک کو بہت عمدہ مثال سے سمجھایا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے علاوہ کو اپنا کارساز سمجھ رہے ہیں وہ مکڑی کے جالے جتنا کمزور اور بے حیثیت گھر کو اپنا مضبوط سہارا سمجھ رہے ہیں۔



پارہ: (۲۱)

رکوع (۵)

اُتْلُ مَآ اُوْحِیَ اِلَیْكَ مِنَ الْكِتٰبِ وَ اَقِمِ الصَّلٰوةَ ؕ اِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰی عَنِ الْفَحْشَآءِ وَ الْمُنْكَرِ ؕ وَ لَذِكْرُ اللّٰهِ اَكْبَرُ ؕ وَ اللّٰهُ یَعْلَمُ مَا تَصْنَعُوْنَ ﴿۴۵﴾

اس رکوع کی ابتدا میں نماز کی تاثیر بیان کی گئی ہے کہ نماز بے حیائی اور برے کاموں سے روکتی ہے، بشرطیکہ اپنے تمام آداب کی رعایت کے ساتھ ادا کی جائے، پھر اہل کتاب کو بہترین انداز میں نصیحت کرنے کی تلقین ہے، اس کے بعد قرآن کریم کے کلام الٰہی ہونے کی ایک بین دلیل یہ بتائی گئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو نہ تو پڑھنا آتا ہے اور نہ ہی لکھنا، اگر یہ صفات ان میں ہوتیں تو کسی حد تک اعتراض کی گنجائش ہوتی کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اسے اپنی جانب سے گڑھ کر لے آئے ہیں۔

رکوع (٦)

قُلْ كَفٰی بِاللّٰهِ بَیْنِیْ وَ بَیْنَكُمْ شَهِیْدًا ۚ یَعْلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ ؕ وَ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِالْبَاطِلِ وَ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ ۙ اُولٰٓىِٕكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۵۲﴾

اس رکوع میں اوّلاً اہل باطل کو نقصان میں بتایا گیا ہے، نیز ان کے کفر کا انجام جہنم قرار دے کر اس کے ہولناک مناظر ذکر کیے گئے ہیں۔ جو مسلمان اپنے وطن میں اسلام پر عمل نہیں کر سکتے انہیں ہجرت کا حکم دیا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تذکرہ اس طور پر کیا گیا ہے کہ دنیا کے تمام جاندار کا رازق، آسمان وزمین کا خالق، سورج چاند کو کنٹرول کرنے والا، آسمان سے پانی برسا کر زمین کو سرسبز وشاداب کرنے والا صرف اور صرف اللہ ہے جس کا اقرار یہ کفار بھی کرتے ہیں، افسوس کہ اس کے باوجود شرک میں مبتلا ہیں۔

● ہجرت سے متعلق مختصر احکامات سورۃ النساء، صفحہ ۱۵٦ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۷)

وَمَا هٰذِهِ الْحَيٰوةُ الدُّنْيَآ اِلَّا لَهْوٌ وَّلَعِبٌ ؕ وَاِنَّ الدَّارَ الْاٰخِرَةَ لَهِيَ الْحَيَوَانُ ۘ لَوْ كَانُوْا يَعْلَمُوْنَ ﴿۶۴﴾

سورۂ عنکبوت کے آخری رکوع میں دنیوی زندگی کو آخرت کے مقابلے میں بے حیثیت بتایا گیا ہے، اس کے بعد کفار کا حال ذکر کیا گیا ہے کہ جب ان پر کوئی ناگہانی آفت آن پڑتی ہے تو اللہ ہی کی جانب رجوع کرتے ہیں، لیکن مصیبت دور ہوتے ہی شرک میں لگ جاتے ہیں، یہ سب سے بڑے ناشکرے ہیں۔ آخری آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ جو لوگ اللہ کے دین کی سربلندی کے لیے جدو جہد اور کوشش کرتے ہیں اللہ تعالیٰ انہیں کامیابی سے نوازتے ہیں۔



تعارف سورۂ روم

اس سورت کا ایک خاص تاریخی پس منظر ہے جو حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور قرآن کریم کی سچائی اور حقانیت کا ناقابل انکار ثبوت فراہم کرتا ہے، جس وقت آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو نبوت عطا ہوئی اس وقت دنیا میں دو بڑی طاقتیں تھیں، ایک ایران کی حکومت جو مشرق کے علاقے میں پھیلی ہوئی تھی، اور اس کے ہر بادشاہ کو "کسریٰ" کہا جاتا تھا، یہ لوگ آتش پرست تھے، یعنی آگ کو پوجتے تھے، دوسری بڑی طاقت روم کی تھی، جو مکہ مکرمہ کے شمال اور مغرب میں پھیلی ہوئی تھی۔ شام، مصر، ایشیائے کوچک اور یورپ کے علاقے اسی سلطنت کے ماتحت تھے، اور اس کے ہر بادشاہ کو "قیصر" کہا جاتا تھا، اور ان کی اکثریت عیسائی مذہب پر تھی، جس زمانے میں یہ سورت نازل ہوئی ہے اس وقت ان دونوں طاقتوں کے درمیان شدید جنگ ہو رہی تھی، اور اس جنگ میں ایران کا پلہ ہر لحاظ سے بھاری تھا، اور اس کی فوجوں نے ہر محاذ پر روم کی فوجوں کو شکست دے کر ان کے بڑے بڑے شہر فتح کر لئے تھے، یہاں تک کہ وہ بیت المقدس میں عیسائیوں کا مقدس ترین کلیسا تباہ کر کے رومیوں کو مسلسل پیچھے دھکیلتی جا رہی تھی، اور روم کے بادشاہ ہرقل کو جائے پناہ تلاش کرنا مشکل ہو رہا تھا، ایران کی حکومت چونکہ آتش پرست تھی اس لیے مکہ مکرمہ کے بت پرستوں کی ہمدردیاں اس کے ساتھ تھیں، اور جب کبھی ایران کی کسی فتح کی خبر آتی تو مکہ مکرمہ کے بت پرست اس پر نہ صرف خوشی مناتے بلکہ مسلمانوں کو چڑاتے کہ عیسائی لوگ جو آسمانی کتاب پر ایمان رکھتے ہیں مسلسل شکست کھاتے جا رہے ہیں، اور ایران کے لوگ جو ہماری طرح پیغمبر یا آسمانی کتاب کو نہیں مانتے، انھیں برابر فتح نصیب ہو رہی ہے، اس موقع پر یہ سورت نازل ہوئی، اور اس کے بالکل شروع میں یہ

پیشینگوئی کی گئی کہ روم کے لوگ اگر چہ اس وقت شکست کھا گئے ہیں، لیکن چند سالوں میں وہ فتح حاصل کر کے ایرانیوں پر غالب آجائیں گے، اور اس دن مسلمان اللہ کی مدد سے خوش ہوں گے، اس طرح اس سورت کے شروع میں بیک وقت دو پیشین گوئیاں کی گئیں، ایک یہ کہ روم کے جو لوگ شکست کھا گئے ہیں وہ چند سالوں میں ایرانیوں پر غالب آجائیں گے، اور دوسرے یہ کہ مسلمان جو اس وقت مکہ مکرمہ کے مشرکین کے ہاتھوں ظلم وستم کا شکار ہیں اس دن وہ بھی مشرکین پر فتح منائیں گے، یہ دونوں پیشینگوئیاں اس وقت کے ماحول میں اتنی بعید از قیاس تھیں کہ کوئی شخص جو اس وقت کے حالات سے واقف ہو ایسی پیشینگوئی نہیں کر سکتا تھا، مسلمان اس وقت جس طرح کافروں کے ظلم وستم میں دبے اور پسے ہوئے تھے، اس کے پیش نظر بظاہر کوئی امکان نہیں تھا کہ وہ اپنی فتح کی خوشی منائیں، دوسری طرف سلطنت روما کا حال بھی یہ تھا کہ اس کے ایرانیوں کے مقابلے میں ابھرنے کا دور دور کوئی اندازہ نہیں کیا جا سکتا تھا، چنانچہ سلطنت روما کا مشہور مورخ ایڈ روڈ گبن اس پیشینگوئی پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتا ہے کہ: جس وقت مبینہ طور پر یہ پیشینگوئی کی گئی اس وقت کسی بھی پیشینگوئی کا پورا ہونا اس سے زیادہ بعید نہیں ہو سکتا تھا، اس لیے کہ قیصر ہرقل کی حکومت کے پہلے بارہ سالوں میں یہ بات کھل کر سامنے آگئی تھی کہ رومی سلطنت کا خاتمہ بالکل قریب آچکا ہے۔

(Gibbon: The Decline and Fall of the Roman Empaire, Chapter 46 Volume2, P.125, Great Books, V.38, University of Chicago.)

چنانچہ مکہ مکرمہ کے مشرکین نے اس پیشینگوئی کا بہت مذاق اڑایا، یہاں تک کہ ان کے ایک مشہور سردار اُبی بن خلف نے حضرت ابو بکر صدیق ؓ سے یہ شرط لگالی کہ اگر آئندہ نو سال کے درمیان روم کے لوگ ایرانیوں پر غالب آگئے تو وہ حضرت ابو بکر کو سو اونٹ دے گا، اور اگر اس عرصے میں وہ غالب نہ آئے تو حضرت ابو بکر صدیق اس کو سو اونٹ دیں گے (اس وقت تک اس قسم کی دو طرفہ شرط لگانا حرام نہیں کیا گیا تھا)، چنانچہ اس آیت کے نازل ہونے کے بعد بھی ایرانیوں کی فتوحات کا سلسلہ جاری رہا یہاں تک وہ قیصر کے پایہ تخت قسطنطنیہ کی دیواروں تک پہنچ گئے اور انھوں نے قیصر ہرقل کی طرف سے صلح کی ہر

پیشکش کو ٹھکرا کر یہ جواب دیا کہ انھیں ہرقل کے سر کے سوا کوئی اور پیشکش منظور نہیں ہے، جس کے نتیجے میں ہرقل تیونس کی طرف بھاگنے کا منصوبہ بنانے لگا لیکن اس کے فوراً بعد حالات نے عجیب وغریب پلٹا کھایا، ہرقل نے مجبور ہو کر ایرانیوں پر عقب سے حملہ کیا جس میں اسے ایسی کامیابی حاصل ہوئی جس نے جنگ کا پانسہ پلٹ کر رکھ دیا، اس پیشینگوئی کو ابھی سات سال گزرے تھے کہ رومیوں کی فتح کی خبر عرب تک پہنچ گئی، جس وقت یہ خبر پہنچی یہ ٹھیک وہ وقت تھا جب بدر کے میدان میں سردار دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قریش مکہ کے لشکر کو عبرتناک شکست دی تھی، اور مسلمانوں کو اس فتح پر غیر معمولی خوشی حاصل ہوئی تھی، اس طرح قرآن کریم کی دونوں پیشینگوئیاں کھلی آنکھوں اس طرح پوری ہوئیں جس کا بظاہر حالات کوئی امکان نظر نہیں آتا تھا، اور اس سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور قرآن کریم کی سچائی روز روشن کی طرح واضح ہو گئی، اس وقت اُبی بن خلف جس نے حضرت ابوبکرؓ سے شرط لگائی تھی مر چکا تھا، لیکن اس کے بیٹوں نے شرط کے مطابق سو اونٹ حضرت ابوبکرؓ کو ادا کیے، اور چونکہ اس وقت جوے کی حرمت آچکی تھی اور دو طرفہ شرط جوے ہی کی ایک شکل ہے، اس لیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت صدیق اکبرؓ کو حکم دیا کے وہ یہ اونٹ خود استعمال کرنے کے بجائے صدقہ کر دیں۔

اس پیشینگوئی کے علاوہ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کو مختلف دلائل سے ثابت کیا گیا ہے اور مخالفین کی تردید کی گئی ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)



آیاتہا ۶۰ | سُوْرَةُ الرُّوْمِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ① غُلِبَتِ الرُّوْمُ ②

روم یعنی اٹلی کے لوگ اہل کتاب تھے، جب کہ فارس یعنی ایران آتش پرستوں کا وطن تھا، دونوں میں جنگ ہوئی اور رومیوں کو شکست ہوگئی، مشرکین مکہ کو فارس سے مناسبت تھی کہ دونوں ہی کافر تھے، اور مسلمانوں کو رومیوں سے ہلکی سی مناسبت آسمانی مذہب کے پیروکار ہونے کی وجہ سے تھی، اس واقعہ کے بعد مشرکین مکہ مسلمانوں کو یہ کہہ کر پریشان کرنے لگے کہ جس طرح رومی مغلوب ہوئے ہیں اُسی طرح تم بھی مغلوب ہو گے۔ تب یہ آیات نازل ہوئیں جن میں چند سالوں کے اندر رومیوں کے غالب آنے کی پیشین گوئی تھی، اس کے ساتھ یہ بھی پیشین گوئی تھی کہ رومیوں کی فتح والے دن مسلمان بھی اپنی فتح پر مسرور ہوں گے، حالاں کہ اسباب کے درجے میں یہ بہت مشکل تھا، لیکن اللہ تعالیٰ کے وعدے کے مطابق چند سالوں میں رومی اہل فارس پر غالب آ گئے اور یہ غلبہ اُسی دن ہوا جس دن مسلمانوں نے غزوۂ بدر کے موقع پر کفار کو شکست دی تھی، اس کی وجہ سے مسلمانوں کی خوشی دوگنی ہوگئی۔ اس کے بعد کفار مکہ کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے اور ماضی کی ہلاک شدہ اقوام کے کھنڈرات سے عبرت حاصل کرنے کی ہدایت ہے۔ آخری آیت میں کہا گیا ہے اللہ کی آیات کو جھٹلانا اور ان کا مذاق اڑانا برے انجام کا سبب بنتا ہے۔

رکوع (۲)

اَللّٰهُ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ⑪

اس رکوع میں بعث بعد الموت یعنی مرنے کے بعد والی زندگی پر دلیل قائم کی گئی

ہے کہ اللہ ہی نے ابتداءً سب کو پیدا کیا ہے، وہی مردے سے زندہ کو پیدا کرتا ہے، وہی زمین کو بنجر ہونے کے بعد کاشت کے قابل بناتا ہے تو وہی دوبارہ زندہ بھی کرے گا، پھر قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ اُس دن مجرمین ناامید ہوں گے، کیوں کہ ان کا کوئی بھی جھوٹا خدا ان کی سفارش کے لیے تیار نہ ہوگا، ان کے مقابلے میں مومنین نہایت آرام میں ہوں گے۔

رکوع (۳)

وَمِنْ اٰيٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ اِذَآ اَنْتُمْ بَشَرٌ تَنْتَشِرُوْنَ ۞

یہ رکوع کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی بے شمار نشانیوں میں غور وفکر کی دعوت دیتا ہے۔ مثلاً مٹی سے انسانوں کی تخلیق، پھر اُس کا پوری دنیا میں پھیلنا، بیویوں کی تخلیق جو انسان کے لیے قلبی راحت اور دلی سکون کا سبب بنتی ہیں، آسمان وزمین کی تخلیق، دنیا کے الگ الگ خطے میں زبان اور رنگ کا اختلاف، راتوں کو نیند کا نظام تو دن میں معاشی جد وجہد، خوف وامید کے درمیان بجلی کی گڑگڑاہٹ، آسمان سے پانی کا برسنا، زمین کے بنجر ہونے کے بعد اس کا باغ و بہار ہوجانا، آسمان کا یوں بلاستون کھڑا ہونا، زمین کا اپنی جگہ پر ساکت رہنا وغیرہ۔ یہ سب اللہ تعالیٰ ہی کی نشانیاں ہیں جس میں غور وفکر کا واحد نتیجہ یہ ہے کہ جو ذات اتنے عظیم الشان کام انجام دے سکتی ہے وہ بآسانی مرنے کے بعد انسانوں کو دوبارہ زندگی بخش سکتی ہے۔

رکوع (۴)

ضَرَبَ لَكُمْ مَّثَلًا مِّنْ اَنْفُسِكُمْ ۭ هَلْ لَّكُمْ مِّنْ مَّا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ مِّنْ شُرَكَاۗءَ فِيْ مَا رَزَقْنٰكُمْ فَاَنْتُمْ فِيْهِ سَوَاۗءٌ تَخَافُوْنَهُمْ كَخِيْفَتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ ۭ

اس رکوع میں پہلے تو مشرکین کو مثال سے سمجھایا ہے کہ جب تم لوگ اپنے مال ودولت میں غلاموں کو شریک نہیں کرسکتے تو کائنات کے نظام میں اللہ کی مخلوقات کو اُس خالق کے ساتھ کیسے شریک کردیتے ہو، حقیقت یہ ہے کہ یہ سب خواہشاتِ نفس کی اتباع کا نتیجہ ہے۔ اس کے بعد اسلام کو دین فطرت قرار دیا گیا ہے، تقویٰ اور نماز کی تاکید کی گئی ہے۔

جب کہ شرک سے بچنے کا حکم ہے۔اس کے بعد کفار کی اسی فطرت کو دہرایا گیا ہے کہ یہ مصیبت کے وقت اپنے خالق و مالک کو یاد کرتے ہیں اور مصیبت دور ہوتے ہی شرک کرنے لگ جاتے ہیں، ناشکری کی اس سے بڑی کوئی مثال نہیں ہوسکتی۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے امت کو قریبی رشتے داروں اور مسکین ومحتاج لوگوں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیا گیا ہے اور رضائے الٰہی کے پیش نظر یہ عمل انجام دینے والوں کو حقیقی کامیاب کہا گیا ہے۔ اس کے بعد صدقات وخیرات میں اللہ کی رضا کو مقصود بنانے کی ترغیب ہے، دنیوی منفعت یا ہدیہ دے کر اُس سے کئی گنا وصول کرنے کی نیت کو نہایت مذموم قرار دیا گیا ہے۔آخری آیت میں پھر مشرکین کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔

اہم مسئلہ

● ہدیہ اور ہبہ دینے والے کو اس پر نظر رکھنا کہ اس کا بدلہ ملے گا یہ تو ایک بہت مذموم حرکت ہے، جس کو یہاں منع فرمایا گیا ہے، لیکن بطور خود جس شخص کو کوئی ہبہ عطیہ کسی دوست عزیز کی طرف سے ملے اس کے لیے اخلاقی تعلیم یہ ہے کہ وہ بھی جب اس کو موقع ملے اس کی مکافات کرے یعنی اس کا بہترین بدل دے۔رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی عادت شریفہ یہی تھی کہ جو شخص آپ کو کوئی ہدیہ پیش کرتا تو اپنے موقع پر آپ بھی اس کو ہدیہ دیتے تھے۔ ہاں اس مکافات کی صورت ایسی نہ بنائے کہ دوسرا آدمی یہ محسوس کرے کہ یہ میرے ہدیہ کا بدلہ دے رہا ہے۔(ملخص از معارف)

رکوع (۵)

ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ أَيْدِي النَّاسِ لِيُذِيقَهُمْ بَعْضَ الَّذِي عَمِلُوا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُونَ ﴿۴۱﴾

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ روئے زمین پر ہونے والے فسادات کی جڑ انسان کے برے اعمال ہیں، لہٰذا اللہ کے دیے ہوئے احکامات پر مکمل طور پر عمل پیرا ہونے کی ضرورت ہے، اسی درمیان ماضی کی ہلاک زدہ اقوام کے کھنڈرات پر نگاہِ عبرت ڈالنے کا حکم

ہے، اللہ کی قدرت کی کچھ نشانیاں بیان کی گئی ہیں اور کفار کی ناشکری والی صفات کو بیان کیا گیا ہے۔ اخیر رکوع میں کفار کو مردہ، بہرا اور اندھا قرار دیا گیا ہے کہ جیسے مردہ اور بہرے لوگ باتیں نہیں سن سکتے اسی طرح یہ لوگ حق بات نہیں سنتے، جیسے اندھا صحیح راستے پر نہیں چل سکتا اسی طرح یہ لوگ بھی گمراہی کے شکار ہیں۔

رکوع (۶)

اَللّٰهُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ ضُعْفٍ ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ ضُعْفٍ قُوَّةً ثُمَّ جَعَلَ مِنْۢ بَعْدِ قُوَّةٍ ضُعْفًا وَّ شَیْبَةً ؕ یَخْلُقُ مَا یَشَآءُ ۚ وَ هُوَ الْعَلِیْمُ الْقَدِیْرُ ۝۵۴

سورۂ روم کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے انسانی زندگی کے مختلف مراحل کو ذکر کیا ہے کہ انسان تدریجاً کمزوری سے قوت کی جانب جاتا ہے، چناں چہ بچپن سے جوانی میں قدم رکھتا ہے، اور پھر قوت سے کمزوری یعنی جوانی سے بڑھاپے کا شکار ہوتا ہے۔ لہٰذا انسان کو طاقت وقوت والا وقت عبادت واطاعت کے لیے غنیمت سمجھنا چاہیے۔ قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ اس دن ظالموں کی جانب سے کوئی معذرت قبول نہ ہوگی۔ آخری آیت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین اور اپنے مشن پر استقامت کی تاکید کی گئی ہے۔



تعارف سورۂ لقمان

یہ سورت بھی مکہ مکرمہ میں نازل ہوئی، جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور قرآن کے بارے میں کفار مکہ کی مخالفت اپنے شباب پر تھی اور کافروں کے سردار حیلوں بہانوں اور پر تشدد کارروائیوں سے اسلام کی نشر واشاعت کا راستہ روکنے کی کوششیں کر رہے تھے، قرآن کریم کا اثر انگیز اسلوب جب لوگوں کے دلوں پر اثر انداز ہوتا تو وہ ان کی توجہ اس سے ہٹانے کے لیے انھیں قصے کہانیوں اور شعر وشاعری میں الجھانے کی کوشش کرتے تھے، جس کا تذکرہ اس سورت کے شروع (آیت نمبر:۶) میں کیا گیا ہے، حضرت لقمان اہل عرب ایک بڑے عقل منداور دانشور کی حیثیت سے مشہور تھے، ان کی حکیمانہ باتوں کو اہل عرب بڑا وزن دیتے تھے، یہاں تک کہ شاعروں نے اپنے اشعار میں ان کا ایک حکیم کی حیثیت سے تذکرہ کیا ہے، قرآن کریم نے اس سورت میں واضح فرمایا ہے کہ لقمان جیسے حکیم اور دانشور جن کی عقل وحکمت کا تم بھی لوہا مانتے ہو وہ بھی توحید کے قائل تھے، اور انھوں نے اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی شریک ماننے کو ظلم عظیم قرار دیا تھا، اور اپنے بیٹے کو وصیت کی تھی کہ تم کبھی شرک مت کرنا، اس ضمن میں اس سورت نے ان کی اور بھی کئی قیمتی نصیحتیں ذکر فرمائی ہیں، جو انھوں نے اپنے بیٹے کو کی تھیں، دوسری طرف مکہ مکرمہ کے مشرکین کا حال یہ تھا کہ وہ اپنی اولاد کو توحید اور نیک عمل کی نصیحت تو کیا کرتے انھیں شرک پر مجبور کرتے تھے، اور اگر ان کی اولاد میں سے کوئی مسلمان ہو جاتا تو اس پر دباؤ ڈالتے تھے کہ وہ دوبارہ شرک کو اختیار کرلے، اس مناسبت سے حضرت لقمان کی نصیحتوں کے درمیان (آیات نمبر: ۱۴، ۱۵ میں) اللہ تعالیٰ نے ایک بار پھر وہ اصول بیان فرمایا ہے جو پیچھے سورۂ عنکبوت (۸:

۲۹) میں بھی گزرا ہے کہ والدین کی عزت اور اطاعت اپنی جگہ لیکن اگر وہ اپنی اولاد کو شرک اختیار کرنے کے لیے دباؤ ڈالیں تو ان کا کہنا ماننا جائز نہیں، اس کے علاوہ یہ سورت توحید کے دلائل اور آخرت کی یاددہانی کے مؤثر مضامین پر مشتمل ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)



آیاتہا ۳۴ | سُوْرَۃُ لُقْمٰنَ مَکِّیَّۃ | رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الٓمّٓ ۝ تِلْكَ اٰیٰتُ الْكِتٰبِ الْحَكِیْمِ ۝ هُدًى وَّ رَحْمَةً لِّلْمُحْسِنِیْنَ ۝

پہلے رکوع میں کتاب اللہ کو اُن لوگوں کے لیے رحمت اور ہدایت کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے جو نماز وزکوٰۃ کا اہتمام کرتے ہیں اور آخرت پر یقین رکھتے ہیں، اللہ کی نظر میں یہی لوگ اصل کامیاب ہیں۔ اُن کفار کا بھی ذکر ہے جو لوگوں کو لہو ولعب وغیرہ سے لوگوں کو راہِ خدا سے روکتے تھے، قرآن کریم کا مذاق اڑاتے تھے، اور حق کی بات کو اَن سنا کر دیتے تھے، ایسے لوگوں کے لیے رسوا کن اور دردناک عذاب کی وعید ہے۔ اخیر میں بلاستون آسمان اور زمین پر پہاڑوں وغیرہ کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ تو اللہ کی بنائی ہوئی چیزیں ہیں، ذرا وہ چیزیں لا کر دکھاؤ جو تمہارے خداؤں نے تخلیق کی ہوں۔

اہم مسائل

● جو کھیل دین سے گمراہ ہونے یا دوسروں کو گمراہ کرنے کا ذریعہ بنے وہ کفر ہے۔

● کوئی کھیل لوگوں کو اسلامی عقائد سے تو گمراہ نہیں کرتا مگر ان کو کسی حرام اور معصیت میں مبتلا کرتا ہے۔ وہ کفر تو نہیں مگر حرام اور سخت گناہ ہے جیسے وہ تمام کھیل جن میں قمار اور جوا ہو یعنی ہار جیت پر مال کا لین دین ہو، یا جو انسان کو ادائے فرائض نماز روزہ وغیرہ سے مانع ہوں۔

● جن کھیلوں میں نہ کفر ہے نہ کوئی کھلی ہوئی معصیت، وہ مکروہ ہیں کہ ایک بے فائدہ کام میں اپنی توانائی اور وقت کو ضائع کرنا ہے۔

● مذموم اور ممنوع وہ لہو اور کھیل ہے جس میں کوئی دینی دنیوی فائدہ نہیں۔ جو کھیل بدن کی ورزش، صحت اور تندرستی باقی رکھنے کے لیے یا کسی دوسری دینی و دنیوی ضرورت کے

لیے یا کم از کم طبیعت کا تھکان دور کرنے کے لیے ہوں اور ان میں غلو نہ کیا جائے کہ انہی کو مشغلہ بنالیا جائے اور ضروری کاموں میں ان سے حرج پڑنے لگے تو ایسے کھیل شرعاً مباح اور دینی ضرورت کی نیت سے ہوں تو ثواب بھی ہیں۔

● مذکورہ تفصیل سے کھیلوں کے سامان کی خرید وفروخت کا حکم بھی معلوم ہو گیا کہ جو سامان کفر وضلال یا حرام ومعصیت ہی کے کھیلوں میں استعمال ہوتا ہے اس کی تجارت اور خرید وفروخت بھی حرام ہے۔ اور جو لہو مکروہ میں استعمال ہوتا ہے اس کی تجارت بھی مکروہ ہے۔ اور جو سامان جائز اور مستثنیٰ کھیلوں میں استعمال ہوتا ہے اس کی تجارت بھی جائز ہے۔ اور جس سامان کو جائز اور ناجائز دونوں طرح کے کاموں میں استعمال کیا جاتا ہے اس کی تجارت جائز ہے۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۲)

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا لُقْمٰنَ الْحِكْمَةَ اَنِ اشْكُرْ لِلّٰهِ ؕ وَمَنْ يَّشْكُرْ فَاِنَّمَا يَشْكُرُ لِنَفْسِهٖ ۚ وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ حَمِيْدٌ ﴿۱۲﴾

اس رکوع میں حضرت لقمان کا ذکر ہے، واضح رہے کہ راجح قول کے مطابق حضرت لقمان نبی نہ تھے، بلکہ اللہ کے ولی اور حکیم ودانشور تھے۔ انہوں نے اپنے بیٹے کو کچھ قیمتی نصیحتیں کی تھیں، مثلاً شرک سب سے بڑا ظلم ہے، والدین کے ساتھ حسن سلوک کیا جائے، اگر وہ کسی معصیت کا حکم دیں تو ان کی اطاعت نہ کی جائے، انسان کو ہر چھوٹے بڑے عمل کا حساب دینا ہوگا، نماز قائم کی جائے، امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا اہتمام ہو، راہِ خدا میں ہونے والے مصائب پر عزم واستقلال کے ساتھ جمے رہیں، لوگوں سے اکڑ کر گفتگو نہ ہو، نہ ہی راستے میں اکڑ کر چلا جائے، چال اور آواز دونوں میں اعتدال کی راہ اختیار کی جائے۔

رکوع (۳)

اَلَمْ تَرَوْا اَنَّ اللّٰهَ سَخَّرَ لَكُمْ مَّا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ وَاَسْبَغَ عَلَيْكُمْ نِعَمَهٗ ظَاهِرَةً وَّبَاطِنَةً ؕ

اس رکوع میں کفار ومشرکین کی صورت حال بیان کی گئی ہے کہ وہ بھی اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ آسمان وزمین کی تخلیق، ان میں بے شمار نعمتیں، رات ودن کی تبدیلی، سورج چاند کی تسخیر وغیرہ یہ سب اللہ ہی کا عمل ہے، لیکن جب بات عبادت کی آتی ہے تو اپنے آباؤ اجداد کی اندھی تقلید میں قرآن کریم کو چھوڑ کر شرک کرنے لگ جاتے ہیں، حالاں کہ انجام کے اعتبار سے وہی شخص بہتر ہے جو اسلام کی آغوش میں آکر دین اسلام کو مضبوطی سے تھام لے۔

رکوع (۴)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ الْفُلْكَ تَجْرِيْ فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَتِ اللّٰهِ لِيُرِيَكُمْ مِّنْ اٰيٰتِهٖ ۭ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّكُلِّ صَبَّارٍ شَكُوْرٍ ۝۳۱

اس رکوع میں اولاً کفار کی فطرت بیان کی گئی ہے کہ جب سمندری سفر کے دوران کسی طوفان میں گھر جاتے ہیں تو اللہ کو مدد کے لیے پکارتے ہیں، لیکن جب اللہ انہیں اُس مشکل سے بچا لیتا ہے تو پھر کفر وشرک میں مبتلا ہو کر اپنے بدعہد اور ناشکرے ہونے کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس کے بعد قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ اُس دن نہ تو والد اولاد کے کام آئے گا اور نہ ہی اولاد اپنے والد کے کام آسکے گی، لہٰذا شیطانی دھوکے سے بچ کر اللہ کی اطاعت کرنی چاہیے۔ آخری آیت میں اللہ تعالیٰ کی صفت علم کو ظاہر کیا گیا ہے کہ قیامت کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے، اللہ ہی جانتا ہے کہ بارش کب ہوگی، رحمِ مادر میں لڑکا ہے یا لڑکی، انسان کل کیا کرے گا اور انسان کو کس زمین میں موت آئے گی، یہ تمام باتیں صرف اللہ کے علم میں ہیں۔



تعارف سورۂ سجدہ

اس سورت کا مرکزی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد، یعنی توحید، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت اور آخرت کا اثبات ہے، نیز جو کفار عرب ان عقائد کی مخالفت کرتے تھے، اس سورت میں ان کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور ان کا انجام بھی بتایا گیا ہے، چونکہ اس سورت کی آیت نمبر: ۱۵، سجدے کی آیت ہے، یعنی جو شخص بھی اس کی تلاوت کرے یا سنے اس پر سجدۂ تلاوت واجب ہے، اس لیے اس کا نام ''تنزیل السجدہ'' یا ''الم سجدہ'' یا صرف سورۂ ''سجدہ'' رکھا گیا ہے، صحیح بخاری کی ایک حدیث میں ہے کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) جمعہ کے دن نماز فجر کی پہلی رکعت میں بکثرت یہ سورت پڑھا کرتے تھے، اور مسند احمد (۳:۳۴۰) کی ایک حدیث میں ہے کہ آپ رات کو سونے سے پہلے دو سورتوں کی تلاوت ضرور فرماتے تھے، ایک سورۂ تنزیل السجدہ اور دوسری سورۂ ملک۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۳۰ — سُوْرَۃُ السَّجْدَۃِ مَکِّیَّۃٌ — رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

الٓمّٓ ۞ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ لَا رَيْبَ فِيْهِ مِنْ رَّبِّ الْعٰلَمِيْنَ ۞

کفارِ مکہ قرآنِ کریم کے بارے میں یہ کہتے تھے کہ یہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی طرف سے گھڑ لیا ہے، ان کے اسی اعتراض کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ کتاب اُس اللہ کی طرف سے نازل کی گئی ہے جو آسمان وزمین کا خالق ہے، جس کے سوا کوئی کارساز ومددگار نہیں، جو پوری کائنات کا نظام چلاتا ہے، دیکھی اور بن دیکھی چیزوں کو جاننے والا ہے، جس نے انسان کو مٹی سے پیدا کیا اور مختلف مراحل میں اس کی تخلیق کی، جس نے انسان کو سماعت، بصارت اور دل جیسی عظیم نعمتوں سے نوازا، اتنی عظیم قدرت ہونے کے باوجود یہ کفار مرنے کے بعد والی زندگی کو ناممکن سمجھتے ہیں، یہ کتنی بے وقوفی کی بات ہے۔

رکوع (۲)

وَلَوْ تَرٰٓى اِذِ الْمُجْرِمُوْنَ نَاكِسُوْا رُءُوْسِهِمْ عِنْدَ رَبِّهِمْ ۭ رَبَّنَآ اَبْصَرْنَا وَسَمِعْنَا فَارْجِعْنَا نَعْمَلْ صَالِحًا اِنَّا مُوْقِنُوْنَ ۞

اس رکوع میں اوّلاً قیامت کا منظر بیان کیا گیا ہے کہ جب کفار کو اپنا انجام جہنم کی شکل میں سامنے نظر آرہا ہوگا تو یہ سر جھکائے اللہ کے سامنے اقرار کریں گے کہ اب ہمیں قیامت کا یقین ہو چکا ہے، آپ ہمیں ایک موقع دیں اور واپس دنیا میں بھیج دیں، ہم آپ کے حکم کے مطابق زندگی گزاریں گے، لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی ہوگی، وہ دارالعمل سے نکل کر دارالجزاء پہنچ چکے ہوں گے، لہٰذا جہنم کا دائمی عذاب بھگتنے کے علاوہ کوئی چارہ نہ ہوگا۔ ان کے بالمقابل مومنین کی خاص صفات ذکر کی گئی ہیں کہ یہ لوگ کبر نہیں کرتے، اللہ

کی بارگاہ میں سجدہ ریز رہتے ہیں، تہجد کا اہتمام کرتے ہیں، راہِ خدا میں خرچ کرتے ہیں، اخیر میں کفار و مومنین کا تقابل کر کے دونوں کے انجام کو بیان کیا گیا ہے۔

رکوع (۳)

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَلَا تَكُنْ فِیْ مِرْیَةٍ مِّنْ لِّقَآىٕهٖ وَ جَعَلْنٰهُ هُدًى لِّبَنِیْۤ اِسْرَآءِیْلَ ۚ﴿۲۳﴾

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ جس عظیم ذات نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر توریت نازل فرمائی اُسی نے خاتم النبیین، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر قرآن کریم کو نازل کیا ہے، لہٰذا اس سے سلسلے میں شک نہیں کرنا چاہیے۔ بنی اسرائیل کے کچھ سنجیدہ اور متقی پیشواؤں کا ذکر ہے جو راہِ حق میں پیش آنے والی آزمائش پر صبر کرتے تھے، اُس کے بعد غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے کہ گزشتہ ہلاک شدہ اقوام کے کھنڈرات پڑے ہیں ان پر نگاہِ عبرت ڈالی جائے، اسی طرح جو اللہ تعالیٰ خشک اور بنجر زمین پر پانی برسا کر اُس سے سبزہ نکال کر اُسے ایک نئی زندگی عطا کرتا ہے اسی طرح کل قیامت میں لوگوں کو دوبارہ زندہ کرے گا، لہٰذا کفار کا بار بار یہ سوال کرنا کہ قیامت کب آئے گی، یہ احمقانہ حرکت ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبانی انہیں کہا گیا ہے کہ جس دن قیامت آئے گی اُس دن کا تمہارا ایمان کچھ کام نہ آسکے گا۔



تعارف سورۂ احزاب

یہ سورت حضور سرور دو عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد چوتھے اور پانچویں سال کے درمیان نازل ہوئی ہے، اس کے پس منظر میں چار واقعات خصوصی اہمیت رکھتے ہیں جن کا حوالہ اس سورت میں آیا ہے، ان چار واقعات کا مختصر تعارف درج ذیل ہے۔

پہلا واقعہ جنگ احزاب کا ہے، جس کے نام پر اس سورت کا نام رکھا گیا ہے، بدر واُحد کی ناکامیوں کے بعد قریش کے لوگوں نے عرب کے دوسرے قبائل کو بھی آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے خلاف اکسایا، اور ان کا ایک متحدہ محاذ بنا کر مدینہ منورہ پر حملہ کیا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورے پر مدینہ منورہ کے دفاع کے لیے شہر کے گرد ایک خندق کھودی تاکہ دشمن اسے عبور کر کے شہر تک نہ پہنچ سکے، اسی لیے اس جنگ کو جنگ خندق بھی کہا جاتا ہے، اس جنگ کے اہم واقعات اس سورت میں بیان ہوئے ہیں، اور اس موقع پر مسلمانوں کو جس شدید آزمائش سے گزرنا پڑا، اس کی تفصیل بھی بیان فرمائی گئی ہے۔

دوسرا اہم واقعہ جنگ قریظہ کا ہے، قریظہ یہودیوں کا ایک قبیلہ تھا جو مدینہ منورہ کے مضافات میں آباد تھا، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ہجرت کے بعد ان سے امن کا ایک معاہدہ کیا تھا جس کا ایک حصہ یہ بھی تھا کہ مسلمان اور یہودی ایک دوسرے کے دشمنوں کی مدد نہیں کریں گے، لیکن قریظہ کے یہودیوں نے معاہدے کی دوسری خلاف ورزیوں کے علاوہ جنگ احزاب کے نازک موقع پر خفیہ ساز باز کر کے پیچھے سے مسلمانوں

کی پشت میں خنجر گھونپنا چاہا، اس لیے جنگ احزاب سے فراغت کے بعد اللہ تعالیٰ کا حکم ہوا کہ فوراً قریظہ پر حملہ کر کے ان آستین کے سانپوں کا قلع قمع فرمائیں، چنانچہ آپ نے ان کا محاصرہ فرمایا، جس کے نتیجے میں ان کے بہت سے افراد قتل ہوئے اور بہت سے گرفتار، اس واقعے کی بھی تفصیل اس سورت میں آئی ہے۔

تیسرا اہم واقعہ یہ تھا کہ اہل عرب جب کسی کو اپنا منہ بولا بیٹا بنا لیتے تو اسے ہر معاملے میں سگے بیٹے کا درجہ دیتے تھے، یہاں تک کہ وہ میراث بھی پاتا تھا، اور اس کے منہ بولے باپ کے لیے جائز نہیں سمجھا جاتا تھا کہ وہ اس کی بیوہ یا مطلقہ بیوی سے نکاح کرے، بلکہ اس کو بدترین معیوب عمل سمجھا جاتا تھا، حالانکہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کی کوئی ممانعت نہیں تھی، عرب کی یہ جاہلانہ رسمیں دلوں میں ایسا گھر کر گئی تھیں کہ ان کا خاتمہ صرف زبانی نصیحت سے نہیں ہوسکتا تھا، اس لیے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ایسی رسموں کا خاتمہ کرنے کے لیے سب سے پہلے خود علی الاعلان ان رسموں کے خلاف عمل فرمایا تاکہ یہ بات واضح ہوجائے کہ اگر اس کام میں ذرا بھی کوئی خرابی ہوتی تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کے پاس بھی نہ جاتے، اس کی بہت سی مثالیں آپ کی سیرت طیبہ میں موجود ہیں، منہ بولے بیٹے کے بارے میں جو رسم تھی، اس کے سدباب کے لیے بھی اللہ تعالیٰ نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو حکم دیا کہ آپ اپنے ایک منہ بولے بیٹے حضرت زید بن حارثہؓ کی مطلقہ بیوی حضرت زینب بنت جحشؓ سے نکاح فرمائیں، واضح رہے کہ حضرت زینب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی پھوپی کی بیٹی تھیں، اور حضرت زیدؓ سے ان کا نکاح خود آپ نے کروایا تھا، اس لیے اگرچہ اب ان سے نکاح کرنا آپ کے لیے صبر آزما عمل تھا؛ لیکن آپ نے اللہ تعالیٰ کے حکم اور دینی مصلحت کے آگے سر جھکا دیا، اور ان سے نکاح کرلیا، اسی نکاح کے ولیمے میں حجاب (پردے) کے احکام پر مشتمل آیات نازل ہوئیں جو اس سورت کا حصہ ہیں۔

چوتھا واقعہ یہ ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ازواج مطہرات نے اگرچہ ہر طرح کے سرد گرم حالات میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا بھرپور

ساتھ دیا، لیکن جب آپ کے پاس مختلف فتوحات کے نتیجے میں مالی طور پر وسعت ہوئی تو انھوں نے اپنے نفقے میں اضافے کا مطالبہ کر دیا، یہ مطالبہ عام حالات میں کسی بھی طرح کوئی ناجائز مطالبہ نہیں تھا لیکن پیغمبر اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی زوجیت کا شرف رکھنے والی ان مقدس خواتین کا مقام بلند اس قسم کے مطالبات سے بالاتر تھا۔ اس لیے اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے ازواج مطہرات کو یہ اختیار دیا ہے کہ اگر وہ دنیا کی زیب وزینت چاہتی ہیں تو آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) انھیں اعزاز واکرام کے ساتھ علیحدہ کرنے کو تیار ہیں، اور اگر وہ پیغمبر اعظم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مشن کی ساتھی ہیں اور آخرت کے انعامات کی طلب گار ہیں تو پھر اس قسم کے مطالبے ان کو زیب نہیں دیتے۔

چونکہ حضرت زینبؓ سے نکاح کے واقعے پر کفار اور منافقین نے آپ کے خلاف اعتراضات کئے تھے، اس لیے اسی سورت میں حضور سرور عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مقام بلند بتایا گیا ہے، اور آپ کی تعظیم وتکریم اور اطاعت کا حکم دے کر یہ واضح فرمایا گیا ہے کہ آپ جیسی عظیم شخصیت پر نادانوں کے یہ اعتراضات آپ کے مقام بلند میں ذرہ برابر کمی نہیں کر سکتے، اس کے علاوہ ازواج مطہراتؓ کے ساتھ آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے طرز عمل اور اس سے متعلق بعض تفصیلات بھی اس سورت میں بیان ہوئی ہیں۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)



آیاتہا ۷۳ | سُوْرَۃُ الْاَحْزَابِ مَدَنِیَّۃٌ | رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اتَّقِ اللّٰهَ وَلَا تُطِعِ الْكٰفِرِيْنَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلِيْمًا حَكِيْمًا ۙ﴿۱﴾

سورۂ احزاب کے آغاز میں نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے امت کو تقویٰ کا حکم ہے، نیز کفار و منافقین کی اطاعت چھوڑ کر صرف حکم خداوندی کی اتباع اور توکل کی تاکید ہے۔ پھر فرمایا کہ جیسے ایک انسان کے دو دل نہیں ہو سکتے اُسی طرح ایک بچے کے دو باپ یا دو ماں نہیں ہو سکتے، لہٰذا متبنّیٰ یعنی گود لیے ہوئے بیٹے کو حقیقی بیٹے کا درجہ نہیں دیا جا سکتا، انہیں ان کے حقیقی باپ کی جانب ہی منسوب کرنا چاہیے، اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ نبی اپنی امت کے لیے سب سے بڑا خیر خواہ ہوتا ہے اور اس کی بیویاں امت کی ماں ہوتی ہیں، اسی وجہ سے ازواج النبی کو ''امہات المومنین'' کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد حضرت نوح، حضرت ابراہیم وغیرہ سے لیے گئے عہد کا ذکر ہے۔

اہم مسائل

● دینی معاملات میں کفار سے مشورہ لینا بھی جائز نہیں۔ دوسرے معاملات جن کا تعلق تجربہ وغیرہ سے ہو ان میں مشورہ لینے میں مضائقہ نہیں۔

● اکثر آدمی جو دوسروں کے بچوں کو بیٹا کہہ کر پکارتے ہیں جب کہ محض شفقت کی وجہ سے ہو متبنّیٰ قرار دینے کی وجہ سے نہ ہو تو یہ اگرچہ جائز ہے مگر پھر بھی بہتر نہیں کہ صورتاً ممانعت میں داخل ہے۔

● ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن میں سے کسی کی شان میں کوئی ادنیٰ بے ادبی اس لیے بھی حرام

ہے کہ وہ امت کی مائیں ہیں، اور اس لیے بھی کہ ان کی ایذاء سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذاء پہنچے گی جو اشد درجہ کا حرام ہے۔

رکوع (۲)

يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اذْكُرُوا نِعْمَةَ اللَّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَاءَتْكُمْ جُنُودٌ فَأَرْسَلْنَا عَلَيْهِمْ رِيحًا وَجُنُودًا لَمْ تَرَوْهَا ۚ وَكَانَ اللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرًا ﴿٩﴾

اس رکوع میں مشہور اسلامی جنگ ''غزوۂ احزاب'' کا ذکر ہے جسے ''غزوۂ خندق'' بھی کہا جاتا ہے۔ معروف عالم دین حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی اس پر مختصر انداز میں یوں روشنی ڈالتے ہیں:

''ہجرت کے پانچویں سال اہل مکہ نے بنو غطفان اور بعض دوسرے قبائل کو ساتھ لے کر دس ہزار کے لشکر کے ساتھ مدینہ کی چھوٹی سی بستی پر حملہ کر دیا، یہودی قبائل جو مسلسل مسلمانوں کے ساتھ خفیہ طور پر غداری کر رہے تھے، اور ان کو نقصان پہنچانے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھتے تھے، وہ بھی اس مشکل وقت میں اہل مکہ کے ساتھ ہو گئے، یہ مسلمانوں کے لئے بڑا نازک وقت تھا، چنانچہ حضرت سلمان فارسیؓ کے مشورہ پر ''سلع'' نامی پہاڑ کے دامن میں طویل خندق کھدوائی گئی، اس خندق کی لمبائی پانچ ہزار گز اور چوڑائی نو گز تھی، مسلمانوں کے سامنے خندق تھی اور پیچھے پہاڑ تھے، بیس روز تک اہل مکہ کی طرف سے محاصرہ جاری رہا، بالآخر اللہ کی مدد شامل حال ہوئی، ایسا طوفان آیا کہ ان کے خیمے اکھڑ گئے اور آپس میں اختلاف بھی پیدا ہو گیا، بالآخر ناکام و نامراد دشمنوں کی فوج واپس ہوئی، اس جنگ میں مشرکین کی فوج دس ہزار سے بھی زیادہ تھی، اہل ایمان کی کل تعداد تین ہزار تھی، آٹھ مشرکین مارے گئے اور چھ مسلمان شہید ہوئے، مسلمانوں کا محاصرہ تقریباً ایک ماہ تک جاری رہا، مشہور قول کے مطابق شوال ۵ ہجری میں غزوۂ خندق ہوا۔'' (حیاتِ طیبہ، ص ۲۲-۲۳)

رکوع (۳)

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ لِمَنْ كَانَ

يَرْجُوا اللّٰهَ وَ الْيَوْمَ الْاٰخِرَ وَ ذَكَرَ اللّٰهَ كَثِيْرًا ﴿٢١﴾

اس رکوع میں اوّلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو سب سے بہترین اسوہ اور آئیڈیل قرار دیا گیا ہے، زندگی کے کسی بھی مرحلے میں ہر شخص کے لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی نمونہ نہیں ہوسکتا۔ اس کے بعد یہود کے قبیلہ بنوقریظہ کا ذکر ہے جنہوں نے غزوۂ احزاب کے موقع پر بدعہدی کی تھی، اس سے متعلق حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی لکھتے ہیں:

''یہود کی اس بدعہدی کی وجہ سے جس سے مسلمان بار بار دوچار ہوچکے تھے، اور اس بار تو بدعہدی انتہا کو پہنچ گئی تھی، مسلمانوں نے جوابی کارروائی کی اور یہودیوں کے قبیلہ بَنُو قُرَیظَہ کے قلعہ کا محاصرہ کرلیا اور پھر یہودیوں کی حَکَم بنائی ہوئی شخصیت حضرت سعد بن مُعاذؓ کے فیصلہ پر یہ جنگ ختم ہوئی، اس میں چار سو سے زیادہ یہودی مارے گئے۔''

(حیاتِ طیبہ، ص ۲۳)

اخیر رکوع میں مستقبل میں مزید فتوحات کی بشارت بھی دی گئی ہے۔

رکوع (۴)

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ اِنْ كُنْتُنَّ تُرِدْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا وَ زِيْنَتَهَا فَتَعَالَيْنَ اُمَتِّعْكُنَّ وَ اُسَرِّحْكُنَّ سَرَاحًا جَمِيْلًا ﴿٢٨﴾

پیہم فتوحات کے نتیجے میں صحابہ کرام کی زندگی میں کچھ سہولیات میسر آنے لگیں، یہ دیکھتے ہوئے ازواجِ مطہرات نے اپنے نان ونفقہ سے متعلق ایک درخواست رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش کی، جس پر یہ تنبیہ کی گئی کہ ازواج النبی صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنا مقام ومرتبہ سمجھنا چاہیے، دنیوی مال ومتاع کی ان کی عظمتوں کے سامنے کوئی حیثیت نہیں، اور اگر پھر بھی مال ومتاع درکار ہے تو نبی سے علاحدگی اختیار کرلیں۔ یہ سن کر ساری ازواج مطہرات کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا اور انہوں نے نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی انمول وبیش بہا نسبت کو اپنے اُس مطالبے پر ترجیح دی۔

اہم مسئلہ

● جب زوجین کی طبیعتوں میں مناسبت نہ ہوتو مستحب یہ ہے کہ بیوی کو اختیار دیا جائے کہ شوہر کی موجودہ حالت پر قناعت کر کے ساتھ رہنا چاہے تو رہے، ورنہ سنت کے مطابق طلاق دے کر کپڑے کے جوڑے دے کر عزت کے ساتھ رخصت کر دیا جائے۔



پارہ: (۲۲)

وَمَنْ يَّقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ وَتَعْمَلْ صَالِحًا
نُّؤْتِهَآ اَجْرَهَا مَرَّتَيْنِ ۙ وَاَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيْمًا ﴿۳۱﴾

ازواجِ مطہرات سے خطاب ابتدائے رکوع سے جاری ہے، یہاں انہیں تقویٰ اور عمل صالح پر دوہرے اجر کی بشارت ہے، نیز ان کے واسطے سے خواتین اسلام کو حکم دیا گیا کہ اگر مجبوراً غیر محرم سے بات کرنے کی ضرورت پیش آئے تو اپنا لہجہ ذرا سخت رکھیں، نیز اپنے گھروں کو لازم پکڑیں، بلاضرورت شدیدہ زمانۂ جاہلیت کی طرح بن سنور کر گھروں سے نہ نکلیں، البتہ مواقع ضرورت مستثنیٰ ہیں، نماز وزکوٰۃ کا اہتمام کریں، اللہ ورسول کی اطاعت کریں اور اپنے گھروں میں تلاوت کا معمول بنائیں۔

اہم مسائل

● عورت کی آواز ستر میں داخل نہیں، لیکن اس پر بھی احتیاطی پابندی یہاں بھی لگا دی اور تمام عبادات اور احکام میں اس کی رعایت کی گئی ہے کہ عورتوں کا کلام جہری نہ ہو جو مرد سنیں۔ امام کوئی غلطی کرے تو مقتدیوں کو لقمہ زبان سے دینے کا حکم ہے، مگر عورتوں کو زبان سے لقمہ دینے کے بجائے یہ تعلیم دی گئی کہ اپنے ہاتھ کی پشت پر دوسرا ہاتھ مار کر تالی بجا دیں جس سے امام متنبہ ہو جائے زبان سے کچھ نہ کہیں۔

● خواتین کے لیے عام حالات میں گھر میں رہنے کا حکم ہے، تاہم ضرورت کے مواقع پر گھر سے نکلنے کی گنجائش ہے، جیسے علاج ومعالجہ، قریبی رشتے داروں سے ملاقات وغیرہ (ملخص از معارف)

رکوع (۵)

اِنَّ الْمُسْلِمِيْنَ وَالْمُسْلِمٰتِ وَالْمُؤْمِنِيْنَ وَالْمُؤْمِنٰتِ الآية

اس رکوع میں اوّلاً اہل ایمان مرد وعورت کی وہ صفات ذکر کی گئی ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے مغفرت اور بڑے اجر کا وعدہ فرمایا۔ وہ صفات یہ ہیں: اللہ پر پختہ ایمان واطاعت، قول وعمل میں سچائی، راہِ خدا میں پیش آنے والی مصیبت پر صبر واستقامت، اللہ کا خوف، راہِ خدا میں صدقہ وخیرات کا اہتمام، روزہ کی پابندی، زنا وبدکاری سے حفاظت اور اللہ تعالیٰ کا بکثرت ذکر۔ اس کے بعد حضرت زیدؓ کا واقعہ مذکور ہے، واقعہ کچھ یوں ہے کہ زمانۂ جاہلیت میں گود لیے ہوئے بیٹے کو حقیقی بیٹا سمجھا جاتا تھا اور اس کی بیوی کو حقیقی بہو، حضرت زید کا نکاح رسول اکرم ﷺ کی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب بنت جحش سے ہوا تھا، جو باہمی چپقلش اور مزاجی ہم آہنگی نہ ہونے کی وجہ سے ناکام رہا، ان میں طلاق ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم ﷺ کا نکاح حضرت زینب بنت جحشؓ سے کیا، جس پر کفار نے بہت اعتراضات کیے، لیکن زمانۂ جاہلیت کی اس رسم کو توڑنے کے لیے یہی اقدام سب سے موزوں تھا۔ رکوع کی آخری آیت میں رسول اکرم ﷺ کے خاتم النبیین ہونے کا ذکر ہے یعنی رسول اکرم ﷺ کے بعد دنیا میں کوئی بھی نیا نبی نہیں آئے گا۔ اگر کوئی اس عقیدہ کے خلاف ذہن رکھتا ہے تو وہ قطعی طور پر اسلام سے خارج ہے۔

رکوع (۶)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اذْكُرُوا اللّٰهَ ذِكْرًا كَثِيْرًا ۝۴۱

اس رکوع میں اوّلاً مسلمانوں کو ذکر الٰہی اور صبح وشام اللہ کی تسبیح کا حکم ہے، پھر رسول اکرم ﷺ کے بعض اوصاف کا تذکرہ ہے کہ آپ ﷺ تمام لوگوں پر گواہ ہیں، جنت کی خوشخبری دینے والے اور جہنم سے ڈرانے والے ہیں، راہِ خدا کی جانب دعوت دینے والے ہیں۔ پھر طلاق کا ایک مسئلہ ذکر کیا گیا ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو خلوت سے پہلے ہی طلاق دے دے تو اُس عورت کے لیے عدت کا حکم نہیں ہے۔ اس کے بعد نبی اکرم ﷺ کی بعض ازدواجی خصوصیات کو ذکر کیا گیا ہے، انہیں میں سے ایک خصوصیت یہ تھی کہ اگر کوئی خاتون بغیر مہر کے آپ ﷺ سے نکاح کرنا چاہے تو کر سکتی ہیں۔ عام لوگوں کے لیے یہ حکم

نہیں، مہر بہر حال واجب ہوتا ہے، البتہ اگر بیوی مہر معاف کر دے تو معاف بھی ہو جاتا ہے۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مزید کچھ ازدواجی خصوصیات ذکر کی گئی ہیں۔

اہم مسائل

● کسی عورت سے نکاح کر لینے کے بعد خلوت صحیحہ سے پہلے ہی کسی وجہ سے طلاق کی نوبت آجائے، تو مطلقہ عورت پر کوئی عدت واجب نہیں، وہ فوراً ہی دوسرا نکاح کر سکتی ہے۔

● مطلقہ عورت کو شرافت اور حسنِ خُلق کے ساتھ کچھ سامان دے کر رخصت کیا جائے، کچھ سامان دے کر رخصت دینا ہر مطلقہ کے لیے مستحب و مسنون ہے اور بعض صورتوں میں واجب ہے۔

● طلاق کے وقت بیوی کو رخصت کرتے ہوئے زبان سے بھی کوئی سخت بات نہ کہیں، طعن و تشنیع کا طریقہ اختیار نہ کریں۔

● متعۂ طلاق سے مراد وہ لباس ہے جو عورت گھر سے نکلنے کے وقت ضرور ہی استعمال کرتی ہے۔ اس میں پاجامہ، کرتا، اوڑھنی اور ایک بڑی چادر جو سر سے پاؤں تک بدن کو چھپا سکے شامل ہے۔

● اگر شوہر بیوی دونوں مالدار گھرانوں کے ہیں تو کپڑے اعلیٰ قسم کے دیئے جائیں، اور دونوں غریب ہیں تو کپڑے ادنیٰ درجہ کے دیئے جائیں، اور ایک غریب اور دوسرا مالدار ہے تو اوسط درجہ کا لباس دیا جائے۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۷)

يَآاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَدْخُلُوْا بُيُوْتَ النَّبِيِّ
اِلَّآ اَنْ يُّؤْذَنَ لَكُمْ اِلٰى طَعَامٍ غَيْرَ نٰظِرِيْنَ اِنٰىهُ

اس رکوع میں ایک خاص پس منظر میں امت کو کچھ آدابِ معاشرت سکھائے گئے ہیں، مومنین کو ہر اُس عمل سے بچنے کے لیے کہا گیا ہے جو نبی کے لیے تکلیف کا باعث ہو سکتا ہے، مثلاً دعوت پر بلایا جائے تو بہت جلدی نہ پہنچیں، اور نہ ہی کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے

رہیں، البتہ بے تکلف مجالس اس سے مستثنیٰ ہیں۔ اس کے بعد یہ حکم ہے کہ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے پردہ فرمانے کے بعد بھی امہات المومنین سے کسی کا نکاح نہیں ہو سکتا، ازواجِ مطہرات کے واسطے سے خواتین اسلام کو پردے کے احکامات بتائے گئے ہیں، محرم غیر محرم کی کچھ تفصیل بھی ذکر کی گئی ہے۔ اس کے بعد اہل ایمان کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر درود بھیجنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اخیر رکوع میں کسی اہل ایمان پر نا کردہ گناہ کی تہمت لگانے کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔

اہم مسائل

● مہمانی کے آداب میں سے ہے کہ جب داخل ہونے کی اجازت بلکہ کھانے کی دعوت بھی ہو تو وقت سے پہلے آ کر کھانا تیار ہونے کے انتظار میں نہ بیٹھ جاؤ۔

● کھانے سے فارغ ہو جاؤ تو اپنے اپنے کاموں میں منتشر ہو جاؤ، دعوت کے گھر میں باہم باتیں کرنے کے لیے جم کر نہ بیٹھو۔

● یہ عام حالات میں ہے جہاں عادتاً مہمانوں کا کھانے کے بعد دیر تک بیٹھے رہنا میزبان کے لیے باعثِ کلفت ہو، خواہ اس لیے کہ وہ فارغ ہو کر اپنے دوسروں کاموں میں لگنا چاہتا ہے یا اس لیے کہ ان کو فارغ کر کے دوسرے مہمانوں کو کھلانا مقصود ہے۔

● جہاں حالات اور عادت سے یہ معلوم ہو کہ کھانے کے بعد مہمانوں کا دیر تک باہمی باتوں میں مشغول رہنا میزبان کے لیے موجب کلفت نہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہو گا، جیسا کہ آج کل کی پارٹیوں اور دعوتوں میں رواج ہو گیا ہے۔

● حجاب سے متعلق اہم مسائل سورۃ النور، صفحہ ۳۴۷ پر ملاحظہ فرمائیں۔

● نماز کے قعدۂ اخیرہ میں صلوٰۃ (درود شریف) سنت مؤکدہ ہے۔

● جب کوئی آں حضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا ذکر کرے یا سنے تو اس پر درود شریف واجب ہو جاتا ہے۔

● اگر ایک مجلس میں آپ کا ذکر مبارک بار بار آئے تو صرف ایک مرتبہ درود پڑھنے سے واجب ادا ہو جاتا ہے، لیکن مستحب یہ ہے کہ جتنی بار ذکر مبارک خود کرے یا کسی سے سنے ہر مرتبہ درود شریف پڑھے۔

● جس طرح زبان سے ذکر مبارک کے وقت زبانی صلوٰۃ وسلام واجب ہے اسی طرح قلم سے لکھنے کے وقت صلوٰۃ وسلام کا قلم سے لکھنا بھی واجب ہے، اور اس میں جو لوگ حروف کا اختصار کر کے "صلعم" لکھ دیتے ہیں یہ کافی نہیں، پورا صلوٰۃ وسلام لکھنا چاہئے۔

● لفظ صلوٰۃ انبیاء علیہم السلام کے سوا کسی کے لیے استعمال کرنا جمہور علماء کے نزدیک جائز نہیں۔

● جو حکم لفظ صلوٰۃ کا ہے وہی لفظ سلام کا بھی ہے کہ غیر نبی کے لیے اس کا استعمال درست نہیں، اِلا یہ کہ کسی کو خطاب کرنے کے وقت بطور تحیہ کے السلام علیکم کہے، یہ جائز مسنون ہے۔ مگر کسی غائب کے نام کے ساتھ "علیہ السلام" کہنا اور لکھنا غیر نبی کے لیے درست نہیں۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۸)

يَاَيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ ؕ ذٰلِكَ اَدْنٰۤى اَنْ يُّعْرَفْنَ فَلَا يُؤْذَيْنَ ؕ وَكَانَ اللّٰهُ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ﴿۵۹﴾

اس رکوع میں اوّلاً پردے کا حکم ہے کہ عورتوں کو چاہیے کہ وہ اپنی چادریں اپنے منہ کے اوپر جھکا لیا کریں، یہ ان کے لیے عصمت وعفت کی حفاظت میں معاون ثابت ہوگا، پھر منافقین اور سرکشوں کو دھمکایا گیا ہے، اس کے بعد قیامت کا ذکر ہے کہ کفار کو قیامت کے دن جہنم میں منہ کے بل ڈال دیا جائے گا، وہ حسرت وافسوس کا اظہار کریں گے، اپنے کفر کا گناہ اپنے سرداروں پر ڈالنے کی کوشش کریں گے لیکن یہ سب کام نہ آئے گا۔

اہم مسائل

● عورتوں کو جب کسی ضرورت کی بنا پر گھر سے نکلنا پڑے تو لمبی چادر سے تمام بدن چھپا کر نکلیں، اور اس چادر کو سر کے اوپر سے لٹکا کر چہرہ بھی چھپا کر چلیں، مروّجہ برقع بھی اس کے قائم مقام ہے۔

● مسلمانوں میں ایسی افواہیں پھیلانا حرام ہے جن سے ان کو تشویش اور پریشانی ہو

اور نقصان پہنچے۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۹)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَكُوْنُوْا كَالَّذِيْنَ اٰذَوْا مُوْسٰى فَبَرَّاَهُ اللّٰهُ مِمَّا قَالُوْا ۭ وَكَانَ عِنْدَ اللّٰهِ وَجِيْهًا ۞

اس رکوع میں مسلمانوں کو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ذرا بھی تکلیف پہنچانے سے منع کیا گیا ہے، پھر تقویٰ اور راست گفتاری یعنی صحیح اور سچ بات کہنے کی تاکید ہے۔ اس کے بعد انسان کے مقام ومرتبہ کو اس طرح واضح کیا گیا ہے کہ خلافتِ الٰہی کا بوجھ تو آسمان وزمین بھی نہ اٹھا سکے، لیکن انسان نے اس کو برداشت کر لیا۔ آخری آیت میں منافقین ومشرکین کے لیے عذاب کی وعید اور اہل ایمان کے لیے رحمت کا وعدہ ہے۔

اہم مسئلہ

● جو شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کسی طرح کی ایذاء پہنچائے، آپ کی ذات یا صفات میں کوئی عیب نکالے، خواہ صراحتاً ہو یا کنایتاً وہ کافر ہو جائے گا۔ (ملخص از معارف)



تعارف سورۂ سبا

اس سورت کا بنیادی موضوع اہل مکہ اور دوسرے مشرکین کو اسلام کے بنیادی عقائد کی دعوت دینا ہے، اس سلسلے میں ان کے اعتراضات اور شبہات کا جواب بھی دیا گیا ہے، اور ان کو نافرمانی کے برے انجام سے بھی ڈرایا گیا ہے، اسی مناسبت سے ایک طرف حضرت داؤد اور حضرت سلیمان (علیہما السلام) کی اور دوسری طرف قوم سبا کی عظیم الشان حکومتوں کا ذکر فرمایا گیا ہے، حضرت داؤد اور حضرت سلیمان (علیہما السلام) کو ایسی زبردست سلطنت سے نوازا گیا جس کی کوئی نظیر دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی، لیکن ان برگزیدہ پیغمبروں کو کبھی اس سلطنت پر ذرّہ برابر غرور نہیں ہوا، اور وہ اس سلطنت کو اللہ تعالیٰ کا انعام سمجھ کر اللہ تعالیٰ کے حقوق ادا کرتے رہے، اور اپنی حکومت کو نیکی کی ترویج اور بندوں کی فلاح و بہبود کے کاموں میں استعمال کیا، چنانچہ وہ دنیا میں بھی سرخرو رہے، اور آخرت میں بھی اونچا مقام پایا، دوسری طرف قوم سبا کو جو یمن میں آباد تھی، اللہ تعالیٰ نے ہر طرح کی خوشحالی سے نوازا؛ لیکن انھوں نے ناشکری کی روش اختیار کی، اور کفر و شرک کو فروغ دیا جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ ان پر اللہ تعالیٰ کا عذاب آیا، اور ان کی خوشحالی ایک قصۂ پارینہ بن کر رہ گئی، ان دونوں واقعات کا ذکر فرما کر سبق یہ دیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے کوئی اقتدار حاصل ہو یا دنیوی خوشحالی نصیب ہو تو اس میں مگن ہو کر اللہ تعالیٰ کو بھلا بیٹھنا تباہی کو دعوت دینا ہے، اس سے مشرکین کے ان سرداروں کو متنبہ کیا گیا ہے جو اپنے اقتدار کے گھمنڈ میں مبتلا ہو کر دین حق کے راستے میں روڑے اٹکا رہے تھے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)

رکوعاتها ٦	سُورَةُ سَبَا مَكِّيَّة	اٰياتها ۵۴

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ الَّذِیۡ لَهٗ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَمَا فِی الۡاَرۡضِ وَلَهُ الۡحَمۡدُ فِی الۡاٰخِرَةِ ؕ وَهُوَ الۡحَكِیۡمُ الۡخَبِیۡرُ ﴿۱﴾

سورت کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کی بے مثال قدرت اور علم کا ذکر کر کے بتایا گیا ہے کہ حقیقی تعریف کے لائق وہی ایک ذات ہے، منکرین قیامت کو کہا گیا ہے کہ تمہارے انکار کرنے سے کچھ نہ ہوگا، قیامت آ کر رہے گی اور اس میں ہر ہر عمل کا حساب دینا ہوگا، نیز عذابِ خداوندی سے ڈرایا گیا ہے۔ کفار کی جانب سے رسول اکرم پر جس طرح کے بے ہودہ اعتراضات ہوتے تھے اُن کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔

رکوع (۲)

وَلَقَدۡ اٰتَیۡنَا دَاوٗدَ مِنَّا فَضۡلًا ؕ یٰجِبَالُ اَوِّبِیۡ مَعَهٗ وَالطَّیۡرَ ۚ وَاَلَنَّا لَهُ الۡحَدِیۡدَ ﴿۱۰﴾

اس رکوع میں پہلے اللہ کے جلیل القدر نبی حضرت داوٗد علیہ السلام کا ذکر ہے، اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے لوہے کو موم کی طرح نرم کر دیا تھا جس سے وہ زرہیں بناتے، اُسی سے گزر معاش کرتے۔ ان کے بیٹے حضرت سلیمان علیہ السلام کا بھی ذکر ہے جن کی حکومت چرند، پرند اور درند کے ساتھ جنات وشیاطین پر بھی تھی، اس کے علاوہ ہوا بھی ان کے تابع تھی، ان کی حیرت انگیز موت کا تذکرہ بھی اسی رکوع میں ہے۔ اس کے بعد قوم سبا کا ذکر ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بہت سی نعمتوں اور خوشحالی سے سرفراز کیا تھا، نہایت عمدہ قسم کے باغات تھے جو ان کی ناشکری اور کفر کی پاداش میں ایک سیلاب کی نذر ہو گئے، ساری کھیتی

بہہ گئی اور بدبودار درخت باقی رہ گئے۔

اہم مسائل

● پیشوں کی بنیاد پر برادریاں بنانا اور بعض پیشوں کو بحیثیت پیشہ حقیر و ذلیل سمجھنا جائز نہیں۔ یہ ہندوستان میں ہندوؤں کی پیداوار ہے، ان کے ساتھ رہنے سہنے سے مسلمانوں میں بھی یہ اثرات قائم ہو گئے۔

● خلیفۂ وقت یا سلطان کو جو اپنا پورا وقت امور سلطنت کی انجام دہی میں صرف کرتا ہے شرعاً یہ جائز ہے کہ اپنا متوسط گزارہ بیت المال سے لے لے، لیکن کوئی دوسری صورت گزارہ کی ہو سکے تو وہ زیادہ پسند ہے۔

● جنات کی تسخیر اگر کسی کے لیے بغیر قصد و عمل کے محض منجانب اللہ ہو جائے جیسا کہ سلیمان علیہ السلام اور بعض صحابہ کرام کے متعلق ثابت ہے وہ تو معجزہ یا کرامت میں داخل ہے۔

● جو تسخیر عملیات کے ذریعہ کی جاتی ہے اس میں اگر کلماتِ کفریہ یا اعمالِ کفریہ ہوں تو کفر، اور صرف معصیت پر مشتمل ہوں تو گناہ کبیرہ ہے، اور جن عملیات میں ایسے الفاظ استعمال کیے جائیں جن کے معنی معلوم نہیں ان کو بھی فقہاء نے اس بنا پر ناجائز کہا ہے کہ ہوسکتا ہے کہ ان کلمات میں کفر و شرک یا معصیت پر مشتمل کلمات ہوں۔

● اگر یہ عمل تسخیر اسمائے الٰہیہ یا آیاتِ قرآنیہ کے ذریعہ ہو اور اس میں نجاست وغیرہ کے استعمال جیسی کوئی معصیت بھی نہ ہو، تو وہ اس شرط کے ساتھ جائز ہے کہ مقصود اس سے جنات کی ایذاء سے خود بچنا یا دوسرے مسلمانوں کو بچانا ہو، کیوں کہ اگر اس کو کسبِ مال کا پیشہ بنایا گیا تو اس لیے جائز نہیں کہ اس میں آزاد کو اپنا غلام بنانا اور بلا حق شرعی اس سے مزدوری لینا ہے، جو حرام ہے۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۳)

قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ ۚ لَا يَمْلِكُوْنَ مِثْقَالَ ذَرَّةٍ فِي السَّمٰوٰتِ وَلَا فِي الْاَرْضِ وَمَا لَهُمْ فِيْهِمَا مِنْ شِرْكٍ وَّمَا لَهٗ مِنْهُمْ مِّنْ ظَهِيْرٍ ﴿٢٢﴾

اس رکوع میں شرک کی مذمت کی گئی ہے کہ جنہیں یہ مشرکین اللہ کو چھوڑ کر پوجتے ہیں وہ آسمان وزمین میں ایک ذرہ کا بھی اختیار نہیں رکھتے، کل قیامت کی ہولناکی میں ان میں سے کوئی سفارش بھی نہ کرسکے گا اور اُسی وقت اہل ایمان اور اہل کفر و شرک کے درمیان حقیقی فیصلہ ہوگا۔

رکوع (۴)

وَقَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ بِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَلَا بِالَّذِيْ بَيْنَ يَدَيْهِ

اس رکوع میں بھی قیامت کا منظر بیان کیا گیا ہے کہ یہ کفار قیامت میں اپنے گناہوں کا بوجھ ایک دوسرے پر ڈالیں گے، کمزور اپنے سردار کو مجرم بتائے گا اور مجرم اپنے ماتحت کو گمراہ قرار دے گا۔ بالآخر عذاب سامنے دیکھ کر ندامت اور شرمندگی کے سوا کچھ ہاتھ نہ آئے گا۔

رکوع (۵)

وَمَآ اَمْوَالُكُمْ وَلَآ اَوْلَادُكُمْ بِالَّتِيْ تُقَرِّبُكُمْ عِنْدَنَا زُلْفٰٓى اِلَّا مَنْ اٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا

اس رکوع میں مال و دولت اور آل واولاد کے بارے میں کہا گیا ہے کہ کل قیامت میں یہ ہرگز کام نہ آئیں گے، نیز جب فرشتے جھوٹے خداؤں سے سوال کریں گے کہ کیا تم نے ان مشرکین کو اپنی عبادت کرنے کا حکم دیا تھا تو وہ انکار کریں گے اور اپنے پرستاروں سے اظہارِ براءت کرلیں گے۔ کفار کی یہ سرکشی بھی ذکر کی گئی ہے کہ جب ان کے سامنے قرآن کریم کی تلاوت ہوتی تو کبھی تو اُسے گھڑی ہوئی بات قرار دیتے اور کبھی اُسے جادو کہتے۔ آخری آیت میں کفارِ مکہ کو گزشتہ اقوام سے عبرت حاصل کرنے کے لیے کہا گیا ہے کہ وہ قومیں ان سے دس گنا زیادہ طاقتور تھیں، لیکن عذابِ الٰہی کے سامنے نیست و نابود ہوگئیں، تو پھر یہ کس شمار میں ہیں؟

رکوع (٦)

قُلْ اِنَّمَآ اَعِظُكُمْ بِوَاحِدَةٍ ۚ اَنْ تَقُوْمُوْا لِلّٰهِ مَثْنٰى وَفُرَادٰى ثُمَّ تَتَفَكَّرُوْا

مَا بِصَاحِبِكُمْ مِّنْ جِنَّةٍ ۭ اِنْ هُوَ اِلَّا نَذِيْرٌ لَّكُمْ بَيْنَ يَدَيْ عَذَابٍ شَدِيْدٍ ۝

اس رکوع میں کفارِ مکہ کو نصیحت کی گئی ہے کہ تم جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں الٹی سیدھی باتیں کرتے ہو، نعوذ باللہ انہیں مجنون اور مسحور کہتے ہو، ذرا تنہائی میں بیٹھ کر غور وفکر کرو، سوچو کہ جو انسان اتنی عقل ودانش کی باتیں کرتا ہے، تم سے اپنی دعوت وتبلیغ پر کوئی اجرت بھی طلب نہیں کرتا، مسلسل تمہیں نصیحت کرتا رہتا ہے وہ مجنون ودیوانہ کیسے ہوسکتا ہے؟ اخیر سورت میں قیامت میں کفار کی ناکامی اور حسرت کو بیان کیا گیا ہے کہ یہ اُس دن ایمان کا اظہار کریں گے لیکن تب تک بہت دیر ہو چکی ہوگی اور انہیں جہنم کے حوالے کر دیا جائے گا۔



تعارف سورۂ فاطر

اس سورت میں بنیادی طور پر مشرکین کو توحید اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور فرمایا گیا ہے کہ اس کائنات میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی جو نشانیاں چاروں طرف پھیلی ہوئی ہیں، ان پر سنجیدگی سے غور کرنے سے اول تو یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ جس قادر مطلق نے یہ کائنات پیدا فرمائی ہے اسے اپنی خدائی کا نظام چلانے میں کسی شریک یا مددگار کی کوئی ضرورت نہیں ہے، اور دوسرے یہ کہ وہ یہ کائنات کسی مقصد کے بغیر فضول پیدا نہیں کر سکتا، یقیناً اس کا کوئی مقصد ہے، اور وہ یہ کہ جو لوگ یہاں اس کے احکام کے مطابق نیک زندگی گزاریں، انھیں انعامات سے نوازا جائے، اور جو نافرمانی کریں ان کو سزا دی جائے، جس کے لیے آخرت کی زندگی ضروری ہے، تیسرے یہ کہ جو ذات کائنات کے اس عظیم الشان کارخانے کو عدم سے وجود میں لے کر آئی ہے، اس کے لیے اس کو ختم کر کے نئے سرے سے آخرت کا عالم پیدا کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے، جسے ناممکن سمجھ کر اس کا انکار کیا جائے، اور جب یہ حقیقتیں مان لی جائیں تو اس سے خود بخود یہ بات ثابت ہو سکتی ہے کہ جب اللہ تعالیٰ کو یہ منظور ہے کہ اس دنیا میں انسان اس کی مرضی کے مطابق زندگی گزارے، تو ظاہر ہے کہ اپنی مرضی لوگوں کو بتانے کے لیے اس نے رہنمائی کا کوئی سلسلہ ضرور جاری فرمایا ہوگا، اسی سلسلے کا نام رسالت، نبوت یا پیغمبری ہے، اور حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اسی سلسلے کے آخری نمائندے ہیں، اس سورت میں آپ کو یہ تسلی بھی دی گئی ہے کہ اگر کافر لوگ آپ کی بات نہیں مان رہے ہیں تو اس میں آپ پر کوئی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی؛ بلکہ آپ کا فریضہ صرف اتنا ہے کہ لوگوں تک حق کا پیغام واضح طریقے سے پہنچا دیں، آگے ماننا نہ ماننا ان کا کام ہے اور وہی اس کے لیے جواب دہ ہیں۔

سورت کا نام ''فاطر'' بالکل پہلی آیت سے لیا گیا ہے، جس کے معنی ہیں پیدا کرنے والا۔ اسی سورت کا دوسرا نام سورۂ ملائکہ بھی ہے، کیونکہ اس کی پہلی آیت میں فرشتوں کا بھی ذکر ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)



آیاتھا ۴۵ | سُوْرَةُ فَاطِرٍ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ فَاطِرِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ جَاعِلِ الْمَلٰٓئِكَةِ رُسُلًا اُولِيْٓ اَجْنِحَةٍ مَّثْنٰى وَثُلٰثَ وَرُبٰعَ ؕ يَزِيْدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَآءُ ؕ اِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہے کہ اُسی نے آسمان وزمین کی تخلیق کی، فرشتوں کو پیدا کیا، ان کے پَر بنائے، پھر بیان کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کسی پر اپنی رحمت بھیجنا چاہے تو کوئی اسے روک نہیں سکتا، اور اگر کسی کو اپنی رحمت سے محروم کرنا چاہے تو کوئی اُس کو بچا نہیں سکتا۔ اس کے بعد انسانوں کو اللہ کی نعمتوں میں غور وفکر کا حکم ہے کہ جب آسمان سے رزق دینے والی ذات اللہ کی ہے تو عبادت کے معاملے میں اِدھر اُدھر کیوں بھٹک رہے ہو۔ اخیر میں انسانوں کو شیطانی دھوکے اور مکر وفریب سے باز رہنے کی تاکید ہے کہ شیطان تو انسان کا سب سے بڑا اور کھلا ہوا دشمن ہے، اُس کی اتباع جہنم تک لے جا سکتی ہے۔

رکوع (۲)

اَفَمَنْ زُيِّنَ لَهٗ سُوْٓءُ عَمَلِهٖ فَرَاٰهُ حَسَنًا ؕ

اس رکوع میں اوّلاً یہ بیان کیا گیا ہے کہ کفار کی نظر میں ان کے برے اعمال بھی بہتر معلوم ہوتے ہیں، یہ سارا معاملہ ہدایت کا ہے، اللہ جسے چاہے ہدایت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے گمراہ کرتا ہے، جسے چاہتا ہے عزت دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے ذلیل ورسوا کرتا ہے۔ اس کے بعد کفار کے ایمان نہ لانے پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی قلبی بے چینی اور دلی تڑپ کو بیان کیا گیا ہے۔ پھر اللہ تعالیٰ کی قدرت کو مختلف انداز میں بیان کیا گیا ہے اور مشرکین کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ یہ معبودانِ باطلہ کائنات تو کیا؛ کھجور کے چھلکے جیسی

ادنیٰ چیز پر بھی اختیار نہیں رکھتے تو یہ کل قیامت میں کیا کام آئیں گے۔

رکوع (۳)

يَاَيُّهَا النَّاسُ اَنْتُمُ الْفُقَرَآءُ اِلَى اللّٰهِ ۚ وَاللّٰهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيْدُ ۝۱۵

اس رکوع کا آغاز اس مضمون سے کیا گیا ہے کہ پوری کائنات اللہ کی محتاج ہے لیکن وہ کسی کا محتاج نہیں، وہ بے نیاز اور مستغنی ہے، اگر وہ چاہے تو ناشکری اور کفر کی بنیاد پر سب کو ہلاک وفنا کردے اور دوسری مخلوق لے آئے۔ اس کے بعد قیامت کا منظر بیان کیا گیا ہے کہ وہاں کوئی کسی کے گناہوں اور بدعملیوں کا بوجھ نہ اٹھائے گا، خواہ کتنا ہی قریبی رشتے دار ہو۔ پھر ایمان وکفر اور مومن وکافر کے درمیان موازنہ کیا گیا ہے کہ جس طرح اندھیرا اور روشنی برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح کفر اور ایمان برابر نہیں ہو سکتے، جس طرح نابینا اور بینا برابر نہیں ہو سکتے اسی طرح کافر اور مومن برابر نہیں ہو سکتے۔

رکوع (۴)

اَلَمْ تَرَ اَنَّ اللّٰهَ اَنْزَلَ مِنَ السَّمَآءِ مَآءً ۚ فَاَخْرَجْنَا بِهٖ ثَمَرٰتٍ مُّخْتَلِفًا اَلْوَانُهَا ۭ وَمِنَ الْجِبَالِ جُدَدٌۢ بِيْضٌ وَّحُمْرٌ مُّخْتَلِفٌ اَلْوَانُهَا وَغَرَابِيْبُ سُوْدٌ ۝۲۷

اس رکوع میں اوّلاً قدرتِ خداوندی کے کچھ مظاہر ذکر کیے گئے ہیں، مثلاً آسمان سے پانی کا برسنا، مختلف رنگوں کے پھلوں کا اُگنا، سفید، سیاہ اور سرخ پہاڑ، مختلف رنگوں کے انسان اور جانور وغیرہ۔ اس کے بعد کتابِ الٰہی کی تلاوت کرنے والوں اور نماز وزکوٰۃ کا اہتمام کرنے والوں کے بارے میں کہا گیا ہے کہ یہ ایسی تجارت کر رہے ہیں جس میں کبھی نقصان نہ ہوگا، پھر مومنین کو جنت میں ملنے والی کچھ نعمتوں کا ذکر ہے مثلاً سونے اور ہیرے جواہرات کے زیور، ریشمی لباس اور ابدی اطمینان وسکون۔ ان کے مقابلے میں کفار جہنم میں چیخ پکار کریں گے، واپس دنیا جانے کی درخواست کریں گے لیکن اُن کے عذاب میں کوئی تخفیف نہ ہوگی۔

رکوع (۵)

اِنَّ اللّٰهَ عٰلِمُ غَيْبِ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۭ اِنَّهٗ عَلِيْمٌۢ بِذَاتِ الصُّدُوْرِ ۝۳۸

اس رکوع میں اوّلاً اللہ تعالیٰ کی صفت علم غیب کا ذکر ہے، پھر انسان کو اُس کا حقیقی منصب یعنی خلافتِ ارضی یاد دلایا گیا ہے، اس کے بعد شرک کی مذمت کی گئی ہے کہ ذرا مشرکین اپنے خداؤں کی پیدا کردہ کوئی چیز لا کر دکھائیں۔ یہی کفار و مشرکین رسول اکرم ﷺ کی بعثت سے قبل کہا کرتے تھے کہ یا اللہ! اہل کتاب کی طرح ہمارے پاس بھی کوئی نبی بھیج دے۔ اور جب نبی مبعوث ہوئے تو تکبر میں پڑ کر اپنی آخرت تباہ کر بیٹھے، حالاں کہ ان کے اردگرد بہت سی ایسی بستیاں ہیں جن میں گزشتہ اقوام کے ہلاک شدہ کھنڈرات عبرت کے لیے کافی ہیں۔



تعارف سورۂ یٰس

اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی وہ نشانیاں بیان فرمائی ہیں جو نہ صرف پوری کائنات میں بلکہ خود انسان کے اپنے وجود میں پائی جاتی ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کے ان مظاہر سے ایک طرف یہ بات واضح ہوتی ہے کہ جو ذات اتنی قدرت اور حکمت کی مالک ہے اس کو اپنی خدائی کا نظام چلانے کے لیے نہ کسی شریک کی ضرورت ہے نہ کسی مددگار کی، اس لیے وہ اور صرف وہ عبادت کے لائق ہے، اور دوسری طرف قدرت کی ان نشانیوں سے یہ بات ظاہر ہوتی ہے کہ جس ذات نے یہ کائنات اور اس کا محیر العقول نظام پیدا فرمایا ہے، اس کے لیے یہ بات کچھ بھی مشکل نہیں ہے کہ وہ انسانوں کے مرنے کے بعد انھیں دوسری زندگی عطا فرمائے، اس طرح قدرت کی ان نشانیوں سے توحید اور آخرت کا عقیدہ واضح طور پر ثابت ہو جاتا ہے، حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) لوگوں کو یہی دعوت دینے کے لیے تشریف لائے ہیں کہ وہ ان نشانیوں پر غور کر کے اپنا عقیدہ اور عمل درست کریں، اس کے باوجود اگر کچھ لوگ اس دعوت کو قبول نہیں کر رہے ہیں تو وہ اپنا ہی نقصان کر رہے ہیں؛ کیونکہ اس کے نتیجے میں وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب کے مستحق بن رہے ہیں، اسی سلسلے میں آیات نمبر ۱۳ سے ۲۹ تک ایک ایسی قوم کا واقعہ ذکر فرمایا گیا ہے جس نے حق کی دعوت کو قبول نہ کیا؛ بلکہ حق کے داعیوں کے ساتھ ظلم و بربریت کا معاملہ کیا جس کے نتیجے میں حق کے داعی کا انجام تو بہترین ہوا لیکن حق کے یہ منکر اللہ تعالیٰ کے عذاب کی پکڑ میں آ گئے؛ چونکہ اس سورت میں اسلام کے بنیادی عقائد کو بڑے فصیح و بلیغ اور جامع انداز میں بیان فرمایا گیا ہے، اس لیے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے منقول ہے کہ آپ نے اس سورت کو قرآن کا دل قرار دیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۸۳ | سُوْرَۃُ یٰسٓ مَکِّیَّۃٌ | رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰسٓ ۚ ﴿۱﴾ وَالْقُرْاٰنِ الْحَكِيْمِ ۙ ﴿۲﴾ اِنَّكَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ۙ ﴿۳﴾

سورت کے آغاز میں قرآن کریم کی قسم کھا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی رسالت اور نبوت کی شہادت دی گئی ہے، حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ کفار کو ان کے برے انجام سے باخبر کر دیں، جن کے گلوں میں دوزخ میں طوق پڑے ہوں گے، پھر اللہ تعالیٰ کا خوف رکھنے والے مومنین کے لیے مغفرت اور عمدہ اجر کا وعدہ ہے۔ آخری آیت میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے لوگوں کے تمام اعمال محفوظ کر رکھے ہیں، مرنے کے بعد والی زندگی میں ان کا حساب ہوگا۔

رکوع (۲)

وَاضْرِبْ لَهُمْ مَّثَلًا اَصْحٰبَ الْقَرْيَةِ ۘ اِذْ جَآءَهَا الْمُرْسَلُوْنَ ۚ ﴿۱۳﴾

اس رکوع میں اصحابِ قریہ یعنی ایک بستی والوں کا واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ گزشتہ زمانے میں ایک بستی میں اللہ تعالیٰ نے اوّلاً دو انبیائے کرام بھیجے، بعد میں ایک اور نبی مبعوث ہوئے، اب ان تینوں نے قوم تک اللہ کا پیغام پہنچایا، تو لوگوں نے انہیں جھٹلایا اور کہا کہ تم بھی تو ہم جیسے انسان ہو، پھر ہم تمہیں کیسے نبی تسلیم کریں۔ اس کے علاوہ بھی انہوں نے انبیائے کرام کے ساتھ گستاخی کا معاملہ کیا۔ یہ بات شہر کے کنارے پر رہنے والے ایک شخص کو معلوم ہوئی جو ان انبیائے کرام پر ایمان لا چکا تھا، وہ دوڑتا ہوا آیا اور قوم کو سمجھانے کی کوشش کی کہ سرکشی چھوڑ کر ان بزرگوں کی بات مان لیں جو دعوت وتبلیغ کے عظیم کام پر کوئی معاوضہ تک نہیں لیتے۔



پارہ: (۲۳)

وَمَالِیَ لَآ اَعْبُدُ الَّذِیْ فَطَرَنِیْ وَاِلَیْهِ تُرْجَعُوْنَ ﴿۲۲﴾

اصحابِ قریہ کا واقعہ جاری ہے کہ قوم نے تینوں انبیائے کرام کی دعوت کو جھٹلا دیا، قوم ہی کے ایک فرد نے جب انبیاء کی تصدیق کی تو انہوں نے غصے میں اُسے شہید کر دیا۔ اللہ تعالیٰ نے شہادت کے بدلے اُسے اتنا بلند مقام عطا فرمایا کہ وہ پکار اٹھا کہ کاش میری قوم کے لوگ یہ بات جانتے تو کبھی کفر و شرک نہ کرتے۔ اُس کے بعد اس قوم پر اللہ کے عذاب اور ان کی ہلاکت کا ذکر ہے کہ ایک نہایت بلند چنگھاڑ نے انہیں ہلاک کر دیا۔ اس کے بعد کفارِ مکہ کو عبرت حاصل کرنے کی ترغیب ہے کہ ان بستیوں کی ہلاکت میں غور کریں اور تکذیب واستہزاء کے کافرانہ رویے سے باز آئیں۔

رکوع (۳)

وَاٰیَةٌ لَّهُمُ الْاَرْضُ الْمَیْتَةُ ۚۖ اَحْیَیْنٰهَا وَاَخْرَجْنَا مِنْهَا حَبًّا فَمِنْهُ یَاْكُلُوْنَ ﴿۳۳﴾

اس رکوع میں کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیوں کو ذکر کیا گیا ہے، مثلاً بنجر اور خشک زمین کا سرسبز و شاداب ہو جانا، اس میں کھجور اور انگور وغیرہ کے پھلوں کا اگنا، چشموں کا بہنا، سورج اور چاند کا مستقل نظام کہ دونوں کے نکلنے اور ڈوبنے کا وقت اس طرح مقرر ہے کہ کوئی ایک دوسرے سے سبقت نہیں کرتا وغیرہ۔ ان تمام نشانیوں میں غور و فکر کرنے کی ترغیب ہے کہ جو عظیم ہستی اس پورے نظام کو چلا رہی ہے وہی عبادت کے لائق ہے۔ اخیر میں کفار کی صفتِ بخل کو بیان کیا گیا ہے کہ جب انہیں فقراء و محتاج لوگوں پر خرچ کرنے کی تلقین کی جاتی ہے تو یہ حیلے بہانے بنا کر اللہ کی تقسیم رزق کے نظام پر اعتراض کرنے لگ جاتے ہیں، ان کی ضد اس حد تک بڑھ چکی ہے کہ عذابِ الٰہی کے علاوہ کوئی چیز ان کا علاج نہیں ہے۔

رکوع (۴)

وَنُفِخَ فِي الصُّوْرِ فَإِذَا هُمْ مِّنَ الْأَجْدَاثِ إِلَى رَبِّهِمْ يَنْسِلُوْنَ ﴿۵۱﴾

اس رکوع میں قیامت کا منظر بیان کیا گیا ہے، کہ قبروں سے نکلتے ہی کفار کی حسرت کا وقت شروع ہو جائے گا، اہل ایمان اور اہل کفر کو الگ الگ کر کے ان کے اعمال کے مطابق ابدی ٹھکانے میں بھیج دیا جائے گا، چناں چہ جنتی خوب عیش و آرام میں ہوں گے، وہاں کی نعمتوں سے لطف اندوز ہوں گے، جب کہ کفار کو جہنم میں ڈال دیا جائے گا، وہ اپنے جرم کا انکار کریں گے تو ان کے منہ پر مہر لگا دی جائے گی اور ان کے اعضاء کفر و شرک اور دیگر گناہوں کی گواہی دیں گے۔

رکوع (۵)

وَمَنْ نُّعَمِّرْهُ نُنَكِّسْهُ فِي الْخَلْقِ ۖ أَفَلَا يَعْقِلُوْنَ ﴿۶۸﴾

اس رکوع میں اوّلاً کفار کو غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے کہ انسان کے جسم میں وقت کے ساتھ ہوتے ہوئے تغیرات کو دیکھ کر انہیں عبرت حاصل کرنی چاہیے، اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ قرآن کریم کوئی شعر نہیں ہے، جسے محض لطف کے لیے سنا جائے، بلکہ یہ تو اللہ کی جانب سے نازل کردہ نصیحت ہے۔ پھر مشرکین سے کہا جا رہا ہے کہ کل قیامت میں تمہارے یہ معبود مجبورِ محض ہوں گے، کسی کے کام نہ آئیں گے، پھر قیامت کے وقوع اور مرنے کے بعد والی زندگی پر مختلف انداز میں دلائل قائم کیے گئے ہیں، نیز اللہ کی قدرت کو اس طور پر بیان کیا گیا ہے کہ کائنات کی ہر شے اس کے حکم کی محتاج ہے، وہ جیسے ہی حکم کرتا ہے وہ چیز فوراً ہو جاتی ہے، یہی حال قیامت کا بھی ہوگا۔



تعارف سورۂ صافات

مکی سورتوں میں زیادہ تر اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کے اثبات پر زور دیا گیا ہے، اس سورت کا مرکزی موضوع بھی یہی ہے، البتہ اس سورت میں خاص طور پر مشرکین عرب کے اس غلط عقیدے کی تردید کی گئی ہے جس کی رو سے وہ کہا کرتے تھے کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں یہی وجہ ہے کہ سورت کا آغاز فرشتوں کے اوصاف سے کیا گیا ہے، کفار کو کفر کے ہولناک انجام سے ڈرایا گیا ہے، اور انھیں متنبہ کیا گیا ہے کہ ان کی تمام تر مخالفت کے باوجود اس دنیا میں بھی اسلام ہی غالب آکر رہے گا، اسی مناسبت سے حضرت نوح، حضرت لوط، حضرت موسیٰ، حضرت الیاس اور حضرت یونس (علیہم السلام) کے واقعات مختصر اور حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا واقعہ تفصیل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، خاص طور پر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کو اپنے بیٹے کو ذبح کرنے کا جو حکم دیا گیا تھا اور انھوں نے قربانی کے جس عظیم جذبے سے اس کی تعمیل فرمائی، اس کا واقعہ بڑے موثر اور مفصل انداز میں اسی سورت کے اندر بیان ہوا ہے، سورت کا نام اس کی پہلی آیت سے ماخوذ ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۱۸۲	سُوْرَۃُ الصّٰٓفّٰتِ مَکِّیَّۃ	رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالصّٰٓفّٰتِ صَفًّا ۙ﴿۱﴾ فَالزّٰجِرٰتِ زَجْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالتّٰلِيٰتِ ذِكْرًا ۙ﴿۳﴾

سورت کے آغاز میں فرشتوں کی قسم کھا کر توحید کو ثابت کیا گیا ہے، اس کے بعد کائنات میں پھیلی ہوئی مختلف چیزوں کا تذکرہ ہے، مثلاً آسمان، زمین، ستارے وغیرہ، جس سے اللہ کی قدرت کا علم ہوتا ہے، نیز کفار کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ اتنی بڑی بڑی چیزوں کی تخلیق آسان ہے یا انسان کو دوبارہ پیدا کرنا۔ اس کے بعد کفار کے تمسخر اور استہزاء کا ذکر ہے کہ یہ قرآن کریم کی نصیحت پر کان نہیں دھرتے، اس کا مذاق اڑاتے ہیں، چناں چہ قیامت میں جب یہ خوف و دہشت میں مبتلا اور ذلیل ورسوا ہوں گے ان سے کہا جائے گا کہ یہی وہ فیصلے کا دن ہے جسے تم دنیا میں جھٹلاتے تھے۔

رکوع (۲)

اُحْشُرُوا الَّذِيْنَ ظَلَمُوْا وَاَزْوَاجَهُمْ وَمَا كَانُوْا يَعْبُدُوْنَ ۙ﴿۲۲﴾

قیامت کا ذکر جاری ہے کہ کفار کے جھوٹے معبودوں کو بھی بلایا جائے گا، وہ بالکل بے بس ہوں گے، عابد اور معبود دونوں اپنی گمراہی ایک دوسرے کے ذمہ لگانے کی کوشش کریں گے، اتنے میں فیصلہ ہوگا کہ سب کے سب عذاب میں شریک رہیں گے۔ پھر اہل جنت کی پُرعیش زندگی کا ذکر ہے کہ انہیں جنت میں ہر قسم کی نعمت میسر ہوگی، اونچی اونچی مسہریوں پر بیٹھے ہوں گے، عمدہ قسم کے لذیذ مشروب سامنے ہوں گے، خوب صورت اور حسین حوریں ہوں گی، ان کے بالمقابل جہنم میں شدید عذاب ہوگا، مثلاً کانٹے دار درخت

کھانے کے لیے دیے جائیں گے، کھولتا ہوا پانی پینے کو ملے گا، اور اس کی وجہ وہی گمراہی ہوگی جس میں یہ دنیوی زندگی میں مبتلا تھے۔

رکوع (۳)

وَ لَقَدْ نَادٰىنَا نُوْحٌ فَلَنِعْمَ الْمُجِیْبُوْنَ ﴿۷۵﴾

یہاں سے متعدد انبیائے کرام کے ذکر کا سلسلہ شروع ہوتا ہے، ابتدا حضرت نوح علیہ السلام سے کی گئی ہے، قومِ نوح کی ہلاکت، مومنین کی بازیابی اور حضرت نوح کا عمدہ تذکرہ کیا گیا ہے، پھر حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور قوم کے سامنے شرک کی برائی کو واضح کیا، حتیٰ کہ ان کے بتوں کو توڑ ڈالا، جس پر قوم نے انہیں جلا کر مارنا چاہا لیکن اللہ نے انہیں نجات دی، پھر قربانی سے متعلق مشہور واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب کی بنیاد پر حضرت اسماعیل کو راہِ خدا میں قربان کرنے کا فیصلہ کیا، ذبح کے لیے تیار تھے کہ اُسی وقت اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل کو بچا لیا۔ دیگر آزمائشوں کی طرح حضرت ابراہیم اس بڑی آزمائش میں بھی کامیاب ہوئے، اس کے بعد اجمالی طور پر ان کے دوسرے بیٹے حضرت اسحاق کا ذکر ہے۔

رکوع (۴)

وَ لَقَدْ مَنَنَّا عَلٰى مُوْسٰى وَ هٰرُوْنَ ﴿۱۱۴﴾

انبیائے کرام کا تذکرہ جاری ہے، چناں چہ اس رکوع میں اوّلاً حضرت موسیٰ و حضرت ہارون کا ذکر ہے، اس کے بعد حضرت الیاس کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو توحیدِ الٰہی کی دعوت دی لیکن قوم نے ان کی بات نہ مانی۔ پھر حضرت لوط کا ذکر ہے کہ اللہ نے ان کو اور اہل ایمان کو عذاب سے نجات دی اور بقیہ کافر قوم کو ملیامیٹ کر دیا۔

● حضرت الیاس علیہ السلام کے بارے میں قرآن کریم نے زیادہ تفصیلات بیان نہیں فرمائیں، تاریخی اور اسرائیلی روایتوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے بعد جب بنی اسرائیل میں کفر وشرک کی وبائیں پھوٹیں تو اس وقت آپ کو پیغمبر

بنا کر بھیجا گیا، بائبل کی کتاب سلاطین میں ہے کہ بادشاہ اخی اب کی بیوی ازابیل نے بعل نام کے ایک بت کی پرستش شروع کی تھی، حضرت الیاس علیہ السلام نے انھیں بت پرستی سے روکا، اور معجزے بھی دکھلائے، لیکن نافرمان قوم نے ہدایت کی بات ماننے کے بجائے حضرت الیاس علیہ السلام کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا، اللہ تعالیٰ نے ان کے منصوبے کو ناکام بنا کر خود انہی پر بلائیں مسلط فرمائیں اور حضرت الیاس علیہ السلام کو اپنے پاس بلالیا، اسرائیلی روایتوں میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ انھیں آسمان پر زندہ اٹھالیا گیا تھا، لیکن کسی مستند روایت سے اس بات کی تائید نہیں ہوتی۔ (ملخص از توضیح)

رکوع (۵)

وَاِنَّ يُوْنُسَ لَمِنَ الْمُرْسَلِيْنَ ﴿۱۳۹﴾

آخری رکوع میں حضرت یونس علیہ السلام کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کی سرکشی سے عاجز آکر ایک دریائی سفر کا رخ کیا، رستے میں طوفان آیا اور حضرت یونس علیہ السلام کو ایک مچھلی نے نگل لیا، اللہ نے اپنے نبی کی حفاظت کی اور مچھلی نے انہیں دریا کے کنارے پر اُگل دیا۔ حضرت یونس علیہ السلام صحت یاب ہو کر اپنی بستی میں گئے جہاں ایک لاکھ سے زائد افراد تھے، وہ سب حضرت یونس پر ایمان لے آئے۔ اس کے بعد کفار مکہ کا ذکر ہے، ان کا خیال تھا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں ہیں، اس نظریے کی سخت الفاظ میں مذمت کی گئی اور کفارِ مکہ کی غیر منصفانہ فطرت کو اس طور پر بھی واضح کیا کہ اپنے لیے تو لڑکے پسند کرتے ہیں اور خدا کے لیے لڑکیاں منتخب کرتے ہیں۔ حالاں کہ اللہ تعالیٰ کی عظیم ذات تو ان دونوں سے پاک اور بَری ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نظریے پر دلیل پیش کرنے کے لیے کہا ہے۔ اس کے بعد فرشتوں کی اطاعت اور ہر دم ذکر و تسبیح میں مشغولیت کا ذکر ہے۔ اخیر میں رسول اکرم ﷺ کو دعوت و تبلیغ پر جمے رہنے کا حکم ہے کہ ان کی بے ہودہ باتوں پر زیادہ توجہ نہ دیں اور اپنا فریضہ انجام دیتے رہیں۔

● حضرت یونس علیہ السلام عراق کے شہر نینوا میں بھیجے گئے تھے، اور انھوں نے ایک

عرصے تک اپنی قوم کو ایمان لانے کی دعوت دی، اور جب وہ نہ مانی تو انھیں متنبہ کر دیا کہ اب تم پر تین دن کے اندر اندر عذاب آ کر رہے گا، قوم کے لوگوں نے آپس میں یہ طے کیا کہ حضرت یونس علیہ السلام چونکہ کبھی جھوٹ نہیں بولتے، اس لیے اگر وہ بستی سے چلے جاتے ہیں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ وہ ٹھیک کہہ رہے تھے، اس کے بعد حضرت یونس علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے حکم سے بستی چھوڑ کر باہر چلے گئے، ادھر بستی کے لوگوں نے جب دیکھا کہ آپ بستی میں نہیں ہیں اور کچھ عذاب کے آثار بھی محسوس کئے تو انھوں نے اللہ تعالیٰ سے عاجزی کے ساتھ توبہ کی جس کے نتیجے میں ان سے عذاب ٹل گیا، حضرت یونس علیہ السلام کو ان کی توبہ کا حال معلوم نہیں تھا، اور جب انھوں نے یہ دیکھا کہ تین دن گزر گئے اور عذاب نہیں آیا تو انھیں ڈر ہوا کہ اگر میں بستی میں واپس جاؤں گا تو بستی والے مجھے جھوٹا بنائیں گے، اور اندیشہ یہ بھی تھا کہ جھوٹا سمجھ کر قتل نہ کر دیں، اس لیے اس خوف کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کا حکم آنے سے پہلے ہی وہ اپنی بستی میں جانے کے بجائے سمندر کی طرف نکل کھڑے ہوئے اور ایک کشتی میں سوار ہو گئے جو آدمیوں سے بھری ہوئی تھی، اللہ تعالیٰ کے ایک جلیل القدر پیغمبر ہونے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کو آپ کی یہ بات پسند نہیں آئی کہ آپ اللہ تعالیٰ کا حکم آنے سے پہلے بستی کو چھوڑ کر کیوں چلے گئے، بڑے لوگوں کی معمولی چوک پر بھی گرفت ہوتی ہے، اس لیے اللہ تعالیٰ کا کرنا ایسا ہوا کہ وہ کشتی وزن زیادہ ہونے کی وجہ سے ڈوبنے کے قریب آ گئی، اور قرعہ اندازی کی گئی کہ ایک شخص کو کشتی سے باہر پانی میں اتارا جائے، کئی مرتبہ قرعہ ڈالا گیا اور ہر بار قرعے میں انہی کا نام نکلا، چنانچہ انھیں پانی میں پھینک دیا گیا، جہاں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک بڑی مچھلی آپ کی منتظر تھی، اس نے آپ کو نگل لیا اور آپ کچھ عرصے مچھلی کے پیٹ میں رہے، جیسا کہ سورۂ انبیاء میں گزرا ہے، وہاں آپ یہ تسبیح پڑھتے رہے کہ: لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنْتَ سُبْحٰنَكَ ۖ اِنِّيْ كُنْتُ مِنَ الظّٰلِمِيْنَ

تسبیح پڑھنے کی برکت سے اللہ تعالیٰ نے مچھلی کو حکم دیا کہ وہ انھیں ایک کھلے میدان کے کنارے لا کر ڈال دے، چنانچہ ایسا ہی ہوا، اس وقت حضرت یونس علیہ السلام بہت کمزور ہو چکے تھے، اور بعض روایات میں ہے کہ ان کے جسم پر بال نہیں رہے تھے، اللہ

تعالیٰ نے ان کے اوپر ایک درخت اگایا، بعض روایات میں ہے کہ وہ کدو کا درخت تھا اس سے انھیں سایہ بھی حاصل ہوا، اور شاید اس کے پھل کو اللہ تعالیٰ نے ان کے لیے علاج بھی بنادیا، نیز وہاں ایک بکری بھیج دی گئی، جس کا آپ دودھ پیتے رہے، یہاں تک کہ تندرست ہوگئے۔

حضرت یونس علیہ السلام کی قوم عذاب کے آثار دیکھ کر عذاب آنے سے پہلے ہی ایمان لے آئی تھی، اس لیے اللہ تعالیٰ نے ان سے عذاب کو ہٹا دیا تھا اور وہ ایمان لا کر ایک عرصے تک زندہ رہے۔ (ملخص از توضیح)



تعارف سورۂ صٓ

اس سورت کے نزول کا ایک خاص واقعہ ہے جو معتبر روایتوں میں بیان کیا گیا ہے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے چچا ابو طالب اگر چہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان نہیں لائے تھے، لیکن اپنی رشتہ داری کے حق کو نبھانے کے لیے آپ کی مدد بہت کرتے تھے، ایک مرتبہ قریش کے دوسرے سردار ابو طالب کے پاس وفد کی شکل میں آئے اور کہا کہ اگر محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہمارے بتوں کو برا کہنا چھوڑ دیں تو ہم انھیں ان کے اپنے دین پر عمل کرنے کی اجازت دے سکتے ہیں، حالانکہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان کے بتوں کو اس کے سوا کچھ نہیں کہتے تھے کہ ان میں کوئی نفع یا نقصان پہنچانے کی کوئی طاقت نہیں، اور ان کو خدا ماننا گمراہی ہے، چنانچہ جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو مجلس میں بلا کر آپ ک سامنے یہ تجویز رکھی گئی تو آپ نے ابو طالب سے فرمایا کہ چچا جان کیا میں انھیں اس چیز کی دعوت نہ دوں جس میں ان کی بہتری ہے، ابو طالب نے پوچھا وہ کیا چیز ہے، آپ نے فرمایا میں ان سے ایک ایسا کلمہ کہلانا چاہتا ہوں جس کے ذریعے سارا عرب ان کے آگے سرنگوں ہو جائے، اور یہ پورے عجم کے مالک ہو جائیں، اس کے بعد آپ نے کلمہ توحید پڑھا، یہ سن کر تمام لوگ کپڑے جھاڑ کر اٹھ کھڑے ہوئے، اور کہنے لگے کہ کیا ہم سارے معبودوں کو چھوڑ کر ایک کو اختیار کر لیں، یہ تو بڑی عجیب بات ہے، اس موقع پر سورۂ صٓ کی آیات نازل ہوئیں، اس کے علاوہ اس سورت میں مختلف پیغمبروں کا بھی تذکرہ ہے جن میں حضرت داؤد اور حضرت سلیمان (علیہما السلام) کے واقعات بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۸۸ | سُوْرَۃُ صٓ مَکِّیَّۃ | رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ①

سورت کے آغاز میں ایک خاص واقعہ ہے کہ کفار مکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کو سحر اور جادو قرار دیتے، سینکڑوں معبودوں کو چھوڑ کر ایک خدا کی عبادت انہیں عجیب محسوس ہوتی، اس لیے سرداران مکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے اُس وقت کے ولی اور محافظ چچا ابو طالب کے پاس پہنچے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کی جانے والی دعوت کو خلافِ عقل قرار دیتے ہوئے انہیں اس سے باز آنے کے لیے کہا، جس پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے دین اسلام کی تبلیغ سے دستبردار ہونے سے صاف منع کر دیا، چناں چہ سرداران اور رؤساء پر مشتمل یہ وفد منھ لٹکائے واپس ہوا۔ اخیر رکوع میں اللہ تعالیٰ نے سابقہ اقوام کی سرکشی اور ان کی ہلاکت کا ذکر کر کے کفار کو متنبہ کیا ہے۔

رکوع (۲)

وَمَا یَنْظُرُ ھٰٓؤُلَآءِ اِلَّا صَیْحَۃً وَّاحِدَۃً مَّا لَھَا مِنْ فَوَاقٍ ⑮

اس رکوع میں حضرت داؤد علیہ السلام کا تذکرہ ہے، ان کی شاندار و بے مثال حکومت کا ذکر کرتے ہوئے ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک مرتبہ دو لوگ حضرت داؤد علیہ السلام کے محل میں اچانک آ گئے اور اپنا مقدمہ پیش کیا، حضرت داؤد نے ان میں سے ایک کے حق میں فیصلہ کیا اور دوسرے کو مجرم قرار دیا، اس فیصلے میں حضرت داؤد علیہ السلام سے کچھ چوک ہو گئی جس پر انہیں اللہ تعالیٰ کی جانب سے تنبیہ کی گئی، انہیں اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ فوراً سجدہ ریز ہو گئے اور اپنی غلطی کے لیے استغفار کیا۔ اس سے سبق ملتا ہے کہ

غلطی ہوتے ہی اللہ سے معافی مانگ لینی چاہیے، یہی انبیائے کرام کی سنّت ہے۔ اس واقعہ سے متعلق بعض بے اصل روایات مشہور ہیں جو نا قابلِ توجہ ہیں۔

سجدۂ تلاوت کے بعض مسائل

● نماز میں آیتِ سجدہ پڑھ کر اگر فوراً رکوع کر لیا جائے اور اسی میں سجدے کی نیت کر لی جائے تو سجدہ ادا ہو جائے گا۔ اُسی سے متعلق کچھ مسائل ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

● نماز کے فرض رکوع کے ذریعہ سجدہ صرف اس صورت میں ادا ہو سکتا ہے جب کہ سجدے کی آیت نماز میں پڑھی گئی ہو، نماز سے باہر تلاوت کرنے میں رکوع سے سجدہ ادا نہیں ہوتا۔

● رکوع میں سجدہ صرف اس وقت ادا ہوگا جب کہ آیت سجدہ تلاوت کرنے کے فوراً بعد یا زیادہ سے زیادہ دو تین آیتیں مزید تلاوت کر کے رکوع کر لیا ہو۔ اور اگر آیت سجدہ کے بعد کھڑے کھڑے طویل قرات کی ہو تو سجدہ رکوع میں ادا نہیں ہوگا۔

● اگر سجدۂ تلاوت رکوع میں ادا کرنے کا خیال ہو تو رکوع میں جاتے وقت سجدہ تلاوت کی نیت کر لینی چاہئے، ورنہ اس رکوع سے سجدہ ادا نہیں ہوگا۔ ہاں جب سجدہ میں جانے لگا تو بلا نیت بھی سجدہ ادا ہو جائے گا۔

● افضل بہر حال یہی ہے کہ سجدۂ تلاوت کو نماز کے فرض رکوع میں ادا کرنے کے بجائے مستقل سجدہ کیا جائے۔ اور سجدہ سے اٹھ کر ایک دو آیتیں تلاوت کر کے پھر رکوع میں جائیں۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۳)

وَمَا خَلَقْنَا السَّمَآءَ وَالْاَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا بَاطِلًا ۚ ذٰلِكَ ظَنُّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا ۚ فَوَيْلٌ لِّلَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنَ النَّارِ ﴿۲۷﴾

اس رکوع میں ذکر کیا گیا ہے کہ یہ کائنات، آسمان و زمین بے فائدہ اور بے مقصد پیدا نہیں کیے گئے، اسی طرح انسان کی تخلیق کا بھی ایک مقصد ہے اور وہ ہے اللہ کی عبادت، اس

کے احکامات کے مطابق زندگی گزارنا، اسی لیے قرآن کریم نازل ہوا ہے، تاکہ عقل مند لوگ اس میں غور وفکر کرسکیں۔ اس کے بعد حضرت سلیمان علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ان کی حکومت انسانوں کے ساتھ ساتھ ہواؤں پر بھی تھی، ان سے متعلق ایک واقعہ بھی یہاں ذکر کیا گیا ہے۔

رکوع (۴)

وَاذْكُرْ عَبْدَنَآ اَيُّوْبَ ۘ اِذْ نَادٰى رَبَّهٗٓ اَنِّىْ مَسَّنِىَ الشَّيْطٰنُ بِنُصْبٍ وَّعَذَابٍ ﴿۴۱﴾

اس رکوع میں حضرت ایوب علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہیں اللہ کی جانب سے کسی آزمائش کا سامنا کرنا پڑا، جس پر انہوں نے صبر کا مظاہرہ کیا، کئی سالوں کے بعد وہ آزمائش دور ہوئی، پھر اللہ تعالیٰ نے انہیں اُس صبر کے لیے کئی انعامات سے نوازا۔ اس کے بعد کئی انبیائے کرام کا اجمالی تذکرہ ہے۔ پھر متقین کے لیے جنّت کی نعمتوں اور کفار کے لیے جہنم کے سخت عذاب کا ذکر ہے۔

رکوع (۵)

قُلْ اِنَّمَآ اَنَا مُنْذِرٌ ۖ وَّمَا مِنْ اِلٰهٍ اِلَّا اللّٰهُ الْوَاحِدُ الْقَهَّارُ ﴿۶۵﴾

اس رکوع میں اوّلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ لوگوں کو برے انجام سے ڈرائیں، اللہ رب العزت کی توحید کو بیان کریں، قیامت کا تذکرہ کریں۔ اس کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی تخلیق اور ابلیس کے تکبر کا مشہور واقعہ ذکر کیا گیا ہے۔



تعارف سورۂ زمر

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی تھی، اور اس میں مشرکین کے مختلف باطل عقیدوں کی تردید فرمائی گئی ہے، یہ مشرکین مانتے تھے کہ کائنات کا خالق اللہ تعالیٰ ہے؛ لیکن انھوں نے مختلف دیوتا گھڑ کر یہ مانا ہوا تھا کہ ان کی عبادت کرنے سے وہ خوش ہوں گے، اور اللہ تعالیٰ کے پاس ہماری سفارش کریں گے، اور بعض نے فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں قرار دیا ہوا تھا، اس سورت میں ان مختلف عقائد کی تردید کر کے انھیں توحید کی دعوت دی گئی ہے، یہ وہ دور ہے جب مسلمانوں کو مشرکین کے ہاتھوں بدترین اذیتوں کا سامنا کرنا پڑ رہا تھا، اس لیے اس سورت میں مسلمانوں کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ کسی ایسے خطے کی طرف ہجرت کر جائیں جہاں وہ اطمینان سے اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں، نیز کافروں کو متنبہ کیا گیا ہے کہ اگر انھوں نے اپنی معاندانہ روش نہ چھوڑی تو انھیں بدترین سزا کا سامنا کرنا پڑے گا، سورت کے آخر میں نقشہ کھینچا گیا ہے کہ آخرت میں کافر کس طرح گروہوں کی شکل میں دوزخ تک لے جائے جائیں گے، اور مسلمانوں کو کس طرح گروہوں کی شکل میں جنت کی طرف لے جایا جائے گا، گروہوں کے لیے عربی لفظ ''زُمَر'' استعمال کیا گیا ہے اور وہی اس سورت کا نام ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

رکوعاتہا ۸	سُوْرَةُ الزُّمَرِ مَكِّيَّةٌ	اٰیاتہا ۷۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

سورت کے آغاز میں کتاب اللہ کے نزول کا ذکر ہے اور اللہ تعالیٰ کی مخلصانہ عبادت کی تاکید ہے۔ کفار مکہ کا یہ نظریہ بھی ذکر کیا گیا ہے کہ ہم ان بتوں کی عبادت اس لیے کرتے ہیں کہ قیامت میں یہ ہماری سفارش کریں گے، جس سے ہمیں اللہ کا قرب نصیب ہوگا، اس کی سخت تردید کی گئی ہے کہ عبادت صرف اور صرف اللہ کا حق ہے۔ اس کے بعد کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ کی نشانیوں مثلاً آسمان، زمین، رات دن کی تبدیلی، سورج اور چاند کی تسخیر، انسان کی مختلف مراحل میں تخلیق وغیرہ کا ذکر کر کے توحید کی دعوت دی گئی ہے، یہ بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم اپنے کفر پر بضدر ہے تو اللہ کو اس سے کوئی نقصان نہیں، وہ تو بے نیاز ہے، گناہ کا نقصان گناہ گار کو ہی ہوگا۔

رکوع (۲)

قُلْ يٰعِبَادِ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوْا رَبَّكُمْ ۭ

لِلَّذِيْنَ اَحْسَنُوْا فِيْ هٰذِهِ الدُّنْيَا حَسَنَةٌ ۭ

اس رکوع میں اوّلاً مومنین کو تقویٰ کا حکم ہے، اس کے عظیم اجر کا وعدہ ہے، پھر کفار کو مخاطب کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کہا گیا ہے کہ میں تو خالص اللہ کی عبادت کروں گا، تمہاری جس کی مرضی ہے عبادت کرو، کل قیامت میں نقصان اٹھاؤ گے جب چہار جانب سے جہنم کے عذاب میں مبتلا ہو گے۔ ان کے مقابلے میں اہل تقویٰ کو جنت کے بالا خانوں

اور اس کی نعمتوں کی بشارت دی گئی ہے۔ آخری آیت میں آسمان سے پانی برسنے، زمین میں چشمہ بہنے، اُس کے ذریعہ مختلف رنگوں کی سبزیاں اگانے اور پھر ان کے پک کر چورا چورا ہو جانے میں اللہ تعالیٰ کی قدرت کے تعلق سے غور و فکر کی تلقین ہے۔

رکوع (۲)

اَفَمَنْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَهٗ لِلْاِسْلَامِ فَهُوَ عَلٰى نُوْرٍ مِّنْ رَّبِّهٖ ؕ فَوَيْلٌ لِّلْقٰسِيَةِ قُلُوْبُهُمْ مِّنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ؕ اُولٰٓئِكَ فِيْ ضَلٰلٍ مُّبِيْنٍ ﴿۲۲﴾

اس رکوع میں بتایا گیا ہے کہ جن کے سینے اسلام کے لیے کھلے ہوئے ہیں وہ اللہ کی جانب سے ایمان کے نور پر ہیں، جب کہ اہل کفر و شرک گمراہی میں مبتلا ہیں۔ اس کے بعد مومنین کی ایک صفت کی تعریف کی گئی ہے کہ جب ان کے سامنے کتاب اللہ کی تلاوت ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی خشیت سے ان کے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں، ان کے دل اللہ جانب متوجہ ہوتے ہیں، یہ بھی خالص اللہ کی عطا کردہ توفیق ہے۔ ان کے مقابلے میں کفار ہیں جو گمراہی کی وجہ سے قیامت میں سخت عذاب میں مبتلا ہوں گے، بلکہ بعض مرتبہ وہ دنیا میں بھی رسوا ہوتے ہیں۔



پارہ: (۲۴)

رکوع (۴)

فَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ كَذَبَ عَلَى اللّٰهِ وَ كَذَّبَ بِالصِّدْقِ اِذْ جَآءَهٗ ؕ اَلَيْسَ فِيْ جَهَنَّمَ مَثْوًى لِّلْكٰفِرِيْنَ ﴿۳۲﴾

رکوع کے آغاز میں سب سے بڑا ظالم اس شخص کو قرار دیا گیا ہے جس کے پاس کتاب اللہ کا پیغام پہنچا لیکن اُس نے اُسے جھٹلا دیا، اس کے برعکس جس نے اُس کی تصدیق کی، اُسے سچ جانا اور ایمان قبول کیا انہیں متقی اور پرہیز گار کہا گیا ہے۔ اس کے بعد مومنین کو ہدایت ہے کہ اللہ پر مکمل بھروسہ کریں، وہی ان کے لیے کافی ہے، اُس کے علاوہ کسی سے ڈرنے کی ضرورت نہیں۔ پھر اللہ کی قدرت کو بتایا گیا ہے کہ اُس کے ارادے کو پوری دنیا مل کر بھی نہیں ٹال سکتی۔

رکوع (۵)

اَللّٰهُ يَتَوَفَّى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا وَالَّتِيْ لَمْ تَمُتْ فِيْ مَنَامِهَا ۚ

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ موت وحیات اللہ کے ہاتھ میں ہے، اُس کے علاوہ جن کو اِن مشرکین نے اپنا کارساز سمجھ رکھا ہے انہیں کوئی اختیار نہیں ہے، لہٰذا عبادت بھی اللہ ہی کی ہونی چاہیے جو صاحبِ اختیار ہے۔ کفار کی فطرت ذکر کی گئی ہے کہ اللہ کا ذکر سن کر ان کا دل بیزار ہو جاتا ہے اور جیسے ہی دوسرے باطل خداؤں کا ذکر کیا جائے یہ خوش ہو جاتے ہیں۔ اس کے بعد قیامت کا ذکر ہے کہ اگر کہ اگر بالفرض کفار کے پاس پوری دنیا کی دولت ہو اور وہ اس کے بدلے قیامت کے عذاب سے بچنا چاہیں تو بھی اس سے بچنا ممکن نہ ہوگا۔ اخیر میں اللہ کے احسانات کے بدلے کفار کی ناشکری کو ذکر کیا گیا ہے۔

رکوع (۶)

قُلْ يٰعِبَادِيَ الَّذِيْنَ اَسْرَفُوْا عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ لَا تَقْنَطُوْا مِنْ رَّحْمَةِ اللّٰهِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ يَغْفِرُ الذُّنُوْبَ جَمِيْعًا ؕ اِنَّهٗ هُوَ الْغَفُوْرُ الرَّحِيْمُ ﴿۵۳﴾

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ انسان کو کبھی بھی اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہونا چاہیے، جب بھی کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو اللہ کی جانب رجوع کرنا چاہیے، اور یہ رجوع کا موقع قیامت سے پہلے پہلے ہے، اُس دن کسی کی توبہ قبول نہ ہوگی، کسی کا کوئی عذر نہ مانا جائے گا، اُس دن کفار کے چہرے سیاہ ہوں گے اور مومنین کو اللہ تعالیٰ نجات عطا فرمائیں گے۔

رکوع (۷)

قُلْ اَفَغَيْرَ اللّٰهِ تَاْمُرُوْٓنِّيْٓ اَعْبُدُ اَيُّهَا الْجٰهِلُوْنَ ﴿۶۴﴾

اس رکوع میں پہلے تو شرک کی مذمت کی گئی ہے، اور اللہ تعالیٰ کی قدرت کو بیان کیا گیا ہے، پھر قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ جس وقت پہلا صور پھونکا جائے گا تو آسمان و زمین میں موجود تمام ذی روح بے ہوش ہو جائیں گے، دوسرے صور کے بعد سب لوگ بدحواس اٹھ کھڑے ہوں گے۔ سب کا نامۂ اعمال انہیں تھما دیا جائے گا، انبیائے کرام اور دیگر شہداء کو بلایا جائے گا جن کی گواہی کے مطابق لوگوں کے انجام کا فیصلہ ہوگا اور ہر شخص کو اُس کے عمل کا پورا پورا بدلہ دیا جائے گا۔

رکوع (۸)

وَسِيْقَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْٓا اِلٰى جَهَنَّمَ زُمَرًا ۭ

اس رکوع میں اہل جہنم اور اہل جنّت کے احوال ذکر کیے گئے ہیں کہ کفار کو جہنم کی جانب ہانکتے ہوئے لے جایا جائے گا، جب وہ دروازے پر پہنچیں گے تو نگراں اُن سے پوچھے گا کہ کیا تمہارے پاس رسول نہیں آئے تھے جو تمہیں اس دن کے بارے میں بتاتے؟ وہ کہیں گے کیوں نہیں، آئے تھے لیکن ہم اپنا نقصان کر بیٹھے۔ اس کے بعد انہیں جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے بالمقابل مومنین کو اعزاز کے ساتھ جنت کی جانب لے جایا جائے گا، دروازے پر ان کا استقبال ہوگا اور فرشتے ان کا خیر مقدم کر کے جنت میں داخلے کے لیے کہیں گے، اہل ایمان اس عظیم نعمت پر اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کریں گے۔



تعارف سورۂ مومن

یہاں سے سورۂ احقاف تک ہر سورت حٰمٓ کے حروف مقطعات سے شروع ہو رہی ہے، ان حروف کا ٹھیک ٹھیک مطلب اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا، چونکہ یہ سات سورتیں حٰمٓ سے شروع ہو رہی ہیں اس لیے ان کو ''حوامیم'' کہا جاتا ہے، اور ان کے اسلوب میں عربی بلاغت کے لحاظ سے جو ادبی حسن ہے اس کی وجہ سے انھیں عروس القرآن یعنی قرآن کی دلہن کا لقب بھی دیا گیا ہے، یہ تمام سورتیں مکی ہیں، اور ان میں اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت، اور آخرت کے مضامین پر زور دیا گیا ہے، کفار کے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اور کفر کے برے انجام سے خبردار کیا گیا ہے، اور بعض انبیائے کرام کے واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے، اس پہلی سورت میں حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کا واقعہ بیان کرتے ہوئے آیت ۲۸ سے ۳۵ تک فرعون کی قوم کے ایک ایسے مرد مومن کی تقریر نقل فرمائی گئی ہے جنہوں نے اپنا ایمان تک چھپایا ہوا تھا، لیکن جب حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر اور ان کے رفقاء پر فرعون کے مظالم بڑھنے کا اندیشہ ہوا، اور فرعون نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو قتل کرنے کا ارادہ ظاہر کیا تو انھوں نے اپنے ایمان کا کھلم کھلا اعلان کرتے ہوئے فرعون کے دربار میں یہ موثر تقریر فرمائی، اسی مرد مومن کے حوالے سے اس سورت کا نام بھی ''مومن'' ہے اور اسے سورۂ غافر بھی کہتے ہیں غافر کے معنی ہیں معاف کرنے والا، اس سورت کی ابتدائی آیت میں یہ لفظ اللہ تعالیٰ کی صفات بیان کرتے ہوئے استعمال ہوا ہے، اس وجہ سے سورت کی پہچان کے لیے اس کا ایک نام ''غافر'' بھی رکھا گیا۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۸۵ | سُوْرَةُ الْمُؤْمِنِ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتہا ۹

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۞ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْعَلِيْمِ ۞

سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی چند صفات بیان کی گئی ہیں، پھر کفار کی دنیوی شان وشوکت سے مرعوب نہ ہونے کی ہدایت ہے۔ گزشتہ اقوام کی سرکشی اور ہلاکت کا بھی ذکر ہے۔ فرشتوں کے بارے میں وارد ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی حمد وتسبیح کے ساتھ ساتھ مومنین کے لیے دعائے استغفار کرتے ہیں، نیز بشرطِ ایمان ان کے آباؤ اجداد، ان کی ازواج اور اولاد کے لیے دعا کا معمول رہتا ہے۔

رکوع (۲)

اِنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا يُنَادَوْنَ لَمَقْتُ اللّٰهِ اَكْبَرُ مِنْ مَّقْتِكُمْ اَنْفُسَكُمْ اِذْ تُدْعَوْنَ اِلَى الْاِيْمَانِ فَتَكْفُرُوْنَ ۞

اس رکوع میں قیامت کے دن کفار کے حالات کا ذکر ہے کہ وہ اس دن اپنے گناہوں کا اعتراف کریں گے، لیکن عذاب سے نجات کی کوئی صورت نہ ہوگی، اور اس کی وجہ یہ ہے دنیا جو دارالعمل ہے اس میں وہ ایمان نہ لائے تھے۔ قیامت کی ہولناکی کا یہ عالم ہوگا کہ اُس دن کلیجے گھٹ گھٹ کر منہ کو آجائیں گے، کفار کے لیے نہ تو کوئی دوست ہوگا اور نہ ہی کوئی سفارشی۔

رکوع (۳)

اَوَلَمْ يَسِيْرُوْا فِي الْاَرْضِ فَيَنْظُرُوْا كَيْفَ كَانَ

عَاقِبَةُ الَّذِيْنَ كَانُوْا مِنْ قَبْلِهِمْ ؕ

اس رکوع میں کفار کو گزشتہ اقوام کے ہلاک شدہ مقامات، تباہ شدہ کھنڈرات و آثار سے عبرت حاصل کرنے کے لیے کہا گیا ہے، اور اس تباہی کی وجہ انبیاء و رسل کی تکذیب ہی تھی جس کے اب یہ کفارِ مکہ مرتکب ہیں۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا واقعہ مذکور ہے کہ انہیں فرعون، ہامان اور قارون کی جانب بھیجا گیا تھا، انہوں نے حق کا اعلان کیا تو فرعون نے انہیں جادوگر قرار دیا، ان کی قوم پر بے پناہ ظلم کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مختلف انداز میں فرعون کو سمجھانے کی کوشش کی لیکن اُس کی سرکشی جاری رہی۔

رکوع (۴)

وَقَالَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ مِّنْ اٰلِ فِرْعَوْنَ يَكْتُمُ اِيْمَانَهٗۤ اَتَقْتُلُوْنَ رَجُلًا اَنْ يَّقُوْلَ رَبِّيَ اللّٰهُ وَقَدْ جَآءَكُمْ بِالْبَيِّنٰتِ مِنْ رَّبِّكُمْ ؕ

اس رکوع میں اُس شخصیت کا تذکرہ ہے جنہیں اللہ تعالیٰ نے فرعون کے دربان میں ہونے کے باوجود ایمان سے نوازا تھا، تاہم انہوں نے اپنے ایمان کا اظہار نہ کیا تھا، وہ مختلف انداز میں فرعون اور قوم کو سمجھانے کی کوشش کرتے، مثلاً آج ہمارے پاس حکومت ہے، اگر کل نہ ہوگی تو کیا ہوگا، کبھی گزشتہ اقوام کی ہلاکت کا ذکر کرتے، کبھی سابقہ انبیائے کرام مثلاً حضرت یوسف کا ذکر کرتے۔ اِدھر ان کی محنت جاری تھی اور اُدھر فرعون کی سرکشی عروج پر تھی، حضرت موسیٰ علیہ السلام کے دعویٰ توحید کا مذاق اڑانے کے لیے اس نے اپنے وزیر ہامان سے ایک اونچی عمارت بنوائی تاکہ اس پر چڑھ کر اللہ تعالیٰ کو دیکھ سکے۔

رکوع (۵)

وَقَالَ الَّذِيْۤ اٰمَنَ يٰقَوْمِ اتَّبِعُوْنِ اَهْدِكُمْ سَبِيْلَ الرَّشَادِ ۚ﴿۳۸﴾

مردِ مومن کا ذکر جاری ہے، بالآخر اس نے اپنے ایمان کا اعلان کر کے لوگوں کو دنیا کی بے ثباتی، گناہوں کے نقصانات، عمل صالح کے فوائد وغیرہ سمجھانے شروع کر دیے۔ نیز ایمان کی دعوت چھوڑ کر کفر و شرک پر جمے رہنے کو قابلِ تعجب قرار دیا۔ اس کے بعد جہنم کا منظر

بیان کیا گیا ہے کہ کفار جہنم میں جھگڑیں گے اور اپنے کفر کا وبال اپنے بڑوں پر ڈالنے کی کوشش کریں گے کہ انہوں نے ہی ہمیں گمراہ کیا تھا، جب کہ اُن کے بڑے اور قائدین اپنے متبعین سے اظہارِ برأت کریں گے۔ جہنم کے داروغہ فرشتے سے عذاب کی تخفیف کی درخواست کریں گے لیکن ان کی ہر پکار رائیگاں جائے گی۔

رکوع (۶)

إِنَّا لَنَنصُرُ رُسُلَنَا وَالَّذِينَ آمَنُوا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَيَوْمَ يَقُومُ الْأَشْهَادُ ﴿٥١﴾

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ دنیا و آخرت میں اپنے رسولوں اور اہل ایمان کی مدد فرمائیں گے، بشرطیکہ وہ ایمانی تقاضوں کو پورا کرنے والے ہوں۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہیں کتابِ ہدایت توریت عطا کی گئی ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ان لوگوں کے خلاف صبر کی تلقین ہے جو اپنے کبر اور ضد کی وجہ سے ہمہ وقت آیاتِ خداوندی کے بارے میں جھگڑتے رہتے ہیں۔ پھر مرنے کے بعد والی زندگی پر دلیل قائم کی گئی ہے کہ آسمان و زمین جیسی عظیم مخلوقات کو پیدا کرنا مشکل ہے یا لوگوں کو دوبارہ پیدا کرنا، خود ہی کفار کو غور و فکر کرنا چاہیے۔ آخری آیت میں اللہ تعالیٰ نے لوگوں کو دعا کا حکم دیا ہے کہ تم لوگ دعا کرو، میں تمہاری دعائیں قبول کروں گا، پھر کبر اور ضد کی وجہ سے ایمان سے غافل لوگوں کے لیے جہنم میں رسوائی کی وعید ہے۔

رکوع (۷)

اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ اللَّيْلَ لِتَسْكُنُوا فِيهِ وَالنَّهَارَ مُبْصِرًا ۚ إِنَّ اللَّهَ لَذُو فَضْلٍ عَلَى النَّاسِ وَلَٰكِنَّ أَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُونَ ﴿٦١﴾

اس رکوع میں اوّلاً اللہ کی قدرت کی نشانیوں کو ذکر کیا گیا ہے، مثلاً پُرسکون رات، روشن دن، ساکن زمین، بلند آسمان، عمدہ اور پاکیزہ رزق، انسانوں کی مرحلہ وار تخلیق، اس کو مارنا اور زندگی دینا وغیرہ۔ ظاہر ہے کہ اتنی نعمتیں اور اتنی قدرت والی ذات ہی معبود ہو سکتی ہے، اسی لیے اسی کی عبادت کا حکم دیا گیا ہے۔

رکوع(۸)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ يُجَادِلُوْنَ فِيْٓ اٰيٰتِ اللّٰهِ ؕ اَنّٰى يُصْرَفُوْنَ ۝۶۹

اس رکوع میں ضدی اور متکبر کفار کا ذکر ہے جو ہمہ وقت اللہ کی آیات کے بارے میں جھگڑتے رہتے ہیں، قیامت میں ان کے گلوں میں طوق اور زنجیریں ہوں گی، انہیں کھولتے ہوئے پانی میں گھسیٹ کر آگ میں جھونک دیا جائے گا۔ اور پھر سوال ہوگا کہ تمہارے وہ معبود کہاں ہیں جنہیں تم اللہ کو چھوڑ کر پوجتے تھے؟ یہی زمین میں تمہاری اکڑ کی سزا ہے۔ وہاں کوئی کفار ومشرکین کے کام نہ آئے گا۔

رکوع(۹)

اَللّٰهُ الَّذِيْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَنْعَامَ لِتَرْكَبُوْا مِنْهَا وَمِنْهَا تَاْكُلُوْنَ ۝۷۹

سورۂ مومن کے آخری رکوع میں اللہ کی ایک خاص نعمت ''چوپائے'' کا ذکر ہے جو سواری اور غذا دونوں کام میں آتے ہیں۔ اس کے بعد کفار کو ہوش کے ناخن لینے کی ہدایت ہے کہ ذرا گزشتہ اقوام کے حالات میں غور وفکر کریں کہ اتنی طاقت وقوت اور شان شوکت کے باوجود انہیں رسولوں کی تکذیب اور استہزاء کی وجہ سے ملیامیٹ کر دیا گیا، اب بھی وقت ہے، ایمان لے آؤ، ورنہ اللہ کا عذاب سامنے آنے کے بعد تو ایمان بھی قبول نہیں ہوتا، یہی خدائی دستور ہے۔



تعارف سورہ حم السجدۃ

یہ سورت اس مجموعے کا ایک حصہ ہے جسے ''حوامیم'' کہا جاتا ہے، اور جس کا تعارف پیچھے سورۂ مومن کے شروع میں گزر چکا ہے، اس سورت کے مضامین بھی دوسری مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد کے اثبات اور مشرکین کی تردید پر مشتمل ہیں، اس سورت کی آیت نمبر: ۳۸ آیت سجدہ ہے، یعنی اس کے پڑھنے اور سننے سے سجدہ واجب ہوتا ہے، اس لیے اس کو ''حم السجدۃ'' کہا جاتا ہے، اس کا دوسرا نام ''فُصِّلَتْ'' بھی ہے، کیونکہ اس کی پہلی آیت میں یہ لفظ آیا ہے، نیز اسے سورۃ المصابیح اور سورۃ الاقوات بھی کہا جاتا ہے۔(روح المعانی)

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۵۴ | سُوْرَةُ حٰمٓ السَّجْدَةِ مَكِّيَّة | رکوعاتہا ۶

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۝١ تَنْزِيْلٌ مِّنَ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ۝٢

سورت کے آغاز میں قرآن کریم کے کتابِ حق ہونے کا اظہار ہے کہ اس کتاب کا پیغام بالکل واضح ہے لیکن یہ کفار باز نہیں آتے اور کہتے ہیں کہ ہمیں تمہاری بات سمجھ نہیں آتی، حالاں کہ قرآن کریم کا پیغام بالکل صاف ہے کہ تمہارا معبود صرف ایک ہے، اسی کی عبادت کرو۔ اس کے بعد مشرکین کے لیے ہلاکت و بربادی کی وعید وارد ہے۔

رکوع (۲)

قُلْ اَئِنَّكُمْ لَتَكْفُرُوْنَ بِالَّذِيْ خَلَقَ الْاَرْضَ فِيْ يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُوْنَ لَهٗٓ اَنْدَادًا ۭ ذٰلِكَ رَبُّ الْعٰلَمِيْنَ ۝٩

اس رکوع میں کفار کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ کیا تم اُس ذات کا انکار کرتے ہو جس نے یہ کائنات بنائی، زمین بنائی، اس پر لمبے چوڑے بلند و بالا پہاڑ بنائے، تمہارے رزق کے اسباب مقدر کیے، آسمان بنائے، پھر انہیں مزین کرنے کے لیے ستارے بنائے۔ اتنے مظاہر قدرت ہونے کے باوجود اگر اللہ تعالیٰ کے ساتھ کفر و شرک کا معاملہ کر رہے ہیں تو انہیں گزشتہ اقوام کے انجام کا جائزہ لینا چاہیے کہ قوم عاد و ثمود نہایت طاقتور تھیں، ان کے بلند و بالا محلات تھے، لیکن تکبر اور ضد کی وجہ سے جب اپنے رسولوں کو جھٹلایا تو عذابِ خداوندی نے انہیں نیست و نابود کر دیا۔

رکوع (۳)

وَ يَوْمَ يُحْشَرُ اَعْدَآءُ اللّٰهِ اِلَى النَّارِ فَهُمْ يُوْزَعُوْنَ ﴿۱۹﴾

اس رکوع میں قیامت کا ایک عبرت ناک منظر بیان کیا گیا ہے کہ انسان جن اعضاء کے ذریعہ گناہ کرتا ہے یہی اعضاء کل قیامت میں اُس کے خلاف گواہی دیں گے، اُس کی آنکھ، کان وغیرہ سب اپنے گناہ شمار کرائیں گے، انسان ان سے سوال کرے گا کہ تم کیوں میرے خلاف گواہی دے رہے ہو؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم مجبور ہیں، ہمیں تو اللہ تعالیٰ نے بولنے کا حکم دیا ہے۔ اس سے عبرت حاصل کرنی چاہیے کہ انسان جن اعضاء سے گناہ انجام دے رہا ہے وہی اُس کے ہر عمل کو ریکارڈ کر رہے ہیں، گویا یہ خدائی نگہبانی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے جس سے انکار بھی نہیں کیا جا سکتا۔

رکوع (۴)

وَ قَالَ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا لَا تَسْمَعُوْا لِهٰذَا الْقُرْاٰنِ وَ الْغَوْا فِيْهِ لَعَلَّكُمْ تَغْلِبُوْنَ ﴿۲۶﴾

کفار مکہ کے سامنے جب قرآن کریم کی تلاوت کی جاتی تو اُس کے پیغام کو دبانے اور ہلکا کرنے کے لیے وہ شور مچاتے، اس رکوع میں ایسے ہی لوگوں کے بارے میں سخت عذاب کی وعید ہے کہ ایسے دشمنانِ اسلام کو ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔ اس کے بعد جہنم کا ایک منظر ذکر کیا گیا ہے کہ کفار اللہ تعالیٰ سے کہیں گے کہ ہمارے وہ سردار اور رہبر کہاں ہیں جو ہمیشہ کفر کی تبلیغ کرتے تھے، ہم ان کی باتوں میں آکر تباہ ہوئے، آج ہم انہیں اپنے پاؤں تلے روندنا چاہتے ہیں۔ کفار کے مقابلے میں عزم واستقامت کا مظاہرہ کرنے والے اہل ایمان کے لیے جنت کی بشارت ہے۔

اہم مسائل

● تلاوت قرآن میں خلل ڈالنے کی نیت سے شور وغل کرنا تو کفر کی علامت ہے۔ اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خاموش ہو کر سننا واجب اور ایمان کی علامت ہے۔

● آج کل ریڈیو (یا موبائل وغیرہ) پر تلاوت قرآن نے ایسی صورت اختیار کرلی

ہے کہ ہر ہوٹل اور مجمع کے مواقع میں ریڈیو کھولا جاتا ہے جس میں قرآن کی تلاوت ہو رہی ہو اور ہوٹل والے خود اپنے دھندوں میں لگے رہتے ہیں اور کھانے پینے والے اپنے شغل میں۔ اس کی صورت وہ بن جاتی ہے جو کفار کی علامت تھی۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو ہدایت فرمادیں کہ یا تو ایسے مواقع میں تلاوتِ قرآن کے لیے نہ کھولیں اگر کھولنا ہے اور برکت حاصل کرنا ہے تو چند منٹ سب کام بند کر کے خود بھی اس طرف متوجہ ہو کر سنیں دوسروں کو بھی اس کا موقع دیں۔

رکوع (۵)

وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَآ اِلَى اللّٰهِ وَعَمِلَ صَالِحًا وَّقَالَ اِنَّنِيْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ ﴿۳۳﴾

اس رکوع میں ان لوگوں کی تعریف کی گئی ہے جو خود عمل صالح کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی خیر کی دعوت دیتے ہیں۔ پھر برائی کو بھلائی کے ذریعہ روکنے کا حکم دیا گیا ہے کہ یہ باہمی الفت ومحبت کا سبب بنتا ہے۔ اس کے بعد سورج اور چاند کو سجدہ کرنے سے منع کیا گیا ہے کہ یہ سب مخلوق ہیں، سجدہ تو صرف خالق کے سامنے کیا جائے گا۔ نیز ''ملحدین'' یعنی اسلام کی غلط تشریح کرنے اور آیاتِ الٰہی کا غلط مطلب بیان کرنے والوں کے لیے جہنم کی وعید ہے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ جو رویہ ان کفار کا آپ کے ساتھ ہے وہ ماضی میں دیگر انبیائے کرام کے ساتھ بھی ہو چکا ہے۔

چند اہم اصطلاحات

- **کافر:** وہ شخص ہے جو دین اسلام کو ظاہراً و باطناً ماننے والا نہ ہو۔
- **زندیق:** وہ شخص ہے جو زبان سے تو مسلمان ہونے کا اقرار کر رہا ہو لیکن احکامِ اسلام کی باطل تاویل کرتا ہو۔
- **مرتد:** وہ شخص ہے کہ اپنی مرضی اور رضامندی سے اسلام قبول کرنے کے بعد اسلام سے پھر جائے۔
- **ملحد:** لغوی تعریف کے اعتبار سے تو کفر کی تمام اقسام کو شامل ہے اور

اصطلاحی معنیٰ کے اعتبار سے اس شخص کو کہا جاتا ہے جو بظاہر تو دین حق کا اقرار کرتا ہے، لیکن ضروریاتِ دین میں سے کسی امر کی ایسی تعبیر وتشریح کرتا ہے جو صحابہ وتابعین نیز اجماع امت کے خلاف ہو۔

● **منافق:** اس کو کہا جاتا ہے جو زبان سے تو دین حق کا اقرار کرتا ہے، مگر دل سے اس کا منکر ہو۔ (فتاویٰ شامی، ج: ۴، ص: ۲۴۱ ومابعد، ط: سعید)

رکوع (٦)

وَ لَقَدْ اٰتَیْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ فَاخْتُلِفَ فِیْهِ ؕ وَ لَوْ لَا كَلِمَةٌ سَبَقَتْ مِنْ رَّبِّكَ لَقُضِیَ بَیْنَهُمْ ؕ وَ اِنَّهُمْ لَفِیْ شَكٍّ مِّنْهُ مُرِیْبٍ ۝۴۵

اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کتابِ الٰہی یعنی توریت دیے جانے کا ذکر ہے، پھر بنی اسرائیل کے اختلاف کا بھی تذکرہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مصلحت نہ ہوتی ان کو اب تک ختم کردیا جاتا، آخری آیت میں ہے کہ جو شخص نیک عمل کرتا ہے اُس کا فائدہ اُسی کو ہوگا، اسی طرح اگر گناہ کرتا ہے تو اُس کا وبال بھی اُسی کے ذمہ ہے۔



پارہ: (۲۵)

اِلَيْهِ يُرَدُّ عِلْمُ السَّاعَةِ ۭ وَمَا تَخْرُجُ مِنْ ثَمَرٰتٍ مِّنْ اَكْمَامِهَا
وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ۭ

پارہ کی ابتدا میں اللہ تعالیٰ کے علم کا بیان ہے کہ شگوفے سے نکلنے والا کوئی پھل ہو یا رحمِ مادر سے نکلنے والا بچہ، سب اس کے علم میں ہے۔ پھر قیامت کے دن مشرکین کی رسوائی کا ذکر ہے کہ جنہیں یہ اللہ کا شریک سمجھتے تھے وہ سب اُس دن براءت کا اظہار کر لیں گے۔ اس کے بعد انسانی فطرت ذکر کی گئی ہے کہ انسان اللہ سے مال ومتاع اور خیر مانگنے سے نہیں تھکتا، لیکن جہاں تھوڑی سی آزمائش آتی ہے فوراً مایوس ہو جاتا ہے۔ اسی طرح انعامات کے وقت اللہ کو یاد نہیں کرتا اور مصیبت کے وقت اُسی کو پکارتا ہے۔ کفار کو ایک بلیغ جملے کے ذریعے غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ مان لو اگر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی جانب سے ہی مبعوث ہوئے اور تم ان کا انکار کرتے ہو تو ایسی صورت میں تمہارا کیا انجام ہوگا، ذرا سوچو اور ہوش کے ناخن لو۔



تعارف سورۂ شوریٰ

یہ "حوامیم" کے مجموعے کی تیسری سورت ہے، دوسری مکی سورتوں کی طرح اس میں بھی توحید، رسالت اور آخرت کے بنیادی عقائد پر زور دیا گیا ہے، اور ایمان کی قابل تعریف صفات بیان فرمائی گئی ہیں، اسی ذیل میں آیت نمبر: ۳۸ میں مسلمانوں کی یہ خصوصیت بیان فرمائی گئی ہے کہ ان کے اہم معاملات آپس کے مشورے سے طے ہوتے ہیں، مشورے کے لیے عربی کا لفظ "شوریٰ" استعمال کیا گیا ہے، اسی بناء پر سورت کا نام سورۂ شوری ہے، سورت کے آخر میں یہ بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کسی بھی انسان سے روبرو ہوکر ہم کلام نہیں ہوتا، بلکہ وحی کے ذریعے کلام فرماتا ہے، اور پھر اس وحی کی مختلف صورتیں بیان فرمائی گئی ہیں۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)



آیاتہا ۵۳ — سُوْرَۃُ الشُّوْرٰی مَکِّیَّۃ — رکوعاتہا ۵

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۞ عٓسٓقٓ ۞ كَذٰلِكَ يُوْحِيْٓ اِلَيْكَ وَ اِلَى الَّذِيْنَ مِنْ قَبْلِكَ ۙ اللّٰهُ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ۞

سورت کی شروعات میں اللہ تعالیٰ کی عظمت وہیبت کو ذکر کیا گیا ہے کہ وہ اتنی اعلیٰ شان وشوکت اور ہیبت والا ہے کہ قریب ہے کہ آسمان پھٹ جائیں، اس لیے اس کے اوپر فرشتے تسبیح وتحمید میں مشغول رہتے ہیں اور روئے زمین پر بسنے والوں کے لیے استغفار کرتے رہتے ہیں۔ پھر شرک کی مذمت کی گئی ہے اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ نے اپنا پیغامِ توحید پہنچا دیا، اب آپ کی کوئی ذمہ داری نہیں۔ اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے کہ اگر اللہ چاہتا تو سب کو ایک ہی ملت بنا دیتا لیکن اُس نے غور وفکر اور عمل کی آزادی دے کر انسانوں کو اختیار دیا کہ وہ ہدایت پر آئیں یا گمراہی اختیار کریں، اسی فکری آزادی کے سبب وہ مجبور محض نہیں ہیں کہ اپنے ہر گناہ کو تقدیر کا حصہ بتا کر بری ہو جائیں۔

رکوع (۲)

وَمَا اخْتَلَفْتُمْ فِيْهِ مِنْ شَيْءٍ فَحُكْمُهٗٓ اِلَى اللّٰهِ ۭ ذٰلِكُمُ اللّٰهُ رَبِّيْ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ ڰ وَاِلَيْهِ اُنِيْبُ ۞

اس رکوع میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت نوح، حضرت ابراہیم، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام وغیرہم کا اصل دین اسلام ہی تھا، ان سب کی اصولی تعلیمات یکساں ہیں، لہٰذا لوگوں کو چاہیے کہ اس میں اختلاف پیدا نہ کریں، اگر کوئی سرکشی اور عداوت کی وجہ سے اختلاف پیدا کرتا ہے تو کل قیامت میں اللہ تعالیٰ اُس کا فیصلہ کریں گے۔ پھر

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے واسطے سے امت کو حکم دیا گیا ہے کہ دین اسلام کی تبلیغ کرتے رہیں، احکامِ الٰہی پر جمے رہیں، کفار کی خواہشات کی پیروی نہ کریں۔ اخیر میں کفار کا حال ذکر کیا گیا ہے کہ یہ لوگ قیامت کا مذاق اڑاتے ہوئے اُس کے جلدی واقع ہونے کا مطالبہ کرتے ہیں، جب کہ مومنین اس سے سہمے رہتے ہیں، انہیں معلوم ہے کہ قیامت برحق ہے اور اُس دن کی ہولنا کیوں پر انہیں پورا یقین ہے۔

رکوع (۳)

مَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الْاٰخِرَةِ نَزِدْ لَهٗ فِيْ حَرْثِهٖ ۚ وَمَنْ كَانَ يُرِيْدُ حَرْثَ الدُّنْيَا نُؤْتِهٖ مِنْهَا وَمَا لَهٗ فِي الْاٰخِرَةِ مِنْ نَّصِيْبٍ ۝

اس رکوع میں دنیا پرستی کی مذمت کی گئی ہے کہ جس شخص کے پیش نظر صرف دنیا کا حصول رہتا ہے اُسے دنیا تو مل جاتی ہے لیکن آخرت میں اُس کا کوئی حصہ نہیں ہوتا۔ اللہ تعالیٰ کی کچھ قدرتوں کا ذکر ہے مثلاً بارش کا برسانا، آسمان وزمین کی تخلیق، اس میں بکھرے ہوئے جانور وغیرہ، اور اللہ کی صفتِ رحمت بھی ذکر کی گئی ہے کہ اگر کوئی بندہ اپنے گناہوں سے توبہ کرلے تو اللہ تعالیٰ اُس کے گناہوں کو معاف کر دیتے ہیں۔

رکوع (۴)

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ ۝

اس رکوع میں اوّلاً بیان کیا گیا ہے کہ انسان کو جو مصیبت آتی ہے وہ بیشتر اُس کی کرتوت کا خمیازہ ہوتی ہیں۔ پھر ذکر کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ ہر گناہ کی پاداش میں فوری سزا دینے لگے تو ان گناہگاروں کا کیا ہوگا۔ دنیوی زندگی کی بے ثباتی اور آخرت کی بقا کو ذکر کرتے ہوئے مومنین کی تعریف کی گئی ہے جن میں توکل، گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے پرہیز، عفو ودرگزر، نماز وزکوٰۃ کا اہتمام، باہمی مشورہ، اللہ کی اطاعت وفرماں برداری، شجاعت وبہادری کی صفات پائی جاتی ہیں، نیز اخیر میں لوگوں پر ظلم کرنے والے اور زمین میں فساد مچانے والے افراد کے لیے دردناک عذاب کی وعید ہے۔

رکوع (۵)

وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَمَا لَهٗ مِنْ وَّلِيٍّ مِّنْۢ بَعْدِهٖ ؕ وَتَرَى الظّٰلِمِيْنَ لَمَّا رَاَوُا الْعَذَابَ يَقُوْلُوْنَ هَلْ اِلٰى مَرَدٍّ مِّنْ سَبِيْلٍ ۚ﴿۴۴﴾

اس رکوع میں اوّلاً قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ کفار عذاب کی ہولناکیاں اور رسوائیاں دیکھ کر دنیا میں لوٹنے کی تمنا کریں گے لیکن ایسا ممکن نہ ہوگا، اسی لیے دنیا میں انہیں کہا جاتا ہے کہ اپنے پروردگار کی بات مان لو اس سے پہلے کہ بہت دیر ہو جائے۔ اس کے باوجود اگر یہ لوگ ایمان نہیں لاتے تو اب رسول کی کوئی ذمہ داری نہیں ہے، انہوں نے پیغام الٰہی پہنچا کر اپنا فریضہ پورا کر دیا ہے۔ اللہ کی ایک خاص صفت تخلیق کو ذکر کیا گیا ہے کہ وہ جسے چاہتا ہے لڑکی دیتا ہے اور جسے چاہتا ہے لڑکا دیتا ہے، یا دونوں سے نواز دیتا ہے اور بعض وہ بھی ہوتے ہیں جن کی قسمت میں اولاد کی خوشی نہیں ہوتی۔ اخیر رکوع میں اللہ تعالیٰ نے وحی کے بارے میں بتایا ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی شخص اُس سے ہم کلام نہیں ہو سکتا، کبھی وہ گفتگو وحی کے ذریعہ ہوتی ہے، کبھی پردہ اور حجاب کی آڑ میں تو کبھی کسی قاصد اور فرشتے کے ذریعے، اللہ تعالیٰ ہی ان کی مصلحتوں کو جاننے والا ہے۔



تعارف سورۂ زخرف

اس سورت کا مرکزی موضوع مشرکین مکہ کی تردید ہے جس میں ان کے اس عقیدے کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے جس کی رو سے وہ فرشتوں کو اللہ تعالیٰ کی بیٹیاں کہتے تھے، نیز وہ اپنے دین کو صحیح قرار دینے کے لیے یہ دلیل دیتے تھے کہ ہم نے اپنے باپ دادوں کو اسی طریقے پر پایا ہے، اس کے جواب میں اول تو یہ حقیقت واضح کی گئی ہے کہ قطعی عقائد کے معاملے میں باپ دادوں کی تقلید بالکل غلط طرز عمل ہے، اور پھر حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کا حوالہ دے کر فرمایا گیا ہے کہ اگر باپ دادوں ہی کے پیچھے چلنا ہے تو حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کی پیروی کیوں نہیں کرتے، جنہوں نے شرک سے کھلم کھلا بیزاری کا اعلان فرمایا تھا، مشرکین آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر جو اعتراضات کیا کرتے تھے اس سورت میں ان کا جواب بھی دیا گیا ہے، ان کا ایک اعتراض یہ تھا کہ اگر اللہ تعالیٰ کو کوئی پیغمبر بھیجنا ہی تھا تو کسی دولت مند سردار کو اس مقصد کے لیے کیوں نامزد نہیں کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں یہ واضح فرمایا ہے کہ دنیوی مال و دولت کا انسان کے تقدس اور اللہ تعالیٰ کے تقرب سے کوئی تعلق نہیں ہے، اللہ تعالیٰ کافروں کو بھی سونا چاندی اور دنیا بھر کی دولت دے سکتا ہے؛ لیکن اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے مقرب ہیں، کیونکہ آخرت کی نعمتوں کے مقابلے میں اس مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس سورت نے یہ بھی واضح فرمایا ہے کہ دنیا میں اللہ تعالیٰ معاشی وسائل کی تقسیم اپنی حکمت کے مطابق ایک خاص انداز سے فرماتے ہیں، جس کے لیے ایک مستحکم نظام بنایا گیا ہے، اسی ذیل میں اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ (علیہ السلام) اور فرعون کا واقعہ بھی اختصار کے ساتھ بیان فرمایا

ہے؛ کیونکہ فرعون کو بھی حضرت موسیٰ (علیہ السلام) پر یہی اعتراض تھا کہ وہ دنیوی مال و دولت کے اعتبار سے کوئی بڑی حیثیت نہیں رکھتے، اور فرعون کے پاس سب کچھ ہے؛ لیکن انجام یہ ہوا کہ فرعون اپنے کفر کی وجہ سے غرق ہوا، اور حضرت موسیٰ (علیہ السلام) غالب آکر رہے، نیز اس سورت میں حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) کا بھی مختصر ذکر فرما کر ان کی صحیح حیثیت واضح فرمائی گئی ہے۔

''زخرف'' عربی زبان میں سونے کو کہتے ہیں اور اس سورت کی آیت نمبر: ۳۵ میں اس کا ذکر اس سیاق میں کیا گیا ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ چاہے تو سارے کافروں کو سونے ہی سونے سے نہال کر دے، اسی وجہ سے اس سورت کا نام ''زخرف'' ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)



آیاتہا ۸۹ | سُوْرَۃُ الزُّخْرُفِ مَكِّيَّة | رکوعاتہا ۷

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ۞ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ۞ اِنَّا جَعَلْنٰهُ قُرْءٰنًا عَرَبِيًّا لَّعَلَّكُمْ تَعْقِلُوْنَ ۞

سورت کا آغاز اس مضمون سے ہوا ہے کہ قرآن کریم کو عربی زبان میں اتارا گیا ہے تا کہ تم سمجھ سکو، وجہ بالکل ظاہر ہے کہ قرآن کریم کے اوّلین مخاطب عرب تھے، اس لیے اس کی تفہیم وتبلیغ کے لیے عربی زبان میں نازل ہونا ہی معقول ہے۔ اس کے بعد گزشتہ اقوام کی سرکشی اور ہلاکت کا مختصر ذکر ہے، پھر کفار کی یہ حالت ذکر کی گئی ہے کہ اگر ان سے آسمان و زمین کا خالق معلوم کیا جائے تو یہ بھی اللہ کے سوا کچھ نہیں کہتے، وہی اللہ جس نے بچھونے جیسی زمین، سیر وسفر کے لیے راستے، طرح طرح کے چوپائے وغیرہ بنائے، کیا ان سب پر غور وفکر کرنے کے بعد انہیں توحید نظر نہیں آتی، کتنی عجیب بات ہے! آخری آیت میں اللہ تعالیٰ کے لیے اولاد ہونے کی بھی نفی کی گئی ہے اور اس عقیدے کو انسان کی کھلی ناشکری قرار دیا گیا ہے۔

رکوع (۲)

اَمِ اتَّخَذَ مِمَّا يَخْلُقُ بَنٰتٍ وَّ اَصْفٰكُمْ بِالْبَنِيْنَ ۞

اس رکوع میں کفار کی یہ صفت ذکر کی گئی ہے کہ لڑکی کی پیدائش کو یہ اپنے لیے عار اور شرمندگی کا باعث سمجھتے تھے۔ اس کے بعد ایمان نہ لانے کے نہایت رکیک اور کمزور بہانوں کا تذکرہ ہے، مثلاً کہتے کہ ہم اپنے آباؤ اجداد کی روش کو نہیں چھوڑیں گے اور ان کا راستہ بالکل درست ہے۔ رسول اکرم ﷺ کو تسلی دی جا رہی ہے کہ یہ کوئی نیا بہانہ نہیں

ہے، گزشتہ اقوام نے بھی اسی طرح کا عذر پیش کیا تھا، حالاں کہ آباؤ اجداد کی کافرانہ روش سے کہیں زیادہ بہتر اور دنیا و آخرت کی فلاح کا باعث وہ دین ہے جو آپ لے کر آئے ہیں، لہٰذا آپ صبر کریں، ہم ہی ان سے بدلہ لیں گے۔

رکوع (۳)

وَ اِذْ قَالَ اِبْرٰهِیْمُ لِاَبِیْهِ وَ قَوْمِهٖۤ اِنَّنِیْ بَرَآءٌ مِّمَّا تَعْبُدُوْنَ ﴿۲۶﴾

اس رکوع میں پہلے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنے والد اور قوم کو بہت سلیقے سے توحید کا پیغام پہنچایا، ان کے سامنے شرک کو ایک غیر معقول اور احمقانہ روش قرار دیا، لیکن وہ ایمان نہ لائے، یہی حال کفارِ مکہ کا ہے کہ وہ مال و دولت کی ہوس اور دنیا پرستی میں اس حد تک پہنچے ہوئے ہیں کہ اسی فانی مال و متاع کو انسانی شرافت کا معیار سمجھتے ہیں، چناں چہ کہتے ہیں کہ اگر کوئی نبی آنا ہی تھا تو طائف یا مکہ کے کسی امیر شخص کو آنا چاہیے تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے اس نظریے کی تردید کی کہ اس دنیوی مال و دولت کی کوئی حیثیت نہیں ہے، یہ تو تقسیم رزق کی مصلحتیں ہیں جن سے پوری دنیا کا نظام چل رہا ہے، یہ خزانے بس چند روزہ ہیں، اصل زندگی تو آخرت کی ہے جہاں ان کی کوئی حیثیت نہیں۔

رکوع (۴)

وَ مَنْ یَّعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمٰنِ نُقَیِّضْ لَهٗ شَیْطٰنًا فَهُوَ لَهٗ قَرِیْنٌ ﴿۳۶﴾

اس رکوع میں شیطان اور برے ساتھی کی صحبت کی مذمت کی گئی ہے کہ یہاں شیطانی بہکاوے میں آکر جو لوگ ہدایت سے رکے ہوئے ہیں، کل قیامت میں اس شیطان کو اپنے سے دور بھگائیں گے اور اسے بدترین ساتھی قرار دیں گے۔ حالاں کہ آخرت کے عذاب سے بچنے کے لیے یہ عمل بھی کارگر نہ ہوگا۔ لہٰذا اللہ کے احکامات پر جمے رہیں، یہی صراطِ مستقیم ہے اور قرآن کریم اسی کی رہنمائی کرتا ہے۔

رکوع (۵)

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا مُوْسٰی بِاٰیٰتِنَاۤ اِلٰی فِرْعَوْنَ وَ مَلَاۡىِٕهٖ

فَقَالَ اِنِّیْ رَسُوْلُ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ ﴿۴۶﴾

اس رکوع میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا ذکر ہے، کہ جب حضرت موسیٰ نے رسالت کا دعویٰ کیا تو فرعون اور اس کے متبعین نے ان کا مذاق اڑایا، انہیں جادوگر کہا، عذاب آنے پر ایمان کا وعدہ کیا لیکن عذاب دور ہوتے ہی وعدے سے منکر گئے، پھر فرعون کے تکبر کا اصل سبب اس کی حکومت وسلطنت اور مال و دولت کو بتایا گیا ہے کہ اُس نے اپنی حکومت، اپنے محل، اس میں بہتی نہریں وغیرہ کے سامنے حضرت موسیٰ کو بے حیثیت سمجھا۔ دنیوی مال و دولت کو معیارِ فضیلت و برتری سمجھنا ہی فرعون کی سب سے بڑی غلطی ثابت ہوئی جو اُسے لے ڈوبی۔

رکوع (۶)

وَلَمَّا ضُرِبَ ابْنُ مَرْيَمَ مَثَلًا اِذَا قَوْمُكَ مِنْهُ يَصِدُّوْنَ ﴿۵۷﴾

اس رکوع میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے، کہ جو لوگ حضرت عیسیٰ کو خدا کا بیٹا قرار دیتے ہیں وہ جھوٹ بولتے ہیں، اس عقیدے کی کوئی حیثیت نہیں، وہ تو فقط اللہ کے ایک بندے اور رسول تھے، بشر تھے، قیامت کی ایک نشانی تھے، لہٰذا ان کو خدا قرار دینا گمراہی کے علاوہ کچھ نہیں۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اپنی قوم کو تقویٰ اور اطاعت کی تعلیم دی تھی، اللہ کی وحدانیت کو سمجھایا تھا، لیکن بعد میں ان کی قوم آپسی اختلاف میں بٹ گئی اور باطل عقیدے گڑھ لیے، انہیں قیامت سے ڈرنا چاہیے۔

رکوع (۷)

يٰعِبَادِ لَا خَوْفٌ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ وَلَآ اَنْتُمْ تَحْزَنُوْنَ ﴿۶۸﴾

اس رکوع میں اوّلاً متقی اہل ایمان کو بشارت ہے کہ انہیں قیامت میں کسی قسم کا خوف نہ ہوگا، وہ جنت میں داخل ہو کر اس کی بے مثال و بے نظیر نعمتوں سے مستفید ہوں گے۔ جب کہ کفار جہنم میں سخت عذاب سے دوچار ہوں گے، وہ موت کی تمنا کریں گے لیکن انہیں موت نہ آئے گی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ کے اولاد ہونے کی تردید کی گئی ہے۔ کفار کی سرکشی

اورنافرمانی کودیکھتے ہوئے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو ہدایت ہے کہ اگر ان کا یہی رویہ ہے تو انہیں ان کے حالت پر چھوڑ دیں، کل قیامت میں یہ اپنا انجام دیکھ لیں گے جس دن ان کا کوئی سفارشی بھی نہ ہوگا۔



تعارف سورۂ دخان

مستند روایات کے مطابق یہ سورت اس وقت نازل ہوئی تھی جب اللہ تعالیٰ نے مکہ مکرمہ کے کافروں کو متنبہ کرنے کے لیے ایک شدید قحط میں مبتلا فرمایا، اس موقع پر لوگ چمڑے تک کھانے پر مجبور ہوئے، اور ابوسفیان کے ذریعے کافروں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے درخواست کی کہ قحط دور کرنے کے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا کریں، اور ہم وعدہ کرتے ہیں کہ اگر قحط دور ہوگیا تو ہم ایمان لے آئیں گے، حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے دعا فرمائی اور اللہ تعالیٰ نے قحط سے نجات عطا فرمادی، لیکن جب قحط دور ہوگیا تو یہ کافر لوگ اپنے وعدے سے پھر گئے اور ایمان نہیں لائے، اس واقعے کا تذکرہ اس سورت کی آیت نمبر ۱۰ تا ۱۵ میں آیا ہے، اور اسی سلسلے میں یہ فرمایا گیا ہے کہ ایک آسمان پر دھواں ہی دھواں نظر آئے گا، دھویں کو عربی زبان میں ''دخان'' کہتے ہیں اور اسی وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ دخان ہے، سورت کے باقی مضامین توحید رسالت اور آخرت کے اثبات پر مشتمل ہیں۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۵۹ | سُوْرَۃُ الدُّخَانِ مَکِّیَّۃ | رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ وَالْكِتٰبِ الْمُبِيْنِ ﴿۲﴾ اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةٍ مُّبٰرَكَةٍ اِنَّا كُنَّا مُنْذِرِيْنَ ﴿۳﴾

اس رکوع میں اوّلاً قرآن کریم ایک مبارک رات میں نازل ہونے کا ذکر ہے، اس کے بعد اللہ تعالیٰ کی قدرت کا تذکرہ کرتے ہوئے توحید کا سبق دیا گیا ہے، کفار کو قیامت کی ہولناکی، عذاب اور اللہ تعالیٰ کی بڑی پکڑ سے ڈرایا گیا ہے، انہیں سمجھانے کے لیے فرعون کے تکبر، اس کی سرکشی، ہلاکت اور دنیوی ساز و سامان کی بے ثباتی کو ذکر کیا گیا ہے۔

رکوع (۲)

وَلَقَدْ نَجَّيْنَا بَنِيْٓ اِسْرَآءِيْلَ مِنَ الْعَذَابِ الْمُهِيْنِ ﴿۳۰﴾

فرعون اور بنی اسرائیل کا ذکر جاری ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو اس آزمائش سے بچایا، اور ان کو اُس وقت کی تمام اقوام پر فضیلت عطا فرمائی۔ اس کے بعد کفارِ مکہ کا ذکر ہے کہ یہ لوگ مرنے کے بعد والی زندگی کا انکار کرتے ہیں، حالاں کہ قیامت کے دن جب حق اور باطل کا فیصلہ ہوگا تو یہ جھوٹے خدا ان کے ہرگز کام نہ آئیں گے۔

رکوع (۳)

اِنَّ شَجَرَتَ الزَّقُّوْمِ ﴿۴۳﴾ طَعَامُ الْاَثِيْمِ ﴿۴۴﴾ كَالْمُهْلِ يَغْلِيْ فِي الْبُطُوْنِ ﴿۴۵﴾

اس رکوع میں جہنم کے سخت عذاب کا ذکر ہے کہ وہاں کانٹے دار پھل کھانے کے لیے دیے جائیں گے، کھولتے ہوئے پانی کی طرح تیل کا تلچھٹ پینے کے لیے دیا جائے گا، پھر اُن کے سروں پر کھولتا پانی ڈال دیا جائے گا۔ اس کے بالمقابل مومنین جنّت کی نعمتوں

سے لطف اندوز ہوں گے، انہیں عمدہ قسم کا لباس پہنایا جائے گا، حورِعین سے ان کا نکاح ہوگا، ہر طرح کے میوے اور پھل انہیں میسر ہوں گے، جہنم کا وہ عذاب اور جنت کی یہ نعمتیں ہمیشہ ہمیشہ باقی رہیں گی۔



تعارف سورۂ جاثیہ

اس سورت میں بنیادی طور پر تین باتوں پر زور دیا گیا ہے، ایک یہ کہ اس کائنات میں ہر طرف اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور حکمت بالغہ کی اتنی نشانیاں پھیلی ہوئی ہیں کہ ایک انسان اگر معقولیت کے ساتھ ان پر غور کرے تو اس نتیجے پر پہنچے بغیر نہیں رہ سکتا کہ اس کائنات کے خالق کو اپنی خدائی کے انتظام میں کسی شریک کی کوئی ضرورت نہیں ہے، لہٰذا اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھہرا کر اس کی عبادت کرنا سراسر بے بنیاد بات ہے، دوسرے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بتایا گیا ہے کہ آپ کو شریعت کے کچھ ایسے احکام دیئے گئے ہیں جو پچھلی امتوں کو دیئے ہوئے احکام سے کسی قدر مختلف ہیں، چونکہ یہ سارے احکام اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہیں، اس لیے اس پر کسی کو تعجب نہیں ہونا چاہیے، تیسرے اس سورت میں قیامت کے ہول ناک مناظر کا نقشہ کھینچا گیا ہے، اسی سلسلے میں آیت نمبر: ۲۸ میں فرمایا گیا ہے کہ قیامت کے دن لوگ اتنے خوف زدہ ہوں گے کہ ڈر کے مارے گھٹنوں کے بل بیٹھ جائیں گے، ’’جاثیہ‘‘ عربی زبان میں ان لوگوں کو کہتے ہیں جو گھٹنے کے بل بیٹھتے ہوں، اسی لفظ کو سورت کا نام بنا دیا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۳۷ | سُوْرَۃُ الْجَاثِیَۃِ مَکِّیَّۃ | رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

حٰمٓ ﴿۱﴾ تَنْزِيْلُ الْكِتٰبِ مِنَ اللّٰهِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ﴿۲﴾

سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا ذکر کیا گیا ہے اور کفار کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے، پھر جھوٹے اور متکبر شخص کی مذمت کی گئی ہے اور اس کے لیے جہنم کی وعید وارد ہے، نیز دنیا کے جھوٹے خداؤں کی بے بسی کا بھی تذکرہ ہے۔

رکوع (۲)

اَللّٰهُ الَّذِيْ سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَجْرِيَ الْفُلْكُ فِيْهِ بِاَمْرِهٖ وَلِتَبْتَغُوْا مِنْ فَضْلِهٖ وَلَعَلَّكُمْ تَشْكُرُوْنَ ﴿۱۲﴾

اس رکوع میں پہلے تو کائنات میں پھیلی اللہ تعالیٰ کی قدرت کی نشانیوں کا ذکر ہے، پھر بنی اسرائیل کا تذکرہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں بہت سی نعمتوں سے نوازا تھا، مثلاً کتابِ الٰہی، حکمت، نبوت، عمدہ رزق اور اُس وقت کی اقوام پر فضیلت وغیرہ لیکن انہوں نے ان نعمتوں کی قدر نہ کی اور دین میں اختلاف پیدا کر بیٹھے، ان کا فیصلہ تو قیامت میں اللہ تعالیٰ ہی فرمائیں گے۔ پھر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے امت کو شریعت اسلام پر عمل پیرا ہونے کی تاکید ہے۔ آخری آیت میں بتایا گیا ہے کہ بدعمل اور باعمل برابر نہیں ہو سکتے، بدعمل تو مردے کے مانند ہے اور باعمل کی مثال زندوں کی ہے۔

رکوع (۳)

وَخَلَقَ اللّٰهُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ بِالْحَقِّ

وَلِتُجْزٰی کُلُّ نَفْسٍۢ بِمَا کَسَبَتْ وَهُمْ لَا یُظْلَمُوْنَ ﴿۲۲﴾

اس رکوع میں ان لوگوں کی مذمت کی گئی ہے جنہوں نے اپنا خدا اپنی خواہشات کو بنا رکھا ہے، یعنی جیسا اُن کا نفس انہیں کہتا ہے وہ اُسی راہ پر چلتے ہیں، اُسی کو حق سمجھتے ہیں، اس کے بالمقابل ان کے نزدیک دین، شریعت اور حق و باطل وغیرہ کی کوئی حیثیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے اعضائے رئیسہ یعنی آنکھ، کان اور دل کو بے فائدہ قرار دیا ہے، کہ وہ آنکھ کس کام کی جس سے حق دکھائی نہ دے سکے، وہ کان کس کام کے جس سے اللہ کی ہدایات نہ سنی جائیں اور وہ دل کس مصرف کا جس میں ہدایتِ الٰہی موجود نہ ہو۔ ان لوگوں کا نظریہ بیان کیا ہے کہ یہ اپنی موت وحیات کا مالک زمانے کی گردش کو قرار دیتے ہیں، بالکل اُسی طرح جیسے آج کل کے ملحدین، مرتدین اور بیشتر سائنس دانوں کا نظریہ ہے۔ ان کے نظریے کو رد کیا گیا ہے کہ موت وحیات اللہ ہی کے قبضے میں ہے اور وہی کل قیامت میں سب کو جمع کرے گا۔

رکوع (۴)

وَلِلّٰهِ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ؕ وَیَوْمَ تَقُوْمُ السَّاعَةُ یَوْمَئِذٍ یَّخْسَرُ الْمُبْطِلُوْنَ ﴿۲۷﴾

قیامت کا ذکر جاری ہے کہ اُس دن باطل پرست نقصان اٹھائیں گے جب ان کا نامہ اعمال ان کے ہاتھوں میں دیا جائے گا، جس میں ان کے ہر ہر عمل کا ذکر ہوگا، یہی وہ لوگ تھے جن کے سامنے جب قیامت کا ذکر ہوتا تو اس کا مذاق اڑاتے، مرنے کے بعد والی زندگی کو عقل سے بعید سمجھتے، اب ان کا ٹھکانہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جہنم مقرر ہو چکا ہوگا۔ ان کے بالمقابل مومنین جنّت میں اپنی واضح کامیابی کا لطف لے رہے ہوں گے۔



تعارف سورۂ احقاف

اس سورت کی آیت نمبر ۲۹ اور ۳۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ اس وقت نازل ہوئی تھی جب جنات کی ایک جماعت نے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے قرآن کریم سنا تھا، معتبر روایات کے مطابق یہ واقعہ ہجرت سے پہلے اس وقت پیش آیا تھا جب حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے اور نخلہ کے مقام پر فجر کی نماز میں قرآن کریم کی تلاوت فرما رہے تھے، دوسری مکی سورتوں کی طرح اس سورت میں بھی اسلام کے بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور آخرت کو دلائل کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے، اسی زمانہ میں اس قسم کے واقعات پیش آرہے تھے کہ ایک ہی گھرانے میں والدین مسلمان ہو گئے اور اولاد مسلمان نہیں ہوئی، اور اس نے اپنے والدین کو ملامت شروع کر دی کہ وہ کیوں اسلام لائے، اس کے برعکس بعض گھرانوں میں اولاد مسلمان ہوگئی اور والدین مسلمان نہیں ہوئے، اور انھوں نے اولاد پر تشدد شروع کر دیا، اس سورت کی آیات ۱۶ و ۱۷ میں اسی قسم کی صورت حال کا تذکرہ کیا گیا ہے، اور اسی پس منظر میں اولاد پر ماں باپ کے حقوق بیان فرمائے گئے ہیں، اس کے علاوہ ماضی میں جن قوموں نے کفر اور نافرمانی کی روش اختیار کی ان کے برے انجام کا حوالہ دیا گیا ہے، اور قوم عاد کا خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے، جس جگہ یہ قوم آباد تھی وہاں بہت سے ریت کے ٹیلے تھے جنہیں عربی زبان میں ''احقاف'' کہا جاتا ہے، اسی مناسبت سے اس سورت کا نام ''احقاف'' ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

پارہ: (۲۶)

آیاتہا ۳۵ | سُوْرَۃُ الْاَحْقَافِ مَکِّیَّۃ | رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

حٰمٓ ۞ تَنْزِیْلُ الْکِتٰبِ مِنَ اللّٰہِ الْعَزِیْزِ الْحَکِیْمِ ۞

سورت کا آغاز اس بات سے ہوا ہے کہ قرآن کریم اللہ کی کتاب ہے، وہی اللہ جس نے آسمان وزمین اور اس کے درمیان کی تمام چیزوں کو ایک مقرر وقت تک کے لیے وجود بخشا ہے۔ پھر کفار ومشرکین کو چیلنج کیا گیا ہے کہ ذرا اپنے خداؤں کی تخلیق کردہ کوئی ایک چیز پیش کر کے دکھائیں۔ کفار کی ہٹ دھرمی، قرآن کریم اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے تعلق سے ان کی عداوت کا بھی ذکر ہے۔ اخیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی کہلوایا گیا ہے کہ میں کوئی انوکھا رسول نہیں ہوں، جیسے مجھ سے پہلے رسول ہوئے ہیں ویسا ہی ایک رسول ہوں، وحی کی اتباع کرتا ہوں اور اپنا فریضہ انجام دیتا ہوں۔

رکوع (۲)

وَقَالَ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا لِلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَوْ کَانَ خَیْرًا مَّا سَبَقُوْنَآ اِلَیْہِ ؕ وَاِذْ لَمْ یَھْتَدُوْا بِہٖ فَسَیَقُوْلُوْنَ ھٰذَآ اِفْکٌ قَدِیْمٌ ۞

کفارِ مکہ کہتے تھے کہ قرآن کریم میں کوئی اچھی بات نہیں ہے، سوال یہ ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ کتاب توریت کو تم نے کب تسلیم کیا تھا جو قرآن کو تسلیم کرتے، قرآن کریم توریت کو کتابِ الٰہی قرار دیتا ہے اور اُس کی تصدیق کرتا ہے۔ اس کے بعد ایمان پر استقامت کی تعریف کر کے اُس کا بدلہ جنّت کو قرار دیا گیا ہے۔ پھر جو مشقت والدہ اولاد کے لیے برداشت کرتی ہے اُسے ذکر کرتے ہوئے والدین کے ساتھ

حسنِ سلوک کی تاکید ہے، اُن کے ساتھ اچھے رویہ کو اہل جنّت کا عمل بتایا گیا ہے، جب کہ والدین سے گستاخی اور نافرمانی کرنے پر بڑے خسارے اور نقصان کی وعید ہے۔

رکوع (۳)

وَاذْكُرْ اَخَا عَادٍ ؕ اِذْ اَنْذَرَ قَوْمَهٗ بِالْاَحْقَافِ وَقَدْ خَلَتِ النُّذُرُ مِنْۢ بَيْنِ يَدَيْهِ وَمِنْ خَلْفِهٖۤ اَلَّا تَعْبُدُوْۤا اِلَّا اللّٰهَ ؕ

اس رکوع میں قوم عاد کے نبی حضرت ہود علیہ السلام کا ذکر ہے۔ انہوں نے اپنی قوم کو توحید کی دعوت دی جسے قوم نے ٹھکرا دیا، جب ان کی سرکشی بڑھی تو عذابِ الٰہی ایک بادل کی شکل میں آیا، جسے دیکھ کر لوگ خوش ہونے لگے کہ یہ تو بارش کے بادل ہیں، لیکن وہ بادل بارش کے نہیں تھے، اُس سے ایک سخت آندھی آئی، جس سے سب تہس نہس ہو گیا اور بلند و بالا محلات کھنڈر میں تبدیل ہو گئے۔ یہ واقعہ ذکر کر کے اہل مکہ کو متنبہ کیا گیا ہے کہ قومِ عاد تم سے کہیں زیادہ طاقتور تھی، لیکن ان کی ساری طاقت اور شان و شوکت عذابِ الٰہی کے سامنے دھری رہ گئی۔

رکوع (۴)

وَلَقَدْ اَهْلَكْنَا مَا حَوْلَكُمْ مِّنَ الْقُرٰى وَصَرَّفْنَا الْاٰيٰتِ لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ ﴿۲۷﴾

اس رکوع میں گزشتہ اقوام کی سرکشی اور ہلاکت کا ذکر کر کے کفارِ مکہ کو تنبیہ ہے کہ اُن ہلاک شدہ لوگوں کے جھوٹے خدا کسی کام نہ آسکے، اگر تم شرک میں مبتلا رہے تو تمہارا بھی یہی حشر ہوگا۔ اس کے بعد جنات کے قرآن کریم کی تلاوت سن کر ایمان لانے کا تذکرہ ہے کہ وہ قرآن کریم کی تلاوت سے متاثر ہوئے، ایمان لائے اور اپنی قوم میں جا کر دین اسلام کی تبلیغ میں لگ گئے، دوسری طرف یہ کفارِ مکہ ہیں کہ سرکشی سے باز نہیں آتے۔ اخیر رکوع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر و حوصلے کی تلقین ہے کہ جیسے گزشتہ انبیائے کرام نے ابتلاء و آزمائش پر صبر کیا تھا ویسے آپ بھی صبر سے کام لیں، پیغامِ توحید پہنچاتے رہیں، اگر لوگوں کی قسمت میں ایمان ہوا تو بہت خوب، ورنہ نافرمان کی قسمت میں تو ہلاکت ہی ہے۔

تعارف سورۂ محمد

یہ سورت مدنی زندگی کے ابتدائی دور میں، اور بیشتر مفسرین کی رائے میں جنگ بدر کے بعد نازل ہوئی، یہ وہ وقت تھا جب عرب کے کفار مدینہ منورہ کی ابھرتی ہوئی اسلامی حکومت کو کسی نہ کسی طرح زیر کرنے کی کوششوں میں لگے ہوئے تھے، اور اس پر حملے کرنے کی تیاریاں کررہے تھے، اس لیے اس سورت میں بنیادی طور پر جہادو قتال کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں، اور جو لوگ اللہ تعالیٰ کے دین کا کلمہ بلند رکھنے کے لیے جہاد کرتے ہیں، ان کی فضیلت بیان فرمائی گئی ہے، مدینہ منورہ میں ایک بڑی تعداد ان منافقوں کی تھی جو زبان سے تو اسلام لے آئے تھے، لیکن دل سے وہ کافر تھے، ایسے لوگوں کے سامنے جب جہاد اور لڑائی کی بات کی جاتی تو اپنی بزدلی اور دل کے کھوٹ کی وجہ سے لڑائی سے بچنے کے بہانے تلاش کرتے تھے، اس سورت میں ان کی مذمت کر کے ان کا برا انجام بتایا گیا ہے، جنگ کے دوران جو قیدی گرفتار ہوں ان کے احکام بھی اس سورت میں بیان ہوئے ہیں، چونکہ اس سورت کی دوسری ہی آیت میں حضور رسول اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا مبارک نام لیا گیا ہے، اس لیے اس کا نام سورۂ محمد (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ہے، چونکہ اس میں جہاد و قتال کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں اس لیے اس کو سورۂ قتال بھی کہا جاتا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۳۸ | سُوْرَۃُ مُحَمَّدٍ مَدَنِیَّۃ | رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَّذِیْنَ كَفَرُوْا وَ صَدُّوْا عَنْ سَبِیْلِ اللّٰہِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ①

سورۂ محمد کا آغاز اس بات سے ہوتا ہے کہ جن لوگوں نے کفر کیا اور لوگوں کو راہِ خدا سے روکا ان کے اعمال ضائع ہو جائیں گے، یعنی اگر انہوں نے کچھ کارِ خیر بھی کر رکھے ہیں تو کل قیامت میں اُس کا بدلہ نہیں ملے گا۔ ان کے بالمقابل جو لوگ ایمان لائے، نیک عمل کیے اور قرآن کریم کو برحق سمجھتے رہے اللہ تعالیٰ ان کے گناہوں کو معاف کر دے گا، وجہ یہ ہے کہ کفار نے باطل کی پیروی کی اور مومنین حق کی اتباع میں لگے رہے۔ اس کے بعد میدانِ جنگ، قیدیوں اور فدیے سے متعلق احکامات دیے گئے ہیں۔ نیز راہِ خدا میں شہید ہونے والوں کو جنّت کی بشارت دی گئی ہے۔

رکوع (۲)

اِنَّ اللّٰہَ یُدْخِلُ الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ

جَنّٰتٍ تَجْرِیْ مِنْ تَحْتِهَا الْاَنْهٰرُ ط

اس رکوع میں اوّلاً اہل ایمان کا انجام مذکور ہے کہ ان کے لیے جنّت کی نعمتیں ہیں، جب کہ کفار کو جانوروں سے تشبیہ دیتے ہوئے جہنم کی وعید سنائی گئی ہے۔ آگے جنت کی نعمتوں اور جہنم کے عذاب کو قدرے تفصیل سے ذکر کیا گیا ہے، مثلاً جنّت میں نہریں ہوں گی، پانی نہایت شیریں ہوگا، کبھی خراب نہ ہوگا، دودھ اور شہد کی بھی نہریں ہوں گی، ہر طرح کے پھل ہوں گے۔ جب کہ جہنم میں لوگوں کو کھولتا ہوا پانی پلایا جائے گا جو ان کی آنتوں کے ٹکڑے ٹکڑے کر دے گا۔ اس کے بعد بعض کفار کا حال ذکر کیا گیا ہے کہ وہ

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مجلس میں بیٹھتے تھے، لیکن وعظ ونصیحت کو ایک کان سے سن کر دوسرے سے نکال دیتے تھے۔

رکوع (۳)

وَيَقُولُ الَّذِينَ آمَنُوا لَوْلَا نُزِّلَتْ سُورَةٌ ۖ
فَإِذَا أُنزِلَتْ سُورَةٌ مُّحْكَمَةٌ وَذُكِرَ فِيهَا الْقِتَالُ ۙ

اس رکوع میں بنیادی طور پر شجاعت و بہادری کی تعلیم دی گئی ہے، دراصل منافقین کے سامنے جب جہاد میں جانے کا ذکر ہوتا تو اُن کو بہت گراں گزرتا، وہ جہاد میں موت کے خوف سے نہ جاتے تھے، حالاں کہ دین تو فقط اطاعت کا نام ہے۔ جہاد سے پھرنے والوں کو اللہ نے اپنی رحمت سے دور قرار دیا ہے۔ اس کے بعد لوگوں کو قرآن کریم میں غور وفکر کرنے کی ترغیب ہے۔ اخیر میں موت کے وقت منافقین وکفار کو پیش آنے والی سختی کا تذکرہ ہے۔

رکوع (۴)

أَمْ حَسِبَ الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِم مَّرَضٌ أَن لَّن يُخْرِجَ اللَّهُ أَضْغَانَهُمْ ﴿۲۹﴾

منافقین کا تذکرہ جاری ہے، ان کی غلط فہمی تھی کہ کسی کو ان کے نفاق کا علم نہ ہوگا، اللہ تعالیٰ نے ان کی علامتیں ظاہر کردیں کہ یہ منافقین تو اپنے لہجے اور اندازِ گفتگو سے پہچان لیے جاتے ہیں۔ پھر مومنین کو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے، اور کفار کے بارے میں کہا گیا ہے کہ اللہ ان کو کبھی نہیں بخشے گا۔ دنیوی زندگی کی بے ثباتی کا ذکر کرتے ہوئے جہاد کے لیے باہمی تعاون اور نصرت کی ترغیب دی گئی ہے۔



تعارف سورۂ فتح

یہ سورت صلح حدیبیہ کے موقع پر نازل ہوئی تھی، جس کا واقعہ مختصراً یہ ہے کہ ہجرت کے چھٹے سال حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ ارادہ فرمایا کہ اپنے صحابہ کے ساتھ عمرہ ادا فرمائیں، آپ نے یہ خواب بھی دیکھا تھا کہ آپ مسجد حرام میں اپنے صحابہ کے ساتھ داخل ہو رہے ہیں، چنانچہ آپ چودہ سو صحابہ کے ساتھ مکہ مکرمہ روانہ ہوئے، جب مکہ مکرمہ کے قریب پہنچے تو آپ کو پتہ چلا کہ قریش کے مشرکین نے ایک بڑا لشکر تیار کیا ہے، جس کا مقصد یہ ہے کہ آپ کو مکہ مکرمہ میں داخل ہونے سے روکے، اس خبر کے ملنے پر آپ نے اپنی پیش قدمی روک دی، اور مکہ مکرمہ سے کچھ دور حدیبیہ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا، (یہ جگہ آج کل شمیسی کہلاتی ہے) وہاں سے آپ نے حضرت عثمانؓ کو اپنا ایلچی بنا کر مکہ مکرمہ بھیجا کہ وہ وہاں کے سرداروں کو بتائیں کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی جنگ کے ارادے سے نہیں آئے ہیں، وہ صرف عمرہ کرنا چاہتے ہیں اور عمرہ کر کے پر امن طور پر واپس چلے جائیں گے، حضرت عثمانؓ مکہ مکرمہ گئے تو ان کے جانے کے کچھ ہی بعد یہ افواہ پھیل گئی کہ مکہ مکرمہ کے کافروں نے انھیں قتل کر دیا ہے، اس موقع پر آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے صحابہ کرام کو جمع کر کے ان سے یہ بیعت لی، (یعنی ہاتھ میں ہاتھ لے کر یہ عہد لیا) کہ اگر کفار مکہ مسلمانوں پر حملہ آور ہوئے تو وہ ان کے مقابلے میں اپنی جانوں کی قربانی پیش کریں گے، اس کے بعد آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قبیلہ خزاعہ کے ایک سردار کے ذریعے قریش کے سرداروں کو یہ پیشکش کی کہ اگر وہ ایک مدت تک جنگ بندی کا معاہدہ کرنا چاہیں تو آپ اس کے لیے تیار ہیں، جواب میں مکہ مکرمہ سے کئی ایلچی آئے، اور آخر کار ایک معاہدہ لکھا گیا، جس میں محمد بن اسحاق کی روایت کے مطابق یہ طے ہوا کہ

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اور قریش آئندہ دس سال تک ایک دوسرے کے خلاف کوئی جنگ نہیں کریں گے، (سیرت ابن ہشام ۲: ۳۱۷ و فتح الباری ۸: ۲۸۳)

اسی معاہدے کو صلح حدیبیہ کا معاہدہ کہا جاتا ہے، صحابہ کرام اس موقع پر کافروں کے طرز عمل سے بہت غم وغصے کی حالت میں تھے، اور کافروں نے صلح کی یہ شرط رکھی تھی کہ اس وقت مسلمان واپس مدینہ منورہ چلے جائیں اور اگلے سال آکر عمرہ کریں، تمام صحابہ احرام باندھ کر آئے تھے، اور کافروں کی ضد کی وجہ سے احرام کھولنا ان کو بہت بھاری معلوم ہو رہا تھا، اس کے علاوہ کافروں نے ایک شرط یہ بھی رکھی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ کا کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ جائے گا تو مسلمانوں کے لیے ضروری ہوگا کہ وہ اسے واپس مکہ مکرمہ بھیجیں، اور اگر کوئی شخص مدینہ منورہ چھوڑ کر مکہ مکرمہ آئے گا تو قریش کے ذمے یہ نہیں ہوگا کہ وہ اسے واپس مدینہ منورہ بھیجیں، یہ شرط بھی مسلمانوں کے لیے بہت تکلیف دہ تھی، اور اس کی وجہ سے وہ یہ چاہتے تھے کہ ان شرائط کو قبول کرنے کے بجائے ان کافروں سے ابھی ایک فیصلہ کن معرکہ ہو جائے، لیکن اللہ تعالیٰ کو یہ منظور تھا کہ اسی صلح کے نتیجے میں آخر کار قریش کا اقتدار ختم ہو، اس لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے یہ شرائط منظور کرلیں، صحابہ کرام اس وقت جہاد کے جوش سے سرشار تھے اور موت پر بیعت کر چکے تھے؛ لیکن آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے حکم کے آگے انھوں نے سر جھکا دیا اور صلح پر راضی ہو کر واپس مدینہ منورہ چلے گئے، اور اگلے سال عمرہ کیا، اس کے کچھ ہی عرصے کے بعد ایک واقعہ تو یہ ہوا کہ ایک صاحب جن کا نام ابو بصیرؓ تھا، مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے معاہدے کے مطابق انھیں واپس بھیج دیا، انھوں نے مکہ مکرمہ جانے کے بجائے ایک درمیانی جگہ پڑاؤ ڈال کر قریش کے خلاف چھاپہ مار جنگ شروع کردی، کیونکہ وہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کے پابند نہیں تھے، اس چھاپہ مار جنگ سے قریش اتنے پریشان ہوئے کہ خود انھوں نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے یہ درخواست کی کہ اب ہم وہ شرط واپس لیتے ہیں جس کی رو سے مکہ مکرمہ کے مسلمانوں کو واپس بھیجنا ضروری قرار دیا گیا تھا، قریش نے کہا کہ اب جو کوئی مسلمان ہو کر آئے تو

آپ اسے مدینہ منورہ ہی میں رکھیں، اور ابو بصیر اور ان کے ساتھیوں کو بھی اپنے پاس بلالیں، چنانچہ آپ نے انھیں مدینہ منورہ بلالیا، دوسرا واقعہ یہ ہوا کہ قریش کے کافروں نے دو سال کے اندر اندر حدیبیہ کے معاہدے کی خلاف ورزی کی اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انھیں پیغام بھیجا کہ یا تو وہ اس کی تلافی کریں یا معاہدہ ختم کریں، قریش نے اس وقت غرور میں آکر کوئی بات نہ مانی، جس کی وجہ سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو پیغام بھیج دیا کہ اب ہمارا آپ کا معاہدہ ختم ہو گیا ہے، اس کے بعد آپ نے ہجرت کے آٹھویں سال دس ہزار صحابہ کرام کے ساتھ مکہ مکرمہ کی طرف پیش قدمی فرمائی، اس وقت قریش کا غرور ٹوٹ چکا تھا، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کسی خاص خونریزی کے بغیر مکہ مکرمہ میں فاتح بن کر داخل ہوئے، اور قریش کے لوگوں نے شہر آپ کے حوالے کر دیا۔

سورۂ فتح میں صلح حدیبیہ کے مختلف واقعات کا حوالہ دیا گیا ہے اور صحابہ کرام کی تعریف کی گئی ہے کہ انھوں نے اس واقعے کے ہر مرحلے پر بڑی بہادری، سرفروشی اور اطاعت کے جذبے کا مظاہرہ کیا، دوسری طرف منافقین کی بداعمالیوں اور ان کے برے انجام کا بھی ذکر فرمایا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)



آیاتہا ۲۹ | سُوْرَۃُ الْفَتْحِ مَدَنِیَّۃٌ | رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اِنَّا فَتَحْنَا لَکَ فَتْحًا مُّبِیْنًا ۙ﴿۱﴾ لِّیَغْفِرَ لَکَ اللّٰہُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْۢبِکَ وَمَا تَاَخَّرَ وَیُتِمَّ نِعْمَتَہٗ عَلَیْکَ وَیَھْدِیَکَ صِرَاطًا مُّسْتَقِیْمًا ۙ﴿۲﴾

سورت کے آغاز میں صلح حدیبیہ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے، اسے سمجھنے کے لیے حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی کی مختصر اور جامع تحریر ملاحظہ فرمائیں:

ہجرت کے چھٹے سال آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عمرہ کے لئے چودہ سو مسلمانوں کے ساتھ مکہ کا رُخ کیا، مکہ میں قدیم روایت کے مطابق عمرہ سے کسی کو روکا نہیں جاتا تھا، اس لئے مسلمان احرام باندھ کر مدینہ سے نکلے؛ تاکہ غلط فہمی پیدا نہ ہو، پھر بھی اہل مکہ کی طرف سے رکاوٹ پیدا کر دی گئی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم چوں کہ امن چاہتے تھے؛ اس لئے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اہل مکہ کی شرطوں پر معاہدہ کر لیا، شرطیں یہ تھیں:

(۱) مسلمان اس سال واپس چلے جائیں۔

(۲) آئندہ سال صرف تین دنوں کے لئے آئیں اور عمرہ کر لیں، اس موقع پر ان کے پاس تلوار کے علاوہ کوئی اور ہتھیار نہ ہو۔

(۳) مکہ سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ جائے تو اسے واپس کر دیں، اور مدینہ سے کوئی شخص مرتد ہو کر مکہ آئے تو اسے واپس نہیں کیا جائے گا۔

(۴) دس سال کے لئے دونوں فریق میں ناجنگی معاہدہ رہے گا، اور ایک دوسرے پر حملہ کرنے سے گریز کریں گے، نیز جو قبیلہ جس کا حلیف ہو، وہ اس معاہدہ میں شریک سمجھا

جائے گا۔

صلح حدیبیہ: چنانچہ بنوبکر اہل مکہ کے حلیف ہوئے اور بنوخزاعہ مسلمانوں کے، چوں کہ یہ صلح ''حدیبیہ'' نامی مقام پر ہوئی تھی، اس لئے اس کو ''صلح حدیبیہ'' کہا جاتا ہے، حدیبیہ میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے صحابہؓ کے ساتھ ۱۹/دن قیام فرمایا، اس صلح کو قرآن مجید میں ''فتح مبین'' سے تعبیر کیا گیا ہے (سورۂ فتح:۱)؛ کیوں کہ اس صلح نے اہل مکہ اور عرب کے دوسرے قبائل میں دعوت اسلام کا راستہ کھول دیا، یہی وجہ ہے کہ صلح حدیبیہ کے موقع سے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ ۱۴۰۰/صحابہؓ تھے اور صرف دو سال بعد فتح مکہ کے موقع سے دس ہزار صحابہؓ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ساتھ تھے۔ (حیاتِ طیبہ، ص ۲۴)

ایک اور واقعہ کی جانب اشارہ ہے، ہوا یوں کہ حضرت عثمان غنیؓ سفیر بن کر قریش سے بات کرنے گئے تھے، انہیں قریش نے روک لیا تو مسلمانوں کے درمیان ان کی شہادت کی افواہ اڑ گئی، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ایک درخت کے نیچے بیٹھ کر مسلمانوں سے جہاد پر بیعت لی جسے ''بیعتِ رضوان'' کہا جاتا ہے، اسی بیعت کی جانب اشارہ کیا گیا ہے کہ جو صحابہ کرام آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے بیعت کر رہے ہیں وہ دراصل اللہ تعالیٰ سے بیعت کر رہے ہیں، اور اللہ کی مدد ان کے ساتھ ہے۔

رکوع (۲)

سَيَقُولُ لَكَ الْمُخَلَّفُونَ مِنَ الْأَعْرَابِ شَغَلَتْنَا أَمْوَالُنَا وَأَهْلُونَا فَاسْتَغْفِرْ لَنَا ۚ يَقُولُونَ بِأَلْسِنَتِهِمْ مَا لَيْسَ فِي قُلُوبِهِمْ ۚ

اس رکوع میں اُن منافقین کا ذکر ہے جو بزدلی اور غفلت کی بنا پر جہاد سے پیچھے رہ گئے تھے، اس کے لیے انہوں نے بہانے بنائے، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں کی آرزو ظاہر کر دی کہ ان کا خیال یہ تھا کہ تمام مسلمان جہاد میں شہید ہو جائیں گے اور کوئی واپس نہ لوٹے گا، گویا یہ موت کے خوف سے پیچھے ہٹے ہیں، حالاں کہ اگر اللہ ان کے ساتھ کسی نعمت یا مصیبت کا ارادہ کرنا چاہے تو اُسے کون روک سکتا ہے۔ اُن مومنین کے لیے بھی کچھ

ہدایات ہیں جو اس جہاد میں شامل نہیں ہو سکے تھے کہ عنقریب انہیں اس سے زیادہ جنگجو قوم کے خلاف جہاد کا موقع ملے گا۔ البتہ جو لوگ سچ مچ معذور تھے مثلاً نابینا، لنگڑے یا بیمار، ان کو جہاد کے حکم سے مستثنیٰ قرار دیا گیا ہے۔

رکوع (۳)

لَقَدْ رَضِیَ اللّٰہُ عَنِ الْمُؤْمِنِیْنَ اِذْ یُبَایِعُوْنَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِیْ قُلُوْبِهِمْ فَاَنْزَلَ السَّكِیْنَةَ عَلَیْهِمْ وَ اَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِیْبًا ﴿۱۸﴾

اس رکوع میں اُسی بیعت رضوان کا ذکر ہے جس کا تذکرہ پہلے رکوع میں آچکا ہے، یہاں اُن تمام مجاہدین کو اللہ تعالیٰ نے اپنی رضا اور خوشنودی کا انعام عطا فرمایا اور انہیں مستقبل میں ہونے والی فتوحات اور مالِ غنیمت کی بشارت بھی دی۔ یہاں صلح حدیبیہ کی ایک مصلحت یہ بھی ذکر کی گئی ہے مکہ میں بہت سے کمزور مومن مرد اور عورتیں ہیں جنہوں نے اپنے ایمان کو چھپا رکھا ہے، اگر جنگ ہوتی تو مسلمانوں سے نادانی میں کفار کے ساتھ وہ مومن بھائی بہنیں بھی قتل ہو جاتیں اور جب مسلمانوں کو ان کے ایمان کا پتہ چلتا تو ندامت اور افسوس کے سوا کچھ حاصل نہ ہوتا۔ اس صلح سے اُن کی جان بھی بچ گئی اور مسلمانوں کو معاہدے کی وجہ سے امن وسکون میسر آیا جس کا فائدہ اٹھا کر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بہت سے بادشاہوں کو دعوتی خطوط ارسال فرمائے۔

رکوع (۴)

لَقَدْ صَدَقَ اللّٰہُ رَسُوْلَهُ الرُّءْیَا بِالْحَقِّ ۚ لَتَدْخُلُنَّ الْمَسْجِدَ الْحَرَامَ اِنْ شَآءَ اللّٰہُ اٰمِنِیْنَ ۙ مُحَلِّقِیْنَ رُءُوْسَكُمْ وَ مُقَصِّرِیْنَ ۙ لَا تَخَافُوْنَ ؕ

اس رکوع میں اُس خواب کا ذکر ہے جس کی بنا پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور صحابہ کرام عمرہ کا ارادہ کر کے چلے تھے اور رستے میں انہیں روک لیا گیا تھا، اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا خواب سچا ہے، بس اس کی تعبیر کا وقت آئندہ سال ہے، چناں چہ آئندہ سال صحابہ کرام مکہ گئے اور عمرہ ادا کیا۔ اسی رکوع میں آگے ہونے والی فتح مکہ کی بھی بشارت

دی گئی۔اس کے بعد حضرات صحابہ کرامؓ کی تعریف کی گئی ہے کہ صحابہ کرام کی خصوصیات کا ذکر تو سابقہ کتبِ الٰہی توریت وانجیل میں بھی موجود ہے کہ یہ کفار کے مقابلے میں نہایت سخت، آپس میں انتہائی نرم اور مشفق، کثرت سے سجدہ کرنے والے، رضائے الٰہی کو تلاش کرنے والے ہیں۔



تعارف سورۂ حجرات

اس سورت کے بنیادی موضوع دو ہیں، ایک یہ کہ مسلمانوں کو حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ تعظیم کا کیسا رویہ اختیار کرنا چاہیے، اور دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے درمیان اتحاد و اتفاق قائم رکھنے کے لیے کن اصولوں پر عمل کرنا ضروری ہے، اس سلسلے میں پہلے یہ بتایا گیا ہے کہ اگر مسلمانوں کے دو گروہوں میں اختلاف پیدا ہو جائے تو دوسرے مسلمانوں پر کیا فریضہ عائد ہوتا ہے، اور اس کے بعد وہ اسباب بیان فرمائے گئے ہیں جو عام طور سے رہن سہن کے دوران آپس کے لڑائی جھگڑے پیدا کرتے ہیں، مثلاً ایک دوسرے کا مذاق اڑانا، غیبت کرنا، دوسروں کے معاملات میں ناحق مداخلت کرنا، بدگمانی کرنا وغیرہ، نیز یہ حقیقت پوری وضاحت اور تاکید کے ساتھ بیان فرمائی گئی ہے کہ خاندان قبیلے زبان اور قومیت کی بنیاد پر ایک دوسرے کے مقابلے میں اپنی بڑائی جتانے کا اسلام میں کوئی جواز نہیں ہے، تمام انسان برابر ہیں، اور اگر کسی کو دوسرے پر کوئی فوقیت ہو سکتی ہے تو وہ صرف اپنے کردار اور تقویٰ کی بنیاد پر ہو سکتی ہے، سورت کے آخر میں یہ حقیقت بیان فرمائی گئی ہے کہ مسلمان ہونے کے لیے صرف زبان سے اسلام کا اقرار کر لینا کافی نہیں ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے تمام احکام کو دل سے ماننا بھی ضروری ہے، اس کے بغیر اسلام کا دعویٰ معتبر نہیں ہے۔

حجرات عربی میں ”حُجرة“ کی جمع ہے جو کمرے کو کہتے ہیں، اس سورت کی چوتھی آیت میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے رہائشی حجروں کے پیچھے سے آپ کو آواز دینے سے منع فرمایا گیا ہے اس وجہ سے اس سورت کا نام سورۂ حجرات رکھا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)

آیاتہا ۱۸ | سُوْرَۃُ الْحُجُرٰتِ مَدَنِیَّۃ | رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُقَدِّمُوْا بَیْنَ یَدَیِ اللّٰهِ وَ رَسُوْلِهٖ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ سَمِیْعٌ عَلِیْمٌ ①

اس رکوع میں مسلمانوں کو چند ہدایات دی گئی ہیں:

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے آگے نہ بڑھیں۔ ان کے سامنے بلند آواز میں گفتگو نہ کریں۔ اگر ان سے کوئی کام ہے تو دروازے پر آواز نہ دیں، بلکہ اُن کے از خود نکلنے کا انتظار کریں۔ بلا تحقیق ہر خبر پر یقین نہ کریں۔ تمام اہل ایمان بھائی بھائی ہیں، اس لیے آپس میں اتحاد و اتفاق قائم رکھیں۔ ہر حکم کا ایک خاص پس منظر ہے جنہیں تفسیر کی کتابوں میں دیکھا جا سکتا ہے۔

اہم مسائل

انبیائے کرام کے وارث ہونے کی وجہ سے اکابر علماء کی مجلس میں اتنی بلند آواز سے نہ بولے جس سے ان کی آواز دب جائے۔

کسی فاسق کی خبر کو قبول کرنا اور اس پر عمل کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرے ذرائع سے تحقیق کر کے اس کا صدق ثابت نہ ہو جائے۔

فاسق: اس شخص کو کہتے ہیں جو ایمان لانے کے بعد اللہ تعالیٰ کی نافرمانیوں میں ملوث رہے، شریعت کے بعض یا تمام احکامات کو پس پشت ڈال کر عملی کوتاہی کرے، اور جو کبائر (بڑے گناہوں) کا مرتکب ہو یا صغائر پر اصرار کرتا ہو۔

رکوع (۲)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا يَسْخَرْ قَوْمٌ مِّنْ قَوْمٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُوْنُوْا خَيْرًا مِّنْهُمْ وَلَا نِسَآءٌ مِّنْ نِّسَآءٍ عَسٰٓى اَنْ يَّكُنَّ خَيْرًا مِّنْهُنَّ ۚ

اس رکوع میں اصلاحِ معاشرہ کے لیے کچھ ہدایات ہیں۔ مثلاً مرد و عورت کسی کا مذاق نہ اڑائیں، ایک دوسرے کو طعنے نہ دیں، برے القاب سے نہ پکاریں، بدگمانی سے بچیں، پیٹھ پیچھے کسی کی برائی نہ کریں، یہ سب سخت گناہ کی باتیں ہیں۔ اس کے بعد تمام انسانوں کو مخاطب کیا گیا ہے کہ سب کی تخلیق ایک مرد اور ایک عورت یعنی آدم اور حوا سے ہوئی ہے، یہ قومیں اور خاندان صرف باہمی تعارف کے لیے ہیں، ان میں کوئی فضیلت اور برتری نہیں، فضیلت کا معیار تو صرف تقویٰ ہے۔ اخیر میں کچھ منافقین کا ذکر ہے جو اپنے اسلام لانے کا احسان جتاتے تھے، اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر ان کے نفاق کو ظاہر فرما دیا اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ آسمان وزمین کی ہر پوشیدہ چیز کو جاننے والا ہے، اُس سے کوئی چیز مخفی نہیں۔

اہم مسائل

● کسی بھی شخص کو برے القاب سے پکارنا منع ہے، لیکن بعض لوگوں کے ایسے نام مشہور ہو جاتے ہیں جو فی نفسہ برے ہیں مگر وہ بغیر اس لفظ کے پہچانا ہی نہیں جاتا تو اس کو اس نام سے ذکر کرنے کی اجازت ہے، بشرطیکہ ذکر کرنے والے کا مقصد اس سے تحقیر و تذلیل کا نہ ہو۔

● غیبت کی حقیقت خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایک ارشاد میں واضح فرمائی ہے، آپ انے فرمایا: اپنے بھائی کے بارے میں کوئی ایسی بات نقل کرنا جو اُسے ناگوار گذرتی ہو غیبت ہے۔

● اس طرح غیبت کا دائرہ وسیع ہو جاتا ہے، کسی شخص کے خاندان، اخلاق، جسمانی ساخت، قول و فعل، دین و دنیا یہاں تک کہ کپڑا، مکان اور سواری کے بارے میں بھی کوئی ایسی بات کہنا جو متعلق شخص کو ناگوار ہو وہ ''غیبت'' ہے۔

● ظلم سے بچنے کے لئے کہ اس مقصد کے لئے غازی اور سلطان سے رجوع کرنا اور کسی شخص کے ظلم اور رشوت وغیرہ کے بارے میں اطلاع دینا درست ہے۔

● کسی برائی کے دور کرنے اور اصلاح کی غرض سے کسی کی غلطی کا ذکر کیا جاسکتا ہے، لیکن ظاہر ہے کہ اس کا مدار نیت پر ہے، اگر نیت اصلاح کی ہو تو گنہ گار نہ ہوگا اور اگر مقصد مسلمان کی اہانت ہو تو گنہ گار ہوگا۔

● بطور استفتاء کسی شخص کے ظلم کو ذکر کیا جاسکتا ہے، تاکہ مفتی سے رہنمائی حاصل کی جاسکے۔

● کسی مسلمان کو دین یا دنیا کے نقصان سے بچانے، جیسے: کوئی شخص کسی بدعتی کے یہاں بہت آمدورفت رکھتا ہو تو اس کو اس شخص کے حالات بتائے جاسکتے ہیں تاکہ وہ اس برائی سے متاثر نہ ہو، اسی طرح کوئی شخص دوسرے مسلمان سے معاملہ کرے یا کہیں رشتہ طے کرنا چاہے اور اس بارے میں استفسار کرے، تو صحیح صورت حال کی وضاحت ضروری ہے، گو اس میں کسی کا عیب کھولنا پڑتا ہو۔

● ایسے شخص کی غیبت ناجائز نہیں جس کی زندگی کے ظاہری احوال ہی اس کے گناہوں اور معصیتوں کا اعلان کرتے ہوں اور وہ برسر عام فسق و فجور کیا کرتا ہو۔

(ملخص از قاموس الفقہ: غیبت)



تعارف سورۂ ق

اس سورت کا اصل موضوع آخرت کا اثبات ہے، اسلام کے عقائد میں عقیدۂ آخرت کو بنیادی اہمیت حاصل ہے، یہی وہ عقیدہ ہے جو انسان کے قول وفعل میں ذمہ داری کا احساس پیدا کرتا ہے، اور اگر یہ عقیدہ دل میں پیوست ہو جائے تو وہ ہر وقت انسان کو اس بات کی یاد دلاتا رہتا ہے کہ اسے اپنے ہر کام کا اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دینا ہے، اور پھر یہ عقیدہ انسان کو گناہوں، جرائم اور ناانصافیوں سے دور رکھنے میں بڑا اہم کردار ادا کرتا ہے، اس لیے قرآن کریم نے آخرت کی زندگی کو یاد دلانے پر بہت زور دیا ہے، اور اسی کا نتیجہ تھا کہ صحابہ کرام ہر وقت آخرت کی زندگی کو بہتر بنانے کی فکر میں لگے رہتے تھے، اب جو مکی سورتیں آ رہی ہیں، ان میں زیادہ تر اسی عقیدے کے دلائل اور قیامت کے حالات اور جنت اور دوزخ کی منظر کشی پر زور دیا گیا ہے، سورۂ ق کی یہ بھی خصوصیت ہے کہ حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) بکثرت فجر اور جمعہ کی نمازوں میں اس سورت کی تلاوت فرمایا کرتے تھے، سورت کے آغاز حروف مقطعات میں حرف ''قٓ'' سے کیا گیا ہے، جس کے معنی اللہ تعالیٰ ہی کو معلوم ہیں، اسی حرف کے نام پر سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتھا ۴۵ | سُوْرَةُ قٓ مَكِّيَّةٌ | رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قٓ ۚ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِيْدِ ۚ ﴿١﴾ بَلْ عَجِبُوْٓا اَنْ جَآءَهُمْ مُّنْذِرٌ مِّنْهُمْ فَقَالَ الْكٰفِرُوْنَ هٰذَا شَيْءٌ عَجِيْبٌ ۚ ﴿٢﴾

سورت کے آغاز میں کفار کے اس تعجب کا ذکر ہے کہ انہیں کے درمیان سے ایک رسول کیسے آگیا؟ دوسرا تعجب انہیں مرنے کے بعد والی ابدی زندگی پر تھا۔ ان کے اس تعجب کو اس طرح دور کیا گیا ہے کہ انہیں کائنات میں غور کرنا چاہیے، آسمان کیسے بنایا گیا کہ اُس میں کوئی رخنہ نہیں ہے، اس سے بارش کیسے ہوتی ہے، پھر اُس کے نتیجے میں سبزہ کیسے اگتا ہے، زمین کیسے پھیلائی گئی کہ اُس پر بلند و بالا پہاڑ بھی موجود ہیں وغیرہ وغیرہ۔ ان سب چیزوں کی تخلیق پر غور و فکر کرنا چاہیے کہ جو ذات انہیں پیدا کر سکتی ہے وہ تمہارے درمیان سے رسول بھی منتخب کر سکتی ہے اور تمہیں مرنے کے بعد دوبارہ پیدا بھی کر سکتی ہے۔ اخیر رکوع میں گزشتہ اقوام کی عبرت انگیز ہلاکت کا تذکرہ ہے۔

رکوع (۲)

وَلَقَدْ خَلَقْنَا الْاِنْسَانَ وَنَعْلَمُ مَا تُوَسْوِسُ بِهٖ نَفْسُهٗ ۖ وَنَحْنُ اَقْرَبُ اِلَيْهِ مِنْ حَبْلِ الْوَرِيْدِ ﴿١٦﴾

اس رکوع میں اللہ تعالیٰ کے علم کا ذکر ہے کہ اُسے انسان کے دل میں آنے والے خیالات تک کا علم رہتا ہے، پھر اعمال لکھنے والے فرشتوں کا تذکرہ ہے جو انسان کے ہر عمل کا ریکارڈ رکھتے ہیں، حتیٰ کہ انسان کے منہ سے نکلنے والا ہر جملہ ان کے ریکارڈ میں محفوظ ہو رہا ہے، جس کا حساب قیامت میں ہوگا۔ اس کے بعد قیامت کا کچھ تذکرہ ہے کہ اُس دن

منکرین قیامت اپنی غفلت پر افسوس کریں گے لیکن اُس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔

رکوع (۳)

يَوْمَ نَقُوْلُ لِجَهَنَّمَ هَلِ امْتَلَاْتِ وَ تَقُوْلُ هَلْ مِنْ مَّزِيْدٍ ﴿۳۰﴾

اس رکوع میں اوّلاً جہنم کی وسعت کا تذکرہ ہے، پھر جنت کی نعمتوں کا ذکر ہے۔ یہ ترغیب بھی ہے کہ گزشتہ اقوام کی ہلاکت اور اللہ کی سخت گرفت سے لوگوں کو عبرت حاصل کرنی چاہیے۔ کفار کی تنقید اور سرکشی پر رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر کی تلقین کی گئی ہے اور اس کا اہم ذریعہ صبح وشام اللہ کے ذکر کو بتایا گیا ہے، خواہ وہ تسبیح کی شکل میں ہو یا نماز کی شکل میں۔ پھر کفار کو سرکشی سے باز آنے کے لیے کہا گیا ہے اور قیامت کی ہولناکی، اس کے عذاب اور سختی کو ذکر کیا گیا ہے۔



تعارف سورۂ ذاریات

یہاں سے سورۂ حدید(سورت نمبر:۵۷) تک تمام سورتیں مکی ہیں، اوران سب کا بنیادی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد کی تعلیم اور خاص طور پر آخرت کی زندگی، جنت اور دوزخ کے حالات اور پچھلی قوموں کے عبرت ناک انجام کا نہایت فصیح وبلیغ اور انتہائی مؤثر تذکرہ ہے، اس تاثیر کو کسی بھی ترجمے کے ذریعے کسی اور زبان میں منتقل کرنا ممکن نہیں ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

ایاتہا ۶۰ | سُوْرَۃُ الذّٰرِیٰتِ مَکِّیَّۃ | رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالذّٰرِیٰتِ ذَرْوًا ۙ﴿۱﴾ فَالْحٰمِلٰتِ وِقْرًا ۙ﴿۲﴾ فَالْجٰرِیٰتِ یُسْرًا ۙ﴿۳﴾

سورت کے مختلف قسم کی ہواؤں کی قسم کھا کر قیامت کے یقینی ہونے کا ذکر ہے، پھر عقیدے کے معاملے میں اختلاف کرنے والے، اپنی عقل سے الٹی سیدھی باتیں بنانے والے اور قیامت کے تعلق سے غفلت میں ڈوبے لوگوں کے لیے وعید ہے۔ اس کے بالمقابل اہل جنّت کی کچھ خاص صفت ذکر کی گئی ہیں، مثلاً تقویٰ، اعمالِ صالحہ، تہجد گزاری، راتوں کو اٹھ کر استغفار کرنا، صدقہ خیرات کا اہتمام وغیرہ۔

رکوع (۲)

هَلْ اَتٰىکَ حَدِیْثُ ضَیْفِ اِبْرٰهِیْمَ الْمُکْرَمِیْنَ ﴿۲۴﴾

اِذْ دَخَلُوْا عَلَیْهِ فَقَالُوْا سَلٰمًا ؕ قَالَ سَلٰمٌ ۚ قَوْمٌ مُّنْکَرُوْنَ ﴿۲۵﴾

اس رکوع میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے پاس آنے والے فرشتوں کا ذکر ہے جنہوں نے بڑھاپے میں حضرت ابراہیم اور ان کی اہلیہ کو لڑکے کی بشارت دی۔ اس کے بعد قومِ لوط کا تذکرہ ہے جو ۲۷ رویں پارے میں مذکور ہے۔



پارہ: (۲۷)

قَالَ فَمَا خَطْبُكُمْ اَيُّهَا الْمُرْسَلُوْنَ ﴿۳۱﴾

قَالُوْٓا اِنَّآ اُرْسِلْنَآ اِلٰى قَوْمٍ مُّجْرِمِيْنَ ﴿۳۲﴾

حضرت ابراہیم علیہ السلام سے فرشتوں نے اپنے آنے کا مقصد بیان کیا کہ ہمیں سرکش، بدعمل اور نہایت گھنونے جرم میں ملوث قوم لوط کی جانب عذاب لے کر بھیجا گیا ہے، چناں چہ انہوں نے قوم لوط پر پتھروں کی بارش کردی۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ فرعون نے اُن کے پیغام کو ٹھکرا کر اپنی سرکشی جاری رکھی، جس کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے اُسے پوری قوم کے ساتھ دریا میں غرق کر دیا۔ پھر قوم عاد پر بھیجی جانے والی آندھی کا تذکرہ ہے۔ اخیر میں قوم ثمود اور قوم نوح کی ہلاکت بھی مذکور ہے۔

رکوع (۳)

وَالسَّمَآءَ بَنَيْنٰهَا بِاَيْىدٍ وَّاِنَّا لَمُوْسِعُوْنَ ﴿۴۷﴾

وَالْاَرْضَ فَرَشْنٰهَا فَنِعْمَ الْمٰهِدُوْنَ ﴿۴۸﴾

اس رکوع میں اوّلاً اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہے، پھر لوگوں کو اللہ ہی سے لو لگانے کی تلقین ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ تکذیب و استہزاء کا جو معاملہ آپ کے ساتھ پیش آ رہا ہے گزشتہ انبیائے کرام کے ساتھ بھی یہی ہوا تھا، اس لیے آپ صبر سے کام لیں، دعوت و تبلیغ اور وعظ و نصیحت کرتے رہیں۔ ان کفار کے لیے تو قیامت کے دن بڑی خرابی ہے۔ اس کے بعد انسان اور جن کی تخلیق کا مقصد بیان کیا گیا ہے کہ ان کی تخلیق صرف اللہ کی عبادت کے لیے ہوئی ہے۔ واضح رہے کہ عبادت کا مطلب فقط نماز روزہ وغیرہ نہیں، بلکہ اللہ کے حکم کے مطابق پوری زندگی گزارنے کا نام ہی اصل عبادت اور اطاعت ہے۔



تعارف سورۂ طور

یہ مکی دور کے آخر کی سورت ہے، اس کا موضوع بھی مکی سورتوں کی طرح آخرت اور رسالت ہے، توحید کا بیان اس سورت میں نہیں ہے، سورت آخرت کے بیان سے شروع ہوئی ہے، پھر رسالت کا بیان ہے اور آخر میں نبی ﷺ کی تسلی فرمائی گئی ہے۔
(ملخص از ہدایت القرآن، حضرت مولانا مفتی سعید احمد پالن پوریؒ)



ایاتھا ۴۹ — سُوْرَةُ الطُّوْرِ مَكِّيَّةٌ — رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالطُّوْرِ ۝١ وَكِتٰبٍ مَّسْطُوْرٍ ۝٢ فِيْ رَقٍّ مَّنْشُوْرٍ ۝٣

سورت کے آغاز میں کوہِ طور، کتاب اللہ، بیت معمور، دریا وغیرہ کی قسم کھا کر عذاب یعنی قیامت کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ تو آ کر ہی رہے گی، کوئی اُسے روک نہیں سکتا۔ آسمان اور پہاڑ جیسی عظیم مخلوق اُس دن لرز رہے ہوں گے، پھر کفار کا تذکرہ ہے کہ انہیں جہنم کی جانب دھکیل کر کہا جائے گا کہ یہ وہ جہنم ہے جس کا تم دنیا میں انکار کرتے تھے۔ ان کے بالمقابل کھانے پینے کی عمدہ اور نفیس چیزوں اور خوب صورت وحسین حوروں وغیرہ کی شکل میں اہل ایمان کو جنّت کی نعمتیں ملیں گی۔

رکوع (۲)

فَذَكِّرْ فَمَآ اَنْتَ بِنِعْمَتِ رَبِّكَ بِكَاهِنٍ وَّلَا مَجْنُوْنٍ ۝٢٩

اس رکوع میں رسول اکرم ﷺ کو کفار کے الزامات اور بے ہودہ بکواس پر تسلی دی

گئی ہے اور کہا گیا ہے کہ ان سرکشوں کو ان کے حال پر چھوڑ دیں، انہیں قیامت میں ہی عقل آئے گی، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ پھر کفار کو کائنات میں غور وفکر کی تلقین کی گئی ہے اور اپنی سرکشی سے باز آنے کا حکم ہے۔



تعارف سورۂ نجم

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور میں نازل ہوئی ہے، بلکہ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ پہلی وہ سورت ہے جو آپ نے علی الاعلان ایسے مجمع میں پڑھ کر سنائی جس میں مسلمانوں کے ساتھ مشرکین کی بھی بڑی تعداد موجود تھی، نیز یہ پہلی سورت ہے جس میں آیت سجدہ نازل ہوئی، اور جس وقت آپ نے سجدے کی آیت اس مجمع کے سامنے تلاوت فرمائی تو یہ حیرت انگیز واقعہ پیش آیا کہ آپ نے اور آپ کے ساتھ مسلمانوں نے سجدہ کیا ہی تھا، اس وقت جو مشرکین موجود تھے انھوں نے بھی سجدہ کیا، غالباً اس سورت کے پُرشکوہ اور مؤثر مضامین نے انھیں بھی مسلمانوں کے ساتھ سجدہ کرنے پر مجبور کر دیا تھا، اس سورت کا اصل موضوع حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کو ثابت کرنا ہے اور یہ کہ جو وحی آپ پر نازل ہوتی ہے وہ کسی شک وشبہ کے بغیر اللہ تعالیٰ ہی کی طرف سے آتی ہے اور حضرت جبرائیل (علیہ السلام) لے کر آتے ہیں، اور اس ضمن میں یہ حقیقت بھی بیان فرمائی گئی ہے کہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے انھیں دو مرتبہ اپنی اصل صورت میں دیکھا ہے، ان میں سے ایک اس وقت دیکھا جب آپ معراج پر تشریف لے گئے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت کے اثبات کے ساتھ اس میں مشرکین مکہ کے غلط عقائد اور ان کے بعض بے ہودہ دعووں کی تردید بھی ہے اور پچھلی امتوں پر نازل ہونے والے عذاب کے حوالے سے انھیں حق کو تسلیم کرنے کی مؤثر دعوت بھی دی گئی ہے، "نجم" عربی میں ستارے کو کہتے ہیں، اور چونکہ اس سورت کی پہلی ہی آیت میں ستارے کی قسم کھائی گئی ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ نجم ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتھا ۶۲ | سُوْرَةُ النَّجْمِ مَكِّيَّة | رکوعاتھا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالنَّجْمِ إِذَا هَوٰى ۙ﴿۱﴾ مَا ضَلَّ صَاحِبُكُمْ وَمَا غَوٰى ۚ﴿۲﴾

سورت کی ابتدا میں ستارے کی قسم کھا کر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ حق پر ہیں، اور جیسے ستارہ اپنی راہ پر چلتا ہے ویسے وہ بھی اللہ کی بتائی ہوئی راہ پر ٹھیک ٹھیک چل رہے ہیں۔ پھر بتایا گیا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان سے جو بھی نکلے وہ وحی ہے جسے جبریل امیں ان کے پاس لے کر آتے ہیں۔ اس کے بعد شب معراج کا کچھ ذکر ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ تعالیٰ کے دربار میں حاضر ہوئے، سدرۃ المنتہیٰ نامی مقام پر گئے اور اللہ تعالیٰ کی بہت سی نشانیوں کا مشاہدہ کیا۔ کفارِ مکہ نے لات، منات اور عزیٰ نامی بت بنا رکھے تھے ان کی بے بسی اور شرک کی مذمت کو بھی ذکر کیا گیا ہے۔

رکوع (۲)

وَكَمْ مِّنْ مَّلَكٍ فِي السَّمٰوٰتِ لَا تُغْنِيْ شَفَاعَتُهُمْ شَيْـًٔا إِلَّا مِنْۢ بَعْدِ أَنْ يَّأْذَنَ اللّٰهُ لِمَنْ يَّشَآءُ وَيَرْضٰى ﴿۲۶﴾

اس رکوع میں شرک کی مذمت بیان کرتے ہوئے کہا گیا ہے کہ بت تو بہت دور کی بات ہے فرشتے بھی اللہ کے سامنے بلا اجازت کسی کی سفارش نہیں کر سکتے۔ نیز مشرکین اپنے خیال اور گمان کے پیچھے بھاگ رہے ہیں، حقیقت سے اس کا کوئی تعلق نہیں ہے، جن کی بدعملی کا بدلہ اللہ تعالیٰ ضرور دیں گے۔ اس کے بالمقابل اعمال صالحہ کرنے والے، گناہوں اور بے حیائی کے کاموں سے بچنے والوں کو اللہ تعالیٰ بہترین بدلہ عنایت فرمائیں

گے۔ اخیر میں خود کو پاکیزہ اور متقی سمجھنے سے منع کیا گیا ہے۔

رکوع (۳)

اَفَرَءَيْتَ الَّذِىْ تَوَلّٰى ۝ وَ اَعْطٰى قَلِيْلًا وَّ اَكْدٰى ۝

اس رکوع میں اوّلاً بخل کی مذمت کی گئی ہے، پھر ایک اصول بیان کیا گیا ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے گناہ کا بوجھ نہیں اٹھا سکتا، اور یہ اصول حضرت ابراہیم اور حضرت موسیٰ کے صحیفوں میں موجود ہے۔ اس کے بعد ذکر کیا گیا ہے کہ سب کا ماویٰ وملجا اللہ تعالیٰ ہے، سب کو اُسی کی جانب لوٹنا ہے، جو مسرت وغم دینے والا، موت وحیات بخشنے والا، ایک ادنیٰ نطفے سے مرد وعورت کو پیدا کرنے والا، مار کر پھر جلانے والا، قوم نوح، قوم عاد اور قوم ثمود وغیرہ کو نیست ونابود کرنے والا ہے۔ اخیر میں پھر کفار کو قیامت اور اس کی ہولناکی سے ڈرنے کی تاکید کی گئی ہے۔



تعارف سورۂ قمر

یہ سورت مکہ مکرمہ میں اس وقت نازل ہوئی جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے چاند کو دو ٹکڑے کرنے کا معجزہ دکھلایا، اسی لیے اس کا نام سورۂ قمر ہے، حضرت عائشہؓ سے صحیح بخاری میں روایت ہے کہ جب یہ سورت نازل ہوئی، اس وقت میں بچی تھی، اور کھیلا کرتی تھی، سورت کا موضوع دوسری مکی سورتوں کی طرح کفار عرب کو توحید رسالت اور آخرت پر ایمان لانے کی دعوت دینا ہے، اور اسی ضمن میں عاد وثمود، حضرت نوح اور حضرت لوط (علیہم السلام) کی قوموں اور فرعون کے دردناک انجام کا مختصر لیکن بہت بلیغ انداز میں تذکرہ فرمایا گیا ہے، اور بار بار یہ جملہ دہرایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نصیحت حاصل کرنے کے لیے قرآن کریم کو بہت آسان بنادیا ہے تو کیا کوئی ہے جو نصیحت حاصل کرے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)



آیاتہا ۵۵	سُوْرَةُ الْقَمَرِ مَكِّيَّة	رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْتَرَبَتِ السَّاعَةُ وَانْشَقَّ الْقَمَرُ ①

سورت کے آغاز میں معجزۂ شق القمر کا ذکر ہے، کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے کفارِ مکہ کے مطالبہ پر چاند کے دو ٹکڑے کر دیے تھے، لیکن وہ اپنی ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے اسے جادو کہہ کر پیچھے ہٹ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا کہ آپ ان کی پرواہ نہ کریں، قیامت کا دن ان پر بہت مشکل گزرنے والا ہے۔ اس کے بعد حضرت نوح علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ان کی قوم نے انہیں مجنون و دیوانہ تک کہہ ڈالا، پھر ان کی بددعا کے نتیجے میں عذابِ الٰہی طوفان کی شکل میں آیا اور سب کو غرق کر گیا۔ اخیر میں قوم عاد کی سرکشی، ان پر آندھی کے عذاب اور پھر ان کی ہلاکت کا بھی ذکر ہے۔

رکوع (۲)

كَذَّبَتْ ثَمُوْدُ بِالنُّذُرِ ㉓

اس رکوع میں قوم ثمود کا تذکرہ ہے کہ انہوں نے اپنے نبی حضرت صالح کی بات ماننے سے انکار کیا اور گمراہ ہوئے، چناں چہ وہ اونٹنی جو اللہ تعالیٰ نے بطور معجزہ پہاڑ سے نکالی تھی اُسے بھی قتل کر ڈالا، انجام کار ایک سخت چیخ کے عذاب نے ان کا کام تمام کر ڈالا۔ اس کے بعد قوم لوط کا بھی ذکر ہے جن کی بدعملی کے سبب اللہ تعالیٰ نے اُن پر پتھروں کی بارش برسائی اور سب نیست و نابود ہو گئے۔

رکوع (۳)

وَلَقَدْ جَآءَ اٰلَ فِرْعَوْنَ النُّذُرُ ﴿۴۱﴾

اس رکوع میں فرعون اور اس کی قوم کا ذکر ہے کہ انہوں نے اللہ کے نبیوں کو جھٹلایا جس کی وجہ سے اللہ نے ان پر سخت گرفت فرمائی۔ پھر کفارِ مکہ کے بارے میں پیشین گوئی کی گئی کہ عنقریب ان کی جمعیت بکھر جائے گی اور یہ شکست خوردہ ہو کر پیٹھ دکھاتے ہوئے بھاگیں گے۔ یہ تو دنیا کی بات ہے، قیامت میں ان کا انجام اور زیادہ سخت ہوگا۔ متقین کے عمدہ انجام کے ذکر پر سورت کا اختتام ہوا ہے۔



تعارف سورۂ رحمٰن

یہ سورت وہ واحد سورت ہے جس میں بیک وقت انسانوں اور جنات دونوں کو صراحت کے ساتھ مخاطب فرمایا گیا ہے، دونوں کو اللہ تعالیٰ کی وہ بیشمار نعمتیں یاد دلائی گئی ہیں جو اس کائنات میں پھیلی پڑی ہیں، اور بار بار یہ فقرہ دہرایا گیا ہے کہ "اب بتاؤ کہ تم دونوں اپنے پروردگار کی کون کونسی نعمتوں کو جھٹلاؤ گے؟" اپنے اسلوب اور فصاحت و بلاغت کے اعتبار سے بھی یہ ایک منفرد سورت ہے، جس کی تاثیر کو کسی اور زبان میں ترجمہ کر کے منتقل نہیں کیا جاسکتا، اس بارے میں روایات مختلف ہیں کہ یہ سورت مکی ہے یا مدنی، عام طور سے قرآن کریم کے نسخوں میں اس کو مدنی قرار دیا گیا ہے، لیکن علامہ قرطبی نے کئی روایتوں کی بناء پر یہ رجحان ظاہر کیا ہے کہ یہ مکی سورت ہے، واللہ اعلم

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)



آیاتہا ۷۸ | سُوْرَۃُ الرَّحْمٰنِ مَدَنِیَّۃ | رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلرَّحْمٰنُ ﴿۱﴾ عَلَّمَ الْقُرْاٰنَ ﴿۲﴾ خَلَقَ الْاِنْسَانَ ﴿۳﴾

اس سورت میں انسانوں اور جنات دونوں پر اللہ تعالیٰ کے دنیوی واخروی انعامات ذکر کیے گئے ہیں، اور انہیں شکر خداوندی کی ترغیب کی گئی ہے۔ چناں چہ انعامات کا تذکرہ قرآن کریم کی تعلیم سے شروع ہوتا ہے، پھر انسان کی تخلیق، اُسے قوتِ گویائی کا بخشا، سورج چاند کا ایک مقررہ نظام پر چلنا، آسمان کی بلندی، زمین کا سکوت، اُس پر اگنے والے قسم قسم کے میوہ جات کا تذکرہ ہے، پھر انسان کی مٹی سے اور جنات کی آگ سے تخلیق، مشرق و مغرب یعنی کل کائنات میں خدا کی ربوبیت، دریاؤں میں قیمتی موتیوں اور اس میں پہاڑ کی طرح چلنے والے بلند و بالا جہاز کا ذکر ہے۔

رکوع (۲)

كُلُّ مَنْ عَلَيْهَا فَانٍ ﴿۲۶﴾ وَّيَبْقٰى وَجْهُ رَبِّكَ ذُو الْجَلٰلِ وَالْاِكْرَامِ ﴿۲۷﴾

ابتدا تو اس بات سے کی گئی ہے کہ کائنات میں اللہ کے سوا ہر شخص فانی ہے، پھر انسانی اور جناتی طاقت کو محدود بتایا گیا ہے کہ وہ چاہ کر بھی آسمان وزمین کے اس نظام سے باہر نہیں جاسکتے، پھر قیامت میں آسمان کے پھٹنے اور مجرمین کو پیشانی کے بل جہنم میں گھسیٹے جانے کا ذکر ہے جہاں ان سے کہا جائے گا کہ یہی وہ جہنم ہے جس کا تم انکار کرتے تھے، جہاں انہیں پینے کے لیے کھولتا پانی دیا جائے گا۔

رکوع (۳)

وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهٖ جَنَّتٰنِ ﴿۴۶﴾ فَبِاَیِّ اٰلَآءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبٰنِ ﴿۴۷﴾

اس رکوع میں جنت کی نعمتوں کا بیان ہے کہ انہیں دو دو باغات دیے جائیں گے جن میں نہریں بہتی ہوں گی، قسم قسم کے میوے ہوں گے، عمدہ قسم کے تکیوں پر ٹیک لگائے بیٹھے ہوں گے، نگاہیں نیچی رکھنے والی باحیا باکرہ نہات خوبصورت وحسین حوریں ہوں گی۔ اہل جنّت کے انعامات بھی ان کے مراتب کے اعتبار سے نسبتاً قلیل وکثیر اور اعلیٰ ومتوسط ہوں گے۔



تعارف سورۂ واقعہ

یہ سورت مکی زندگی کے ابتدائی دور کی سورتوں میں سے ہے، اور اس میں معجزانہ فصاحت وبلاغت کے ساتھ پہلے تو قیامت کے حالات بیان فرمائے گئے ہیں، اور بتایا گیا ہے کہ آخرت میں تمام انسان اپنے انجام کے لحاظ سے تین مختلف گروہوں میں تقسیم ہوجائیں گے، ایک گروہ اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں کا ہوگا جو ایمان اور عمل صالح کے لحاظ سے اعلیٰ ترین مرتبے کے حامل ہیں، دوسرا گروہ ان عام مسلمانوں کا ہوگا جنہیں ان کے اعمال نامے ان کے دائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، اور تیسرا گروہ ان کافروں کا ہوگا جن کے اعمال نامے ان کے بائیں ہاتھ میں دیئے جائیں گے، پھر ان تینوں گروہوں کو جن حالات سے سابقہ پیش آئے گا اس کی ایک جھلک بڑے مؤثر انداز میں دکھائی گئی ہے، اس کے بعد انسان کو خود اس کے اپنے وجود اور ان نعمتوں کی طرف توجہ دلائی گئی ہے کہ یہ سب کچھ اللہ تعالیٰ کی عطا ہے اور اس کا تقاضا یہ ہے کہ انسان اسی کا شکر بجالا کر اس کی وحدانیت کا اعتراف کرے، اور توحید پر ایمان لائے، پھر آخری رکوع میں قرآن کریم کی حقانیت کا بیان فرماتے ہوئے انسان کو اس کی موت کا وقت یاد دلایا گیا ہے کہ اس وقت وہ کتنا ہی بڑا آدمی سمجھا جاتا ہو، نہ تو خود اپنی موت سے چھٹکارا پاسکتا ہے نہ اپنے کسی محبوب کو موت سے بچاسکتا ہے، لہٰذا جو پروردگار موت اور زندگی کا مالک ہے وہی مرنے کے بعد بھی انسان کے انجام کا فیصلہ کرنے کا حق رکھتا ہے، اور انسان کا کام یہ ہے کہ اس کی عظمت کے آگے سربسجود ہو۔

سورت کی پہلی ہی آیت میں "واقعہ" کا لفظ آیا ہے جس سے مراد قیامت کا واقعہ ہے اور اسی کے نام پر اس سورت کو سورۂ واقعہ کہا جاتا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۹۶ — سُوْرَۃُ الْوَاقِعَۃِ مَکِّیَّۃ — رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا وَقَعَتِ الْوَاقِعَةُ ۙ﴿۱﴾ لَيْسَ لِوَقْعَتِهَا كَاذِبَةٌ ۘ﴿۲﴾

اس سورت کی ابتدا میں قیامت کی ہولناکی کا تذکرہ ہے، اس کی منظرکشی کی گئی ہے کہ زمین جھنجھوڑ دی جائے گی، پہاڑوں کو چورا چورا کر دیا جائے گا۔ اس کے بعد تین طرح کے لوگ ہوں گے۔ (۱) اعلیٰ ترین (۲) متوسط (۳) آخری اور نچلا طبقہ۔ پہلا طبقہ تو وہ ہوگا جس کا مقام و مرتبہ سب سے بلند ہوگا، یہ طبقہ انبیائے کرام اور اعلیٰ درجے کے صالحین و متقین کا ہوگا۔ دوسرا طبقہ وہ ہوگا جو ان سے کچھ کم درجے کا ہوگا۔ دونوں طبقوں کو جنّت کی نعمتیں اپنے اپنے مرتبے کے اعتبار سے میسر ہوں گی۔ یہاں ان نعمتوں کا بھی ذکر ہے۔

رکوع (۲)

ثُلَّةٌ مِّنَ الْاَوَّلِيْنَ ۙ﴿۳۹﴾ وَثُلَّةٌ مِّنَ الْاٰخِرِيْنَ ۭ﴿۴۰﴾

اس رکوع میں تیسرے طبقے کا ذکر ہے، یہ وہ لوگ ہوں گے کہ اسلام کا پیغام سامنے آنے کے باوجود اپنی ضد اور سرکشی کی بنا پر اس کا انکار کرتے رہے، رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی تکذیب اور استہزاء ان کا محبوب مشغلہ تھا، ان کے لیے جہنم کی وعید ہے اور اس میں ہونے والے نہایت سخت عذاب کا تذکرہ، مثلاً کھولتا پانی، سیاہ دھوئیں کے سائے وغیرہ۔ اس کے بعد کائنات میں پھیلی ہوئی اللہ تعالیٰ کی اُن نعمتوں کا تذکرہ ہے جن سے بلا استثناء ہر شخص فائدہ حاصل کرتا ہے، اللہ تعالیٰ ان میں غور و فکر کی تلقین کر رہے ہیں، مثلاً انسان کو کس نے وجود بخشا؟ کھیتی میں سے غلہ کون نکالتا ہے؟ بارش کون برساتا ہے؟ وغیرہ۔ ان ساری

چیزوں میں اگر انسان خالی الذہن ہوکر غور وفکر کرے تو وہ حق تک پہنچ سکتا ہے۔

رکوع (۳)

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَوٰقِعِ النُّجُوْمِ ﴿۷۵﴾ وَاِنَّهٗ لَقَسَمٌ لَّوْ تَعْلَمُوْنَ عَظِيْمٌ ﴿۷۶﴾

اس رکوع میں قرآن کریم کا مقام ومرتبہ بیان کیا گیا ہے کہ یہ رب العالمین کی جانب سے اتارا گیا مقدّس کلام ہے، لیکن یہ کفار اس سے لاپرواہی اور بے زاری کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کے بعد موت کا وقت یاد دلایا گیا ہے کہ اُس وقت سارے حقائق تمہارے سامنے ہوں گے، چناں چہ مرنے والا اگر اللہ کا مقرّب مومن ہے تو اُس کے لیے تو آرام ہی آرام ہے، اعزاز اور استقبال کا معاملہ ہے، لیکن اس کے برعکس اگر قرآن کریم کا منکر اور گمراہ ہے تو اُس کی میزبانی کے لیے جہنم میں کھولتا پانی ہوگا۔ رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو تسبیح کے حکم پر سورت کا اختتام ہوا ہے۔

اہم مسائل

● قرآنِ کریم کو ہاتھ لگانے کے لیے طہارت شرط ہے، اس کے خلاف گناہ ہے۔ ظاہری نجاست سے ہاتھ کا پاک ہونا، باوضو ہونا، حالتِ جنابت میں نہ ہونا سب اس میں داخل ہے۔

● قرآن مجید کا غلاف جو جلد کے ساتھ سلا ہوا ہو وہ بھی بحکمِ قرآن ہے، اس کو بھی بغیر وضو و بغیر طہارت کے ہاتھ لگانا ناجائز ہے۔

● جو کپڑا آدمی نے پہنا ہوا ہے اس کی آستین یا دامن سے قرآن مجید کو بلا وضو چھونا بھی جائز نہیں، البتہ علیحدہ رومال یا چادر سے چھوا جا سکتا ہے۔



تعارف سورۂ حدید

اس سورت کی آیت نمبر: ۱۰ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ فتح مکہ کے بعد نازل ہوئی تھی، اس موقع پر چونکہ مسلمانوں کے خلاف کافروں کی دشمنی کی کارروائیاں بڑی حد تک دھیمی پڑ گئی تھیں اور جزیرہ عرب پر مسلمانوں کا تسلط بڑھ رہا تھا، اس لیے اس سورت میں مسلمانوں کو تلقین کی گئی ہے کہ وہ اپنے آپ کو ان صفات سے آراستہ کرنے پر زیادہ توجہ دیں جو ان کے دین کو مطلوب ہیں، اور اللہ تعالیٰ سے اپنی کوتاہیوں پر مغفرت مانگیں، نیز ترغیب دی گئی ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستے میں اپنا مال خرچ کریں اور آخرت کی بہبود کو دنیا کے مال و دولت پر ترجیح دیں جس کے نتیجے میں انھیں آخرت میں ایک ایسا نور عطا ہوگا جو انھیں جنت تک لے جائے گا، جبکہ منافق لوگ اس نور سے محروم کر دیئے جائیں گے، سورت کے آخر میں عیسائیوں کو یاد دلایا گیا ہے کہ جو رہبانیت (ترکِ دنیا) انھوں نے اختیار کی تھی، وہ اللہ تعالیٰ کے حکم سے مطابقت نہیں رکھتی تھی، اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ دنیا کو بالکل چھوڑ کر بیٹھ جاؤ؛ بلکہ یہ تاکید فرمائی تھی کہ اسی دنیا میں رہ کر اللہ تعالیٰ کے احکام پر عمل کرو اور تمام حقوق اسی کی ہدایت کے مطابق ادا کرو، نیز عیسائیوں کو ہدایت دی گئی ہے کہ اگر وہ اللہ تعالیٰ کی رضا چاہتے ہیں تو اس کے لیے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) پر ایمان لانا ضروری ہے، اس سورت کی آیت نمبر: ۲۵ میں لوہے کا ذکر آیا ہے، لوہے کو عربی میں ''حدید'' کہتے ہیں، اس لیے سورت کا نام سورۃ الحدید ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۲۹	سُوْرَۃُ الْحَدِیْدِ مَدَنِیَّۃ	رکوعاتہا ۴

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ ①

سورت کا آغاز اللہ تعالیٰ کی قدرت، کبریائی اور اس کے چند مخصوص صفاتی ناموں سے کیا گیا ہے، اس کے بعد کائنات میں پھیلی اُس کے چند مظاہر قدرت ذکر کیے گئے ہیں، مثلاً چھ دنوں میں آسمان وزمین کی تخلیق، کائنات میں ہونے والی ہر چیز سے واقفیت، رات ودن کا نظام، دل کے بھید کا علم وغیرہ، یہ بیان کر کے اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانے اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کا حکم ہے، نیز اس عمل کی فضیلت بھی ذکر کی گئی ہے۔ اس بعد فتحِ مکہ سے قبل ایمان لانے والے، اسلام کی ترقی کے لیے اپنا سب کچھ قربان کرنے والے اور راہِ خدا میں جہاد کرنے والے افراد کی اُن افراد پر فضیلت بیان کی گئی ہے جو فتح مکہ کے بعد ایمان لائے، واضح رہے کہ ہمارے لیے تو دونوں ہی قابلِ قدر ہیں، لیکن ان کے باہمی درجات بھی اُن کی خدمات کے اعتبار سے مختلف ہے۔

رکوع (۲)

مَنْ ذَا الَّذِیْ یُقْرِضُ اللّٰهَ قَرْضًا حَسَنًا فَیُضٰعِفَهٗ لَهٗ وَلَهٗۤ اَجْرٌ کَرِیْمٌ ⑪

اس رکوع میں اوّلاً راہِ خدا میں خرچ کرنے والے کے لیے دوگنے اجر کا وعدہ ہے، پھر قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ اُس دن مومنین پُرسکون اور مطمئن ہوں گے، نورِ ایمان ان کی رہنمائی کرے گا، جب کہ منافقین کو کچھ دکھائی نہ دے گا، دنیا میں جس ایمان کا وہ ڈھونگ کرتے تھے اُس کا وہاں کوئی نور نہ ہوگا، وہ اِدھر اُدھر بھٹکتے پھریں گے، اپنے جھوٹے ایمان کی دہائی دیں گے لیکن اب کوئی فائدہ نہ ہوگا، چناں چہ انہیں کفار کے ساتھ جہنم رسید کر

دیا جائے گا۔ پھر مومنین کو ہدایت کی گئی ہے کہ وہ بنی اسرائیل کی طرح ناشکری اور سرکشی نہ کریں جو کتابِ الٰہی ملنے کے باوجود گمراہ ہو گئے۔ اخیر رکوع میں دوبارہ صدقہ خیرات کی فضیلت ذکر کی گئی ہے۔

رکوع (۳)

اِعْلَمُوْٓا اَنَّمَا الْحَیٰوۃُ الدُّنْیَا لَعِبٌ وَّ لَھْوٌ وَّ زِیْنَۃٌ وَّ تَفَاخُرٌۢ بَیْنَکُمْ وَ تَکَاثُرٌ فِی الْاَمْوَالِ وَ الْاَوْلَادِ

اس رکوع میں پہلے دنیوی زندگی کی بے ثباتی اور آخرت کے مقابلے میں اُس کے بے حیثیت ہونے کو ذکر کیا گیا ہے، جو لوگ دنیوی مال و دولت کی حرص و ہوس اور اس کے حصول کے لیے دیوانگی میں مبتلا ہیں ان کے لیے ایک مثال ذکر کی گئی ہے کہ ان کا حال ویسا ہی ہے جیسے کوئی لہلہاتی ہوئی کھیتی ہو، اُسے دیکھ کر کسان خوش ہو رہا ہو کہ اچانک وہ خشک ہو جائے، اسی طرح ان لوگوں کا حال ہوگا کہ جس مال و متاع پر یہ اتراتے ہیں اچانک ان سے چھین لیا جائے گا، خلاصہ یہ کہ دنیا دھوکے کے سوا کچھ نہیں۔ اس کے مقابلے میں انسان کو ابدی زندگی کے لیے کوشش کرنی چاہیے، اپنے رب سے توبہ استغفار کرتا رہے تاکہ وہ اپنے فضل سے جنّت عطا فرمائے۔ اس کے بعد اعتدال کی تعلیم دی گئی ہے کہ کسی نعمت کے ختم ہونے پر حد سے زیادہ غمگین ہونا یا نعمت کے ملنے پر حد سے زیادہ اترانا، دونوں ہی غلط طریقے ہیں، یہ اللہ کو پسند نہیں۔ اس کے بعد بخل کی مذمت کی گئی ہے۔ آخری آیت میں لوہے کا بھی تذکرہ ہے کہ یہ اللہ کی ایک نعمت ہے جسے آلاتِ حرب و ضرب کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔

رکوع (۴)

وَ لَقَدْ اَرْسَلْنَا نُوْحًا وَّ اِبْرٰھِیْمَ وَ جَعَلْنَا فِیْ ذُرِّیَّتِھِمَا النُّبُوَّۃَ وَ الْکِتٰبَ فَمِنْھُمْ مُّھْتَدٍ ۚ وَ کَثِیْرٌ مِّنْھُمْ فٰسِقُوْنَ ﴿۲۶﴾

سورۂ حدید کے آخری رکوع میں اللہ تعالیٰ نے جلیل القدر انبیائے کرام حضرت نوح، حضرت ابراہیم اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام کا تذکرہ فرمایا، یہ بھی فرمایا کہ ہم نے

حضرت نوح اور حضرت ابراہیم کی نسل میں ہی نبوت رکھی ہے، لہٰذا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی نبوت کوئی نئی چیز نہیں، بلکہ یہ وہی سلسلہ ہے جو حضرت نوح سے چلا آرہا ہے، اہل کتاب یعنی نصاریٰ کا تذکرہ کچھ یوں ہے کہ انہوں نے آسمانی دین میں نئی نئی چیزیں ایجاد کر کے انہیں رضائے الٰہی کا ذریعہ سمجھ لیا تھا، حالاں کہ اللہ کے نزدیک ان کی کوئی حیثیت نہ تھی۔ اہل کتاب کو بشارت دی گئی کہ اگر وہ ایمان لے آئیں تو اللہ تعالیٰ انہیں دوہرا اجر عطا فرمائیں گے۔ اخیر آیت میں یہ ذکر کیا گیا ہے کہ اللہ کے فضل پر کسی کو اختیار نہیں، وہ جسے چاہتا ہے فضیلت دیتا ہے، چناں چہ پہلے اہل کتاب کو فضیلت دی گئی، انہوں نے ناشکری کی تو اب یہ فضیلت امت محمدیہ کو حاصل ہے، اس میں اہل ایمان کو تنبیہ کی گئی ہے کہ اگر تم نے اہل کتاب جیسی روش اختیار کی تو تمہاری جگہ اللہ کسی اور قوم کو بھی لا سکتا ہے۔



تعارف سورۂ مجادلہ

اس سورت میں بنیادی طور پر چار اہم موضوعات کا بیان ہے، پہلا موضوع ظہار ہے، اہل عرب میں یہ طریقہ تھا کہ کوئی شوہر اپنی بیوی سے کہہ دیتا تھا کہ أنت علی کظھر أمی، یعنی تم میرے لیے میری ماں کی پشت کی طرح ہو، جاہلیت کے زمانے میں اس کے بارے میں یہ سمجھا جاتا تھا کہ ایسا کہنے سے بیوی ہمیشہ کے لیے حرام ہو جاتی ہے، سورت کی ابتداء میں اسی کے احکام کا بیان ہے، دوسرا موضوع یہ ہے کہ بعض یہودی اور منافقین آپس میں اس طرح سرگوشیاں کیا کرتے تھے جس سے مسلمانوں کو یہ اندیشہ ہوتا تھا کہ وہ ان کے خلاف کوئی سازش کر رہے ہیں، نیز بعض صحابہ کرام حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے تنہائی میں کوئی مشورہ یا کوئی بات کرنا چاہتے تھے، اس سورت میں ان خفیہ باتوں کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں، تیسرا موضوع ان آداب کا بیان ہے، جو مسلمانوں کو اپنی اجتماعی مجلسوں میں ملحوظ رکھنے چاہئیں، چوتھا اور آخری موضوع ان منافقوں کا تذکرہ ہے جو ظاہر میں تو ایمان کا اور مسلمانوں سے دوستی کا دعویٰ کرتے رہتے تھے؛ لیکن درحقیقت وہ ایمان نہیں لائے تھے، اور در پردہ وہ مسلمانوں کے دشمنوں کی مدد کرتے رہتے تھے۔

سورت کا نام "مجادلہ" (یعنی بحث کرنا) اس کی پہلی آیت سے لیا گیا ہے جس میں ایک خاتون کے بحث کرنے کا تذکرہ فرمایا گیا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)



پـــارہ: (۲۸)



بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

قَدۡ سَمِعَ اللّٰہُ قَوۡلَ الَّتِیۡ تُجَادِلُکَ فِیۡ زَوۡجِہَا وَ تَشۡتَکِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ ٭ وَ اللّٰہُ یَسۡمَعُ تَحَاوُرَکُمَا ؕ اِنَّ اللّٰہَ سَمِیۡعٌۢ بَصِیۡرٌ ﴿۱﴾

زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ اگر کوئی شخص اپنی بیوی کو کسی محرم رشتہ دار مثلاً ماں وغیرہ سے تشبیہ دیتے ہوئے یہ کہتا کہ تم مجھ پر میری ماں کی طرح ہو، تو وہ عورت ہمیشہ کے لیے اس پر حرام سمجھی جاتی، گویا یہ طلاق کی ایک شکل مانی جاتی۔ ایسا ہی واقعہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے پیش آیا جب ایک خاتون خولہ بنت ثعلبہ نے اپنے شوہر اوس بن صامت کا مقدمہ پیش کیا کہ ان کے شوہر نے انہیں اپنی ماں سے تشبیہ دی ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا کہ ابھی اس بارے میں کوئی حکم نازل نہیں ہوا ہے، اس پر خاتون شکوہ کرنے لگی، اس رکوع میں اُسی واقعہ کی جانب اشارہ کیا گیا ہے۔ پھر اس مسئلے کا حل بھی ذکر کیا گیا ہے، میاں بیوی کے درمیان ہونے والا یہ عمل شریعت میں ''ظہار'' کہلاتا ہے، قرآن کریم نے بتایا کہ کسی عورت کو محض ماں کہہ دینے سے وہ ماں نہیں بن جاتی، ماں تو وہی ہے جس نے بچے کو جنا ہے یا اُسے دودھ پلایا ہے، البتہ اس طرح کا عمل درست نہیں، اگر کوئی ایسا جملہ طلاق کی نیت کے بغیر کہہ ڈالے تو شوہر بیوی کے درمیان تعلقات قائم کرنے سے پہلے کفارہ دینا لازم ہے، کفارہ کی تفصیل یہ ذکر کی گئی ہے کہ ایک غلام آزاد کر دیا جائے، اگر یہ میسر نہ ہو تو شوہر دو مہینے مسلسل روزے رکھے، اگر یہ بھی ممکن نہ ہو تو ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے۔

رکوع (۲)

اَلَمۡ تَرَ اَنَّ اللّٰہَ یَعۡلَمُ مَا فِی السَّمٰوٰتِ وَ مَا فِی الۡاَرۡضِ ؕ

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ زمین و آسمان کے درمیان ہونے والی ہر ہر بات سے اللہ تعالیٰ واقف ہے، حتیٰ کہ انسانی سرگوشیاں اور دلوں میں آنے والے وسوسے بھی اُس سے پوشیدہ نہیں۔ اس لیے منافقین جو یہ سمجھتے ہیں کہ اسلام کے تعلق سے ان کی سازشوں کا علم کسی کو نہیں، یہ ان کی خام خیالی ہے، یہودیوں کا بھی یہی معاملہ تھا کہ وہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے، حالاں کہ اللہ ان کی ہر سازش سے واقف ہے، اس لیے ان سب کے لیے جہنم کی وعید ہے۔ اس کے بعد کچھ آدابِ مجلس ذکر کیے گئے ہیں کہ جب کہیں بیٹھیں تو آنے والوں کے لیے وسعت پیدا کریں، جب میزبان کی طرف سے جانے کے لیے کہا جائے تو بلا تکلف اٹھ جائیں۔ اخیر رکوع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے گفتگو کرنے کے لیے ایک ہدایت ہے جس کا حکم بعد میں منسوخ ہو گیا تھا۔

اہم مسائل: آدابِ مجلس

● جہاں مسلمانوں کا اجتماع ہو، جب مجلس میں کچھ لوگ بعد میں آجائیں تو مسلمان ان کے لیے جگہ دینے کی کوشش کریں اور سمٹ کر بیٹھ جائیں۔

● خود آنے والے شخص کو اپنے لیے جگہ کرنے کے واسطے کسی کو اس کی جگہ سے اٹھانا جائز نہیں۔

● اگر میرِ مجلس یا اس کی طرف سے مقرر کردہ منتظمین کسی کو اس کی جگہ سے اٹھ جانے کے لیے کہیں تو ادبِ مجلس یہ ہے کہ ان سے مزاحمت نہ کرے، اپنی جگہ سے اٹھ جائے۔ البتہ صاحبِ مجلس یا منتظمینِ مجلس کے لیے یہ لازم ہے کہ طریقہ ایسا اختیار کریں کہ اٹھنے والا اپنی خفت محسوس نہ کرے، اس کو ایذا نہ پہنچے۔

● دو شخصوں کے درمیان بغیر ان کی اجازت کے داخل نہ ہو، کہ بعض اوقات دونوں کے یک جا بیٹھنے میں ان کی کوئی خاص مصلحت ہوتی ہے۔ (ملخص از معارف)

رکوع (۳)

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِينَ تَوَلَّوْا قَوْمًا غَضِبَ اللَّهُ عَلَيْهِمْ

مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلَا مِنْهُمْ ۙ وَيَحْلِفُوْنَ عَلَى الْكَذِبِ وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ ﴿۱۴﴾

اس سورت میں پہلے تو منافقین کا حال ذکر کیا گیا ہے کہ یہ اپنی بات ثابت کرنے کے لیے جھوٹی قسمیں کھاتے رہتے ہیں، انہوں نے اپنی قسموں کو ڈھال بنا رکھا ہے، جس پر اللہ انہیں سخت اور رسوا کن عذاب دے گا۔ جھوٹی قسموں کا یہ سلسلہ میدانِ حشر میں بھی جاری رکھیں گے، لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔ دراصل ان منافقین پر شیطان نے مکمل تسلط حاصل کرلیا ہے، اس لیے منافقین کا یہ ٹولہ دراصل شیطانی گروہ ہے۔ اخیر میں مومنین کی صفات ذکر کی گئی ہیں کہ وہ ایمان کی خاطر دنیا کی ہر محبوب چیز کو قربان کردیتے ہیں، حتیٰ کہ اگر ان کا کوئی قریبی رشتے دار اسلام کا دشمن ہے تو وہ اس سے بھی تعلق نہیں رکھتے، اسی وجہ سے اللہ تعالیٰ اس خدائی لشکر یعنی جملہ صحابہ کرام سے راضی ہے، جو رضا ان کے لیے ابدی فلاح کا باعث ہوگی۔

اہم مسئلہ

● فساق وفجار اور دین سے عملاً منحرف مسلمانوں کے ساتھ دلی دوستی کسی مسلمان کی نہیں ہوسکتی، کام کاج کی ضرورتوں میں اشتراک یا مصاحبت بقدرِ ضرورت الگ چیز ہے۔



تعارف سورۂ حشر

یہ سورت حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے دوسرے سال نازل ہوئی تھی، مدینہ منورہ میں یہودیوں کی ایک بڑی تعداد آباد تھی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان سے یہ معاہدہ کرلیا تھا کہ آپس میں امن وامان سے رہیں گے، اور مدینہ منورہ پر حملہ ہونے کی صورت میں مل کر اس کا دفاع کریں گے، یہودیوں نے اس معاہدے کو قبول تو کرلیا تھا؛ لیکن ان کو حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) سے دلی بغض تھا، اس لیے وہ خفیہ طور پر آپ کے خلاف سازشیں کرتے رہتے تھے، چنانچہ انھوں نے در پردہ مکہ مکرمہ کے بت پرستوں سے تعلقات رکھے ہوئے تھے، اور ان کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے رہتے تھے، اور ان سے یہ وعدہ کرلیا تھا کہ اگر تم مسلمانوں پر حملہ کروگے تو ہم تمہارا ساتھ دیں گے، یہودیوں کا ایک قبیلہ بنو نضیر کہلاتا تھا، ایک مرتبہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان سے معاہدے کی کچھ شرائط پر عمل کرانے کے لیے ان کے پاس تشریف لے گئے تو ان لوگوں نے یہ سازش کی کہ جب آپ بات چیت کرنے کے لیے بیٹھیں تو ایک شخص اوپر سے آپ پر ایک چٹان گرادے، جس سے (معاذ اللہ) آپ شہید ہوجائیں، اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے آپ کو ان کی اس سازش سے باخبر فرمادیا، اور آپ وہاں سے اٹھ کر چلے آئے، اس واقعے کے بعد آپ نے بنو نضیر کے پاس پیغام بھیجا کہ اب آپ لوگوں کے ساتھ ہمارا معاہدہ ختم ہوگیا ہے، اور ہم آپ کے لیے ایک مدت مقرر کرتے ہیں کہ اس مدت کے اندر اندر آپ مدینہ منورہ چھوڑ کر کہیں چلے جائیں، ورنہ مسلمان آپ پر حملہ کرنے کے لیے آزاد ہوں گے، کچھ منافقین نے بنو نضیر کو جا کر یقین دلایا کہ آپ لوگ ڈٹے رہیں، اگر مسلمانوں نے حملہ کیا تو ہم آپ کا ساتھ دیں گے؛ چنانچہ

بنونضیر مقررہ مدت میں مدینہ منورہ سے نہیں گئے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے مدت گزرنے کے بعد ان کے قلعے کا محاصرہ کرلیا اور منافقین نے ان کی کوئی مدد نہیں کی، آخر کار ان لوگوں نے ہتھیار ڈال دیئے، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کو مدینہ منورہ سے جلاوطن کرنے کا حکم دیا، البتہ یہ اجازت دی کہ ہتھیاروں کے سوا وہ اپنا سارا مال و دولت اپنے ساتھ لے جاسکتے ہیں، یہ سورت اس واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی، اور اس میں اس واقعے پر تبصرہ بھی فرمایا گیا ہے، اور اس سے متعلق بہت سی ہدایات بھی دی گئی ہیں، "حشر" کے لفظی معنی ہیں جمع کرنا، چونکہ اس سورت کی آیت نمبر: ۲ میں یہ لفظ آیا ہے، اس لیے اس سورت کا نام سورۂ حشر ہے اور بعض صحابہ سے منقول ہے کہ وہ اسے سورۂ بنی نضیر بھی کہا کرتے تھے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)



آیاتہا ۲۴ | سُوْرَةُ الْحَشْرِ مَدَنِيَّة | رکوعاتہا ۳

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

سورت کی ابتدا میں یہود کے مشہور قبیلہ بنونضیر کی جلاوطنی کا ذکر ہے، جنہیں اپنے بلند وبالا قلعوں پر بڑا ناز تھا، اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں اہل ایمان کا رعب ڈال دیا تھا۔ جلاوطنی کا سبب اللہ اور اس کے رسول سے دشمنی کو قرار دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مالِ فیَ کے احکامات بیان کیے گئے ہیں کہ وہ کن لوگوں کے درمیان کس طرح تقسیم ہوگا، فیَ اس مال کو کہتے ہیں جو کوئی دشمن ایسی حالت میں چھوڑ جائے کہ مسلمانوں کو اُس سے باقاعدہ لڑائی نہ کرنی پڑی ہو۔ اس کے بعد مہاجرین کی تعریف کی گئی ہے جنہوں نے اللہ کی رضا کی خاطر اپنا سب کچھ قربان کر دیا اور دل وجان سے اللہ کے دین کی مدد کرتے رہے۔

رکوع (۲)

اَلَمْ تَرَ اِلَى الَّذِيْنَ نَافَقُوْا يَقُوْلُوْنَ لِاِخْوَانِهِمُ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ لَئِنْ اُخْرِجْتُمْ لَنَخْرُجَنَّ مَعَكُمْ وَلَا نُطِيْعُ فِيْكُمْ اَحَدًا اَبَدًا ۙ

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ منافقین اور مشرکین بظاہر متحد نظر آتے ہیں، لیکن یہ اتحاد صرف اور صرف اسلام کی عداوت اور دشمنی کی بنیاد پر قائم ہے، ورنہ یہ آپس میں بھی ایک دوسرے کے مخالف ہیں، اُس کی مثال یوں دی ہے کہ جیسے شیطان انسان کے سامنے کفریہ اعمال پیش کرتا ہے، اُنہیں خوشنما اور مزین کر کے دکھاتا ہے، لیکن جب انسان کافر ہو جاتا ہے تو اُس سے اپنی براءت کا اظہار کر دیتا ہے، جیسا کہ بعض آیات میں وارد ہے کہ

قیامت میں شیطان کفار سے مکمل طور پر برأت کا اعلان کردے گا، بالآخر شیطان اور کافر دونوں جہنم میں داخل ہوں گے، اسی طرح یہ منافقین مشرکین کو مسلمانوں کے خلاف اکساتے ہیں، انہیں لڑنے کی ترغیب دیتے ہیں، اور اگر یہ مشرکین ان سے کوئی مالی یا جانی مدد مانگنے لگیں تو منافقین صاف صاف انکار کردیں گے۔

رکوع (۳)

يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَ لْتَنْظُرْ نَفْسٌ مَّا قَدَّمَتْ لِغَدٍ ۚ وَ اتَّقُوا اللّٰهَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ خَبِيْرٌۢ بِمَا تَعْمَلُوْنَ ﴿۱۸﴾

اس رکوع میں اوّلاً مومنین کو تقویٰ اختیار کرنے، نافرمانی سے بچنے اور قیامت کی تیاری کا حکم ہے۔ پھر اہل جنّت اور اہل جہنم کا موازنہ ہے کہ انجام کے اعتبار سے یہ دونوں کبھی برابر نہیں ہوسکتے، اہل جنّت ہی حقیقی کامیاب ہیں۔ اس کے بعد قرآن کریم کی عظمت اور مقام و مرتبے کو واضح کیا گیا ہے۔ پھر آخری تین آیات میں اللہ تعالیٰ کے متعدد صفاتی نام ذکر کرتے ہوئے شرک کی مذمت کی گئی ہے۔



تعارف سورۂ ممتحنہ

یہ سورت صلح حدیبیہ اور فتح مکہ کے درمیانی عرصے میں نازل ہوئی ہے، ان دونوں واقعات کی تفصیل پیچھے سورۂ فتح کے تعارف میں گزر چکی ہے، اس سورت کے بنیادی موضوع دو ہیں، ایک صلح حدیبیہ کی شرائط میں جو بات طے ہوئی تھی کہ اگر مکہ مکرمہ سے کوئی شخص مسلمان ہو کر مدینہ منورہ آئے گا تو مسلمان اسے واپس بھیجنے کے پابند ہوں گے، اس کا اطلاق مسلمان ہو کر آنے والی عورتوں پر نہیں ہوگا، اور اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر آئے گی تو نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) اس کا جائزہ لے کر دیکھیں گے کہ کیا واقعی مسلمان ہو کر آئی ہے تو پھر اسے واپس نہیں بھیجا جائے گا، اس صورت میں اگر وہ شادی شدہ ہو، اور اس کا شوہر مکہ مکرمہ میں رہ گیا ہو، اس کے نکاح اور مہر وغیرہ سے متعلق کیا احکام ہوں گے؟ وہ بھی اس سورت میں بیان فرمائے گئے ہیں، اور جن مسلمانوں کے نکاح میں ابھی تک بت پرست عورتیں تھیں، ان کے بارے میں یہ حکم دیا گیا ہے کہ اب وہ ان کے نکاح میں نہیں رہ سکتیں، چونکہ اس سورت میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ان عورتوں کا امتحان یا جائزہ لینے کا حکم دیا گیا تھا، اس لیے اس سورت کا نام ''ممتحنہ'' ہے، یعنی امتحان لینے والی۔

سورت کا دوسرا موضوع جو بالکل شروع میں بیان ہوا ہے وہ یہ ہے کہ مسلمانوں کے لیے غیر مسلموں سے کس قسم کے تعلقات رکھنا جائز ہے اور کس قسم کے ناجائز، چنانچہ سورت کو اس حکم سے شروع فرمایا گیا ہے کہ مسلمانوں کو دشمنوں سے خصوصی دوستی نہیں رکھنی چاہیے، ان آیتوں کے نزول کا پس منظر یہ ہے کہ سورۂ فتح کے تعارف میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ صلح حدیبیہ کے معاہدے کو مکہ مکرمہ کے کافروں نے دو سال کے اندر اندر ہی توڑ دیا

تھا، اور آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے قریش کے لوگوں پر واضح فرمادیا تھا کہ اب وہ معاہدہ باقی نہیں رہا، اس کے بعد آپ نے مکہ مکرمہ کے کفار پر ایک فیصلہ کن حملہ کرنے کی تیاری شروع فرمادی تھی؛ لیکن ساتھ ہی کوشش یہ تھی کہ قریش کے لوگوں کو آپ کی تیاری کا علم نہ ہو، اسی دوران سارہ نام کی ایک عورت جو گا بجا کر پیسے کماتی تھی، مکہ مکرمہ سے مدینہ منورہ آئی اور اس نے بتایا کہ وہ مسلمان ہو کر نہیں آئی؛ بلکہ وہ شدید مفلسی میں مبتلا ہے؛ کیونکہ جنگ بدر کے بعد قریش مکہ کی عیش وعشرت کی محفلیں ویران ہو چکی ہیں، اب کوئی اسے گانے بجانے کے لیے نہیں بلاتا، اس لیے مالی امداد حاصل کرنے کے لیے آئی ہے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے بنو عبدالمطلب کو اس کی مدد کرنے کی ترغیب دی، اور اس کو کچھ نقدی اور کچھ کپڑے دے کر رخصت کیا گیا۔

دوسری طرف مہاجرین صحابہ کرام میں حضرت حاطب بن ابی بلتعہؓ ایک ایسے بزرگ تھے جو اصل میں یمن کے باشندے تھے اور مکہ مکرمہ آکر بس گئے تھے، مکہ مکرمہ میں ان کا قبیلہ نہیں تھا، وہ خود تو ہجرت کر کے مدینہ منورہ آگئے تھے، لیکن ان کے اہل وعیال مکہ مکرمہ ہی میں رہ گئے تھے، جن کے بارے میں انھیں یہ خطرہ تھا کہ کہیں قریش کے لوگ ان پر ظلم نہ کریں، دوسرے مہاجر صحابہ جن کے اہل وعیال مکہ مکرمہ میں رہ گئے تھے، انھیں تو کسی قدر اطمینان تھا کہ ان کا پورا قبیلہ وہاں موجود ہے جو کافروں کے ظلم سے انھیں تحفظ دے سکتا ہے؛ لیکن حضرت حاطب کے اہل وعیال کو یہ تحفظ حاصل نہیں تھا، جب سارہ نامی عورت مکہ مکرمہ واپس جانے لگی تو ان کے دل میں یہ خیال آیا کہ اگر میں قریش کے لوگوں کو خفیہ طور پر ایک خط میں یہ اطلاع دے دوں کہ حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) ان پر حملہ کرنے کی تیاری کر رہے ہیں تو اس سے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کا تو کوئی نقصان نہیں ہوگا کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آپ سے مکہ مکرمہ کی فتح کا وعدہ فرما رکھا ہے؛ لیکن میری طرف سے قریش پر ایک احسان ہو جائے گا، اور اس احسان کی وجہ سے وہ میرے اہل وعیال کے ساتھ نرمی کا معاملہ کریں گے، چنانچہ انھوں نے ایک خط لکھ کر سارہ کے حوالے کر دیا کہ وہ قریش کے سرداروں کو پہنچا دے، ادھر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعے

آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو اطلاع دے دی کہ سارہ ایک خفیہ خط لے کر گئی ہے اور روضہ خاخ کے مقام تک پہنچ چکی ہے، آپ (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے حضرت علیؓ، حضرت مرثدؓ اور حضرت زبیرؓ کو اس مہم پر روانہ فرمایا کہ وہ اس عورت کا پیچھا کر کے اس سے وہ خط برآمد کریں، اور یہاں واپس لے آئیں، یہ حضرات گئے اور انھوں نے وہ خط برآمد کرلیا، حضرت حاطب سے پوچھا گیا تو انھوں نے معذرت کی، اور اپنی اس غلطی کی وجہ بیان کی جو اوپر ذکر کی گئی ہے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے ان کی نیک نیتی کی وجہ سے ان کی اس غلطی کو معاف فرمادیا، اسی واقعے پر اس سورت کی ابتدائی آیتیں نازل ہوئیں۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)



آیاتہا ۱۳ | سُوْرَۃُ الْمُمْتَحِنَۃِ مَدَنِیَّۃ | رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَتَّخِذُوْا عَدُوِّيْ وَعَدُوَّكُمْ اَوْلِيَآءَ تُلْقُوْنَ اِلَيْهِمْ بِالْمَوَدَّةِ وَقَدْ كَفَرُوْا بِمَا جَآءَكُمْ مِّنَ الْحَقِّ

اس رکوع میں مسلمانوں کو ایسے لوگوں سے تعلقات ختم کرنے کا حکم دیا گیا ہے جو اللہ اور اس کے رسول یعنی دینی اسلام کے کھلے دشمن ہوں، خواہ وہ قریبی رشتے دار ہی کیوں نہ ہوں، اسی بات کو اس طرح مؤکد کیا گیا ہے کہ قیامت میں تمہاری رشتے داریاں اور تمہاری اولاد کام نہ آئیں گی، وہاں تو فیصلہ اعمال کے مطابق ہوگا۔ چناں چہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ خاص طور پر کیا گیا ہے کہ جیسے وہ اپنے قریبی رشتے داروں سے صرف ایمان و کفر کی وجہ سے علاحدہ ہو گئے تھے، مسلمانوں کو انہیں کی راہ پر چلنا چاہیے۔

رکوع (۲)

عَسَى اللّٰهُ اَنْ يَّجْعَلَ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَ الَّذِيْنَ عَادَيْتُمْ مِّنْهُمْ مَّوَدَّةً ؕ وَاللّٰهُ قَدِيْرٌ ؕ وَاللّٰهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ۝

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ وہ لوگ جو عقیدے کے اعتبار سے اگر چہ اسلام سے الگ ہیں، لیکن مسلمانوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچاتے تو ایسے لوگوں کے ساتھ اچھا رویہ اختیار کرنا چاہیے۔ اس کے بعد صلح حدیبیہ کے پس منظر میں ایک حکم دیا گیا ہے کہ اگر کوئی عورت دشمنوں کی سرزمین یعنی مکہ سے تمہارے پاس پہنچ کر ایمان کا اقرار کرے تو انہیں اچھی طرح جانچ لو اور انہیں کافروں کو واپس مت بھیجو۔ کیوں کہ مسلمان عورت اور کافر مرد کے درمیان ازدواجی تعلق حرام ہے، البتہ کفار نے اگر انہیں کچھ مہر وغیرہ دیا ہے تو انہیں

واپس کردو، یہ ان کا حق ہے۔ اس کے بعد مسلمان مردوں کو کافر و مشرک عورتوں سے نکاح سے سختی کے ساتھ روکا گیا ہے۔ اس کے بعد رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو حکم دیا گیا ہے اگر مسلمان عورتیں آپ کے پاس بیعت ہونے کے لیے آئیں تو ان سے شرک، چوری، زنا، بہتان وغیرہ سے بچنے پر بیعت کر لیں۔ سورت کی آخری آیت میں وہی حکم دہرایا گیا ہے جو پہلی آیت میں دیا گیا تھا کہ کفار سے قلبی تعلق نہ رکھا جائے۔



تعارف سورۂ صف

یہ سورت مدینہ منورہ میں اس وقت نازل ہوئی تھی جب منافقین آس پاس کے یہودیوں کے ساتھ مل کر مسلمانوں کے خلاف طرح طرح کی سازشیں کر رہے تھے، اس سورت میں بنی اسرائیل کے یہودیوں کا یہ کردار خاص طور پر ذکر فرمایا گیا ہے کہ انھوں نے خود اپنے پیغمبر حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کو طرح طرح سے تکلیفیں پہنچائیں، جس کے نتیجے میں ان کے مزاج میں ٹیڑھ پیدا ہوگئی، اور جب حضرت عیسیٰ (علیہ السلام) تشریف لائے تو انھوں نے ان کی نبوت کا بھی انکار کیا اور انھوں نے حضور سرورِ عالم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تشریف آوری کی جو بشارتیں دی تھیں ان پر بھی کان نہیں دھرا؛ چنانچہ آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) تشریف لائے تو انھوں نے نہ صرف یہ کہ آپ کی نبوت پر ایمان لانے سے انکار کر دیا؛ بلکہ آپ کے خلاف سازشیں شروع کر دیں، بنی اسرائیل کے اس کردار کو واضح کرنے کے ساتھ ساتھ اس سورت میں مخلص مسلمانوں کو یہ خوشخبری دی گئی ہے کہ اگر انھوں نے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی ٹھیک ٹھیک پیروی کی اور وہ کام کئے جن کا اللہ تعالیٰ نے اس سورت میں خاص طور پر حکم دیا ہے اور ان میں جہاد خصوصی اہمیت رکھتا ہے تو اللہ تعالیٰ ان کو عنقریب فتح و نصرت عطا فرمانے والے ہیں، جس کے نتیجے میں منافقین اور یہودیوں کی ساری سازشیں خاک میں مل جائیں گی، اس سیاق میں اس سورت کی چوتھی آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان مسلمانوں کی تعریف فرمائی ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستے میں صف بنا کر جہاد کرتے ہیں، اس مناسبت سے اس سورت کا نام سورۂ صف ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۱۴ | سُوْرَةُ الصَّفِّ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبَّحَ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ وَهُوَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ ①

سورت کے آغاز میں بیان کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک یہ بہت بڑا گناہ ہے کہ صرف نیکی کی باتیں کی جائیں اور ان پر عمل نہ کیا جائے۔ پھر مجاہدین کی تعریف کی گئی ہے اور انہیں دشمنوں کے خلاف اتحاد و اتفاق اور شجاعت و بہادری کا حکم ہے۔ حضرت موسیٰ اور ان کی قوم کے مختصر تذکرے کے بعد حضرت عیسیٰ ابن مریم علیہما السلام کا ذکر ہے کہ انہوں نے اپنی قوم کو خاتم النبیین، رسول اکرم، نبی آخر الزماں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بشارت دی تھی کہ میرے بعد ایسے نبی آنے والے ہیں جن کا نام ''احمد'' ہوگا اور وہ سابقہ آسمانی کتابوں کی تصدیق کریں گے۔ اس کے بعد کفار کی قلبی تمنا کا ذکر ہے کہ یہ تو اللہ کے نور یعنی دین اسلام کو بجھانا چاہتے ہیں، لیکن اللہ اسے بجھنے نہیں دے گا اور اسے تمام ادیان پر غالب کر دے گا، خواہ ان کفار و مشرکین کو کتنا ہی ناگوار گزرتا ہو۔

اہم مسئلہ

● ایسے کام کا دعویٰ کرنا جس کے کرنے کا ارادہ ہی نہ ہو اور اس کو کرنا ہی نہ ہو یہ تو گناہ کبیرہ اور اللہ کی سخت ناراضی کا سبب ہے۔

رکوع (۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا هَلْ اَدُلُّكُمْ عَلٰى تِجَارَةٍ تُنْجِيْكُمْ مِّنْ عَذَابٍ اَلِيْمٍ ⑩

اس رکوع میں اہل ایمان کو مخاطب کر کے ایک نہایت نفع بخش اور ابدی منفعت والی

تجارت کی رہنمائی کی گئی ہے اور وہ تجارت یہ ہے کہ اللہ کے راستے میں اپنے مال اور جان کو داؤں پر لگا کر جہاد کیا جائے، جس کے بدلے میں اللہ تعالیٰ گناہوں کو معاف فرمائیں اور جنّت عطا کریں گے۔ ساتھ ہی یہ یقین رکھیں کہ راہِ خداوندی میں اللہ کی مدد بھی شامل رہتی ہے۔ اس کے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا ذکر ہے کہ ان کی دعوت پر قوم کا ایک طبقہ تو ایمان لے آیا تھا، لیکن دوسرے طبقے نے کفر کیا، دونوں میں جنگ ہوئی اور حضرت عیسیٰ کے حوارمین یعنی معاونین کو اللہ تعالیٰ نے غلبہ نصیب فرمایا۔



تعارف سورۂ جمعہ

اس سورت کے پہلے رکوع میں حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی رسالت اور آپ کی بعثت کے مقاصد بیان فرما کر پوری انسانیت کو آپ پر ایمان لانے کی دعوت دی گئی ہے، اور خاص طور پر یہودیوں کی مذمت کی گئی ہے، کہ وہ جس کتاب یعنی تورات پر ایمان رکھنے کا دعویٰ کرتے ہیں، اس میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تشریف آوری کی بشارت موجود ہے، اس کے باوجود وہ آپ پر ایمان نہ لاکر خود اپنی کتاب کی خلاف ورزی کررہے ہیں، پھر دوسرے رکوع میں مسلمانوں کو یہ ہدایت دی گئی ہے کہ ان کی تجارتی سرگرمیاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کے راستے میں رکاوٹ نہیں بننی چاہئیں، چنانچہ حکم دیا گیا ہے کہ جمعہ کی اذان کے بعد ہر قسم کی خرید وفروخت بالکل ناجائز ہے، نیز جب آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) خطبہ دے رہے ہوں اس وقت کسی تجارتی کام کے لیے آپ کو چھوڑ کر چلے جانا جائز نہیں ہے، اور اگر دنیوی مصروفیات کا شوق کسی دینی فریضے میں رکاوٹ بننے لگے تو اس بات کا دھیان کرنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ نے مومنوں کے لیے آخرت میں جو کچھ تیار کر رکھا ہے وہ دنیا کی ان دلفریبیوں سے کہیں زیادہ بہتر ہے، اور دینی فرائض کو رزق کی خاطر چھوڑ نا سراسر نادانی ہے؛ کیونکہ رزق دینے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے، لہٰذا رزق اس کی نافرمانی کر کے نہیں؛ بلکہ اس کی اطاعت کر کے طلب کرنا چاہیے، چونکہ دوسرے رکوع میں جمعہ کے احکام بیان فرمائے گئے ہیں، اس لیے اس سورت کا نام ''جمعہ'' ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ)

آیاتہا ۱۱ | سُوْرَةُ الْجُمُعَةِ مَدَنِيَّةٌ | رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ الْمَلِكِ الْقُدُّوْسِ الْعَزِيْزِ الْحَكِيْمِ ①

سورت کے آغاز میں اللہ تعالیٰ کا ایک عظیم احسان یاد دلایا گیا ہے کہ اُس نے ایسے رسول کو بھیجا جو اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں، لوگوں کا تزکیۂ نفس کرتے ہیں اور کتاب و حکمت کی تعلیم دیتے ہیں، حالاں کہ اس سے قبل لوگ جہالت کی گمراہی میں پڑے ہوئے تھے۔ اس کے بعد یہودیوں کا تذکرہ ہے کہ یہ توریت کو سر پر اٹھائے پھرتے ہیں اور اس پر عمل نہیں کرتے، تو ان کی مثال اُس گدھے جیسی ہے جس پر بہت سی کتابیں لادی گئی ہوں، ظاہر ہے جیسے وہ اُن کتابوں سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا، ایسے ہی یہ یہود بھی توریت کی اصل تعلیمات سے کوسوں دور ہیں۔ اس میں مسلمانوں کے لیے بھی عبرت کا سامان ہے کہ اگر ہم قرآن کریم کی تعلیمات سے دور ہوں گے تو ہم میں اور اُن یہودیوں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ نعوذ باللہ منہ

رکوع (۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا نُوْدِيَ لِلصَّلٰوةِ مِنْ يَّوْمِ الْجُمُعَةِ فَاسْعَوْا اِلٰى ذِكْرِ اللّٰهِ وَذَرُوا الْبَيْعَ ذٰلِكُمْ خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ⑨

اس رکوع میں مسلمانوں کو حکم دیا گیا ہے کہ اذانِ جمعہ ہوتے ہی اللہ کے ذکر یعنی جمعہ کے خطبہ اور نماز کی تیاری میں لگ جاؤ اور مسجد کی جانب لپکو، اگر کسی لین دین اور خرید و فروخت میں مصروف ہو تو اُسے فوراً چھوڑ دو۔ اسی آیت کی بنا پر فقہاء نے اذانِ جمعہ کے بعد بیع و شراء کو ناجائز قرار دیا ہے۔ پھر حکم ہے کہ جمعہ کی نماز کے بعد اپنے اپنے کاموں میں لگ جاؤ اور اللہ کے فضل یعنی اُس کے رزق کو تلاش کرو۔

جمعہ سے متعلق اہم مسائل

● جمعہ کی ایک شرط خطبہ ہے، چنانچہ اگر بغیر خطبہ کے نماز جمعہ ادا کرلی گئی، یا خطبہ وقتِ جمعہ کے آغاز سے پہلے دیا گیا تو نماز جمعہ درست نہ ہوگی۔

● جمعہ واجب ہونے کے لئے بعض شرطیں وہ ہیں جن کا تعلق خود نماز ادا کرنے والے سے ہے، یعنی جمعہ انہی لوگوں پر واجب ہوگا جو آزاد ہوں، مرد ہوں کہ عورت پر جمعہ واجب نہیں، مقیم ہوں کہ مسافر پر جمعہ واجب نہیں، صحت مند ہوں اور چلنے پر قادر ہوں کہ بیمار اور مفلوج واپاہج پر جمعہ نہیں، گو اسے کوئی اٹھا کر لے جانے والا موجود ہو، بینا ہو کہ نابینا، گو رہبر موجود ہو، پھر بھی اس پر جمعہ نہیں، بہت بوڑھے شخص کے لئے بھی وہی حکم ہے جو مریض کا ہے، تاہم اگر یہ لوگ جمعہ کی نماز ادا کرلیں تو فریضۂ وقت ادا ہو جائیگا، اب ظہر پڑھنے کی ضرورت باقی نہیں رہے گی۔

● جمعہ کے صحیح ہونے کے لئے جماعت بھی شرط ہے جس میں کم از کم تین مقتدی ہوں۔

● جمعہ کے لئے غسل کرنا سنت ہے۔

● غسل کے علاوہ آپ ﷺ نے خوشبو کے اہتمام کی بھی تاکید فرمائی ہے، تیل کے استعمال کو بھی فرمایا، اور یہ بھی فرمایا کہ جو کپڑے میسر ہوں، ان میں سے عمدہ کپڑے کا آج کے دن انتخاب کرے۔

● جس جگہ جمعہ ہوتا ہو وہاں جماعت کے ساتھ نماز ظہر کی ادائیگی مکروہ ہے، گو جماعت میں شرکت کرنے والے معذور ہی کیوں نہ ہوں، جن پر جمعہ واجب نہ ہوتا ہو، البتہ جہاں جمعہ نہ ہوا کرتا ہو، وہاں باجماعت اذان واقامت کے ساتھ ظہر ادا کرنے میں مضائقہ نہیں۔ (ملخص از قاموس الفقہ: جمعہ)

● جمعہ کی پہلی اذان کے بعد جمعہ کی تیاری کے سوا کوئی اور کام جائز نہیں، نیز جب تک نمازِ جمعہ ختم نہ ہو جائے، خرید وفروخت کا کوئی معاملہ جائز نہیں ہے۔ (توضیح)



تعارف سورۂ منافقون

یہ سورت ایک خاص واقعے کے پس منظر میں نازل ہوئی ہے، جس کا خلاصہ یہ ہے کہ بنوالمصطلق عرب کا ایک قبیلہ تھا، جس کے بارے میں آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو یہ اطلاع ملی تھی کہ وہ مدینہ منورہ میں حملہ کرنے کے لیے لشکر جمع کر رہا ہے، آپ اپنے صحابہ کرام کے ساتھ خود وہاں تشریف لے گئے، ان سے جنگ ہوئی اور آخر کار ان لوگوں نے شکست کھائی اور بعد میں مسلمان بھی ہوئے، جنگ کے بعد چند دن آپ نے وہیں ایک چشمے کے قریب پڑاؤ ڈالے رکھا جس کا نام ''مریسیع'' تھا، اسی قیام کے دوران ایک مہاجر اور ایک انصاری کے درمیان پانی ہی کے کسی معاملے پر جھگڑا ہو گیا، جھگڑے میں نوبت ہاتھا پائی کی آ گئی، اور ہوتے ہوتے مہاجر نے اپنی مدد کے لیے مہاجرین کو پکارا، اور انصاری نے انصار کو، یہاں تک کہ اندیشہ ہو گیا کہ کہیں مہاجرین اور انصار کے درمیان لڑائی نہ چھڑ جائے، حضور اقدس (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو علم ہوا تو آپ تشریف لائے اور فرمایا کہ مہاجر اور انصار کے نام پر لڑائی کرنا وہ جاہلانہ عصبیت ہے جس سے اسلام نے نجات دی ہے، آپ نے فرمایا کہ یہ عصبیت کے بدبودار نعرے ہیں جو مسلمانوں کو چھوڑنے ہوں گے، ہاں مظلوم جو کوئی بھی ہو اس کی مدد کرنی چاہیے، اور ظالم جو کوئی ہو اسے ظلم سے باز رکھنے کی کوشش کرنی چاہیے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کی تشریف آوری کے بعد جھگڑا فرو ہو گیا، اور جن حضرات میں ہاتھا پائی ہوئی تھی ان کے درمیان معافی تلافی ہو گئی، یہ جھگڑا تو ختم ہو گیا، لیکن مسلمانوں کے لشکر میں کچھ منافق لوگ بھی تھے جو مال غنیمت میں حصہ دار بننے کے لیے شامل ہو گئے تھے، ان کے سردار عبداللہ بن ابی کو جب اس جھگڑے کا علم ہوا تو اس نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم نے مہاجروں کو اپنے شہر میں پناہ دے کر اپنے سر پر

چڑھالیا ہے، یہاں تک کہ اب وہ مدینے کے اصل باشندوں پر ہاتھ اٹھانے لگے ہیں، یہ صورت حال قابل برداشت نہیں ہے، پھر اس نے یہ بھی کہا کہ جب ہم مدینہ واپس پہنچیں گے تو جو عزت والا ہے وہ ذلت والے کو نکال باہر کرے گا، اس کا واضح اشارہ اس طرف تھا کہ مدینے کے اصل باشندے مہاجروں کو نکال باہر کریں گے، اس موقع پر ایک مخلص انصاری صحابی حضرت زید بن ارقمؓ بھی موجود تھے، انھوں نے اس بات کو برا سمجھا اور حضور اکرم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو بتایا کہ عبداللہ ابن اُبی نے ایسا کہا ہے، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے عبداللہ بن اُبی سے پوچھا تو وہ صاف مکر گیا کہ میں نے یہ بات نہیں کہی، آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) نے درگزر فرمایا کہ شاید حضرت زید بن ارقم کو غلط فہمی ہوئی ہو، حضرت زید بن ارقم کو یہ رنج تھا کہ عبداللہ ابن اُبی نے آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے سامنے ان کو جھوٹا بنایا، اس کے بعد آپ اپنے صحابہ کے ساتھ وہاں سے روانہ ہو گئے ابھی مدینہ منورہ نہیں پہنچے تھے کہ یہ سورت نازل ہو گئی جس نے حضرت زید بن ارقم کی تصدیق کی اور منافقین کی حقیقت واضح فرمائی۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)



آیاتھا ۱۱ | سُوْرَۃُ الْمُنٰفِقُوْنَ مَدَنِیَّۃ | رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ ۘ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لَرَسُوْلُهٗ ؕ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ لَكٰذِبُوْنَ ۚ﴿۱﴾

سورت کے نام سے بھی اس کا مضمون ظاہر ہے کہ اس میں منافقین کا تذکرہ ہے، جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جھوٹی قسمیں کھاتے اور ایمان کا دکھاوا کرتے۔ ان کی صفات ذکر کی گئی ہیں کہ ان کا ڈیل ڈول بڑا عمدہ ہے لیکن دل نہایت کمزور، ذرا ذرا سی بات پر گھبرا جاتے ہیں، توبہ واستغفار کی باتوں پر گردن جھٹک کر نکل جاتے ہیں، خود تو بخیل اور خودغرض ہیں، ساتھ ہی دوسروں کو بھی راہِ خدا میں خرچ کرنے سے روکتے ہیں۔ ایسے لوگوں کو اللہ تعالیٰ ہرگز نہیں بخشیں گے۔

رکوع (۲)

يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُلْهِكُمْ اَمْوَالُكُمْ وَلَاۤ اَوْلَادُكُمْ عَنْ ذِكْرِ اللّٰهِ ۚ وَمَنْ يَّفْعَلْ ذٰلِكَ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْخٰسِرُوْنَ ﴿۹﴾

اس رکوع میں مومنین کو دو اہم باتیں بتائی گئی ہیں، پہلی بات تو یہ کہ مال و دولت اور آل و اولاد کی محبت میں اللہ کی یاد اور اسکے احکام سے غفلت نہ ہو، ورنہ یہ ابدی نقصان کا باعث ہوسکتا ہے، دوسری بات یہ کہ مرنے سے پہلے پہلے اللہ کی راہ میں خوب خرچ کرلو، کہیں ایسا نہ ہو کہ مرتے وقت حسرت اور افسوس کا اظہار کرو کہ کاش مجھے صدقہ خیرات کے لیے کچھ مہلت مل جائے، اس لیے اس نیک کام میں ابھی سے لگ جاؤ۔



تعارف سورۂ تغابن

اگرچہ بعض مفسرین نے اس سورت کی کچھ آیتوں کو مکی اور کچھ کو مدنی کہا ہے؛ لیکن اکثر مفسرین نے پوری سورت کو مدنی قرار دیا ہے، البتہ اس کے مضامین مکی سورتوں کی طرح اسلام کے بنیادی عقائد کی دعوت پر مشتمل ہیں، اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ کے حوالے سے توحید، رسالت اور آخرت پر ایمان کی دعوت دی گئی ہے، اور پچھلی امتوں کی تباہی کے اسباب بتاتے ہوئے توجہ دلائی گئی ہے کہ ہر انسان کو اللہ تعالیٰ کے رسول برحق اور ان پر نازل ہونے والی کتاب پر ایمان لا کر آخرت کی تیاری کرنی چاہیے، اور اگر انسان کے بیوی بچے اس راستے میں رکاوٹ بنیں تو سمجھنا چاہیے کہ وہ انسان کی خیر خواہی نہیں، دشمنی کر رہے ہیں، سورت کا نام آیت نمبر: ۹ سے ماخوذ ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)

آیاتہا ۱۸ | سُوْرَۃُ التَّغَابُنِ مَدَنِیَّۃ | رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يُسَبِّحُ لِلّٰهِ مَا فِي السَّمٰوٰتِ وَمَا فِي الْاَرْضِ ۚ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ ۖ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ①

اس رکوع میں پہلے تو اللہ تعالیٰ کی قدرت کا ذکر ہے کہ اس نے انسانوں کو وجود بخشا، انہیں بہترین سانچے میں ڈھالا، آسمان وزمین کی تخلیق کی، کائنات میں ہونے والی ہر پوشیدہ اور ظاہر چیز سے وہ واقف ہے۔ اس کے بعد کفارِ مکہ کو تنبیہ کی گئی ہے کہ کیا تمہارے پاس گزشتہ اقوام کی ہلاکت کی خبر نہیں پہنچی، ان کی بھی یہی غلطی تھی کہ انہوں نے رسولوں کو جھٹلایا تھا جیسے تم جھٹلاتے ہو۔ پھر انہیں مرنے کے بعد والی زندگی اور قیامت کے دن سے ڈرایا گیا ہے کہ تم اگر اس کا انکار کرتے ہو اس سے کوئی فائدہ نہیں ہونے والا، اللہ تعالیٰ تمہیں ضرور بالضرور دوبارہ زندہ کریں گے اور اعمال کے مطابق بدلہ دیں گے۔

رکوع (۲)

مَا اَصَابَ مِنْ مُّصِيْبَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۗ وَمَنْ يُّؤْمِنْ بِاللّٰهِ يَهْدِ قَلْبَهٗ ۗ وَاللّٰهُ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيْمٌ ⑪

اس رکوع میں اوّلاً بیان کیا گیا ہے کہ اللہ کی مشیت کے بغیر کوئی مصیبت نہیں آتی۔ پھر اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت اور خدا پر توکل کا حکم دیا گیا ہے۔ اس کے بعد مومنین کو بہت اہم ہدایت ہے کہ جو بیوی یا اولاد اللہ کی نافرمانی پر اکسائے، گناہوں پر آمادہ کرے وہ تمہارے دشمن ہیں، تمہارے لیے فتنہ اور آزمائش ہیں، ان سے ہوشیار رہنے کی ضرورت ہیں، البتہ اگر وہ

اپنے گناہوں سے توبہ کرلیں تو تم بھی انہیں معاف کردو۔اس کے بعد حتی الامکان تقویٰ، مکمل اطاعت اور راہِ خدا میں خرچ کرنے کی تاکید ہے، نیز بخل کی مذمت کی گئی ہے۔

اہم مسئلہ

اہل وعیال سے کوئی کام خلافِ شرع بھی ہو جائے تو ان سے بیزار ہو جانا اور ان سے بغض رکھنا یا ان کے لیے بددعا کرنا مناسب نہیں۔



تعارف سورۂ طلاق

پچھلی دو سورتوں میں مسلمانوں کو یہ تنبیہ فرمائی گئی تھی کہ وہ اپنے بچوں کی محبت میں گرفتار ہو کر اللہ تعالیٰ کی یاد سے غافل نہ ہوں، اب اس سورت اور اگلی سورت میں میاں بیوی کے تعلقات سے متعلق کچھ ضروری احکام بیان فرمائے گئے ہیں، ازدواجی تعلقات کے مسائل میں طلاق ایک ایسا مسئلہ ہے جس میں عملاً بہت افراط و تفریط پائی جاتی ہے، چنانچہ قرآن کریم نے اس کے بارے میں متوازن طرز عمل اختیار کرنے کے لیے طلاق کے کچھ احکام سورۂ بقرۃ: ۲۲۶ تا ۲۳۰ میں بیان فرمائے ہیں، اب اس سورت میں طلاق کے وہ احکام بیان فرمائے گئے ہیں جو وہاں بیان نہیں ہوئے تھے، چنانچہ بتایا گیا ہے کہ اگر طلاق دینی ہو تو اس کے لیے صحیح وقت اور صحیح طریقہ کیا ہے، نیز جن عورتوں کو حیض نہ آتا ہو اس کی عدت کتنی ہوگی، عدت کے دوران ان کے سابق شوہروں کو ان کا خرچ کس معیار پر اور کب اٹھانا ہوگا، اگر اولاد ہو چکی ہو تو اس کو دودھ پلانے کی ذمہ داری کس پر ہوگی، اس قسم کے احکام بیان فرماتے ہوئے بار بار اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ ہر مرد اور عورت کو اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہوئے اپنے فرائض ادا کرنے چاہئیں، کیونکہ میاں بیوی کا تعلق ایسا ہے کہ ان کی ہر شکایت کا علاج عدالتوں سے نہیں مل سکتا، ایک متوازن خاندانی نظام اس وقت تک قائم نہیں ہو سکتا جب تک ہر فریق اللہ تعالیٰ کے سامنے جواب دہی کا احساس کرتے ہوئے اپنے فرائض انجام نہ دے، اور جو لوگ ایسا کرتے ہیں انہی کو دنیا اور آخرت میں کامیابی نصیب ہوتی ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)

آیاتہا ۱۲ | سُوْرَۃُ الطَّلَاقِ مَدَنِیَّۃٌ | رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

یٰۤاَیُّهَا النَّبِیُّ اِذَا طَلَّقْتُمُ النِّسَآءَ فَطَلِّقُوْهُنَّ لِعِدَّتِهِنَّ وَ اَحْصُوا الْعِدَّةَ ۚ

سورت کے نام سے واضح ہے کہ اس میں طلاق کے احکام ذکر کیے گئے ہیں۔ ان کا خلاصہ کچھ یوں ہے کہ طلاق اس طرح دی جائے کہ عدت شمار کرنے میں پریشانی نہ ہو، عدت شوہر کے گھر میں ہی گزاری جائے، اُسے بے سہارا گھر سے نہ نکالا جائے، عدت گزرنے کے بعد اگر رجعت کرنا چاہو تو رجعت کرلو ورنہ بھلے طریقے سے علاحدگی اختیار کرلو۔ جن خواتین کو حیض نہیں آتا اُن کی عدتِ طلاق تین ماہ ہے، جبکہ حاملہ کی عدت وضعِ حمل یعنی بچے کی ولادت ذکر کی گئی ہے، اس دوران بیوی کے تمام اخراجات شوہر کے ذمہ ہوں گے، اسی میں حکم ہے کہ بیوی کا نفقہ شوہر کی حیثیت کے مطابق دیا جائے گا۔

● طلاق و عدت سے متعلق احکامات سورۂ بقرہ، صفحہ ۱۰۱-۱۱۲ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۲)

وَ كَاَیِّنْ مِّنْ قَرْیَةٍ عَتَتْ عَنْ اَمْرِ رَبِّهَا وَ رُسُلِهٖ

فَحَاسَبْنٰهَا حِسَابًا شَدِیْدًا ۙ وَّ عَذَّبْنٰهَا عَذَابًا نُّكْرًا (۸)

اس رکوع میں بتایا گیا ہے کہ [illegible]

سخت عذاب کی شکل میں [illegible]

ایمان کو تقویٰ کی تلقین ہے [illegible]

❁ ❁ ❁

تعارف سورۂ تحریم

جیسا کہ پچھلی سورت کے تعارف میں عرض کیا گیا، اس سورت کا بنیادی موضوع بھی یہ ہے کہ میاں بیوی کو آپس میں اور اپنی اولاد کے ساتھ کس طرح معتدل اور متوازن رویہ اختیار کرنا چاہیے، ایک طرف ان سے معقول حدود میں محبت بھی دین کا تقاضا ہے، اور دوسری طرف ان کی یہ نگرانی بھی ضروری ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے احکام سے انحراف نہ کریں، اسی سلسلہ میں ایک واقعہ خود آنحضرت (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کے ساتھ پیش آیا تھا کہ اپنی کچھ ازواج مطہرات کی خوشنودی کی خاطر آپ نے یہ قسم کھالی تھی کہ آئندہ شہد نہیں پیونگا، اس پر اللہ تعالیٰ نے آپ سے یہ فرمایا کہ جو چیز اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے حلال کی ہے، اسے آپ اپنے اوپر حرام کیوں کرتے ہیں؟ اس لیے سورت کا نام ''تحریم'' ہے، جس کے معنی ہیں حرام کرنا۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)



آیاتہا ۱۲ | سُوْرَةُ التَّحْرِيْمِ مَدَنِيَّة | رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللهُ لَكَ ۚ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ۭ وَاللهُ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ ①

سورت کے آغاز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اللہ کی حلال کردہ چیزوں کو خود حرام نہیں کر سکتے، یہ دراصل اس واقعہ کی جانب اشارہ ہے جس کا ذکر آگے بھی آتا ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی کسی زوجہ سے کوئی راز کی بات کہی، انہوں نے وہ بات دوسری زوجہ سے کہہ دی۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بات رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بتا دی۔ اس کے بعد ازواجِ مطہرات کو نصیحت کی گئی ہے کہ وہ توبہ واستغفار کریں، ورنہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تم سے بہتر بیویاں مل سکتی ہیں۔ اس کے بعد اہل ایمان کو حکم دیا گیا ہے کہ خود کو اور اپنے گھر والوں کو جہنم کی آگ سے بچائیں، یعنی خود بھی احکامِ شریعت پر عمل کریں اور اپنے گھر والوں کی اسلامی تربیت سے غفلت نہ برتیں، انہیں بھی گناہوں سے بچنے کی تلقین کریں۔ آخری آیت میں کفار کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ قیامت میں بڑی معذرت کریں گے، معافی مانگیں گے، لیکن ان کا عذر قبول نہیں کیا جائے گا۔ کیوں کہ آخرت دار الجزاء ہے، دار العمل نہیں۔

رکوع (۲)

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا تُوْبُوْٓا اِلَى اللهِ تَوْبَةً نَّصُوْحًا ۭ

اس رکوع میں سب سے پہلے مسلمانوں کو اللہ کے حضور سچی توبہ کا حکم ہے جس کے

بدلے میں اللہ تعالیٰ نے سارے گناہ معاف کرنے کا وعدہ کیا ہے۔ پھر رسول اکرم ﷺ کو حکم ہے کہ وہ کفار و منافقین کے ساتھ جہاد کریں۔ اس کے بعد حضرت نوح اور حضرت لوط علیہما السلام کی بیویوں کا حکم ہے کہ وہ رسولوں کی بیوی ہونے کے باوجود ایمان کی دولت سے محروم رہیں، چناں چہ نبی کے ساتھ ازدواجی نسبت کی وجہ سے وہ جہنم سے بچ نہیں سکیں گی۔ اس کے بالمقابل فرعون کی بیوی حضرت آسیہ ہیں جو حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لائی تھیں اور دوسری خاتون حضرت عیسیٰ کی والدہ حضرت مریم بنت عمران ہیں جنہوں نے نہایت عفت و پاکدامنی کے ساتھ زندگی بسر کی۔ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں پر خصوصی فضل فرمایا۔

ت علی کرم اللہ وجہہ سے سوال کیا گیا کہ توبہ کیا ہے؟ تو آپ نے فرمایا جس میں
ہوں:

۱- اپنے گزشتہ برے عمل پر ندامت۔
۲- جو فرائض و واجبات اللہ تعالیٰ کے چھوٹے ہیں، ان کی قضا۔
۳- کسی کا مال وغیرہ ظلماً لیا تھا تو اس کی واپسی۔
۴- کسی کو ہاتھ یا زبان سے ستایا اور تکلیف پہنچائی تھی تو اس سے معافی۔
۵- آئندہ اس گناہ کے پاس نہ جانے کا پختہ عزم و ارادہ۔
۶- اور یہ کہ جس طرح اس نے اپنے نفس کو اللہ کی نافرمانی کرتے ہوئے دیکھا ہے، اب وہ اطاعت کرتے ہوئے دیکھ لے۔ (ملخص از معارف)



پارہ:(۲۹)

تعارف سورۂ ملک

یہاں سے قرآن کریم کے آخر تک زیادہ تر مکی سورتیں ہیں۔تقریباً ان سب سورتوں کا مرکزی موضوع اسلام کے بنیادی عقائد توحید، رسالت اور آخرت کا اثبات، جنت و دوزخ کے حالات اور اسلام کی تبلیغ کے لیے حضور نبی کریم (صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم) کو ہدایات اور تسلی دینا ہے۔

(توضیح القرآن، شیخ الاسلام حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہٗ)



سُوْرَةُ الْمُلْكِ مَكِّيَّة — اٰیاتھا ۳۰ — رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

تَبٰرَكَ الَّذِيْ بِيَدِهِ الْمُلْكُ ۡ وَهُوَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرُ ۙ ①

سورت کی ابتداء اللہ تعالیٰ کی حکومت و سلطنت اور بادشاہت کے ذکر سے کی گئی ہے،اس کے بعد موت وحیات کے فلسفے کو واضح کیا گیا ہے کہ یہ زندگی انسانوں کو جانچنے کے لیے دی گئی ہے، گویا دنیا ایک دارالامتحان ہے۔پھر آسمان وزمین اور اس کے درمیان کی بے نظیر اور بے عیب تخلیق کا ذکر ہے۔پھر جہنم کے عذاب کی ہولناکی کا ذکر کرتے ہوئے کفار کی حسرت وتمنا کا تذکرہ ہے کہ وہ دنیا میں اپنی ضد، ہٹ دھرمی اور عناد پر افسوس کا اس طرح اظہار کریں گے کہ کاش ہم نے دین اسلام کی دعوت پر غور وفکر کیا ہوتا تو آج جہنم کا ایندھن نہ بنتے۔ظاہر ہے کہ ان کا یہ اعترافِ معصیت انہیں کوئی فائدہ نہ دے گا۔

رکوع (۲)

هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ ؕ وَ اِلَیْهِ النُّشُوْرُ ﴿۱۵﴾

اس رکوع میں بیان کیا گیا ہے کہ جس زمین وآسمان سے تمہیں رزق میسر آتا ہے کہ زمین پر سفر کرتے ہو، آسمان سے پانی برستا ہے، یہ سب اللہ کا قائم کردہ نظام ہے، اگر یہی آسمان ٹوٹ کر تم پر گر پڑے، یا زمین تمہیں دھنسا دے تو یہی نعمت تمہارے لیے مصیبت اور آزمائش بن جائے گی۔ گویا کسی بھی چیز کو مفید یا مضر، اور نافع وضار بنانے کا اختیار اللہ کو ہے۔ گزشتہ اقوام نے اُسی خدا کا انکار کیا تو اللہ کے عذاب نے انہیں گرفت میں لے لیا، اگر تمہاری یہی روش رہی تو تمہارے ساتھ بھی یہ ہوسکتا ہے۔ اس کے بعد اللہ کے کچھ مزید انعامات ذکر کیے گئے ہیں اور کفار کا حال بیان کیا گیا ہے کہ یہ تو بس معلوم کرتے رہتے ہیں کہ قیامت کب آئے گی؟ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے واسطے سے جواب دیا گیا ہے کہ اس کا علم صرف اللہ کو ہے، البتہ جب وہ آئے گی تو کفار کے چہرے سیاہ ہو جائیں گے اور انہیں کوئی بچانے والا نہ ہوگا، اس لیے اس کے بارے میں سوال کرنا عقلمندی نہیں، بلکہ اس کی تیاری کرنا حکمت ودانش کا تقاضا ہے۔



تعارف سورۂ قلم

یہ سورت اُس وقت نازل ہوئی جب مکّہ میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی مخالفت میں کافی شدت آچکی تھی، اس میں بنیادی طور پر مخالفین کے اعتراضات، ان کو تنبیہ اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو صبر واستقامت کی تلقین کی گئی ہے۔

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر جنون ودیوانگی کا غیر معقول اعتراض کرنے والوں کو بتایا گیا کہ وہ تو اخلاق کے سب سے اعلیٰ مرتبے پر فائز ہیں، جب کہ ان کی مخالفت پر آمادہ افراد نہایت بداخلاق اور بدترین صفات کے حامل ہیں۔ پھر باغ والوں کا ایک واقعہ ذکر کرکے

کفار کو متنبہ کیا گیا ہے کہ عقل مندی اسی میں ہے کہ بے لوث و بے غرض، خیر خواہی اور اخلاص کے جذبے سے لبریز رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت پر غور و فکر کریں اور ایمان لائیں، ورنہ دنیا و آخرت کی تباہی یقینی ہے۔ اخیر میں حضرت یونس علیہ السلام کی ابتلاء و آزمائش کا تذکرہ کر کے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے۔

سورت کی ابتدا ہی میں قلم کا تذکرہ ہے جس سے سورت کا نام رکھا گیا ہے۔

آیاتہا ۵۲ — سُوْرَةُ الْقَلَمِ مَكِّيَّة — رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

نٓ وَ الْقَلَمِ وَ مَا يَسْطُرُوْنَ ﴿۱﴾ مَاۤ اَنْتَ بِنِعْمَةِ رَبِّكَ بِمَجْنُوْنٍ ﴿۲﴾

سورت کے آغاز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی شان ذکر کی گئی ہے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے بارے میں کفار کی جانب سے ہونے والے بے ہودہ اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے، اس کے بعد چند کفار کی مذموم صفات ذکر کی گئی ہیں کہ ان میں سے کچھ لوگ بات بات پر قسمیں کھاتے ہیں، بے وقعت اور بے وقار ہیں، طعنے دینے کے عادی ہیں، چغلیاں لگانا ان کا مشغلہ ہے، لوگوں کو اچھے کاموں سے روکتے ہیں، اور ہمہ وقت بد عملی و بد مزاجی میں لگے رہتے ہیں، اور اس کی سب سے بڑی وجہ مال و اولاد کی نعمت ہے جس پر انہیں فخر ہے۔ اس کے بعد ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ایک نہایت عمدہ باغ تھا، اس کے مالکان نے اگلے روز چپکے سے پھل توڑنے کا ارادہ کیا تاکہ فقراء و محتاج لوگوں کو اس کا علم نہ ہو اور انہیں صدقہ خیرات نہ کرنا پڑے، ان کے اس ارادے کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے باغ کو اجاڑ کر رکھ دیا، جس سے صدقہ و خیرات اور نیت کی درستگی کی اہمیت کا علم ہوتا ہے۔

رکوع (۲)

اِنَّ لِلْمُتَّقِيْنَ عِنْدَ رَبِّهِمْ جَنّٰتِ النَّعِيْمِ ﴿۳۴﴾

اَفَنَجْعَلُ الْمُسْلِمِيْنَ كَالْمُجْرِمِيْنَ ﴿۳۵﴾

اس رکوع میں اوّلاً اہل تقویٰ کے لیے جنّت کا وعدہ کیا گیا ہے، اس کے بعد کفار و مشرکین کو قیامت کی ہولناکی اور ان کے خودساختہ خداؤں کی بے بسی سے باخبر کیا گیا ہے، نیز کہا گیا ہے کہ عذاب کی تاخیر کو وہ عنداللہ مقبولیت نہ سمجھیں، بلکہ یہ انہیں ڈھیل دی جا رہی ہے، جس کے بعد سخت گرفت ہوگی۔ اخیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو صبر و حوصلے کی تلقین ہے، اسی ذیل میں حضرت یونس علیہ السلام کا بھی ذکر کیا گیا ہے۔



تعارف سورۃ الحاقہ

اس سورت کے پہلے رکوع میں قیامت کے ہولناک واقعات اور پھر وہاں کفار و فجار کی سزا اور مؤمنین و متقین کی جزا کا ذکر ہے۔ ذیل میں گزشتہ اقوام کی ہلاکت اور دردناک انجام کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ جب کہ دوسرے رکوع میں کفارِ مکہ کو خطاب کر کے تنبیہ کی گئی ہے کہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اللہ کے بندے اور رسول ہیں، ان پر شاعر یا کاہن ہونے کا الزام لگانا اور قرآن کریم کو شعر و کہانت سے تعبیر کرنا بالکل غلط اور خلافِ واقعہ ہے۔

سورت کے آغاز میں قیامت کے ایک نام ''الحاقہ'' کا تذکرہ ہے جس سے اس سورت کا نام ماخوذ ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْحَاۤقَّةُ ۝۱ مَا الْحَاۤقَّةُ ۝۲ وَمَاۤ اَدْرٰىكَ مَا الْحَاۤقَّةُ ۝۳

اس سورت میں قیامت کا تذکرہ ہے کہ اس کا ہونا بالکل یقینی ہے، اسی ذیل میں قوم ثمود اور قوم عاد کی ہلاکت کا ذکر ہے، جن پر سات راتوں اور آٹھ دنوں تک مسلسل سخت طوفان آیا اور وہ نیست و نابود ہوگئے، پھر قوم لوط اور قوم فرعون کا بھی ذکر ہے۔ اس کے بعد قیامت کی ہولناکی اور شدت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ آسمان پھٹ پڑے گا، سب کے سب

بارگاہِ الٰہی میں پیش ہوں گے، پھر نامہ اعمال کی تقسیم ہوگی، جن لوگوں کو نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ خوش نصیب ہوں گے اور انہیں جنّت نصیب ہوگی، ان کے بالمقابل جنہیں نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں ملے گا ان کے گلے میں طوق ڈال کر، زنجیر میں جکڑ کر جہنم میں جھونک دیا جائے گا۔

رکوع (۲)

فَلَآ اُقْسِمُ بِمَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۸﴾ وَمَا لَا تُبْصِرُوْنَ ﴿۳۹﴾

اس رکوع میں قرآن کریم کی حقانیت کا ذکر ہے کہ یہ کسی رسول یا فرشتے کا کلام نہیں ہے، نہ ہی یہ کسی شاعر اور کاہن کی کوشش کا نتیجہ ہے، بلکہ یہ تو رب العالمین کا اتارا ہوا کلام ہے جس میں اہل تقویٰ کے لیے نصیحت اور کفار کے لیے حسرت وافسوس کا سامان ہے۔



تعارف سورۃ المعارج

کفارِ مکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو یہ چیلنج کرتے تھے کہ اگر تم سچے ہو اور تمہیں جھٹلانے کے نتیجے میں ہم جہنم کے مستحق ہیں تو جس قیامت سے تم ہمیں ڈراتے ہو وہ قیامت ابھی لے آؤ۔ یہ چیلنج کسی تلاشِ حق کے لیے نہ تھا، بلکہ محض ضد، ہٹ دھرمی اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی تعلیمات کا مذاق اڑانے کے لیے تھا، چناں چہ یہ پوری سورت ان کے چیلنج کا جواب ہے کہ قیامت، جہنم اور اس کا عذاب کوئی مذاق اڑانے والی چیز نہیں اور نہ ہی کوئی ایسی مرغوب چیز ہے کہ اس کے لیے عجلت اور بے صبری کا مظاہرہ کیا جائے، وہ تو اُس عبرت ناک وقت کا نام ہے جب توبہ واستغفار اور ایمان لانے کے سارے دروازے بند ہو چکے ہوں گے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی کہ آپ ان کے بے ہودہ سوالات اور مطالبات پر توجہ نہ دیں، دعوت وتبلیغ کے اپنے مشن میں لگے رہیں۔

سورت کی تیسری ہی آیت میں ''المعارج'' (سیڑھیوں) کا تذکرہ ہے جس سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔

آیاتہا ۴۴	سُوْرَۃُ الْمَعَارِجِ مَکِّیَّۃ	رکوعاتہا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَاَلَ سَآىِٕلٌۢ بِعَذَابٍ وَّاقِعٍۙ ﴿۱﴾ لِّلْكٰفِرِيْنَ لَيْسَ لَهٗ دَافِعٌۙ ﴿۲﴾

سورت کا آغاز اس بات سے کیا گیا ہے کہ کفار قیامت کے عذاب کا مطالبہ کرتے ہیں کہ جس عذاب سے ہمیں ڈرایا جارہا ہے یہ آ کیوں نہیں جاتا؟ اس پر اوّلاً رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو تسلی دی گئی، پھر کہا گیا کہ یہ کفار قیامت کے وقوع کو ناممکن سمجھ رہے ہیں، حالاں کہ جب یہ وقت آئے گا تو پہاڑ روئی کی طرح اڑتے پھریں گے، کوئی کسی کا پرسانِ حال نہ ہوگا، گناہ گار شخص تو عذاب کے بدلے میں اپنی اولاد، بیوی، بھائی اور ساری جائیداد دینے کے لیے تیار ہوگا۔لیکن اس پر کوئی سمجھوتہ نہ ہوگا، سب جہنم میں ڈال دیے جائیں گے جس میں دہکتی ہوئی آگ ہوگی، جو کھال اتار کر رکھ دے گی۔اس کے بعد انسانی فطرت کو ذکر کیا گیا ہے کہ عام طور پر اس میں بے اعتدالی پائی جاتی ہے، چناں چہ تکلیف و مصیبت کے وقت فوراً گھبرا جاتا ہے، اور خوشحالی میسر آئے تو بخل سے کام لیتا ہے۔البتہ جو لوگ نماز کے پابند ہیں، زکوٰۃ وصدقات کا اہتمام کرتے ہیں، قیامت سے ڈرتے ہیں، بے حیائی اور برے کاموں سے بچتے ہیں، امانت ودیانت کا خیال رکھتے ہیں وہ ایسے نہیں، وہ تو جنتوں میں نہایت اعزاز واحترام کے ساتھ رہیں گے۔

رکوع (۲)

فَمَالِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا قِبَلَكَ مُهْطِعِيْنَۙ ﴿۳۶﴾

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب تلاوت فرماتے تو کچھ کفار دائیں اور بائیں جانب جمع ہو کر ان کا مذاق اڑاتے، یہاں انہیں کا تذکرہ ہے کہ انہیں ان کی بے ہودہ حرکتوں میں چھوڑ دیجیے، یہاں تک کہ قیامت کا وہ دن آجائے جس کا ان سے وعدہ کیا گیا ہے، جس دن قبروں سے نکل کر اپنے بتوں کی جانب دوڑیں گے، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوگا، ان کی نگاہیں جھکی

ہوں گی اور ان پر ذلت چھائی ہو گی۔ یہی ذلت و رسوائی اب ان کا مقدر ہو گی۔



تعارف سورۃ نوح

حضرت نوح علیہ السلام کی شبانہ روز دعوتی جدو جہد اور تبلیغی سرگرمیوں کے باوجود ان کی قوم کی سرکشی اور نافرمانی کو بیان کرتی یہ سورت حضرت ''نوح'' کی جانب منسوب ہے۔ حضرت نوح علیہ السلام اور ان کی قوم کا مختصر تعارف سورۃ الاعراف۔ صفحہ ۱۹۸ پر ملاحظہ فرمائیں۔

اس سورت میں ان کی قوم کی مسلسل سرکشی اور کفر و شرک، پھر حضرت نوح علیہ السلام کی بددعا کے نتیجے میں ان کی عبرت ناک ہلاکت و بربادی کے تذکرے کا مقصد کفارِ مکہ کو متنبہ کرنا ہے کہ اگر تم رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت و تبلیغ کی مخالفت کر کے قومِ نوح کے نقشِ قدم پر چل رہے ہو تو تمہیں اُن کی طرح عبرت انگیز ہلاکت کے لیے بھی تیار رہنا چاہیے۔

آیاتھا ۲۸	سُوْرَةُ نُوْحٍ مَكِّيَّة	رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَرْسَلْنَا نُوْحًا اِلٰى قَوْمِهٖٓ اَنْ اَنْذِرْ قَوْمَكَ مِنْ قَبْلِ اَنْ يَّاْتِيَهُمْ عَذَابٌ اَلِيْمٌ ①

سورت کے نام سے واضح ہے کہ اس میں حضرت نوح علیہ السلام کا تذکرہ ہے جنہوں نے اپنی قوم کو ایک طویل مدت تک دعوت و تبلیغ کی، انہیں مختلف انداز میں سمجھایا، اللہ تعالیٰ کی جانب سے مغفرت کا شوق دلایا، لیکن کوئی فائدہ نہ ہوگا، بالآخر انہوں نے اپنی قوم کے خلاف بددعا کی کہ میں مسلسل انہیں دعوت و تبلیغ کرتا رہا، لیکن یہ باز نہ آئے، میں نے ہر ممکن کوشش کر لی ہے، تیری صفت مغفرت کا بھی واسطہ دیا، تیرے انعامات بھی ذکر کیے، آسمان و زمین، چاند سورج، سبزہ و باغات، پہاڑوں میں راستے وغیرہ ساری نعمتیں یاد

دلائیں لیکن کوئی فائدہ نہ ہوا۔اسی بد دعا کا سلسلہ دوسرے رکوع میں بھی جاری ہے۔

رکوع (۲)

قَالَ نُوحٌ رَّبِّ إِنَّهُمْ عَصَوْنِي وَاتَّبَعُوا مَن لَّمْ يَزِدْهُ مَالُهُ وَوَلَدُهُ إِلَّا خَسَارًا ﴿٢١﴾

حضرت نوح نے کہا کہ قوم نہایت نافرمان وسرکش ہے، لہٰذا آپ انہیں تباہ وبرباد کردیں، ورنہ یہ اپنے کفر اور نافرمانی کا سلسلہ نسل در نسل جاری رکھیں گے۔ اخیر آیت میں اہل ایمان کے لیے دعائے مغفرت کی گئی ہے۔



تعارف سورۃ الجن

''جن'' مخلوقات الٰہیہ میں ایک ایسی مخلوق کا نام ہے جو ذِی اجسام بھی ہیں، ذی روح بھی اور انسان کی طرح عقل وشعور والے بھی، مگر لوگوں کی نظروں سے مخفی ہیں؛ اسی لیے ان کا نام ''جن'' رکھا گیا کہ جن کے لفظی معنی مخفی کے ہیں۔ ان کی تخلیق کا غالب مادّہ آگ ہے جیسے انسان کی تخلیق کا غالب مادّہ مٹی ہے۔ اس نوع میں بھی انسان کی طرح نر و مادہ یعنی مرد وعورت ہیں اور انسان ہی کی طرح ان میں توالد وتناسل کا سلسلہ بھی ہے۔ اور ظاہر یہ ہے کہ قرآن میں جن کو شیاطین کہا گیا ہے وہ بھی جنات ہی میں سے شریر لوگوں کا نام ہے۔ جنات اور فرشتوں کا وجود قرآن وسنت کے قطعی دلائل سے ثابت ہے جس کا انکار کفر ہے۔ (معارف)

اس سورت میں جنات سے متعلق کچھ واقعات ذکر کیے گئے ہیں، مثلاً جنات کا رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی قرآن کریم کی تلاوت سننا اور اپنی قوم کو جا کر اُس کی تبلیغ کرنا، نیز زمانۂ جاہلیت میں لوگوں کی عادت تھی کہ جب کسی جنگل یا وادی میں دورانِ سفر قیام کی نوبت آتی تو اس اعتقاد سے کہ جنات کے سردار ہماری حفاظت کریں گے، یہ الفاظ کہا کرتے تھے أَعُوْذُ بِعَزِيْزِ هٰذَا الْوَادِيْ مِنْ شَرِّ سُفَهَاءِ قَوْمِهٖ یعنی میں اس جنگل کے

سردار کی پناہ لیتا ہوں اس کی قوم کے بیوقوف شریر لوگوں سے۔اس طرح کے غلط عقائد کی تردید اس سورت کا بنیادی موضوع ہے۔

رکوعاتها ۲	سُوْرَةُ الْجِنِّ مَكِّيَّة	ایاتها ۲۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اُوْحِيَ اِلَيَّ اَنَّهُ اسْتَمَعَ نَفَرٌ مِّنَ الْجِنِّ فَقَالُوْٓا اِنَّا سَمِعْنَا قُرْاٰنًا عَجَبًا ①

اس سورت میں جنات کی ایک جماعت کا ذکر ہے جنہوں نے قرآن کریم کی تلاوت سنی اور اس کی تعلیمات سے بے حد متاثر ہوئے، حتی کہ ایمان لے آئے اور اپنی قوم میں جا کر دعوت وتبلیغ شروع کر دی۔زمانۂ جاہلیت میں جنات کے تعلق سے بعض غلط عقیدوں کی تردید بھی کی گئی ہے مثلاً جب کفار جنگل میں سفر کرتے تو جنات سے پناہ طلب کرتے۔نیز بتایا گیا ہے کہ جنات میں بھی دو طبقے ہیں، ایک نیک اور صالحین کا، جب کہ دوسرا شریر طبیعت والوں کا جو لوگوں کو پریشان کرتے ہیں۔اخیر رکوع میں ذکر کیا گیا ہے کہ سجدے کے لائق ذات صرف اللہ کی ہے۔

رکوع (۲)

قُلْ اِنَّمَآ اَدْعُوْا رَبِّيْ وَلَآ اُشْرِكُ بِهٖٓ اَحَدًا ⑳

اس رکوع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ان کے منصب اور ذمہ داری کا ذکر ہے کہ رسول کے ذمہ حق بات پہنچانا ہے، اس کے بعد بھلائی اور برائی یعنی ہدایت وضلالت تو اللہ کے ہاتھ میں ہے۔البتہ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کریں گے ان کے لیے ہمیشہ ہمیش جہنم کی آگ موجود ہے جسے دیکھ کر کفار کو اندازہ ہوگا کہ دنیا میں جس قوت وطاقت پر وہ اتراتے تھے وہ کتنی بے حیثیت تھی۔البتہ قیامت کا علم فقط اللہ کو ہے، وہی عالم الغیب ہے، اس میں سے اپنے رسول کو نبوت ورسالت کے لیے جتنے علم کی ضرورت ہوتی ہے اتنا عطا فرما دیتا ہے۔



تعارف سورۃ المزمل

سورۂ مزمل میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ حکم دیا گیا ہے کہ لوگوں کو کفروشرک کے دلدل سے نکالنے کے لیے دعوت وتبلیغ کی جو عظیم ذمہ داری آپ کو دی گئی ہے اُس کے لیے اپنے کو مکمل طور پر تیار کریں، نیز راتوں کو اٹھ کر تہجد کا اہتمام کریں، اپنے مشن کو آگے بڑھاتے رہیں اور اللہ تعالیٰ پر مکمل بھروسہ کریں۔ کفارِ مکہ کو حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ سنا کر متنبہ بھی کیا گیا ہے۔ تہجد، جہاد فی سبیل اللہ اور صدقہ وخیرات کی ترغیب پر سورت ختم کی گئی ہے۔

سورت کے آغاز میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے پیار سے ''مزمل'' کا خطاب دیا ہے، جس سے سورت کا نام ماخوذ ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰٓاَيُّهَا الْمُزَّمِّلُ ۙ﴿۱﴾ قُمِ الَّيْلَ اِلَّا قَلِيْلًا ۙ﴿۲﴾ نِّصْفَهٗٓ اَوِ انْقُصْ مِنْهُ قَلِيْلًا ۙ﴿۳﴾

اس سورت میں خطاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے کہ آپ پر دعوت وتبلیغ وغیرہ کی بہت سی ذمہ داریاں ہیں، پورا پورا دن اسی میں مشغول رہتے ہیں، اس لیے آپ کے لیے تھوڑا آرام ضروری ہے، پوری پوری رات تہجد کا اہتمام نہ کریں، بلکہ نصف شب یا اس سے کم، تہائی یا اس سے کچھ زیادہ۔ کفار کی بے ہودہ باتوں پر صبر کریں اور انہیں ان کے حال پر چھوڑ دیں، ان کے لیے ہم نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔ اس کے بعد اہل مکہ کو خطاب کیا گیا ہے کہ جس طرح ہم نے فرعون کی جانب حضرت موسیٰ علیہ السلام کو رسول بنا کر بھیجا تھا اسی طرح تمہارے پاس حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھیجا ہے، فرعون نے اپنے رسول کی نافرمانی کی تو عذابِ الٰہی نے اُسے گرفت میں لے لیا، اگر آج تم نافرمانی کرو گے تو عذاب تم پر بھی آئے گا، وقت رہتے ہوئے نصیحت حاصل کرلو اور کفروشرک سے باز آجاؤ۔

اہم مسائل

● قرآن کا صرف پڑھنا مطلوب نہیں بلکہ ترتیل مطلوب ہے جس میں ہر ہر کلمہ صاف صاف اور صحیح ادا ہو

● ترتیل میں تحسین صوت یعنی بقدرِ اختیار خوش آوازی سے پڑھنا بھی شامل ہے۔

● تہجد سے متعلق مسائل سورۃ الاسراء، صفحہ ۲۹۶ پر ملاحظہ فرمائیں۔

رکوع (۲)

اِنَّ رَبَّكَ يَعْلَمُ اَنَّكَ تَقُوْمُ اَدْنٰى مِنْ ثُلُثَيِ الَّيْلِ وَنِصْفَهٗ وَثُلُثَهٗ وَطَآئِفَةٌ مِّنَ الَّذِيْنَ مَعَكَ[1]

گزشتہ رکوع میں جس طرح رسول اکرم ﷺ کو تہجد میں تخفیف کی ہدایت کی گئی تھی یہاں حضرات صحابہ کرام کو یہی حکم دیا گیا ہے کہ قیام لیل میں کچھ تخفیف کریں، عبادت کے ساتھ آرام بھی ضروری ہے، تہجد میں جتنی سہولت ہو قرآن کریم پڑھیں، زیادہ تلاوت کو اپنے لیے لازم نہ کریں، جو لوگ بیمار ہیں یا جہاد میں مشغول رہتے ہیں انہیں اس رعایت سے فائدہ اٹھانا چاہیے۔ اخیر میں نماز زکوٰۃ کی ادائیگی اور صدقہ وخیرات کا حکم دینے کے بعد اللہ تعالیٰ سے استغفار کا حکم وارد ہے۔



تعارف سورۃ المدثر

رسول اکرم ﷺ پر وحی کا آغاز ہونے کے بعد ایک مدّت تک یہ سلسلہ بند رہا جسے فترتِ وحی کا زمانہ کہا جاتا ہے۔ دوبارہ وحی کا سلسلہ اسی سورت سے شروع ہوا تھا، جس میں رسول اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا کہ وہ کفار و مشرکین کو آخرت کے سخت عذاب سے ڈرائیں، بتوں کی پرستش کے ماحول میں اللہ کی کبریائی بیان کریں، اس دعوت میں پیش آمدہ مصائب پر صبر سے کام لیں۔ ابتدائی آیات میں انہیں باتوں کا حکم دیا گیا ہے۔ رسول اکرم ﷺ نے ان پر عمل شروع کیا، اسی دوران حج کا موقع آ گیا تو آپ ﷺ کو دعوت و تبلیغ

کے لیے ایک بڑا مجمع میسر آ گیا، کفار نے توحید کی اس دعوت کے خلاف پروپیگنڈے کیے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کے تعلق سے بے بنیاد الزامات لگائے، جس کا الٹا اثر ہوا کہ لوگوں میں دین اسلام کے تعلق سے جستجو کا جذبہ پیدا ہو گیا۔ ان کفار کے انجام بد، جہنم کے سخت عذاب اور ان کے حسرت وافسوس کا ذکر ہے جنہوں نے دین کا مذاق اڑایا، اس کے احکامات پر استہزاء کے ساتھ تبصرے کیے۔

اخیر میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے یہ اعلان ہے کہ ماضی کے گناہوں کا اعتبار نہیں، اگر کوئی شخص کفر و شرک سے توبہ کر کے تقویٰ کے ساتھ زندگی گزارے گا تو اللہ تعالیٰ معصیت سے لبریز اُس کی گزشتہ زندگی کو معاف فرمائیں گے۔

سُوْرَةُ الْمُدَّثِّرِ مَكِّيَّةٌ

آیاتها ۵۶ — رکوعاتها ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

يٰۤاَيُّهَا الْمُدَّثِّرُ ۙ﴿۱﴾ قُمْ فَاَنْذِرْ ۪ۙ﴿۲﴾ وَرَبَّكَ فَكَبِّرْ ۪ۙ﴿۳﴾

اس سورت میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو مخاطب بنا کر چند ہدایات دی گئی ہیں کہ لوگوں کو عذابِ الٰہی سے ڈرائیں، صفائی ستھرائی کا خیال رکھیں، صرف اللہ کی رضا کی خاطر احسان کا معاملہ کریں، اپنے رب کے احکامات پر جمے رہیں۔ اس کے بعد قیامت کی سختیوں کا تذکرہ ہے کہ وہ دن کفار کے لیے بڑا دشوار ہوگا، جس مال و دولت، آل و اولاد پر کبر کی وجہ سے وہ کفر و شرک میں مبتلا رہے قیامت میں کوئی کام نہ آئے گا۔ قرآن کریم کے مخالفین کی سرگرمیوں کا بھی کچھ تذکرہ کیا گیا ہے۔ رکوع کے آخر میں جہنم کی ہولناکی، عذاب کے فرشتوں، مومنین کے اطمینان و سکون وغیرہ کا ذکر ہے۔

رکوع (۲)

كَلَّا وَالْقَمَرِ ۙ﴿۳۲﴾ وَالَّيْلِ اِذْ اَدْبَرَ ۙ﴿۳۳﴾ وَالصُّبْحِ اِذَاۤ اَسْفَرَ ۙ﴿۳۴﴾

اس رکوع میں کچھ قسمیں کھا کر جہنم کا ذکر ہے، ساتھ میں ایک مختصر مکالمے کا بھی تذکرہ

ہے کہ اہل جہنم سے پوچھا جائے گا کہ تمہیں جہنم میں کون سا عمل لایا؟ تو وہ کہیں گے کہ ہم نماز نہیں پڑھتے تھے، فقراء ومساکین پر صدقہ خیرات نہیں کرتے تھے، قیامت کو جھٹلاتے تھے اور اسی حالت میں ہمیں موت آ گئی۔ چناں چہ اب کسی کی سفارش ان کے کام نہ آئے گی۔ اب بھی وقت ہے کہ کفر وشرک سے باز آ جائیں، یہ قرآن کریم ان کے لیے ایک نصیحت ہے۔



تعارف سورۃ القیامہ

اس سورت کی پہلی آیت میں لفظ ''قیامۃ'' وارد ہے، اور قیامت ہی اس سورت کا مرکزی مضمون بھی ہے۔ کفارِ مکہ کو سب سے زیادہ تعجب بعث بعد الموت یعنی مرنے کے بعد والی زندگی پر ہی تھا، اس سورت میں اُس کے اثبات پر زور دیا گیا ہے، اور قیامت کے ہولناک مناظر کو ذکر کیا گیا ہے، نیز کفار کے اعتراض کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے کہ جو عظیم اور قادر مطلق ذات ''منی'' جیسی بے حیثیت چیز سے انسان کو مختلف مراحل سے گزار کر وجود بخش سکتی ہے، پھر اُسے مذکر ومؤنث کی جنس میں ڈھال سکتی ہے اُس کے لیے مردے کو دوبارہ پیدا کرنا کیسے مشکل ہو سکتا ہے!



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَآ اُقْسِمُ بِيَوْمِ الْقِيٰمَةِ ۝١ وَلَآ اُقْسِمُ بِالنَّفْسِ اللَّوَّامَةِ ۝٢

جیسا کہ سورت کے نام سے ظاہر ہے کہ اس میں قیامت کا ذکر ہے، کفار یہ سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کی بوسیدہ اور منتشر ہڈیوں میں دوبارہ جان نہیں ڈال سکتے، حالاں کہ اللہ تعالیٰ ان کے ہر ہر عضو کو دوبارہ بنا دیں گے، حتیٰ کہ انگلیوں کے پوروے یعنی فنگر پرنٹ بھی دنیوی زندگی جیسے ہی ہو جائیں گے۔ پھر قیامت کی ہولناکی کا ذکر ہے کہ جب آنکھیں چندھیا جائیں گی، چاند بے نور ہو جائے گا، چاند اور سورج اکٹھے کر دیے جائیں گے تو کفار بھاگنے کی جگہ

تلاش کریں گے، لیکن اُس دن انہیں کوئی ٹھکانہ نہ ملے گا، انہیں اپنے ہر اگلے پچھلے عمل کا حساب دینا ہوگا۔ قیامت میں کچھ چہرے نہایت خوش خرم ہوں گے، یہ اہل ایمان پر اللہ کا کرم ہوگا۔ جب کہ کچھ چہرے نہایت بری حالت میں ہوں گے، یہ کفر وشرک کی سزا ہوگی۔

نفسِ امّارہ، لوّامہ، مطمئنہ

● نفس اپنی فطرت کے اعتبار سے امّارۃ بالسّوء ہوتا ہے یعنی انسان کو برے کاموں کی طرف بلانے اور اس میں مبتلا کرنے کا داعی ہوتا ہے، مگر ایمان اور عملِ صالح اور ریاضت ومجاہدہ سے یہ نفس لوّامہ بن جاتا ہے کہ بُرائی اور کوتاہی پر نادم ہونے لگتا ہے، مگر برائی سے مکمل طور پر جدا نہیں ہوتا۔ آگے عملِ صالح میں ترقی اور قربِ حق تعالیٰ کے حصول میں کوشش کرتے کرتے جب اس کا یہ حال ہو جائے کہ شریعت اس کی طبیعت بن جائے، اور خلاف شرع کام سے طبعی نفرت بھی ہونے لگے تو اس نفس کا لقب مطمئنہ ہو جاتا ہے۔
(ملخص از معارف)

رکوع (۲)

فَلَا صَدَّقَ وَلَا صَلّٰى ﴿۳۱﴾ وَلٰكِنْ كَذَّبَ وَتَوَلّٰى ﴿۳۲﴾

اس رکوع میں کفار کو غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ کیا یہ حقیقت نہیں کہ اس کی تخلیق ایک قطرے سے ہوئی ہے، پھر وہ گوشت کا لوتھڑا بنا، پھر اُس کو ایک شکل وصورت عطا کی گئی، اس کے ہر ہر جوڑ کو درست اور معتدل انداز میں بنایا گیا، پھر کچھ مرد ہوئے اور کچھ عورتیں، تو جو ذات اتنے مراحل میں نہایت عمدہ انداز میں تخلیق کر سکتی ہے وہ اس پر قادر نہیں کہ مرنے کے بعد دوبارہ زندہ کر دے؟ یقیناً قادر ہے!!



تعارف سورۃ الدہر

اس سورت کا موضوع انسان کو غور وفکر کی دعوت دینا ہے، اُسے متنبہ کرنا ہے کہ اگر وہ اللہ کے بتائے ہوئے راستے پر شکر کرتا ہوا چلے گا تو اُس کے لیے کامیابی ہے، جنت کی

انمول اور بے نظیر نعمتیں ہیں، جب کہ اس سے ہٹ کر ضد اور عناد کی وجہ سے کفر و سرکشی کی راہ دائمی نقصان کا سبب ہے۔ دوسرے رکوع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر رفتہ رفتہ قرآن کریم کے نزول، ان کے فریضۂ تبلیغ پر عزم و صبر کی تلقین اور بہ کثرت ذکر الٰہی کی ترغیب ہے۔

اس سورت کا دوسرا نام سورۃ الانسان ہے، یہ دونوں الفاظ اس سورت میں وارد ہوئے ہیں۔

رکوعاتہا ۲	سُوْرَۃُ الدَّھْرِ مَکِّیَّۃ	آیاتہا ۳۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَلْ اَتٰى عَلَى الْاِنْسَانِ حِیْنٌ مِّنَ الدَّهْرِ لَمْ یَكُنْ شَیْــٴًـا مَّذْكُوْرًا ①

سورت کا آغاز انسانی تخلیق کے اُسی تذکرے سے ہوا ہے جو ابھی ابھی سورۂ قیامہ کے اخیر میں بیان ہوا ہے۔ پھر بتایا کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کے اندر غور و فکر کی صلاحیت رکھی، ہدایت و ضلالت میں امتیاز کا ملکہ عطا کیا، اب وہ یا تو ہدایت منتخب کر کے اللہ کا شکر گزار بندہ بنتا ہے یا پھر راہِ ضلالت پر چل کر اُس کی ناشکری کرتا ہے۔ دونوں کو اُسی انتخاب کے اعتبار سے جزا و سزا دی جائے گی۔ مومنین کی صفات ذکر کی گئی ہیں کہ یہ لوگ وعدہ پورا کرتے ہیں، قیامت سے ڈرتے ہیں، غریب و مسکین کا خیال رکھتے ہیں، اللہ کی رضا کے طلب گار ہوتے ہیں، تو اس کا بدلہ اللہ تعالیٰ جنّت کی شاندار انعامات کی شکل میں عنایت فرمائیں گے کہ شاندار ریشمی لباس ہوگا، بیٹھنے کے لیے عمدہ مسہریاں ہوں گی، موسم نہایت سہانا ہوگا، سامنے پھلوں کے خوشے لٹکتے ہوں گے، چاندی کے برتنوں میں ضیافت ہوگی، نہایت خوش ذائقہ مشروبات کا نظم ہوگا، ہمہ وقت خدام موجود ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ایمان و عمل صالح کی بنیاد پر یہ فضل فرمائیں گے۔

رکوع (۲)

اِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا عَلَیْكَ الْقُرْاٰنَ تَنْزِیْلًا ۚ ㉓

اس رکوع میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ اپنے رب کے حکم پر جمے رہیں، اور جس طرح اب تک کفار کی اطاعت نہیں کی آئندہ بھی نہ کریں، صبح وشام اپنے رب کی تسبیح کرتے رہیں، رات میں تہجد کا اہتمام کریں۔ اس کے بعد کفار کی فطرت ذکر کی گئی ہے کہ انہوں نے دنیا پرستی اور مال ودولت کے حرص میں آخرت کو بھلا رکھا ہے، حالاں کہ انہیں اپنے خالق ومالک کا حکم ماننا چاہیے کہ یہی قرآن کریم کی نصیحت ہے، اب جو اسے قبول کرلے تو اللہ تعالیٰ اس پر اپنا خصوصی فضل فرمائیں گے، اور جو نہ مانے تو ایسے ظالم کے لیے اللہ نے دردناک عذاب تیار کر رکھا ہے۔



تعارف سورۃ المرسلات

اس مکی سورت کا مرکزی موضوع قیامت اور آخرت کا اثبات ہے جس کے لیے ابتدا میں کچھ قسمیں کھا کر اپنے دعوے کو مضبوطی کے ساتھ پیش کیا گیا ہے، نیز قیامت کو جھٹلانے والوں کے لیے مختلف پیرایوں میں سخت عذاب کی دھمکی دی گئی ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْمُرْسَلٰتِ عُرْفًا ۝۱ فَالْعٰصِفٰتِ عَصْفًا ۝۲ وَّالنّٰشِرٰتِ نَشْرًا ۝۳

سورت کے آغاز میں طرح طرح کی ہواؤں کی قسم کھا کر بتایا گیا ہے کہ قیامت ضرور بالضرور آئے گی، اُس دن ستارے بجھ جائیں گے، آسمان پھٹ پڑے گا، پہاڑ ریزہ ریزہ ہو جائیں گے، انبیاء ورسل سے گواہی لی جائے گی، اُس دن دین حق کو جھٹلانے والوں کے لیے بڑی ہلاکت ہوگی۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کا ذکر کیا گیا ہے کہ ہم نے انسان کو حقیر پانی سے پیدا کیا، پھر اُسے ایک محفوظ مقام پر یعنی ماں کے پیٹ میں وقت مقرر تک رکھا، ہم ہی نے زمین بنائی، اُس میں اونچے اونچے پہاڑ بنائے، میٹھا پانی برسایا۔

اب جو اتنی نعمتوں کا انکار کرے ظاہر ہے کہ اُس کے لیے ہلاکت ہی ہلاکت ہے۔

رکوع (۲)

اِنَّ الْمُتَّقِيْنَ فِيْ ظِلٰلٍ وَّ عُيُوْنٍ ﴿۴۱﴾ وَّ فَوَاكِهَ مِمَّا يَشْتَهُوْنَ ﴿۴۲﴾

آخری رکوع میں اہل تقویٰ کے اچھے انجام کا تذکرہ ہے کہ یہ سایوں اور چشموں کے درمیان ہوں گے، من پسند میوے انہیں میسر ہوں گے، اور یہ ساری نعمتیں ان کے نیک اعمال کی وجہ سے ملیں گی۔ اس کے بالمقابل جو بارگاہِ الٰہی میں سجدہ کو ٹھکرانے والے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کو جھٹلانے والے لوگ ہیں ان کے لیے عذاب ہی عذاب ہے۔



پارہ: (۳۰)

تعارف سورۃ النبا

"النبأ" کے معنی اہم خبر کے ہیں، یہاں اس سے مراد قیامت ہے، اس مکی سورت میں قیامت کے امکان و اثبات اور اس سے متعلق احوال کا ذکر ہے، اس سورت میں اوّلاً قدرت کی نشانیوں کا ذکر ہے اس کے بعد متقین پر ہونے والے انعامات اور کفار پر ہونے والے عذاب کی ہولناکی کا تذکرہ ہے۔



ایاتھا ۴۰ — سُوْرَةُ النَّبَاِ مَكِّيَّة — رکوعاتھا ۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَمَّ يَتَسَآءَلُوْنَ ① عَنِ النَّبَاِ الْعَظِيْمِ ② الَّذِيْ هُمْ فِيْهِ مُخْتَلِفُوْنَ ③

سورت کے آغاز میں کفار کو تنبیہ ہے کہ جس قیامت کے بارے میں تمہیں شک ہے وہ ضرور واقع ہوگی اور اس وقت تمہیں اپنا برا انجام معلوم ہوگا۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے کائنات میں پھیلی ہوئی اپنی نشانیاں اور عظیم الشان مخلوقات مثلاً چوڑی چکلی زمین، بلند و بالا آسمان، اونچے پہاڑ، رات و دن کا شاندار نظام، دہکتے سورج، بادلوں سے برستے پانی وغیرہ کا ذکر کر کے کفار کو غور و فکر کی دعوت دی ہے کہ جو ذات اتنی بڑی مخلوقات کو پیدا کرسکتی ہے کیا وہ انسان کو مرنے کے بعد دوبارہ پیدا نہیں کرسکتی۔ اگر اب بھی ایمان لے آئیں تو بہتر، ورنہ جہنم ان کے گھات میں بیٹھی ہے جہاں انہیں سخت عذاب کا سامنا ہوگا، جہاں پینے کے لیے کھولتا ہوا پانی، بہتا ہوا پیپ ملے گا، اور یاد رکھیں کہ اللہ تعالیٰ کے پاس ہر عمل کا ریکارڈ موجود ہے۔

رکوع (۲)

اِنَّ لِلْمُتَّقِیْنَ مَفَازًا ﴿۳۱﴾ حَدَآئِقَ وَ اَعْنَابًا ﴿۳۲﴾

کفار کے مقابلے میں اہل تقویٰ کو حقیقی کامیابی میسر ہوگی، جنّت کی نعمتوں سے محظوظ ہوں گے، مثلاً گھنے باغات، میوہ جات، ہم عمر خوب صورت حوریں، چھلکتے ہوئے پیمانے وغیرہ۔ اور یہ سب ان کے اعمالِ حسنہ کا بدلہ ہوگا۔ اس کے بعد قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ اُس دن تمام فرشتے صف باندھے اللہ کے سامنے کھڑے ہوں گے اور کسی کو بھی بغیر اُس کی اجازت کے سفارش کی ہمت نہ ہوگی۔ آخری آیت میں آخرت میں کفار کی قلبی تمنا ذکر کی گئی ہے کہ وہ عذاب کی شدت دیکھ کر تمنا کریں گے کہ کاش ہم مٹی ہوتے اور آج مٹی میں مل جاتے، تو اس سخت حساب کتاب اور عذاب سے دوچار نہ ہوتے۔ ظاہر ہے کہ اُن کی اس تمنا کا کوئی فائدہ نہ ہوگا۔



تعارف سورۃ النازعات

سورۃ النبا کی طرح اس کا موضوع بھی قیامت کا وقوع اور اس کے حالات ہیں، مرنے کے بعد والی ابدی زندگی کو ثابت کیا گیا ہے، درمیان میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا واقعہ بھی مذکور ہے۔



بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالنّٰزِعٰتِ غَرْقًا ﴿۱﴾ وَّ النّٰشِطٰتِ نَشْطًا ﴿۲﴾ وَّ السّٰبِحٰتِ سَبْحًا ﴿۳﴾

سورت کے آغاز میں مختلف اوصاف والے فرشتوں کی قسم کھا کر قیامت کے یقینی ہونے کو بیان کیا گیا ہے، کہ اُس دن دل لرز رہے ہوں گے، نگاہیں جھکی ہوں گی، کفار حسرت

کریں گے کاش ہمیں پچھلی حالت میں لوٹا دیا جاتا، یعنی ہم پھر سے مٹی میں مل جاتے۔ پھر سب ایک کھلے میدان میں جمع ہو کر اپنے اعمال کا حساب دیں گے۔ اس کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام اور فرعون کا مختصر تذکرہ ہے، فرعون کی سرکشی اور خود کے رب ہونے کا دعویٰ، پھر اس کی پاداش میں اُس کی ہلاکت کو بعد والوں کے لیے عبرت کا سامان قرار دیا گیا ہے۔

رکوع (۲)

ءَاَنْتُمْ اَشَدُّ خَلْقًا اَمِ السَّمَآءُ ۚ بَنٰىهَا ﴿۲۷﴾ رَفَعَ سَمْكَهَا فَسَوّٰىهَا ﴿۲۸﴾

قیامت اور موت کے بعد والی زندگی کے منکرین کو اللہ تعالیٰ نے اس طرح متنبہ کیا ہے کہ کیا آسمان کو پیدا کرنا، اُس سے دن رات کا نظام قائم کرنا زیادہ مشکل ہے یا انسان کی تخلیق، زمین کو بچھانا اور اس سے حیوانات کے لیے سبزہ نکالنا زیادہ مشکل ہے یا انسان کو پیدا کرنا، کفار کو غور کرنا چاہیے۔ ورنہ جس وقت قیامت کا بھونچال آئے گا دنیا کی یہ سرکشی انسان کے لیے حسرت کا سامان بن جائے گی، وہاں تو دو ہی طبقے ہوں گے، کفار کا ٹھکانہ جہنم ہوگا، جب کہ مومنین جنّت میں رہیں گے، لہٰذا اب بھی وقت ہے کہ قیامت کے بارے میں احمقانہ سوالات کرنے کے بجائے اس پر ایمان لا کر اپنی آخرت والی ابدی زندگی کی تیاری کرنی چاہیے۔



تعارف سورۃ عبس

گزشتہ سورتوں کی طرح اس کا مرکزی موضوع بھی قیامت کے احوال بیان کرنا ہے، مومنین و کفار کے مختلف حالات کا ذکر ہے، البتہ سورت کا نزول ایک خاص واقعہ کے پس منظر میں ہوا ہے جس کو آپ خلاصہ سورت میں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

رکوعھا ۱	سُوْرَةُ عَبَسَ مَكِّيَّة	اٰیاتھا ۴۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

عَبَسَ وَتَوَلّٰىٓ ﴿۱﴾ اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى ﴿۲﴾

اس سورت کی ابتدا کا ایک خاص پس منظر ہے کہ ایک نابینا صحابی حضرت عبداللہ ابن ام مکتومؓ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کے پاس حاضر ہوئے، اُس وقت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم سرداران مکہ سے گفتگو کر رہے تھے، انہوں نے صحابی کی بات کو نظر انداز کر کے کفارِ مکہ سے بات کرنے کو اس لیے ترجیح دی کہ صحابی سے تو بعد میں بھی گفتگو ہو سکتی ہے، کفار کو دعوت و تبلیغ کا یہ موقع جلدی میسر نہیں آتا۔ یہ بات اللہ تعالیٰ کو پسند نہ آئی اور سورت کے آغاز میں حضور اکرم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کو متنبہ کیا گیا کہ آپ ان کفار کو اُن لوگوں پر ترجیح نہ دیں جن کے دل میں اللہ تعالیٰ کا ایمان اور خوف ہے۔ اس کے بعد قرآن کریم کی عظمتِ شان کا ذکر ہے۔ پھر انسان کو اس کے تخلیقی مراحل میں اور کائنات میں پھیلی بہت سی چیزوں میں غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے۔ اخیر میں قیامت کی ہولناکی کا ذکر ہے کہ اُس دن کوئی کسی کے کام نہ آئے گا، سگے رشتے دار بھی ایک دوسرے سے بھاگیں گے کہ کہیں یہ ہماری نیکیاں ہم سے نہ مانگ لیں، اُس دن کچھ چہرے تو اللہ کے فضل و کرم سے ہشاش بشاش، خوش و خرم اور پُر نور ہوں گے۔ جب کہ کفار اور بدکار کے چہرے سیاہ ہوں گے، اُن پر خاک پڑی ہوگی۔



تعارف سورۃ التکویر و سورۃ الانفطار

ان دونوں سورتوں کا موضوع قیامت ہے، اس کے احوال کی بہت عمدہ منظر کشی ان دونوں سورتوں میں کی گئی ہے، جس سے کفار کو ایمان لانے کی دعوت مقصود ہے، نیز ایمان قبول نہ کرنے کی صورت میں ہونے والے ابدی نقصان پر تنبیہ بھی۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا الشَّمْسُ كُوِّرَتْ ۝۱ وَاِذَا النُّجُوْمُ انْكَدَرَتْ ۝۲ وَاِذَا الْجِبَالُ سُيِّرَتْ ۝۳

اس سورت میں قیامت کی بہت عمدہ انداز میں منظر کشی کی گئی ہے کہ اُس دن سورج

بے نور ہو جائے گا، ستارے جھڑ جائیں گے، پہاڑ روئی کے گالوں کی طرح اڑتے پھریں گے، قیمتی سے قیمتی سامان کی کوئی پرواہ نہ ہوگی،، دوزخ بھڑک رہی ہوگی اور جنّت قریب کر دی جائے گی، تب ہر انسان کو معلوم ہو جائے گا کہ اب اس کا کیا انجام ہوگا، اُسے جنّت میں جانا ہے یا جہنم کا ایندھن بننا ہے۔ اس کے بعد قرآن کریم کی عظمت بیان کی گئی ہے کہ یہ کسی فرشتے کا اپنا کلام نہیں، بلکہ اسے حضرت جبریل امیں جیسے معزز، طاقتور اور قابل احترام فرشتے اللہ کے پاس سے لے کر آتے ہیں۔ اس کے بعد کفار کی جانب سے رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں لگائے گئے کچھ بے ہودہ الزامات کی نفی ہے۔ اخیر میں بتایا گیا ہے کہ مشیتِ الٰہی ہر تدبیر پر غالب رہتی ہے۔

اہم مسائل

● بچوں کو زندہ دفن کر دینا یا قتل کر دینا سخت گناہ کبیرہ اور ظلم عظیم ہے، اور چار ماہ کے بعد کسی حمل کو گرانا بھی اسی حکم میں ہے، کیوں کہ چوتھے مہینے میں حمل میں روح پڑ جاتی ہے اور وہ زندہ انسان کے حکم میں ہوتا ہے۔

● چار ماہ سے پہلے اسقاطِ حمل بھی بدون اضطراری حالات کے حرام ہے، مگر پہلی صورت کی نسبت کم ہے، کیوں کہ اس میں کسی زندہ انسان کا قتلِ صریح نہیں ہے۔

● کوئی ایسی صورت اختیار کرنا جس سے حمل قرار نہ پائے، جیسے آج کل دنیا میں ضبطِ تولید کے نام سے اس کی سینکڑوں صورتیں رائج ہو گئی ہیں، اس کو بھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے وأدِ خفی فرمایا ہے، یعنی خفیہ طور سے بچہ کو زندہ درگور کر دینا۔

● بعض دوسری روایات میں جو عَزل یعنی ایسی تدبیر کرنا کہ نطفہ رحم میں نہ جائے، اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے سکوت یا عدم ممانعت منقول ہے، وہ ضرورت کے مواقع کے ساتھ مخصوص ہے، وہ بھی اس طرح کہ ہمیشہ کے لیے قطعِ نسل کی صورت نہ بنے۔

● آج کل ضبطِ تولید کے نام سے جو دوائیں یا معالجات کیے جاتے ہیں ان میں بعض ایسے بھی ہیں کہ ہمیشہ کے لیے سلسلہ نسل و اولاد کا منقطع ہو جائے، اس کی کسی حال

اجازت شرعاً نہیں ہے۔



آیاتها ۱۹ — سُوْرَةُ الْاِنْفِطَارِ مَكِّيَّة — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْفَطَرَتْ ۙ﴿۱﴾ وَ اِذَا الْكَوَاكِبُ انْتَثَرَتْ ۙ﴿۲﴾ وَ اِذَا الْبِحَارُ فُجِّرَتْ ۙ﴿۳﴾

سورت کا آغاز تو قیامت کی منظر کشی سے ہی کیا گیا ہے جس کی کچھ تفصیل سورۂ تکویر میں گزر چکی، پھر انسان کو جھنجھوڑا گیا ہے کہ ربّ کریم کے معاملے میں دھوکے میں مبتلا نہ ہو، وہی ربّ کریم جس نے تجھے پیدا کیا، تیرے اندر اعتدال پیدا کیا اور ایک صورت عطا فرمائی۔ اس کے بعد کفار کو خطاب ہے کہ تم قیامت کو جھٹلاتے ہو، حالاں کہ تمہاری مسلسل نگرانی ہو رہی ہے، فرشتے تمہارا ہر عمل لکھ رہے ہیں، اور اسی کے مطابق قیامت کے دن نیکی کرنے والے جنت میں، جب کہ بدکار لوگ جہنم میں ہوں گے۔ اُس دن اللہ ہی کا حکم چلے گا۔



تعارف سورۃ التطفیف

تطفیف کے معنی ناپ تول میں کمی کرنے کے ہیں، اس سورت میں چار اہم مضامین ذکر کیے گئے ہیں۔ (۱) ناپ تول میں کمی کرنے والوں کے لیے وعید (۲) بدکاروں کے ابدی ٹھکانے جہنم کا تذکرہ (۳) نیکوکاروں کی دائمی راحت گاہ جنّت کا ذکر اور (۴) دنیا میں مسلمانوں کا مذاق اڑانے والوں کے لیے آخرت کی حسرت ناک مایوسی کا بیان۔

آیاتها ۳۶ — سُوْرَةُ الْمُطَفِّفِيْنَ مَكِّيَّة — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّلْمُطَفِّفِيْنَ ۙ﴿۱﴾ الَّذِيْنَ اِذَا اكْتَالُوْا عَلَى النَّاسِ يَسْتَوْفُوْنَ ۖ﴿۲﴾

سورت کے آغاز میں اُن لوگوں کا ذکر ہے جو ناپ تول میں کمی کرتے تھے، اپنا حق پورا وصول کرتے اور دوسروں کا حق ادا کرنے سے بچتے، ایسے لوگوں کے لیے سخت وعید وارد ہے کہ کیا ان لوگوں کو قیامت کا خوف نہیں، جس دن سب کو اللہ کے سامنے حساب دینا ہے، جہاں نیک اور بد سب کے اعمال نامے موجود ہوں گے اور اسی کے مطابق جنّت یا جہنم کا فیصلہ ہوگا۔ اس کے بعد منکرین قیامت کے لیے بھی عذاب کی وعید ہے جو آیاتِ الٰہی کا بھی مذاق اڑاتے ہیں، انہیں حرکتوں کی وجہ سے ان کے دلوں پر زنگ لگ چکا ہے کہ انھیں حق اور باطل کی تمیز ہی نہ رہی۔ اُس کے بعد جنّت کے انعامات اور جہنم کے عذاب کا ذکر ہے۔ اخیر میں اُن کفار کا ذکر ہے جو اہل ایمان کا مذاق اڑاتے تھے، ان پر طنز کرتے، بھدے اشارے کرتے، قیامت کے دن معاملہ الٹا ہو جائے گا، اُس دن اہل ایمان کفار پر ہنسیں گے اور کفار کو ان کی ہر کرتوت کا بدلہ مل جائے گا۔



تعارف سورۃ الانشقاق

انشقاق کے معنی پھٹنے کے ہیں۔ اس سورت میں بھی چار مضامین ہیں (۱) انسان کے تمام اچھے برے اعمال قیامت میں اس کے سامنے ہوں گے (۲) اللہ نے انسان کی زندگی پُر مشقت بنائی ہے (۳) انسان کی موجودہ حالت آخری حالت نہیں، بلکہ اس کو آگے مرحلہ بمرحلہ ترقی کرنی ہے، پہلا مرحلہ قبر کی زندگی کا ہے جب کہ دوسرا مرحلہ قیامت کی زندگی کا ہے (۴) کفار کو زجر و توبیخ، دردناک عذاب کی تنبیہ اور مومنین کے لیے دائمی راحت کی خوشخبری۔



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِذَا السَّمَآءُ انْشَقَّتْ ۝۱ وَ اَذِنَتْ لِرَبِّهَا وَ حُقَّتْ ۝۲

سورت کی ابتدا میں قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ انسان کو اپنے ہر عمل کا حساب دینا ہوگا، چناں چہ جنھیں نامہ اعمال دائیں ہاتھ میں ملے گا ان کا حساب ہلکا پھلکا ہوگا اور انہیں ابدی مسرّت نصیب ہوگی، لیکن جنھیں نامہ اعمال بائیں ہاتھ میں دیا جائے گا وہ دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے، وہاں وہ موت کی تمنا کریں گے لیکن اس کا کوئی فائدہ نہ ہوگا، یہی وہ لوگ ہیں جنھیں دنیا میں ایمان کی تلقین کی جاتی تو یہ انکار کرتے، قرآن کریم کی آیات میں غور وفکر نہ کرتے، اُس کو جھٹلاتے، اللہ نے اُن کے ہر عمل کا احاطہ کر رکھا تھا، اس لیے اُسی کے مطابق اب فیصلہ کیا جائے گا۔



تعارف سورۃ البروج

اس سورت میں اوّلاً ''اصحابِ اُخدود'' کا ایک واقعہ ذکر کیا گیا ہے جس کی کچھ تفصیل خلاصۂ سورت کے تحت مذکور ہے، اس کے بعد کفار کو تنبیہ ہے کہ مومنین کو ہونے والی آزمائشیں وقتی ہوتی ہیں جس کے بعد انہیں دائمی راحت اور بڑی کامیابی نصیب ہونے والی ہے، جب کہ کفار کا انجام بہت سخت ہوگا۔

رکوعھا ۱	سُوْرَةُ الْبُرُوْجِ مَكِّيَّة	اٰیاتھا ۲۲

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ ذَاتِ الْبُرُوْجِ ۝١ وَالْيَوْمِ الْمَوْعُوْدِ ۝٢ وَشَاهِدٍ وَّمَشْهُوْدٍ ۝٣

اس سورت کا مقصد یہ بتانا ہے کہ جو لوگ اللہ کے نیک بندوں کو ہلاک کرنا چاہتے ہیں، ان پر ظلم وستم روا رکھتے ہیں، کفر وسرکشی کو اپنی زندگی کا حصہ بناتے ہیں بالآخر وہی ہلاک وبرباد ہوتے ہیں، اسی لیے کچھ قسمیں کھانے کے بعد اصحابِ اُخدود کا ذکر ہے، اُخدود گڑھے کو کہتے ہیں۔ یہ واقعہ نجران کا ہے جہاں اہل ایمان کو یمن کے ایک یہودی بادشاہ نے آگ سے بھرے ہوئے ایک گڑھے میں ڈلوا دیا تھا۔ ان کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ اللہ پر ایمان لا چکے تھے۔ بعد میں یہ ظالم بادشاہ اور اس کی پوری قوم ہلاک وبرباد ہوئی،

اسی کے ذیل میں فرعون اور قوم ثمود کا بھی ذکر ہے۔ان کے لیے جہنم کی وعید وارد ہے اور اہل ایمان کے لیے جنت کا وعدہ کر کے اُسی کو اصل کامیابی قرار دیا گیا ہے۔اخیر میں اللہ تعالیٰ اور قرآن کریم کی کچھ صفات کا تذکرہ ہے۔



تعارف سورۃ الطارق

اس سورت کا موضوع بھی قیامت، بعث بعد الموت اور قرآن کی حقانیت ہے۔اس سورت میں چار باتیں ذکر کی گئی ہیں:(۱) ہر جاندار چیز اللہ کی نگرانی میں ہے (۲) انسان اپنی تخلیق پر غور کرے تو اُسے یقین ہو جائے گا کہ اللہ تعالیٰ دوبارہ پیدا کرنے پر بدرجہ اولیٰ قادر ہیں (۳) قیامت کے دن اللہ تعالیٰ انسان کو دوبارہ زندہ کریں گے جس دن اُس کے پاس کوئی طاقت وقوت نہ ہوگی اور اس کے تمام راز ظاہر ہو جائیں گے (۴) قرآن کریم کی باتیں دوٹوک اور واضح ہیں، یہ ہو کر رہیں گی۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالسَّمَآءِ وَالطَّارِقِ ۙ﴿۱﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الطَّارِقُ ۙ﴿۲﴾ النَّجْمُ الثَّاقِبُ ۙ﴿۳﴾

سورت کے آغاز میں آسمان اور چمکتے ہوئے ستارے کی قسم کھا کر اس بات کو مؤکد کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی جانب سے ہر شخص کی نگرانی ہو رہی ہے۔ستارے کی قسم کھا کر اس جانب بھی اشارہ کیا گیا ہے کہ جس طرح رات کی تاریکی میں مسافر ستارے سے رہنمائی حاصل کرتا ہے، اسی طرح قرآن کریم انسانوں کی اخروی رہنمائی کرتا ہے، اس کی عظمتِ شان کو مزید قسموں سے مؤکد کیا گیا ہے، اور کفار کو تنبیہ کی گئی ہے کہ یہ وقت صرف مہلت کا چل رہا ہے، اس مہلت کا فائدہ اٹھا کر ایمان لائیں، ورنہ ان کا انجام اچھا نہیں۔اس دوران انسان کو اپنی تخلیق میں غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے کہ جو ذات انسان کو پہلی مرتبہ ایک

بے حیثیت قطرے سے پیدا کر سکتی ہے وہ اُسے دوبارہ بھی زندگی بخش سکتی ہے۔



تعارف سورۃ الاعلیٰ

''اعلیٰ'' اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جس کے معنی ہیں بلند و بالا، یہ سورت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو بہت پسند تھی اسی لیے جمعہ اور عیدین میں اس کی اور سورۂ غاشیہ کی تلاوت فرماتے تھے۔ اس سورت میں بھی چار باتیں ہیں (۱) انسان کی پیدائش سے لے کر موت تک کا تذکرہ (۲) قرآن کریم کا مقصدِ نزول لوگوں کی رہنمائی ہے (۳) دعوتِ اسلامی اپنے مقصد تک پہنچے گی بشرطیکہ اس کے لیے محنت کی جائے (۴) آخرت کی کامیابی و ناکامی۔



آیاتھا ۱۹ سُوْرَةُ الْاَعْلٰى مَكِّيَّة رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى ۝١ الَّذِىْ خَلَقَ فَسَوّٰى ۝٢ وَالَّذِىْ قَدَّرَ فَهَدٰى ۝٣

سورت کے آغاز میں اللہ کی تسبیح کا حکم دے کر اُس کے انعامات کا ذکر ہے کہ اسی نے انسان کو پیدا کیا، ہر چیز کو ایک خاص انداز میں بنایا، اُسی نے زمین سے چارہ نکالا، وہ ظاہر و پوشیدہ ہر بات کو جانتا ہے وغیرہ۔ اس کے بعد نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم ہے کہ آپ لوگوں کو نصیحت کرتے رہیں، اس کا فائدہ انہیں ضرور ہوگا جن کے دل میں اللہ کا خوف ہے، لیکن جو لوگ فطرتاً بدبخت ہیں، سرکش اور ضدی ہیں وہ تو جہنم کی ایندھن ہی بنیں گے۔ البتہ جو لوگ اصلاحِ نفس میں مشغول ہیں، تزکیۂ نفس کرتے ہیں، نماز و ذکر کا اہتمام کرتے ہیں، حقیقتاً وہی لوگ کامیاب ہیں۔ اخیر میں بتایا کہ یہ بنیادی تعلیمات حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل کردہ صحیفوں میں بھی موجود تھیں۔

اہم مسائل

● نماز کے باہر جب قاری ''سَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْاَعْلَى'' کی تلاوت کرے تو مستحب

ہے کہ سننے والا سُبْحَانَ رَبِّیَ الْاَعْلٰی کہے۔

● جو نام اللہ تعالیٰ کے ساتھ مخصوص ہے وہ کسی مخلوق کے لیے استعمال کرنا اس کی تنزیہہ وتقدیس کے خلاف ہے، اس لیے جائز نہیں، جیسے رحمٰن، رزّاق، غفار، قدوس وغیرہ۔ آج کل اس معاملے میں غفلت بڑھتی جارہی ہے۔ لوگوں کو ناموں کے اختصار کا شوق ہے: عبدالرحمٰن کو رحمٰن، عبدالرزّاق کو رزّاق، عبدالغفار کو غفار بے تکلف کہتے رہتے ہیں، اور یہ نہیں سمجھتے کہ اس کا کہنے والا اور سننے والا دونوں گنہگار ہوتے ہیں، اور یہ گناہ بے لذت رات دن بلا وجہ ہوتا رہتا ہے۔ (ملخص از معارف)



تعارف سورۃ الغاشیہ

''غاشیہ'' قیامت کا ایک نام ہے، اس سورت میں ابتداءً قیامت کے احوال ذکر کیے گئے ہیں، اس کے بعد تخلیقِ الٰہی پر غور وفکر کی دعوت دی گئی ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

هَلْ اَتٰىكَ حَدِیْثُ الْغَاشِیَةِ ① وُجُوْهٌ یَّوْمَىٕذٍ خَاشِعَةٌ ② عَامِلَةٌ نَّاصِبَةٌ ③

سورت کے آغاز میں قیامت کی منظر کشی کی گئی ہے کہ اُس دن بہت سے چہرے اترے ہوئے ہوں گے، تھکان اور مصیبت ان کے چہرے پر نمایاں ہوگی، کیوں کہ انہیں دہکتی ہوئی آگ میں داخل کیا جائے گا، جہاں کھولتا پانی اور کانٹے دار جھاڑ کھانے کے لیے دیا جائے گا۔ ان کے بالمقابل بہت سے چہرے تروتازہ ہوں گے، اپنی کارکردگی پر مطمئن ہوں گے، کیوں کہ انہیں عالیشان جنّت نصیب ہوگی، جہاں بہتے چشمے، بلند نشستیں، بھرے

ہوئے پیالے، مرتب و منظم تکیے اور شاندار قسم کا قالین میسر ہوگا۔ جنت و جہنم کے اس ذکر کے بعد کفار کو اللہ تعالیٰ کی مخلوقات پر غور و فکر کی دعوت دی گئی ہے، مثلاً اونٹ کو کیسا عجیب الخلقت بنایا، آسمان کو کیسے بلند کیا، پہاڑ کو کیسے جمایا، زمین کو کیسے بچھایا وغیرہ۔ اخیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو تسلی دی گئی ہے کہ آپ کا کام بس نصیحت کرنا ہے، آپ ان کے ذمہ دار نہیں ہیں، جو سرکشی اختیار کرے گا اللہ تعالیٰ اُسے زبردست عذاب میں مبتلا کریں گے۔



تعارف سورۃ الفجر

سورت کے آغاز میں ''الفجر'' کی قسم کھائی گئی ہے اسی سے سورت کا نام ماخوذ ہے، ابتدا میں تین عبادات کا ذکر ہے (۱) فجر کی نماز (۲) رمضان کی آخری دس راتوں میں عبادت (۳) رات کے آخری حصے میں تہجد کا اہتمام۔ اس کے بعد کے مضامین خلاصۂ سورت میں ملاحظہ فرمائیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْفَجْرِ ۝۱ وَلَيَالٍ عَشْرٍ ۝۲ وَّالشَّفْعِ وَالْوَتْرِ ۝۳ وَالَّيْلِ اِذَا يَسْرِ ۝۴

آغازِ سورت میں چند قسمیں کھا کر قومِ عاد، قومِ ثمود اور فرعون کا تذکرہ ہے جنھوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی، انبیاء کو جھٹلاتے رہے، سرکشی میں مبتلا رہے، زمین میں فساد مچاتے رہے، کمزوروں پر ظلم کرتے رہے، بالآخر اللہ کے عذاب نے انہیں اپنے شکنجے میں لے لیا۔ اس کے بعد برائیوں کی جانب متوجہ کیا گیا ہے، مثلاً یتیموں پر ظلم اور ان کی تحقیر و تذلیل، مسکین و محتاج کی نہ تو خود مدد کرنا اور نہ ہی دوسروں کو اس کی ترغیب، میراث کے مال پر قبضہ، مال و دولت کی ہوس میں مبتلا ہونا وغیرہ۔ ان گناہوں میں مبتلا شخص کل

قیامت میں جہنم کو دیکھ کر حسرت کرے گا کہ کاش میں نے نیک اعمال کیے ہوتے تو آج یہ عذاب میرا مقدر نہ ہوگا۔ اخیر میں نیک عمل کرنے والوں کو جنّت اور اللہ تعالیٰ کی رضا کی بشارت دی گئی ہے۔



تعارف سورۃ البلد

سورت کی پہلی آیت میں مذکور ''البلد'' سے مراد مکّہ مکرّمہ ہے جس کی قسم کھا کر آگے کے مضمون کو مؤکد کیا گیا ہے۔ یہاں دو بنیادی مضامین ہیں (۱) مومنین کو غلام آزاد کرنے کی تلقین اور بھکمری وقحط کے حالات میں کھانا کھلانے کی ترغیب (۲) مخالفین اسلام کی صفت ذکر کی گئی ہے کہ جہاں مال خرچ کرنا چاہیے وہاں خرچ نہیں کرتے، البتہ اسلام کی مخالفت میں دل کھول کر خرچ کرتے ہیں۔



بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

لَاۤ اُقۡسِمُ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۱﴾ وَاَنۡتَ حِلٌّۢ بِهٰذَا الۡبَلَدِ ۙ﴿۲﴾

مکہ مکرّمہ کی قسم کھانے کے بعد اللہ تعالیٰ نے بیان کیا ہے کہ انسان کو مشقت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے یعنی وہ دنیا میں کسی نہ کسی مشقت میں لگا رہتا ہے، ایک ختم ہوتی ہے کہ دوسری سامنے موجود ہوتی ہے۔ اس کے بعد بعض کفار کا تذکرہ ہے جو کہتے تھے کہ میں نے ڈھیروں مال اڑا رکھا ہے، ہم پر کسی کا قابو نہیں، کوئی ہمارا نگراں نہیں۔ اس کے مقابلے میں اللہ تعالیٰ نے اپنی عطا کردہ نعمتوں آنکھ، زبان، ہونٹ اور عقل وشعور کا ذکر کیا ہے، کہ کیا اس سے بڑی کوئی دولت ہوسکتی ہے۔ اس کے بعد کچھ نیکیوں کی ترغیب ہے، مثلاً غلاموں کو آزاد کرانا، یتیموں اور مسکینوں کی حتی الامکان مدد، انہیں کھانا کھلانا۔ اخیر میں انہیں لوگوں کو خوش

قسمت قرار دیا گیا ہے جو ایمان لائے اور آپس ثابت قدمی اور رحم کی تلقین کرتے ہیں، ان کے بالمقابل جنہوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور قرآن کریم کا انکار کیا انہیں بدقسمت اور منحوس کہا گیا ہے جن پر دہکتی ہوئی دائمی آگ مسلط ہوگی۔



تعارف سورۃ الشمّس

اس سورت میں "الشمّس" یعنی سورج اور کائنات میں پھیلی ہوئی بہت سی مخلوقات کی قسم کھا کر انسان کو تزکیہ نفس کی تلقین کی گئی ہے۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا ﴿١﴾ وَالْقَمَرِ اِذَا تَلٰهَا ﴿٢﴾

اس سورت کی ابتدا بھی قسم سے ہوئی ہے، چناں چہ سورج، چاند، روشن دن، تاریک رات، بلند وبالا آسمان، بچھی ہوئی زمین اور انسانی جان کی قسم کھا کر بیان کیا گیا ہے کہ کامیاب تو وہی لوگ ہیں جنہوں نے اپنے نفس کو پاکیزہ کرلیا، اور جو گناہوں میں مبتلا رہا وہ ناکام ونامراد ہے۔ اس کے بعد قوم ثمود کی سرکشی اور حضرت صالح کی اونٹنی کے قتل کا تذکرہ ہے، جس پر اللہ نے انہیں نیست ونابود کرڈالا تھا۔



تعارف سورۃ اللیل

اس سورت میں "اللیل" یعنی رات کی قسم کھا کر دو باتیں ذکر کی گئی ہیں: (۱) انسان کی فطرت میں نیکی اور بدی دونوں کی صلاحیت ہے (۲) اللہ نے انسان کو مجبور پیدا نہیں کیا، اس کو اختیار دیا ہے، البتہ رہنمائی اپنے ذمہ لی ہے، دنیا وآخرت کا نظام قائم کیا ہے، دنیا کے اعمال کی جزاء وسزا آخرت میں ہے، پس انسان کے سامنے دو راستے ہیں: جنّت اور جہنم

کے۔انسان کو جہنم کی راہ سے بچ کر جنت کی راہ پر چلنا چاہیے۔

ایاتھا ۲۱ | سُوْرَۃُ الَّیْلِ مَکِّیَّۃ | رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالَّیْلِ اِذَا یَغْشٰی ۝۱ وَالنَّهَارِ اِذَا تَجَلّٰی ۝۲

اس سورت کی ابتدا میں مختلف قسمیں کھانے کے بعد ذکر کیا گیا ہے کہ انسان کی کوششیں مختلف سمت میں ہوتی ہیں، چناں چہ بعض تو وہ ہیں جو اللہ کی راہ میں خرچ کرتے ہیں، اُس سے ڈرتے ہیں، دین اسلام کی تصدیق کرتے ہیں، تو ان کے لیے آخرت میں آسانی ہی آسانی ہوگی، ان کے بالمقابل جو لوگ بخیل و کنجوس ہیں، اللہ سے بے نیازی کا اظہار کرتے ہیں، دین کے منکر ہیں، ان کا انجام بڑا سخت ہوگا۔ دنیوی مال و دولت ان کے کام نہ آئے گا۔ یہ اُسی جہنم میں داخل ہوں گے جس کا وہ انکار کرتے تھے، جب کہ نیک و متقی، اور راہِ خدا میں خرچ کرنے والے، رضائے الٰہی کے لیے عمل کرنے والے اللہ کے پیارے بندے اس سے دور ہوں گے۔ اللہ کی رضا انہیں نصیب ہوگی۔



تعارف سورۃ الضحیٰ وسورۃ الانشراح

سورۃ الضحیٰ اور سورۃ الانشراح رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص اوصاف وحالات پر مشتمل ہیں جن کا خلاصہ آگے پیش کیا گیا ہے۔

ایاتھا ۱۱ | سُوْرَۃُ الضُّحٰی مَکِّیَّۃ | رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

وَالضُّحٰی ۝۱ وَالَّیْلِ اِذَا سَجٰی ۝۲ مَا وَدَّعَكَ رَبُّكَ وَمَا قَلٰی ۝۳

اس سورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے احسانات کا ذکر ہے کہ اُس نے انہیں یتیمی کی حالت میں ٹھکانہ بخشا، اپنی رضا عطا کی، چہار جانب جاہلیت کی مشرکانہ رسوم کے درمیان رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو دین اسلام سے نوازا اور ہدیت بخشی، نادار و بے سہارا ہونے کے باوجود عالم سے بے نیاز کر دیا۔ چناں چہ ان کے واسطے سے امت کو تین حکم دیے گئے کہ (۱) یتیموں پر سختی نہ کی جائے، (۲) مجبوری میں سوال کرنے والے کو جھڑکا نہ جائے، اور (۳) جو نعمتیں اللہ نے عطا کی ہیں ان کا تذکرہ کرتے رہیں، یہ اُن نعمتوں کے شکر کی ایک صورت ہے۔

اہم مسائل

● ہر نعمت کا شکر ادا کرنا واجب ہے۔ مالی نعمت کا شکر یہ ہے کہ اس مال میں سے کچھ اللہ کے لیے اخلاص نیت کے ساتھ خرچ کرے اور نعمتِ بدن کا شکر یہ ہے کہ جسمانی طاقت کو اللہ تعالیٰ کے واجبات ادا کرنے میں صرف کرے، اور علم ومعرفت کی نعمت کا شکر یہ ہے کہ دوسروں کو اس کی تعلیم دے۔

● سورہ والضحیٰ سے آخر قرآن تک ہر سورت کے ساتھ تکبیر کہنا سنت ہے، اور اس تکبیر کے الفاظ شیخ صالح مصری نے ”لا الہ الا اللہ واللہ اکبر“ بتلائے ہیں۔

● ابنِ کثیر نے ہر سورت کے ختم پر، اور بغوی نے ہر سورت کے شروع میں ایک مرتبہ تکبیر کہنے کو سنت کہا ہے۔ دونوں میں سے جو صورت بھی اختیار کرے سنت ادا ہو جائے گی۔ (ملخص از معارف)



آیاتہا ۸ — سُوْرَةُ اَلَمْ نَشْرَحْ مَكِّيَّة — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلَمْ نَشْرَحْ لَكَ صَدْرَكَ ۝١ وَوَضَعْنَا عَنْكَ وِزْرَكَ ۝٢ الَّذِيْٓ اَنْقَضَ ظَهْرَكَ ۝٣

اس سورت میں بھی رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور ان پر اللہ کے احسانات کا تذکرہ ہے کہ اللہ نے آپ کے سینے کو ہدایت کے لیے کھول دیا، اُس پر دعوت وتبلیغ کا جو عظیم بوجھ تھا اُسے ہلکا کر دیا، نیز پوری دنیا میں آپ کے ذکر کو عظمت بخشی، چناں چہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا تذکرہ بھی ایک نیکی ہے جو ہماری بہت سی عبادتوں کا جز ہے، مثلاً اذان، نماز میں پڑھی جانے والی تشہد اور درود شریف وغیرہ۔ پھر ایک ضابطہ بیان کیا گیا کہ انسان کو کبھی بھی مصیبتوں سے گھبرانا نہیں چاہیے، کیوں کہ ہر مصیبت کے بعد آسانی ضرور میسر آتی ہے۔ اخیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ دعوت وتبلیغ کے فریضے سے فارغ ہو کر تہجد وغیرہ میں اللہ کی جانب توجہ کریں۔



تعارف سورۃ التین

گزشتہ دو سورتوں میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے خاص اوصاف ذکر کرنے کے بعد اس سورت میں عام انسان کو عمل کی ترغیب دی گئی ہے کہ ایمان اور عمل صالح ہی ابدی ودائمی اجر کا سبب ہیں۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالتِّيْنِ وَالزَّيْتُوْنِ ۝١ وَطُوْرِ سِيْنِيْنَ ۝٢ وَهٰذَا الْبَلَدِ الْاَمِيْنِ ۝٣

اس سورت میں تین اور زیتون کے واسطے سے ان کی سرزمین یعنی فلسطین اور شام کی قسم کھائی گئی ہے، پھر وادئ طور اور مکہ مکرّمہ کی قسم کھا کر انسان کی تخلیق کا ذکر ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کو سب سے بہترین سانچے میں پیدا کیا ہے، یہ اُس کا عظیم احسان ہے، لیکن وہ کفر وسرکشی کر کے اپنے مقام ومرتبے سے سطحی حرکتیں کرتا ہے، البتہ جو لوگ ایمان اور اعمالِ صالحہ کے پابند ہیں ان کے لیے ابدی اجر کا وعدہ کیا گیا ہے۔

اہم مسئلہ

● حضرت ابو ہریرہ ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جو شخص سورۂ تین پڑھے اور اس آیت پر پہنچے: اَلَيْسَ اللّٰهُ بِاَحْكَمِ الْحٰكِمِيْنَ ۝ تو اس کو چاہیے کہ یہ کلمہ کہے: بَلٰی وَ اَنَا عَلٰی ذٰلِکَ مِنَ الشَّاهِدِيْن؛ اس لیے حضراتِ فقہاء نے فرمایا کہ یہ کلمہ پڑھنا مستحب ہے۔



تعارف سورۃ العلق

اس کا تعارف خلاصہ کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔

آیاتھا ۱۹	سُوْرَةُ الْعَلَقِ مَكِّيَّة	رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝

اس سورت کی ابتدائی پانچ آیات سب سے پہلی وحی ہے جو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم پر غارِ حراء میں نازل ہوئیں، جن میں اللہ تعالیٰ کے نام کی قسم کھا کر بتایا گیا کہ اللہ نے انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا ہے اور اُس کو وہ باتیں سکھائیں جو اُس کے علم میں نہ تھیں، یہ یقیناً اللہ کا عظیم احسان ہے۔ اس کے بعد ابو جہل کی کچھ صفات ذکر کی گئی ہیں کہ وہ سرکشی کرتا ہے، اپنے آپ کو بے نیاز سمجھتا ہے، کبر کرتا ہے، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم جب نماز پڑھتے ہیں تو انہیں روکتا ہے، حالاں کہ وہ تو ان کفار کو تقویٰ اور ہدایت کا سبق دیتے ہیں۔ ایسے کفار کو یاد رکھنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ سب کچھ دیکھ رہا ہے، چناں چہ کل قیامت میں ایسے گستاخوں کو پیشانی کے بل گھسیٹتے ہوئے جہنم میں ڈال دیا جائے گا، جہاں نہ تو ان کی قوم کام آئے گی اور نہ ہی ان کی مجلس میں بیٹھنے والے لوگ۔ اخیر میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم دیا گیا ہے کہ سجدہ

کر کے اللہ تعالیٰ کا قرب حاصل کریں۔

اہم مسائل

● ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہؓ کی روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: بندہ اپنے رَب سے قریب تر اس وقت ہوتا ہے جب کہ وہ سجدہ میں ہو؛ اس لیے سجدہ میں بہت دعا کیا کرو۔

● نفل نمازوں کے سجدے میں دعا کرنا ثابت ہے۔ بعض روایاتِ حدیث میں اس دعا کے خاص الفاظ بھی آئے ہیں، وہ الفاظِ ماثورہ پڑھے جائیں تو بہتر ہے۔ فرائض میں اس طرح کی دعائیں ثابت نہیں۔



تعارف سورۃ القدر

اس سورت میں لیلۃ القدر سے متعلق مضمون ہے جس کے کچھ احکام خلاصہ سورت کے ذیل میں ملاحظہ فرمائیں۔ دراصل گزشتہ امتوں کی عمریں بہت طویل ہوتی تھیں، مثلاً حضرت نوح علیہ السلام کی عمر ایک ہزار سے زائد رہی۔ ان کے بالمقابل امت محمدیہ کی عمریں بہت مختصر ہیں، اس لیے ان کو اللہ تعالیٰ کی جانب سے ''لیلۃ القدر'' کی نعمت سے نوازا گیا جس میں وہ ایک رات کی عبادت کر کے سالہا سال کی عبادت کا ثواب حاصل کر سکیں۔ فللہ الحمد



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَنْزَلْنٰهُ فِيْ لَيْلَةِ الْقَدْرِ ① وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ ②

اس سورت میں لیلۃ القدر یعنی شبِ قدر کا ذکر ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم نازل فرمایا، جس کی فضیلت یہ ہے کہ رمضان المبارک کی یہ ایک رات ہزار مہینوں

سے زیادہ فضیلت رکھتی ہے، جس میں پوری رات فرشتوں اور اللہ کی رحمتوں کا نزول ہوتا رہتا ہے اور یہ سلسلہ صبح تک جاری رہتا ہے۔

اہم مسائل

● اللہ تعالیٰ نے اس رات (شبِ قدر) کی اہمیت اور عظمت کی وجہ سے اسے ایک راز بنا کر رکھا ہے تا کہ لوگ ایک ہی شب پر تکیہ نہ کرلیں اور شبِ قدر کی تلاش و رغبت میں ان کو زیادہ سے زیادہ عبادت کی توفیق میسر ہو۔

● شب قدر سے کون سی شب مراد ہے؟ زیادہ تر اہل علم کا خیال ہے کہ رمضان المبارک کے آخر عشرہ کی طاق راتوں میں شبِ قدر واقع ہوتی ہے، اور بدلتی بھی رہتی ہے، ہر سال ایک ہی شب میں اور ایک ہی تاریخ میں شب قدر کا ہونا ضروری نہیں۔

● ستائیسویں شب کی طرف زیادہ رجحان اس لئے ہے کہ متعدد روایتیں اس سلسلے میں موجود ہیں، مسند احمد میں عبداللہ بن عمرؓ اور عبداللہ ابن عباسؓ سے، ابوداؤد میں حضرت معاویہؓ سے، اور مسلم، ترمذی وغیرہ میں حضرت ابی ابن کعبؓ سے روایات منقول ہیں کہ خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ستائیسویں شب میں قدر کو تلاش کرنے کا حکم فرمایا۔

● شب قدر کی نسبت سے رمضان المبارک کے اخیر عشرہ کی تمام راتوں میں بیدار رہ کر عبادت کرنا تو مسنون ہے ہی، اور اس کے علاوہ جن راتوں میں فقہاء نے شب بیداری کو مستحب قرار دیا ہے وہ یہ ہیں: ذی الحجہ کے پہلے عشرہ کی راتیں، خاص کر آٹھ، نو اور دس ذی الحجہ کی شب، عید الفطر کی شب، پندرہ شعبان کی شب، شبِ جمعہ، پہلی رجب کی شب کا بھی ذکر آیا ہے۔

● جن راتوں میں احیاء لیل یعنی بیداری کا حکم دیا گیا ہے، ان میں نماز کا اہتمام تو کرنا ہی چاہیئے، قرآن مجید کی تلاوت، قرآن کا سننا، حدیث کا پڑھنا اور سننا، تسبیحات، درود شریف، یہ سبھی مستحب ہیں، کوشش کرنی چاہیئے کہ رات کا بڑا حصہ بحیثیت مجموعی ان اعمال میں گذر جائے، البتہ ان راتوں میں بیداری اور عبادت کے اہتمام کے لئے مساجد

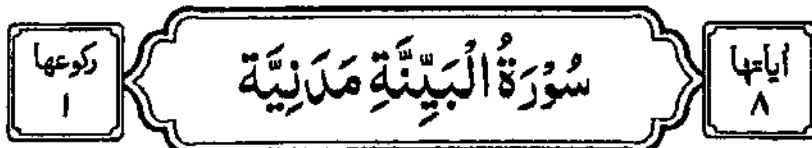
میں جمع ہونا مکروہ اور بعض فقہاء کے قول پر بدعت ہے، اس لئے گھروں میں انفرادی طور پر نماز، تلاوت، استغفار اور دعاء وغیرہ کا اہتمام کرنا چاہیئے۔

(ملخص از قاموس الفقہ: لیلۃ القدر)



تعارف سورۃ البینہ

اس سورت میں تین مضامین ہیں (۱) پوری کائنات میں پھیلی ہوئی کفر وشرک کی تاریکی کو ختم کرنے کے لیے حضرت خاتم النّبیین صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوئی (۲) قرآن کریم کی حقانیت کے باوجود اہل کتاب کا اُسے قبول نہ کرنا محض ضد اور عناد کی بنیاد پر ہے (۳) جنہوں نے اسلام کی دعوت کو قبول نہیں کیا وہ بدترین مخلوق ہیں اور آخرت کا سخت ترین عذاب ان کا منتظر ہے، جب کہ اعمال صالحہ کرنے والے مومنین کے لیے اللہ کا فضل اور جنّت کی بے شمار نعمتیں فراہم ہوں گی۔



بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

لَمْ يَكُنِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا مِنْ اَهْلِ الْكِتٰبِ وَالْمُشْرِكِيْنَ مُنْفَكِّيْنَ حَتّٰى تَاْتِيَهُمُ الْبَيِّنَةُ ۝١

اس سورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کو ''بینہ'' یعنی روشن دلیل قرار دیا گیا ہے کہ کفار و مشرکین کو اس دلیل کے آنے کے بعد انکار نہیں کرنا چاہیے، بلکہ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کی جو آیات ان کے سامنے پیش کرتے ہیں ان پر ایمان لانا چاہیے، لیکن ہوا یہ کہ اہل کتاب رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہچاننے کے باوجود ایمان نہ لائے اور آپس میں اختلاف کر بیٹھے۔ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تنبیہ کی گئی ہے کہ اہل کتاب ہوں یا مشرکین جو بھی

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے منکر ہیں انہیں ہمیشہ ہمیش جہنم میں رہنا ہوگا اور ایسے لوگ دنیا کی شر البریہ یعنی ساری مخلوق میں سب سے برے اور بدتر ہیں۔ان کے مقابلے میں جنہوں نے رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کی دعوت کو قبول کیا، ایمان لائے اور نیک اعمال میں لگے رہے وہ ساری مخلوق میں سب سے افضل ہیں، اللہ تعالیٰ ان سے راضی ہے اور انہیں ہمیشہ ہمیش کے لیے جنّت جیسی عظیم نعمت عطا فرمائے گا۔



تعارف

سورۃ الزلزال، سورۃ العادیات، سورۃ القارعہ، سورۃ التکاثر

یہ چاروں سورتیں قیامت کے موضوع پر ہیں، پہلی سورت میں یہ بیان ہے کہ قیامت کے دن سب اعمال اچھے برے انسان کے سامنے آجائیں گے، پھر سورۃ العادیات میں یہ بیان ہے کہ قیامت کے دن دلوں میں پوشیدہ راز آشکارہ ہوجائیں گے، اوران پر بھی گرفت ہوگی، اس کے بعد سورۃ القارعۃ میں یہ بیان ہے کہ قیامت کے دن اعمال تول کر فیصلے ہوں گے، اور سورۃ التکاثر میں یہ بیان ہے کہ عذاب آخرت سے پہلے عذاب قبر بھی ہے۔

سورۃ الزلزال کی فضیلت: رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جس نے سورۃ الزلزال پڑھی: وہ اس کے لئے آدھے قرآن کے برابر شمار ہوگی اور جس نے سورۃ الکافرون پڑھی وہ اس کے لئے چوتھائی قرآن کے برابر ہوگی، اور جس نے قل ھو اللہ احد پڑھی وہ اس کے لئے تہائی قرآن کے برابر ہوگی۔(ترمذی:۲۹۰۳)

رکوعھا ۱	سُوْرَۃُ الزِّلْزَالِ مَدَنِیَّۃٌ	آیاتھا ۸

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

اِذَا زُلۡزِلَتِ الۡاَرۡضُ زِلۡزَالَهَا ۙ﴿۱﴾ وَ اَخۡرَجَتِ الۡاَرۡضُ اَثۡقَالَهَا ۙ﴿۲﴾

اس سورت میں قیامت کی ہولنا کی کا ذکر ہے کہ اُس دن زمین کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا جائے گا، اُس کے بعد زمین اپنا سارا بوجھ باہر نکال دے گی یعنی جتنے مُردے اُس میں ہیں وہ سب زندہ ہو جائیں گے، اسی طرح جو اعمال اُس پر ہوئے تھے خواہ وہ اچھے ہوں یا برے سب واضح ہو جائیں گے، اس دن لوگوں کی ان کے اعمال کے اعتبار سے مختلف جماعتیں بن جائیں گی، چناں چہ اگر کسی نے ذرّہ برابر نیکی کی تھی اُسے نامۂ اعمال میں درج ملے گی اور اُسے اس کا اجر بھی ملے گا، اسی طرح اگر کسی نے ذرّہ برابر برائی کی تھی وہ بھی اُس کے نامہ اعمال کا حصہ ہوگی اور اُسے اس کی سزا ملے گی۔



سُوْرَةُ الْعٰدِيٰتِ مَكِّيَّة

اٰیاتہا ۱۱ — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعٰدِيٰتِ ضَبْحًا ۙ﴿۱﴾ فَالْمُوْرِيٰتِ قَدْحًا ۙ﴿۲﴾ فَالْمُغِيْرٰتِ صُبْحًا ۙ﴿۳﴾

اس سورت میں مختلف اوصاف کے حامل گھوڑوں کی قسم کھا کر انسان کی فطرت بتائی گئی ہے کہ یہ اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے، جس پر اُس کا کافرانہ عمل گواہی دیتا ہے، چناں چہ مال و دولت کی محبت میں مگن رہتا ہے، حالاں کہ یہ سب چیزیں فانی ہیں، اسے تو اس وقت کی فکر کرنی چاہیے جب قبروں میں پڑے ہوئے مردے دوبارہ زندہ ہو جائیں گے، سینوں کے سارے راز ظاہر ہو جائیں گے اور اعمال کے مطابق اُسے جزا دی جائے گی۔



سُوْرَةُ الْقَارِعَةِ مَكِّيَّة

اٰیاتہا ۱۱ — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْقَارِعَةُ ۙ﴿۱﴾ مَا الْقَارِعَةُ ۚ﴿۲﴾ وَمَآ اَدْرٰىكَ مَا الْقَارِعَةُ ۗ﴿۳﴾

اس سورت میں بھی قیامت کی منظر کشی ہے کہ وہ دلوں کو دہلانے والی چیز ہے، اُس دن لوگ پروانوں کی طرح بکھرے ہوں گے، پہاڑ دھنی ہوئی روئی کی طرح اڑتے ہوں گے اور لوگوں کی دو قسم ہو جائے گی ایک تو وہ جن کے اعمالِ خیر کا پلڑا بھاری ہوگا تو انہیں من پسند جگہ یعنی جنّت حاصل ہوگی، دوسری قسم اُن لوگوں کی ہوگی جن کے اعمالِ خیر کا پلڑا ہلکا ہوگا تو انہیں دہکتی ہوئی آگ کے ایک گڑھے یعنی جہنم میں ڈال دیا جائے گا۔

رکوعہا ۱	سُوْرَةُ التَّكَاثُرِ مَكِّيَّة	ایاتہا ۸

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ① حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ②

اس سورت میں آخرت سے متعلق غفلت کا سب سے بڑا سبب دنیا کی حرص وہوس کو قرار دیا گیا ہے، اسی نے لوگوں کو غفلت میں ڈال رکھا ہے، اور یہ غفلت اُس وقت ختم ہوگی جب یہ کھلی آنکھوں جہنم کا مشاہدہ کرلیں گے اور اُس دن اللہ کے عطا کردہ انعامات کا حساب دینا ہوگا کہ عقل وشعور کا استعمال کرکے ایمان کیوں قبول نہیں کیا۔



تعارف سورۃ العصر تا سورۃ الکوثر

اب نیا سلسلہ بیان شروع ہورہا ہے جو سورۃ الکوثر تک چلے گا۔ قیامت کے دن کیا فیصلے ہوں گے؟ سورۃ العصر میں ان کو مختصر طور پر بیان کیا ہے۔

جس کا خلاصہ یہ ہے کہ جن لوگوں میں چار باتیں ہوں گی وہ کامیاب ہوں گے، دوسرے ناکام ہونگے، پھر چار سورتوں میں ناکام ہونے والوں کی مثالیں ہیں، پھر ایک سورت میں کامیاب ہونے والوں کا ذکر ہے۔ ناکام ہونے والے بطور مثال یہ لوگ ہیں:

۱- دولت کے پجاری، جو سمجھتے ہیں کہ ان کا مال ان کو زندہ جاوید کرے گا۔ (سورۃ الھمزہ)

۲- اقتدار کے نشہ میں تخریب کاری کرنے والے حکومت کے بل پر ستم ڈھانے

والے۔ (سورۃ الفیل)

۳- معاشی خوش حالی کو اپنا ہنر سمجھنے والے، اور اس پر اترانے والے۔ (سورۃ قریش)

۴- بے عمل مسلمان جن کو نماز و زکوٰۃ تک کی پرواہ نہیں۔ (سورۃ الکوثر)

پھر سورۃ الکوثر میں نبی ﷺ اور آپ کی نیک امت کا ذکر ہے جو قیامت کے دن کامیاب ہوگی۔

سُوْرَةُ الْعَصْرِ مَكِّيَّة

آیاتھا ۳ — رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَالْعَصْرِ ۝١ إِنَّ الْإِنْسَانَ لَفِيْ خُسْرٍ ۝٢

اس سورت میں زمانے کی قسم کھا کر کہا گیا ہے کہ تمام انسان نقصان اٹھانے والے ہیں، البتہ وہ لوگ جو ایمان لائے، اعمالِ صالحہ پر کاربند رہے، ایک دوسرے کو حق بات کی نصیحت کرتے رہے اور صبر کی تلقین کرتے رہے وہ نقصان میں نہیں ہیں۔



سُوْرَةُ الْهُمَزَةِ مَكِّيَّة

آیاتھا ۹ — رکوعھا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

وَيْلٌ لِّكُلِّ هُمَزَةٍ لُّمَزَةِ ۝١ الَّذِيْ جَمَعَ مَالًا وَّعَدَّدَهٗ ۝٢

اس سورت میں چند برائیوں پر سخت وعید وارد ہے، مثلاً پیٹھ پیچھے برائی کرنا، منہ پر طعنے دینا، مال و دولت کی حرص کرنا اور اُسے بے تحاشا جمع کرنا۔ کفار کا حال ذکر کیا گیا ہے کہ وہ سمجھتے ہیں کہ یہ مال و دولت انہیں ہمیشہ زندہ رکھے گا، ہرگز نہیں! بلکہ انہیں تو سخت آگ میں جھونک دیا جائے گا، وہ آگ جو اللہ کی سلگائی ہوئی ہوگی جس کا اثر دلوں تک آتا محسوس ہوگا۔



آیاتہا ۵ | سُوْرَۃُ الْفِیْلِ مَکِّیَّۃ | رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

اَلَمْ تَرَ كَیْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِاَصْحٰبِ الْفِیْلِ ﴿۱﴾

اَلَمْ یَجْعَلْ كَیْدَهُمْ فِیْ تَضْلِیْلٍ ﴿۲﴾

اس سورت میں اصحابِ فیل کا مشہور واقعہ ذکر کیا گیا ہے کہ ابرہہ نامی بادشاہ خانۂ کعبہ کو منہدم کرنے کے لیے ہاتھیوں کی ایک فوج لے کر آگے بڑھا جس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ابابیل نامی پرندے آئے، جن کی چونچ میں کنکریاں تھیں، اللہ کے حکم سے انہوں نے وہ کنکریاں اصحابِ فیل پر پھینکی جس سے سب کے سب تباہ و برباد ہو گئے۔



آیاتہا ۴ | سُوْرَۃُ قُرَیْشٍ مَکِّیَّۃ | رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِاِیْلٰفِ قُرَیْشٍ ﴿۱﴾ اٖلٰفِهِمْ رِحْلَةَ الشِّتَآءِ وَ الصَّیْفِ ﴿۲﴾ فَلْیَعْبُدُوْا رَبَّ هٰذَا الْبَیْتِ ﴿۳﴾ الَّذِیْۤ اَطْعَمَهُمْ مِّنْ جُوْعٍ ۙ۬ وَّ اٰمَنَهُمْ مِّنْ خَوْفٍ ﴿۴﴾

اس سورت میں بیان کیا گیا ہے کہ پورے عرب میں قریش کو جو شان و شوکت اور عزت و وقار حاصل رہا ہے اُس کی سب سے بڑی وجہ خانۂ کعبہ ہے، لوگ اس کی عظمت کی وجہ سے قریش کا بھی احترام کرتے ہیں، چناں چہ انہیں سردی ہو یا گرمی، کسی بھی موسم میں تجارتی سفر میں دقت کا سامنا نہیں کرنا پڑتا۔ اللہ کے دیگر احسانات کی طرح قریش کو اس احسان میں بھی غور و فکر کرنا چاہیے اور اُس خانۂ کعبہ کے رب کی عبادت کرنی چاہیے جس نے انہیں امن و احترام بخشا ہے۔



آیاتہا ۷ | سُوْرَۃُ الْمَاعُوْنِ مَکِّیَّۃ | رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اَرَءَيْتَ الَّذِىْ يُكَذِّبُ بِالدِّيْنِ ؕ ﴿۱﴾ فَذٰلِكَ الَّذِىْ يَدُعُّ الْيَتِيْمَ ۙ ﴿۲﴾ وَلَا يَحُضُّ عَلٰى طَعَامِ الْمِسْكِيْنِ ؕ ﴿۳﴾ فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ ۙ ﴿۴﴾ الَّذِيْنَ هُمْ عَنْ صَلَاتِهِمْ سَاهُوْنَ ۙ ﴿۵﴾ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ ۙ ﴿۶﴾ وَيَمْنَعُوْنَ الْمَاعُوْنَ ﴿۷﴾

اس رکوع میں چند برے اعمال اوران کا انجام بتایا گیا ہے، بیان کیا گیا کہ جولوگ یتیموں کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہیں، مسکینوں کو کھانا نہیں کھلاتے، نماز میں غفلت برتتے ہیں، ریاکاری اور دکھاوا کرتے ہیں، عام طور پر دی جانے والی چھوٹی چھوٹی چیزوں میں بھی بخل کا مظاہرہ کرتے ہیں، عموماً یہ صفات اُن میں پائی جاتی ہیں جو قیامت کے منکر ہوتے ہیں، اسی لیے ان کے لیے ہلاکت ہے۔



آیاتہا ۳ | سُوْرَۃُ الْكَوْثَرِ مَکِّیَّۃ | رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

اِنَّآ اَعْطَيْنٰكَ الْكَوْثَرَ ؕ ﴿۱﴾ فَصَلِّ لِرَبِّكَ وَانْحَرْ ؕ ﴿۲﴾ اِنَّ شَانِئَكَ هُوَ الْاَبْتَرُ ﴿۳﴾

زمانۂ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ جس کی نرینہ اولاد ہوتی وہی قربانی کرتا، رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادے کی جب وفات ہوئی تو کفار ومشرکین نے کہا کہ اب تو رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا نعوذ باللہ نشان ختم ہو جائے گا، یعنی ان کی نسل نہیں چلے گی، اور نہ ہی یہ قربانی کرسکیں گے۔ اس پر یہ سورت نازل ہوئی، اللہ نے ارشاد فرمایا کہ ہم نے آپ کو مقام کوثر عنایت کیا ہے، اس کے معنی حوضِ کوثر کے بھی ہیں اور بہت سی بھلائیوں کے بھی، لہٰذا آپ

نماز پڑھیں اور قربانی کریں۔ دشمنوں کی پرواہ نہ کریں، یقیناً آپ کے دشمن ہی بے نام و نشاں ہوں گے۔



تعارف سورۃ الکافرون تا سورۃ اللھب

ان چار سورتوں کا موضوع ذرا مختلف ہے، امت مسلمہ جس کے نصیب میں رفعت و سر بلندی رکھی گئی ہے۔ کبھی حالات سے دو چار ہوتی ہے، ہجرت سے پہلے ناگفتہ بہ حالات سے گذری ہے، اس وقت کفار ایک اسکیم لائے تھے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم ان کی مورتیوں کو بے حیثیت نہ کریں، بلکہ مسلمان مندروں میں آئیں اور مورتی پوجا کریں، ہم بھی مسجدوں میں آئیں گے اور نماز پڑھیں گے، پس سورۃ الکافرون نازل ہوئی کہ ایسا ممکن نہیں حق اور باطل میں مصالحت نہیں ہوسکتی، نہ آج مسلمان تمہارے مندروں میں آتے ہیں نہ کل آئیں گے اور نہ آج تم مسجدوں میں آتے ہو نہ کل آؤ گے، قیامت کی صبح تک ایسا نہیں ہوگا:

لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ ۝

تمہارے لئے تمہارا دھرم ہے اور ہمارے لئے ہمارا مذہب!

پھر اگلی سورت میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ وہ حالات کی سنگینی سے نہ گھبرائیں، اللہ کی مدد آرہی ہے۔ ایک دن آئے گا کہ مکہ فتح ہوگا اور مسلمانوں کا ہاتھ اوپر ہوگا، اور ابولہب جیسے تمام سرکش مالداروں کے دونوں ہاتھ ٹوٹیں گے، ان کے ہاتھ اللہ تعالیٰ توڑیں گے جو بے نیاز ہیں، ان کے لئے یہ کام کچھ مشکل نہیں، لہٰذا مسلمان کمزور نہ ہوں اور باطل کے ساتھ ہرگز مصالحت نہ کریں۔

ایاتها ٦	سُوْرَةُ الْكٰفِرُوْنَ مَكِّيَّة	ركوعها ١

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ يٰٓاَيُّهَا الْكٰفِرُوْنَ ۝ لَآ اَعْبُدُ مَا تَعْبُدُوْنَ ۝ وَلَآ اَنْتُمْ عٰبِدُوْنَ مَآ

اَعۡبُدُ ۝۴ وَلَاۤ اَنَا عَابِدٌ مَّا عَبَدۡتُّمۡ ۝۴ وَلَاۤ اَنۡتُمۡ عٰبِدُوۡنَ مَاۤ اَعۡبُدُ ۝۵
لَكُمۡ دِيۡنُكُمۡ وَلِىَ دِيۡنِ ۝۶

اس سورت میں رسول اکرم ﷺ کو حکم دیا گیا ہے کہ آپ کفار سے کہہ دیں کہ ہمارا اختلاف اصولی ہے، جن بتوں کو تم پوجتے ہو ہم ان کی عبادت نہیں کر سکتے، جیسے تم ہمارے اللہ کی عبادت نہیں کرتے، ہمارے لیے ہمارا دین کافی ہے، ہمیں کسی دوسرے دین کی ضرورت نہیں، تمہارا باطل دین تمہیں مبارک۔



سُوۡرَةُ النَّصۡرِ مَدَنِيَّة

آیاتھا ۳ — رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اِذَا جَآءَ نَصۡرُ اللّٰهِ وَالۡفَتۡحُ ۝۱ وَرَاَيۡتَ النَّاسَ يَدۡخُلُوۡنَ فِىۡ دِيۡنِ اللّٰهِ اَفۡوَاجًا ۝۲ فَسَبِّحۡ بِحَمۡدِ رَبِّكَ وَاسۡتَغۡفِرۡهُ ؕ اِنَّهٗ كَانَ تَوَّابًا ۝۳

اس سورت میں اسلام کی وسعت اور غلبہ کا ذکر ہے کہ عنقریب اللہ کی مدد اور فتح اس طرح ظاہر ہوگی کہ لوگ جماعت در جماعت جوق در جوق دین اسلام میں داخل ہوں گے، یہ صرف اللہ کا فضل و کرم ہے، اس لیے اس موقع پر بھی اپنے رب کو یاد کریں، اس کی تسبیح کریں اور اس سے استغفار کریں۔



سُوۡرَةُ اللَّهَبِ مَكِّيَّة

آیاتھا ۵ — رکوعھا ۱

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

تَبَّتۡ يَدَاۤ اَبِىۡ لَهَبٍ وَّتَبَّ ۝۱ مَاۤ اَغۡنٰى عَنۡهُ مَالُهٗ وَمَا كَسَبَ ۝۲

سَيَصْلٰى نَارًا ذَاتَ لَهَبٍ ۝ وَّامْرَاَتُهٗ ۭ حَمَّالَةَ الْحَطَبِ ۝ فِيْ جِيْدِهَا حَبْلٌ مِّنْ مَّسَدٍ ۝

اس سورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا ابولہب اور اس کی بیوی کی ہلاکت کا ذکر ہے کہ دنیوی مال ودولت، جاہ ومنصب ان کے کچھ کام نہ آئے گا اور وہ دہکتی ہوئی آگ میں داخل ہوں گے۔



تعارف سورۃ الاخلاص

سورۂ اخلاص میں اللہ تعالیٰ کی پانچ صفات مذکور ہیں:

۱-أحد: یگانہ، اکیلا۔ مشرکین کے بے شمار ارباب ہیں، اسلام کا رب اللہ کی طرح ایک ہے۔

۲-صمد: بے نیاز، باہمہ جس کے پاس سب کچھ ہے، سب اس کے محتاج ہیں، اور وہ کسی کا محتاج نہیں، اور مشرکین کے ارباب کمزور ہیں، اس لئے ان کو متعدد خدا ماننے پڑے ہیں۔

۳-لم یلد: اس نے کسی کو جنا نہیں۔

۴-لم یولد: وہ جنا نہیں گیا۔

۵-لم یکن له کفوا أحد: کوئی اس کے برابر کا نہیں، پس اس کا کوئی شریک وسہیم بھی نہیں، وہ اکیلا ہے اپنی ذات میں بھی اور صفات میں بھی، اور وہ سب سے برتر وبالا ہے۔

فائدہ: احد میں مجوس کے عقیدہ کا رد ہے، وہ دو خالق مانتے ہیں، خیر کے خالق کو یزداں اور شر کے خالق کو اہرمن کہتے ہیں، نیز ہندوؤں کی بھی تردید ہوگئی، وہ کروڑوں دیوتاؤں کو خدائی میں شریک مانتے ہیں اور صمد سے ان جاہلوں کا رد ہوگیا جو اللہ کے علاوہ کو کسی درجہ میں مستقل اختیار رکھنے والا سمجھتے ہیں اور لم یلد و لم یولد میں یہود ونصاریٰ کی تردید ہوگئی، یہود حضرت عزیر علیہ السلام کو اور نصاریٰ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا بیٹا

کہتے ہیں، نیز مشرکین عرب کا بھی رد ہو گیا وہ فرشتوں کو خدا کی بیٹیاں کہتے ہیں اور آخری آیت میں ان لوگوں کا رد ہے جو کسی صفت میں کس مخلوق کو اللہ کا ہم سر ٹھہراتے ہیں۔

آیاتہا ۴ — سُوْرَةُ الْاِخْلَاصِ مَكِّيَّة — رکوعہا ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ﴿١﴾ اَللّٰهُ الصَّمَدُ ﴿٢﴾ لَمْ يَلِدْ ۙ وَ لَمْ يُوْلَدْ ﴿٣﴾ وَ لَمْ يَكُنْ لَّهٗ كُفُوًا اَحَدٌ ﴿٤﴾

یہ سورت توحید کے پیغام پر مشتمل ہے کہ اللہ کی ذات ایک ہے، تنہا ہے، وہ صمد ہے یعنی پوری دنیا اُس کی محتاج ہے اور وہ کسی کا محتاج نہیں، نہ اُس کے کوئی اولاد ہے اور نہ ہی اُس کا کوئی والد، پوری کائنات میں اُس کا کوئی ہم سر اور برابر نہیں۔



تعارف

سورۃ الفلق اور سورۃ الناس

ان دونوں سورتوں کو ''معوذتین'' بھی کہا جاتا ہے۔ سورۃ الفلق چار اور سورۃ الناس میں انسانوں کے ایک مخالف اور دشمن کا ذکر ہے۔ سورۃ الفلق میں:

۱- کوئی بھی مخلوق کسی بھی وقت ضرر پہنچا سکتی ہے پس اس کے شر سے بچنے کے لیے اللہ کی پناہ لی جائے۔

۲- رات جب چھا جائے اور چاند راتوں میں چاند بھی غروب ہو جائے اور باہر نکلیں تو کسی بھی چیز سے ضرر پہنچ سکتا ہے، اندھیرے میں کیا پتہ چلے گا پس ان سے اللہ ہی محفوظ رکھیں گے۔

۳- جادوگر کے شر سے بھی اللہ ہی بچا سکتے ہیں، وہ جادو کے ذریعہ انسان کو تباہ کر دیتے ہیں۔

۴- حاسدین جب حسد پر اتر آئیں تو اللہ کی پناہ! وہ کچھ بھی کر سکتے ہیں۔ ان چار کے ضرر سے بچنے کی صرف یہی صورت ہے کہ رات کی تاریکی ختم کر کے صبح کی روشنی نمودار کرنے والے کی پناہ لی جائے، اور پانچواں سب سے بڑا دشمن شیطان ہے، اس سے بھی زبردست اللہ ہی بچا سکتے ہیں، اس کا ذکر سورۃ الناس میں ہے۔

آیاتها ۵ — سُوْرَةُ الْفَلَقِ مَدَنِيَّة — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ الْفَلَقِ ۙ﴿۱﴾ مِنْ شَرِّ مَا خَلَقَ ۙ﴿۲﴾ وَمِنْ شَرِّ غَاسِقٍ اِذَا وَقَبَ ۙ﴿۳﴾ وَمِنْ شَرِّ النَّفّٰثٰتِ فِى الْعُقَدِ ۙ﴿۴﴾ وَمِنْ شَرِّ حَاسِدٍ اِذَا حَسَدَ ﴿۵﴾ ع

اس سورت میں رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو سکھایا گیا ہے کہ ہر قسم کی بدی سے محفوظ رہنے کے لیے صرف اور صرف اللہ کی پناہ لینی چاہیے، وہی سب کا خالق و مالک ہے۔ کوئی بھی جادو وغیرہ اُس کے حکم کے مقابلے میں کوئی حیثیت نہیں رکھتا۔ اسی طرح حاسدین کے حسد سے بھی پناہ مانگنے کا حکم ہے۔



آیاتها ۶ — سُوْرَةُ النَّاسِ مَدَنِيَّة — رکوعها ۱

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ اَعُوْذُ بِرَبِّ النَّاسِ ۙ﴿۱﴾ مَلِكِ النَّاسِ ۙ﴿۲﴾ اِلٰهِ النَّاسِ ۙ﴿۳﴾
مِنْ شَرِّ الْوَسْوَاسِ ۙ الْخَنَّاسِ ۪ۙ﴿۴﴾ الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ﴿۵﴾
الَّذِىْ يُوَسْوِسُ فِىْ صُدُوْرِ النَّاسِ ۙ﴿۵﴾

رسول اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم کو اللہ کی پناہ لینے کا حکم اس سورت میں بھی وارد ہے کہ وہی خدا تمام لوگوں کا رب ہے، سب کا بادشاہ ہے، سب کا معبود ہے، لہٰذا وسوسہ ڈالنے والے یعنی شیطان کے شر سے اللہ کی پناہ طلب کیجیے۔



تعارف مؤلف

نام: بدرالاسلام

ولدیت: حضرت مولانا محمد اسلام صاحب قاسمیؒ
(استاذ حدیث وادب، دارالعلوم وقف، دیوبند)

ولادت: ۴؍دسمبر ۱۹۸۶ء دیوبند

تعلیم: تکمیل حفظ: جامعہ قاسمیہ دارالتعلیم والصنعۃ، دیوبند
عربی اوّل تا عربی پنجم: جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند
عربی ششم تا دورۂ حدیث: دارالعلوم وقف دیوبند
فراغت: ۲۰۰۹-۲۰۱۰ء

تدریس: جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند ۲۰۱۰ء تا حال

غیر تدریسی مشغولیات: گرافکس ڈیزائننگ و پرنٹنگ

تحریری خدمات:

نغمات حسنہ (ترتیب)
آسان فقہی اصطلاحات (ترتیب)
فتح المغیث شرح اردو الفیۃ الحدیث (تالیف)
تحفۂ مدرّسین (اضافہ وترتیب)
جامع خلاصۃ القرآن رکوع بہ رکوع (تالیف)
آسان لغات القرآن ضمیمہ معارف القرآن (تالیف)
نیک اولاد کی تربیت کے لیے ۱۱۰؍قیمتی نصیحتیں (ترجمہ)
نورالاصباح شرح اردو نورالایضاح (اضافہ وترتیب)
بچوں کے اسلامی آداب (اضافہ وترتیب)
جنّت میں لے جانے والے چالیس اعمال (ترتیب)

سورۂ حجرات کے ۶۰ رفوائد	(ترمیم وتحشیہ)
سیرت نبوی قرآن مجید کے آئینے میں	(تحشیہ)
مشکوٰۃ الآثار	(تحشیہ)
الفیۃ الحدیث	(تحشیہ)
باادب بانصیب	(تحقیق وتخریج)
روح کی بیماریاں اوران کا علاج	(تحقیق وتخریج)
ایمان ویقین کے تقاضے	(تحقیق وتخریج)

زیر تصنیف کتب وحواشی:

سوانح حیات حضرت مولانا محمد اسلام قاسمی علیہ الرحمہ (تصنیف)

قصص القرآن: قاضی زین العابدین سجاد میرٹھی (تحشیہ)

تاریخ الاحکام	(تحشیہ)
کتاب الاصطلاحات	(ترتیب)
بچوں کا اسلامی انسائیکلوپیڈیا	(تالیف)
خواتین کے فکری مسائل	(تالیف)
شرح اردو ریاض الصالحین	(تالیف)

فہرست مطبوعات و مثل مطبوعات

مکتبہ النور دیوبند

Mob. 9456422412, 9045909066

نام کتاب	مصنّف
آسان فقہی اصطلاحات	بدرالاسلام قاسمی
آئینۂ وقت (مجموعہ تقاریر)	مولانا محمد یاسر قاسمی ممبئی
اولاد کی تربیت کے لیے ۱۱۰ قیمتی نصیحتیں	مجاہد مامون / مترجم: بدرالاسلام قاسمی
ارکانِ اسلام	مولانا محمد عمران اشرف عثمانی
الفاظِ طلاق کے اصول	مفتی شعیب عالم صاحب
اعمالِ قرآنی (جدید کتابت مع تسہیل)	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
اغلاط العوام (جدید کتابت)	حضرت مولانا اشرف علی تھانویؒ
الفِتَن اردو ترجمہ علاماتِ قیامت	ترجمہ: حضرت مولانا عبدالرشید بستویؒ
ایمان و یقین کے تقاضے	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
باادب بانصیب (تخریج شدہ ایڈیشن)	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
بچوں کے اسلامی آداب	مولانا ارشاد احمد فاروقی / بدرالاسلام قاسمی
بیاناتِ حنیف (اوّل، دوم)	حضرت مولانا قاری محمد حنیف ملتانی
تحفۂ مدرسین (آپ تدریس ایسے کریں)	سیّد عبدالرشید بن مقصود ہاشمی / بدرالاسلام قاسمی
تحفۃ المفتی	مولانا مفتی محمد شفیع عثمانی / مفتی محمد زید مظاہری
تصوف یہ ہے!	ڈاکٹر تابش مہدی صاحب
پھول کچھ میں نے چنے	حضرت مولانا شیث احمد مظاہری
حیاتِ طیبہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک نظر میں	حضرت مولانا خالد سیف اللہ رحمانی

خانوادۂ قاسمی اور دارالعلوم دیوبند	حضرت مولانا محمد اسلام قاسمیؒ
دارالعلوم دیوبند اور حکیم الاسلام قاری محمد طیبؒ	حضرت مولانا محمد اسلام قاسمیؒ
درخشاں ستارے	حضرت مولانا محمد اسلام قاسمیؒ
داستاں کہتے کہتے (مجموعہ مضامین)	حضرت مولانا ابن الحسن عباسی صاحبؒ
دانائے سبل (مجموعہ نعتیہ کلام)	ڈاکٹر تابش مہدی
رحمتِ تمام (مجموعہ نعتیہ کلام)	ڈاکٹر تابش مہدی
روح کی بیماریاں اور ان کا علاج (تخریج شدہ)	حضرت مولانا حکیم محمد اختر صاحبؒ
سورۂ حجرات کے ساتھ فوائد	حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی
سیرت نبوی قرآن کے آئینے میں	مولانا عبدالماجد دریابادیؒ
سیرت المصطفیٰ (۳ر جلدیں)	حضرت مولانا محمد ادریس کاندھلویؒ
قلم نما (مجموعہ مضامین)	حضرت مولانا ابن الحسن عباسی صاحبؒ
کامیاب طالبِ علم	مولانا محمد روح اللہ نقشبندی
کتاب المعاملات	مولانا محمد عمران اشرف عثمانی
گفتگو سے دل جیتئے	مولانا حماد حسین رمولانا محمد وصی فصیح بٹ
گوشۂ تنہائی (مجموعۂ کلام)	حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی مدظلہ
لسان القرآن	شیخ عامر سہیل رمفتی عمر اعجاز قاسمی
معلم انسانیت صلی اللہ علیہ وسلم	ڈاکٹر تابش مہدی
مرشد تھانویؒ	ڈاکٹر تابش مہدی
نغمات حسنہ (اضافہ شدہ ایڈیشن)	بدرالاسلام وفرید الزماں
نورالاصباح جدید شرح اردو نورالایضاح	حضرت مولانا سیّد محمد میاں صاحب دیوبندیؒ
یادگارِ زمانہ شخصیات کا احوالِ مطالعہ (الخیل مطالعہ نمبر)	حضرت مولانا ابن الحسن عباسیؒ

سورۂ حجرات کے ۶۰ ساٹھ فوائد

مقام نبوت — مقام صحابہؓ — مقام انسانیت

مقام اخوت — ایمان اور اسلام

افادات

محبوب العلماء والصلحاء

حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

مرتب

فقیر ڈاکٹر شاہد محمود نقشبندی

ترمیم وتحشیہ

بدر الاسلام قاسمی

استاذ جامعہ امام محمد انور شاہ دیوبند

ناشر

مکتبۃ النور دیوبند

تفسیری نکات

آخری دس سورتوں کی تفسیر

افادات

محبوب العلماء والصلحاء
حضرت مولانا پیر ذوالفقار احمد نقشبندی مدظلہ

ناشر
مکتبۃ النور دیوبند